ادبی صحافت اور 'ذہن جدید': ایک تنقیدی مطالعہ

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

مقالہ نگار

وقاص محمود

نگراں

پروفیسر معین الدین جینابڑے

ہندوستانی زبانوں کا مرکز

اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۶۷

۲۰۲۲

Dated: 25 /02 /2022

Declaration

I hereby declare that the Ph.D. thesis entitled **ADABI SAHAFAT AUR "ZEHN E JADID" : EK TANQUIDI MUTALA'A LITERARY JOURNALISM AND "ZEHN E JADID" : A CRITICAL STUDY** submitted by me is the original research work.It has not been previously submitted for any other degree in this or any other University/ Institution to the best of my knowledge.

I further declare that no plagiarism has been committed in my work. If anything is found plagiarised in my Thesis, I will be solely responsible for the act.

Waqqas

Waqqas Mahmood
Name of Students

Scanned with CamScanner

जवाहरलाल नेहरू विश्वविद्यालय
JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY
भारतीय भाषा केन्द्र
Centre of Indian Languages
भाषा, साहित्य एवं संस्कृति अध्ययन संस्थान
School of Language, Literature & Culture Studies
नई दिल्ली–110067, भारत NEW DELHI-110067, INDIA

Dated: 25 /02 /2022

Certificate

This is to certify that the Mr. **Waqqas Mahmood**, a bona-fide Research Scholar of Centre of Indian Languages, SLL&CS has fulfilled all the requirements as per the University Ordinance for the submission of Ph.D. thesis entitled **"ADABI SAHAFAT AUR "ZEHN E JADID" : EK TANQUIDI MUTALA'A" LITERARY JOURNALISM AND "ZEHN E JADID" : A CRITICAL STUDY**

This may be placed before the examiners for evaluation for the award of the degree of Ph.D.

23/2/2022
Prof. Moinuddin A. Jinabade
(Supervisor)
CIL/SLL&CS/JNU

Dr. MOINUDDIN A. JINABADE
Professor
Centre for Indian Languages
School of Languages
Jawaharlal Nehru University
New Delhi - 110067

Prof. Omprakash Singh
(Chairperson)
CIL/SLL&CS/JNU

अध्यक्ष / Chairperson
भारतीय भाषा केन्द्र / CIL
भा. सा. एवं सं. अ. सं. / SLL & CS
ज. ने. वि. / J.N.U
नई दिल्ली / New Delhi-110067

GRAM: JAYENU, Tel.: (91-011) 26741557, 26742676 Extn.: 4217, (D) 26704217; Telefax (91-011) 26704217;
Email: chair_cil@mail.jnu.ac.in, jnucil@gmail.com

Scanned with CamScanner

فہرست

پیش لفظ

باب اول: ادبی صحافت: تعریف امتیاز و روایت 02

I. صحافت کی اقسام

II. ادبی صحافت: تعریف و امتیازات

III. اردو میں ادبی صحافت: روداد

باب دوم: تعارف: مرتب و رسالہ 'ذہن جدید' 81

i. زبیر رضوی

1. سوانحی کوائف

2. ادبی کوائف

ii. 'ذہن جدید'

1. اغراض و مقاصد

2. اجرا کی روداد

باب سوم: اردو تنقید اور 'ذہن جدید' 148

I. معاصر تنقیدی منظر نامہ اور 'ذہن جدید'

II. کلاسیکی ادب کی تنقید اور 'ذہن جدید'

باب چہارم: تخلیقی ادب اور 'ذہن جدید' 208

I. معاصر شعری منظر نامہ اور (غزل) 'ذہن جدید'

II. معاصر شعری منظر نامہ اور (نظم) 'ذہن جدید'

III. معاصر فکشن اور 'ذہن جدید'

باب پنجم: فنون لطیفہ اور 'ذہن جدید' 401

I. تھیٹر

II. فلم

III. دیگر

باب ششم: اداریے اور 'ذہن جدید فورم' 462

I. 'ذہن جدید' کے اداریے

II. 'ذہن جدید فورم'

ماحصل 493

کتابیات

پیش لفظ

ادب کے فروغ اور اسے عوامی قبولیت کی سند عطا کرنے میں ادبی صحافت کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ ادبی صحافت، ادب کی تخلیق کردہ نگارشات کو حلقہ قارئین عطا کر کے ادیب و ادب اور قاری کے درمیان ایک پل کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ تازہ افسانے، غزلیں، نظمیں، تنقیدی مضامین ،اداریے، ادبی صورتحال پر تبصرے،نئے ادبی رویوں، تخلیقی تجربوں نیز تکنیک و ہیئت میں آنے والی تبدیلیوں کی مختلف شکلیں قارئین تک ادبی صحافت کے ذریعہ رسائی پاتی ہیں۔ ان معنوں میں ادب کی پرورش اور ادبی تسلسل و تخلیقی تحرک کے لیے ادبی صحافت ناگزیر ہو جاتی ہے۔

اردو کی ادبی صحافت کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو اس کے نمونے ہمیں ابتدائی اخباروں اور گلدستوں میں نظر آنے لگتے ہیں، لیکن جہاں تک رسائل و جرائد کا معاملہ ہے تو 'خیر خواہ ہند' کو اردو کا پہلا رسالہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اگرچہ اس رسالے کا مقصد عیسائی مذہب کی تبلیغ تھا، لیکن اس رسالے میں معلوماتی، تاریخی،مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ بیسویں صدی کے آتے آتے اردو کی ادبی صحافت ایک معتبر وجود سے ہم آہنگ ہونے لگی تھی۔ آزادی سے قبل 'مخزن'، 'زمانہ'، 'اردوے معلیٰ'، 'عصمت'، 'معارف'، 'ساقی'، 'شاعر'، 'ادب لطیف' اور 'سب رس' جیسے رسالوں نے ادبی صحافت کی اس روایت کو استحکام بخشا۔ آزادی کے بعد 'کاروان ادب'، 'اردو ادب'، 'تحریک'، 'آجکل'، 'نیا دور'، 'سوغات'، 'کتاب نما'، 'فکر و نظر'، 'شب خون'، 'شعر و حکمت'، 'عصری ادب'، 'عالمی اردو ادب'، 'تکمیل'، 'پیش رو' وغیرہ جیسے رسائل نے اس روایت کو مزید آگے بڑھانے میں اپنی خدمات انجام دیں۔ ۸۰ کی دہائی ختم ہوتے ہوتے ادبی صحافت کی تاریخ میں ایک سناٹا سا قائم ہو گیا تھا، 'شاعر'، 'آجکل'، 'نیا دور'، 'شب خون'، 'جواز'، 'عصری

ادب'، اور 'الفاظ' کو چھوڑ کر کوئی قابل ذکر رسالہ نہیں بچا تھا۔ ایسے میں 'ذہن جدید' کی اشاعت عمل میں آئی، جس کی گونج چہار جانب سنائی دی۔

ذہن جدید (ستمبر تا نومبر) کا پہلا شمارہ ۱۹۹۰ میں شائع ہوا۔ اس رسالے کو ہمہ جہت شخصیت کے مالک زبیر رضوی نے نکالا۔ اس کی مدیرہ زبیر رضوی کی شریک حیات جمشید جہاں تھیں۔ ادب، آرٹ اور کلچر کے ترجمان کے طور پر اس رسالہ نے ادبی صحافت میں ایک نئی طرح ڈالی اور دھیرے دھیرے یہ بڑی زبان کا زندہ رسالہ بن گیا۔ اپنے پہلے ہی شمارے میں سوویت یونین پر مذاکرہ کر کے اس نے یہ پیغام دے دیا کہ ہم عصر ادب کا مطلب صرف افسانہ، غزل، نظم اور تنقید ہی نہیں بلکہ ہم عصر دنیا کے سیاسی و سماجی سروکار بھی ادب کا حصہ ہیں۔ فنون لطیفہ کی مختلف شاخوں، رقص، موسیقی، ڈراما، تھیٹر، اوپیرا، مصوری، فلم وغیرہ پر معلوماتی مضامین شائع کر کے ادبی صحافت کو ایک نئی جہت دی اور اس طرح ایک بڑا حلقہ اس رسالے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے ساتھ ہی اردو افسانوں پر بھی اس رسالے نے قابل قدر توجہ مرکوز کی۔ کئی ادیبوں نے ذہن جدید سے ہی ادبی حلقہ میں شاخت حاصل کی۔ اس رسالے نے پرانے لکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی، نئے لکھنے والوں کو دریافت کیا اور ان کی خاطر خواہ حوصلہ افزائی بھی کی۔

پیش نظر مقالہ تنقیدی نوعیت کا ہے، میرے علم کے مطابق اردو میں اس موضوع پر کوئی تحقیقی کام اب تک نہیں ہوا ہے۔ البتہ زاہد احسن نے پروفیسر شمس الحق عثمانی کی نگرانی میں جامعہ ملیہ اسلامیہ سے "سہ ماہی 'ذہن جدید' کا توضیحی اشاریہ' کے نام سے ایم۔ فل کی ڈگری حاصل کی ہے۔ انھوں نے اپنے اس مقالے میں ذہن جدید کے تیس شماروں کا توضیحی اشاریہ تیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ نورالاسلام نے ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی کی نگرانی میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی سے "رسالہ 'ذہن جدید' کا اشاریہ" کے عنوان سے سال ۲۰۱۰ میں ایم فل کی ڈگری حاصل کی ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے میں شمارہ ۱ تا ۵۶ کا اشاریہ تیار کیا ہے۔ دونوں ہی مقالات میرے مقالے سے قدرے مختلف ہیں، اور دونوں کا کام اشاریہ سازی پر مشتمل ہے۔

زیر نظر مقالے کو چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

باب اول "ادبی صحافت: تعریف امتیاز و روایت" میں ۳ ذیلی عنوان بنائے گئے ہیں۔ پہلے ذیلی عنوان کے تحت صحافت کی اقسام پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے نیز صحافت کی اہمیت و افادیت اور دور حاضر میں اس کی ضرورت پر

رائے قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دوسرے عنوان میں ادبی صحافت کی تعریف کرتے ہوئے اس کے امتیازات کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور آخری ذیلی عنوان اردو میں ادبی صحافت کی روداد سے متعلق ہے، جس میں اخباروں اور گلدستوں سے لے کر دور حاضر کی ادبی صحافت کے سفر پر بحث کی گئی ہے۔

باب دوم ''تعارف مرتب و رسالہ ذہن جدید'' میں ۲ ذیلی عنوان قائم کیے گئے ہیں۔ پہلا ذیلی عنوان مرتب رسالہ زبیر رضوی کے سوانحی کوائف اور ادبی کوائف پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا ذیلی عنوان رسالہ 'ذہن جدید' کے اغراض و مقاصد، ادبی صحافت میں اس کی اہمیت نیز اجرا کی روداد پر مشتمل ہے۔

باب سوم ''اردو تنقید اور 'ذہن جدید' میں ۲ ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ پہلے عنوان کے تحت اردو کے معاصر تنقیدی منظر نامہ پر بحث و مباحثہ کیا گیا ہے اور ذہن جدید نے کس طرح ان معاصر رویوں کو اپنی نگارشات میں جگہ دی ہے، ان پر بحث کی گئی ہے۔ دوسرے ذیلی عنوان کے تحت کلاسیکی ادب کی تنقید پر رائے قایم کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز ذہن جدید نے کلاسیکی تنقید کو کس طرح اپنے صفحات پر برتا ہے، انھیں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز دونوں عنوانات کے ضمن میں مباحثہ کے بعد ذہن جدید میں شائع ہوئی جملہ تنقیدی نگارشات کی فہرست سازی کرا نھیں اس مقالے میں جگہ دی گئی ہے تا کہ قارئین کی نظر میں بھی وہ ساری نگارشات آسکیں جن پر اس ایک مختصر سے مقالے میں بحث نہیں کی جا سکتی۔

باب چہارم '' تخلیقی ادب اور 'ذہن جدید'' میں ۳ ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ پہلے عنوانات کے تحت اردو کے معاصر شعری منظر نامے میں غزل پر بحث کی گئی ہے، کچھ غزلوں کا مطالعہ بھی شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے عنوان کے تحت اردو کے معاصر منظر نامے میں نظم کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ نیز ذہن جدید نے معاصر شعری روایت کو کس طرح اپنے صفحات پر برتا ہے، ان سے بحث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تیسرے عنوان کے ضمن میں ذہن جدید میں شائع فکشن پر بحث و مباحثہ کیا گیا ہے۔ نیز تینوں عنوانات کے تحت تخلیقی نگارشات جو ذہن جدید میں شائع ہوئی ہیں ان کی فہرست سازی کرا نھیں منسلک کیا گیا ہے۔

باب پنجم ''فنون لطیفہ اور 'ذہن جدید'' میں ۳ ذیلی عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔ پہلا عنوان تھیٹر کے تعلق سے ہے جس میں ان مباحث کو شامل کیا گیا ہے کہ دور حاضر میں تھیٹر کی اہمیت و افادیت کیا ہے نیز اردو ادب میں اس کی کیا اہمیت ہے اور ذہن جدید نے تھیٹر کے تعلق سے کس طرح کے مضامین کو رسالے میں جگہ دی ہے۔

دوسرا حصہ فلم سے متعلق ہے جس میں فلم اور اردو کے رشتے پر گفتگو کرتے ہوئے ذہن جدید کے صفحات پر اس ضمن میں کس طرح کے مضامین شائع ہوئے ہیں ان پر بحث کی گئی ہے۔ اس باب کے آخری حصہ میں ذہن جدید کے پرچوں میں فنون لطیفہ کے ضمن میں شائع ہونے والی دیگر اصناف کے تعلق سے بحث و مباحثہ شامل ہے۔ نیز ان موضوعات پر جو تحریریں ذہن جدید میں شائع ہوئیں، ان کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔

باب ششم "اداریے اور 'ذہن جدید فورم" کو عنوان کے مطابق دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں سب سے پہلے ذہن جدید کے اداریوں پر بحث و مباحثہ شامل ہے۔ ذہن جدید نے اپنے ہم عصر رویوں کو اپنے اداریوں میں کس طرح برتا ہے، کن کن موضوعات پر اس ضمن میں قلم اٹھایا گیا ہے، جیسے موضوعات شامل بحث ہیں۔ آخری حصے میں ذہن جدید فورم سے قارئین کا تعارف کراتے ہوئے اس کے مقاصد بیان کیے گئے ہیں نیز اس فورم سے اردو ادب کو کس طرح فائدہ حاصل ہوا اور کس طرح کے ادبی پروگرام اس فورم نے منعقد کرائے جیسے موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

ان تمام ابواب کے اختتام کے بعد 'ماحصل' کے عنوان سے ایک سرخی قائم کی گئی ہے، جس میں کل مقالے میں شامل مواد کی تلخیص اور اس تحقیقی و تنقیدی کام کے مقاصد کو بیان کیا گیا ہے۔

اس تحقیقی و تنقیدی مقالے کے مواد کی فراہمی سے لے کر اس کی تکمیل تک جن حضرات کا تعاون شامل رہا ان کا شکریہ ادا کرنا میں اپنا اولین فریضہ تصور کرتا ہوں۔ سب سے پہلے اپنے مشفق استاد پروفیسر معین الدین جینابڑے کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قدم پر اپنے نیک اور مفید مشوروں سے میری رہنمائی کی جس کی وجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ مدیر رسالہ اور زبیر رضوی کی اہلیہ محترمہ جمشید جہاں (مرحومہ) کا بے حد مشکور و ممنون ہوں کہ بنیادی مواد کی فراہمی میں ان کا تعاون شامل رہا، ان کا بے حد شکریہ کہ انھوں نے بے پناہ محبتوں اور مادرانہ شفقتوں سے مجھے نوازا۔ زبیر رضوی کے بیٹے سید کامران رضوی (ایڈوکیٹ) کا بے حد مشکور ہوں کہ انھوں نے بہت سے مواقع پر میری رہنمائی فرمائی اور اپنے قیمتی وقت میں سے ہمیشہ میرے لیے وقت نکالا۔ اسی کے ساتھ میں اپنے شعبہ کے دیگر اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری ہمت افزائی کی اور گاہے بہ گاہے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازہ۔

میں اپنے ان دوستوں اور ساتھیوں بالخصوص پرینکا گپتا، تفسیر فدا حسین، ابو بکر، محمد مظہر حیات، اور محمد عاطف نثار نجمی کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے مواد کی فراہمی سے لے کر مقالے کی تکمیل تک کسی نہ کسی سطح پر میری مدد کی۔

آخر میں اپنے والدین ماجدین کا شکر گزار ہوں، جن کی محبت، شفقت اور دعاؤں سے میرا دامن ہمیشہ بھرا رہا۔

وقاص محمود
ہندوستانی زبانوں کا مرکز
جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی۔

باب اول

ادبی صحافت: تعریف، امتیاز و روایت

i. صحافت کی اقسام

ii. ادبی صحافت: تعریف و امتیازات

iii. اردو میں ادبی صحافت کی روداد

صحافت کی اقسام

انسانی نفسیات میں خبر بنیادی حیثیت کی حامل ہے خواہ وہ شعوری طور پر ہو یا غیر شعوری۔ قدرت نے تلاش و جستجو نیز آس پاس کے ماحول کی خبر گیری کو اس کے جین میں بنیادی طور پر شامل کیا ہے۔ تلاش و جستجو کا یہی جذبہ آج نئی تکنیک کی مدد سے جدید صحافت کی شکل میں ہم سب کے سامنے موجود ہے۔ آج انسان جو زندگی کے ہر میدان میں ترقی کی منازل استقامت کے ساتھ طے کر رہا ہے اس میں صحافت نے کلیدی رول ادا کیا ہے۔ ہنر کے میدان میں صحافت سابقہ دو صدیوں سے ایک بڑے پروفیشن اور بزنس کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ ایسا سیاسی، سماجی و اقتصادی ترقی کے ساتھ تکنیکی اشتراک سے ممکن ہو سکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جنگ آزادی سے قبل کی صحافت پروفیشنلزم کے زمرے میں شامل نہیں۔

صحافت نے انسانی زندگی کے ہر شعبے کو براہ راست متاثر کیا ہے۔ انفارمیشن و ٹکنالوجی کے اس دور میں ریڈیو، ٹیلی ویژن اور اب انٹرنیٹ کے ذریعہ برق رفتاری پیدا ہوئی ہے جو اس کرۂ ارض کو گلوبل ولیج (Global Village) کی شکل عطا کرتی ہے۔ آج ہر شعبہ میں نئے نئے تجربات و دریافتیں ہو رہی ہیں۔ ترقی کی رفتار نے انسانی زندگی کی رفتار کو بھی پیش پیش کیا ہے اسی لیے آج کا قاری، سامع و ناظر چاہتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ جانکاری کم وقت اور کم الفاظ میں اسے حاصل ہو سکے۔ کسی معاشرے کی ترقی کے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ اسے تازہ ترین واقعات کی اطلاعات فوری طور پر ملتی رہیں۔ زندگی کی اس رفتار نیز صحافت کی برقی گوناگوں صفات کے باوجود جب بھی صحافت کا ذکر آتا ہے تو ذہن کے پردے پر اخبارات و رسائل کی تصویریں نمودار ہوتی ہیں کہ جو مزہ اخبارات و رسائل پڑھنے کا ہے وہ کسی دوسرے ذرائع میں کہاں۔

صحافت عربی زبان کے لفظ ''صحف'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی کتاب، صحفہ یا رسالہ کے ہیں۔ اصطلاحی طور پر ایسا مطبوعہ مواد جو مقررہ وقت میں شائع ہوتا ہے صحافت کہلاتا ہے۔ اردو، عربی اور فارسی میں یہی اصطلاح رائج

ہے۔انگریزی میں صحافت کو جرنلزم(Journalism) سے موسوم کیا گیا ہے جو لفظ جرنل(Journal) سے ماخوذ ہے۔انگریزی کے الفاظ ‏Journalism‏، ‏Journalist‏ اور ‏Journal‏ فرانسیسی زبان کے لفظ(Journal) جرنال سے مستعار ہیں۔ فرانسیسی زبان میں یہ لفظ لاطینی زبان کے الفاظ ‏Daily‏ یا ‏Diurnalis‏ دیورنالس سے آئے ہیں۔ا

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں صحافت کے معنی اس طرح دیئے گئے ہیں۔ ”جدید عربی میں اخبار کے لیے ”جریدہ“ کی اصطلاح مستعمل ہے۔ اس کا مترادف صحیفہ ہے جو بصورت واحد کم استعمال ہوتا ہے لیکن اس کی جمع ”صحف“ کا استعمال جرائد کی بہ نسبت عام ہے۔“اردو انسائیکلوپیڈیا (جلد سوم) میں صحافت کا مفہوم یوں ہے:۔ ”اخبارات و رسائل اور خبر رساں اداروں کے لیے خبروں اور خبروں پر تبصروں وغیرہ کی تیاری کو صحافت کا نام دیا جاتا ہے“اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق ”صحیفہ کے لغوی معنی وہ چیز ہے جس پر لکھا جاسکے۔ پروفیسر عبدالسلام خورشید نے اپنی کتاب ”فن صحافت“ میں لکھا ہے کہ: ”صحیفے سے مرید ایسا مطبوعہ مواد ہے جو مقررہ وقفوں کے بعد شائع ہوتا ہے، چنانچہ تمام اخبارات و رسائل صحیفے ہیں اور جو لوگ اس کی ترتیب و تحسین اور تحریر سے وابستہ ہیں انھیں صحافی کہا جاتا ہے اور ان کے پیشے کو ”صحافت“ کا نام دیا گیا ہے۔

انگریزی کی ایک کتاب ”صحافت: ایک تعارف“ میں لیزی اسٹفین نے صحافت کی تعریف اس طرح کی ہے ”صحافت ان معاملات کو ضبط تحریر میں لا کر استفادہ کرنے کا نام ہے، جن کے بارے میں آپ کچھ نہیں جانتے۔“ انگریزی کے معروف رسالے ”ٹائم“ کے ایرک ہو جنز کے خیال میں ”صحافت، معلومات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دیانت، بصیرت اور رسائی سے ایسے انداز میں پہنچانے کا نام ہے، جس میں سچ کی بالادستی ہو۔“ ۲

درج بالا تعریفات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ صحافت کسی بھی معاملے کے بارے میں تحقیق یا پھر سامعین تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے بشرطیکہ اس سارے کام میں نہایت ایمانداری اور مخلص پن کا عنصر ضرور موجود ہو۔ صحافت نام ہے لوگوں کی رہنمائی کرنے کا۔ صحافت نام ہے تبصروں کے ذریعہ عوام الناس کو حقائق سے روشناس کرانے کا۔ صحافت کا بنیادی کام، حالات حاضرہ کے ابلاغ اور اس کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کرنا اور معاشرہ کو صحیح راہ دکھانا ہے۔ یوں صحافت حیات انسانی کی منجدھار کی سمت اور اس کے مختلف پہلوں کی نشاندہی کرتی ہے، اس میں جذب ہو کر نہیں بلکہ علم، ادراک اور تجربہ کی بنیاد پر۔

آج کا دور سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی ترقی یافتہ انسانی زندگی کا ایک ایسا جز بن گیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی محال نظر آتی ہے۔ روز دنیا میں نئی ایجادات و دریافتیں ہو رہی ہیں جس کے نتیجہ میں زندگی کے تمام شعبوں میں غیر معمولی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں۔ ابتداً خبر رسانی کے لیے بادشاہوں و حکمرانوں کو ملکی حالات سے باخبر رکھنے کے لیے ہر کاروں اور وقائع نگاروں کی ضرورت ہوتی تھی جن سے صرف اہل اقتدار ہی مستفید ہوتے تھے لیکن آج کے دور نے ترسیل و ابلاغ کے میدان میں جو ترقی حاصل کی ہے اس سے ایک عام انسان بھی اپنے آس پاس کے حالات سے باخبر رہتا ہے، وہ انگلیوں کی ایک حرکت سے دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھ کر دوسرے گوشے کی خبریں بآسانی چند لمحات میں حاصل کر لیتا ہے۔ ترسیل وابلاغ کا عمل آج کتبوں کی حدود سے باہر نکل کر اخبارات کے راستے ہوتے ہوئے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے حدود میں داخل ہو گیا ہے جہاں ہر کاروں اور وقائع نگاروں کی جگہ صحافی اس میدان میں اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

موجودہ دور میں صحافت کی کئی جہتیں ہیں۔ لہذا ذرائع (Medium) کے اعتبار سے اسے دو واضح حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(ا) مطبوعاتی/مطبوعہ صحافت (Press/Printed Journalism)

(۲) برقی صحافت (Electronic Journalism)

مطبوعاتی/مطبوعہ صحافت:

صحافت کی ترسیل و اشاعت جب مطبوعہ شکل میں اخبارات و رسائل کے ذریعہ انجام پاتی ہے تو اسے ہم مطبوعاتی/مطبوعہ صحافت یا پریس جرنلزم کہتے ہیں۔ آکسفورڈ لغت کے مطابق مطبوعاتی صحافت، صحافت کی اس شکل کو کہتے ہیں جو مطبوعہ شکل میں ہو یعنی مشین کے ذریعہ برقی مدد سے کسی بھی لکھی ہوئی تحریر یا تصویر کے ذریعہ جب ترسیل کی جائے تو وہ مطبوعہ صحافت ہے۔ جس میں سیاہی اور ورق کا تو استعمال ہوا ہو لیکن وہ ہاتھ سے لکھی گئی تحریر نہ ہو بلکہ مطبوعہ ہو۔

جی کے پری اپنی کتاب جرنلزم میں لکھتے ہیں:

The print media which Journalist serve is known

collectively as the press۔[۳]

یعنی صحافت کے لیے جب مطبوعاتی وسائل سے کام لیا جاتا ہے تو اسے 'پریس' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مطبوعہ صحافت میں اخبارات اور علمی و ادبی رسالے اور دور حاضر میں پوسٹرز، اسٹکرز اور ہینڈ بلز اور ٹی بورڈز کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں اخبارات و رسائل زیر بحث ہوں گے۔

اخبارات:

اخبار 'خبر' کی جمع ہے۔ خبر کی تعریف مختلف ماہرین نے اپنے اپنے طور پر کی ہے۔ صحافت کے باوا آدم لارڈ نارتھ کلف نے صحافت کی تعریف یوں کی ہے۔

"کوئی بھی غیر معمولی واقعہ خبر ہے جبکہ عام واقعہ خبر نہیں"[۴]

امریکی صحافی جان لی بو گارڈ یوں بیان کرتے ہیں۔

"اگر کتا انسان کو کاٹے تو وہ خبر نہیں' البتہ انسان کتے کو کاٹے تو خبر ہے"[۵]

احمد نسیم سندیلوی کئی تعریفات کے مرکبات کو یکجا کر کے یوں بیان کرتے ہیں:

"خبر کسی ایسے واقعے کا بیان ہے جو نیا ہو، عمومی دلچسپی کا باعث ہو، تازہ ہو۔ پہلے سے کسی کو معلوم نہ ہو، جو متحیر کرے۔ جس میں کاملیت ہو پڑھنے والا تشنہ نہ رہے۔ اس کے بیان میں عصبیت نہ ہو جو اخبار یا جریدے میں شائع کرنے کے قابل ہو اور جس کی اشاعت سے کسی کی تضحیک یا تذلیل نہ ہوتی ہو"[۶]

غرض یہ کہ کوئی بھی واقعہ جو غیر معمولی ہو، جس کے جاننے میں عوام کی دلچسپی ہو وہ خبر کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔ اخبارات میں اسی طرح کے واقعات و حادثات جگہ پاتے ہیں اور خبر بنتے ہیں۔

اس طرح پتہ چلتا ہے کہ اخبار خبروں کا مجموعہ ہے۔ جو متعینہ مدت میں کسی ادارہ یا تنظیم کے ذریعہ مطبوعہ شکل میں شائع ہوتا ہے۔ جس میں علاقائی، مقامی اور بین الاقوامی خبریں، حالات حاضرہ پر تبصرے، اداریے، مضامین اور دیگر کالم شائع ہوتے ہیں۔ یعنی اخبار ایک ایسے جریدے کو کہتے ہیں جس کا کام حالیہ تازہ واقعات و سانحات کی خبریں عوام تک پہنچانا ہے۔ خبروں کے ذریعہ ایک عام انسان ہی نہیں خواص بھی اپنے آپ کو اپنے اطراف، قومی و بین الاقوامی حالات سے نہ صرف باخبر رکھتے ہیں بلکہ اس کے ذریعہ اہم صداقتیں بھی حاصل کرتے ہیں۔ اخباروں میں شائع مختلف طرح کے مضامین کے ذریعہ اپنے علم میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس طرح اخبار انسانی علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ شخصیت کو نکھارنے کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔ کے پی نارائن لکھتے ہیں:

"اخبارات عوام کے نظریات و خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔اور عوام تک اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں۔ساتھ ہی ساتھ ان اطلاعات کی بنیاد پر اہم معاملات اور ضروری مسائل پیش کرتے ہیں اور ان سب کی بنیاد پر عوامی شعور کی تربیت کرتے ہیں۔"؎

روز ازل سے انسان کے اندر اپنے گردو پیش کے حالات کو جاننے کی خواہش رہی ہے۔اسے جاننے کے طریقے انسانی سماج کی ترقی کے ساتھ بدلتے رہے ہیں جہاں پہلے ہرکاروں اورواقعہ نویسوں کے ذریعہ حکمراں طبقہ اپنے آپ کو واقعات سے باخبر کرتا تھا وہیں عام انسان ایک دوسرے کی زبانی ہی دوسروں کے حالات سے آگاہی حاصل کرتے تھے۔دوسروں کے حالات سے آگہی کی للک نے ہی صحافت کو جنم دیا۔زبانی یا رقعوں سے نکلی ہوئی خبریں اخبارات کی زینت بنیں اور آج کے دور میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ کا سامان بنیں۔

دور جدید میں خبر رسانی کے ذرائع میں تکنیک کی مدد سے خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔اخبارات عوام کے لیے آنکھ اور کان کا کام کرتے ہیں۔ جن کے ذریعہ عوام نا صرف حالات سے باخبر ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنے مفاد کا تحفظ بھی کرتے ہیں۔ اخبارات کئی طرح کے ہوتے ہیں خواہ وہ موضوع کی مناسبت سے ہوں یا معینہ مدت کی بنیاد پر۔ معینہ مدت کی مناسبت سے تین طرح کے اخبارات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

روزنامہ:

روزنامہ ایسا اخبار ہے جو روزانہ شائع ہوتا ہے۔اس اخبار کی مدت ایک دن ہوتی ہے۔یہ ایسا اخبار ہے جس کا تعلق بنیادی طور پر صرف خبر و اطلاعات کی ترسیل ہے۔یہ روزانہ پیش آنے والے واقعات و سانحات کی ترجمانی کرتا ہے۔ان واقعات و سانحات کا تعلق کسی بھی میدان سے ہو سکتا ہے خواہ وہ عدلیہ،مقننہ سے متعلق معاملہ ہو یا ملک کے سیاسی،سماجی و اقتصادی حالات سے اس کا تعلق ہو۔اس میں کھیل سے جڑی ہوئی خبر ہو یا فلم سے جڑی ہوئی۔غرض یہ کہ اس اخبار میں ہر وہ اطلاع ہو سکتی ہے جو خبر کے درجے پر فائز ہوتی ہو۔

اخبارات کسی تنظیم،ادارے یا ذاتی شخصیات کے تحت شائع ہوتے ہیں چنانچہ ان اخبارات کی خبروں میں متعلقہ تنظیم،ادارے یا شخصیت کے نظریات حاوی ہوتے ہیں۔حالانکہ روزنامہ میں اس کی گنجائش کم ہوتی ہے، لیکن تغیر زمانہ کے ساتھ ہی یہ وصف اب روزناموں کا بھی خاصہ ہے۔یہ صرف اداریئے یا محض ایک دو مضامین نہیں ہوتے جو قارئین پر اپنی رائے کو حاوی کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ وہ وہی خبر شائع کرتے ہیں یا خام مواد کو

اسی شکل میں ڈھالتے ہیں جو ان کا نظریہ ہوتا ہے اور جو حکمراں طبقہ کرانا چاہتا ہے۔ جو عوام ان کے نظریہ کی تائید کرتے ہیں وہی ان اخبارات کے قاری ہوتے ہیں۔ وہیں دوسرا طبقہ ایسا بھی ہے جو خبر کو خبر کی طرح ہی پیش کرتا ہے اور ایک قاری پر اپنے نظریات کو نہیں تھوپتا۔ اخلاقی طور پر ہونا یہ چاہئے کہ خبر کو خبر کی طرح ہی شائع کیا جائے ترسیل و ابلاغ کا ذریعہ چاہے جو ہو۔ چونکہ اخبارات کا مقصد حصول زر بھی ہوتا ہے اس لیے اس میں اشتہارات کی شمولیت بھی ہوتی ہے۔ یہ اشتہارات سرکاری اسکیموں کے بھی ہو سکتے ہیں یا تجارتی بھی۔ انھیں اشتہارات سے اخبارات نہ صرف اپنے تخمینہ کی ادائیگی کرتے ہیں بلکہ اسی کے ذریعہ وہ منافع بھی حاصل کرتے ہیں۔ دور حاضر میں خواہ وہ اخبار ہو، ریڈیو ہو یا ٹیلی ویژن وہ اشتہارات سے زیادہ بکی ہوئی خبروں کو شائع کرتے ہیں یعنی وہ خبروں کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں جو حکمراں طبقہ ان سے کرانا چاہتا ہے اور اس کے عوض بھاری رقم کی ادائیگی بھی ہوتی ہے۔

اخلاقی طور پر وہ بھی اس صورت میں جب میڈیا جمہوریت کے چوتھے ستون کی حیثیت رکھتا ہو، اس پر یہ فرض ہے کہ وہ خبر کو بعینہ مرسل الیہ تک پہنچائے۔ قاری پر اپنے نظریہ کو نہ تھوپے بلکہ خبر کو اس انداز میں پیش کرے کہ قاری خود بغیر کسی کشمکش و پیچ کے اصل خبر کو جان سکے۔

خبریں مختلف ذرائع سے اخبارات کے دفتر میں جمع کی جاتی ہیں۔ یہ کام اخبارات کے نمائندے کرتے ہیں۔ موضوع کے لحاظ سے مخصوص صحافی اس امر کو انجام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ خبریں نیوز ایجنسیوں سے بھی حاصل کی جاتی ہیں۔ اس طرح اخبار کے دفتر میں بہت ساری خبریں اکٹھی ہو جاتی ہیں اور پھر سب سے بڑا مسئلہ آتا ہے کہ ان جمع شدہ خبروں میں سے کس خبر کو لائق اشاعت بنایا جائے۔ ادارتی شعبہ کے ذریعہ یہ امر انجام دیا جاتا ہے۔ خبروں کو ان کی اہمیت کی بنیاد پر اخبارات میں جگہ کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو علیحدہ کر لیا جاتا ہے اور پھر انھیں لائق اشاعت بنایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں خبر کی اہمیت، صداقت، قربت و تازگی جیسے عناصر کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے۔ پھر اخبارات کی نوعیت، اس کی تعداد اشاعت، مقام اشاعت، اس کے صفحات کی تعداد وغیرہ کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور وہ ہے خبروں کی پیش کش کا طریقہ کار۔ دراصل اخبارات کے دفاتر میں جو خبریں آتی ہیں وہ خام مواد کی صورت میں ہوتی ہیں اور ان کی زبان ٹیلی گرافک ہوتی ہے۔ اسی خام مواد کو ایک قاری کے لیے دل چسپ بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے۔ جس میں سب سے زیادہ اہمیت خبر کی ہیڈنگ / سرخی کی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہی وہ سطر ہے جسے پڑھ کر قاری اپنی طبیعت، ذوق اور خبر کی اہمیت کے لحاظ سے اسے پڑھنے کے

لیے تیار ہوتا ہے۔اس کے علاوہ خبر کے پہلے حصے میں ہی خبر کی تلخیص پیش کر دی جاتی ہے تاکہ قاری پیش کردہ خبر کو پہلے ہی جان سکے۔ خبر میں زبان کی بڑی اہمیت ہے،سادہ زبان اور سادہ و واضح اسلوب کے ذریعہ ہی خبر تک بآسانی ایک قاری کی رسائی ہوتی ہے۔

ہفت روزہ:

یہ اخبارات کی دوسری قسم ہے جو روزناموں کی طرح روزانہ شائع نہیں ہوتے بلکہ ان کی اشاعت ہفتہ واری ہوتی ہے۔ چونکہ اخبارات کی یہ قسم ایک ہفتہ بعد شائع ہوتی ہے اس لیے اس میں خبروں کی تازگی ثانوی حیثیت کی حامل ہوتی ہے۔یہ اخبارات خبروں کی ترسیل و ابلاغ تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ یہ کام تو روزناموں کا ہوتا ہے۔ ان اخبارات میں خبروں کی جگہ واقعات و حادثات کے تفصیلی جائزے پیش کیے جاتے ہیں۔ یہاں اخبار سے منسلک تنظیم،ادارہ یا شخصیات کو یہ بھرپور موقع ہوتا ہے کہ وہ خبروں کو مضامین کی شکل میں اپنے نظریات کے تحت شائع کریں۔ مختلف صحافی ہفتہ بھر کی مختلف خبروں پر مختلف مضامین لکھتے ہیں۔ جن میں حقائق کو اس وقت کے معاشی، سیاسی اور سماجی حالات سے وابستہ کر کے ان کے عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا جاتا ہے کہ کیا حالات اس وقت در پیش ہیں۔ اور مستقبل میں اس کے کیا اثرات مرتب ہونے والے ہیں۔اس قسم کے اخباروں میں روزناموں کے بالمقابل سنیما، کھیل کود، ادب طنز و مزاح اور دیگر کالم بھی اکثر و بیشتر خاص طور پر شامل کیے جاتے ہیں۔ ایسے اخبارات میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے اداریوں کی ہوتی ہے جن میں منسلک ادارے کے نظریات نہایت ہی واضح طور پر سامنے آتے ہیں۔ڈاکٹر جاوید حیات اپنی کتاب ”مبادیات صحافت“ میں ہفت روزہ اخبارات کے عناصر یوں بیان کرتے ہیں:

(1) ”اہم واقعات و حادثات کے تفصیلی جائزوں پر مشتمل کراسینڈ ینٹس کی رپورٹ
(2) لیڈنگ آرٹیکل یعنی ایسے مضامین جن سے اخبارات کے اپنے نضریات و افکار کی تبلیغ ہو۔
(3) علمی اور انشائی مضامین
(4) سنیما، کھیل کود، کتابوں وغیرہ پر تبصرے یا ان سے متعلق مضامین
(5) اداریہ۔ ایسی مضمون نویسی یا مقالہ نگاری جس میں مدیر اپنی بالغ نظری، اپنے وسعت مطالعہ، اپنے ادراک و احساس اور اپنے مخصوص انداز فکر و نظر کی روشنی میں اپنے شب و روز اور گرد و پیش کی خبر

کو دلچسپ، وقیع اور پر اثرار انداز میں پیش کرتا ہے۔ اس لحاظ سے ہفت روزہ اخبارات کے اداریئے بھی روزنامہ کے اداریوں سے مختلف حیثیت رکھتے ہیں۔

(6) ہفتہ بھر کے چند اہم ملکی اور بین الاقوامی قسم کے واقعات اور عوامی دلچسپی سے متعلق معلوماتی خبروں کا مختصر تذکرہ۔"[۸]

پندرہ روزہ:

یہ اخبارات کی تیسری قسم ہے جو ہر پندرہ روز بعد شائع ہوتے ہیں۔ اس لیے ہفت روزہ اخباروں کی طرح ان میں بھی خبروں میں تازگی لازمی عنصر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہاں خبریں مضامین کی شکل میں قاری کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ یہ مضامین ہفت روزہ اخبارات کے مضامین سے قدرے وسیع ہوتے ہیں۔ مضامین کی وسعت نیز وقت کی وافر موجودگی صحافی، ادارہ یا کالم نگار کو اس بات کی مہلت دیتے ہیں کہ اس میں وہ تفصیلی طور پر اپنے نظریات کو پیش کر سکیں۔ یہاں جہاں سیاسی معاملات سے متعلق مضامین شائع کیے جاتے ہیں وہیں معاشی، سماجی، سائنسی، تجارتی، فلمی و ادبی مضامین بھی ان اخباروں کی زینت بنتے ہیں۔

رسائل:

پرنٹ میڈیا/مطبوعہ صحافت میں اخباروں کی طرح رسائل کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہیں۔ رسائل معنوی و مدتی لحاظ سے شائع ہوتے ہیں۔ اخباروں کی طرح رسائل کے قاری عام قاری نہیں ہوتے بلکہ یہ خاص ہوتے ہیں۔ یہ شستہ مزاج کے لوگ ہوتے ہیں جنھیں نابغہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی خبروں اور خبروں پر شائع ہوئے تبصروں کو پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی نابغیت کو ان رسالوں سے بھی جلا بخشتے ہیں۔ ان رسائل میں ایسے مضامین ہوتے ہیں جو ان کے اندر اعلیٰ ذوقیت پیدا کرتے ہیں، اور ان کے ذریعہ صلاحیتیں بھی پروان چڑھتی ہیں۔

اخبارات میں موضوعات سے لیکر اسلوب اور انداز بیاں میں عوامی مذاق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ لیکن رسائل عوامی مذاق سے پرے ہوتے ہیں۔ ان میں موضوعات سے لیکر، زبان و بیان، اسلوب اور انداز بیان ہر میدان میں ذہنی بالیدگی نظر آتی ہے۔ جاوید حیات لکھتے ہیں:

"رسائل کو ہم اس سطح پر رکھ سکتے ہیں ہیں جس سطح پر عوام الناس کا مذاق ستھرا ہو جاتا ہے اور
جہاں عوامی مزاج اپنی انفرادیت حاصل کر کے کے مخصوص قسم کے خاص کا مزاج بن جاتا ہے
ہے یعنی رسائل ذہنی طور پر بالیدہ، بالغ عوام کی چیز ہو جاتے ہیں"۹

رسائل کی بہت ساری قسمیں ہیں کیونکہ زیادہ تر رسائل ادبی اور علمی ہوتے ہیں اس لیے ان میں بڑی وسعت ہوتی ہے ادبی اور علمی رسائل مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ یہاں فلسفہ، عمرانیات، سیاسیات، سماجیات، معاشیات وغیرہ جیسے موضوع شامل ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں آنے والے رسالے دو طرح کے ہوتے ہیں ہیں ایک وہ جو بچوں کے لیے لکھے جاتے ہیں اور دوسرے وہ جو بالغ لوگوں کے لیے لکھے جاتے ہیں۔

بچوں کے رسائل:

ان رسائل کا کام بچوں کی ذہنی تربیت ہوتا ہے یہ مختلف موضوعات پر مبنی ہوتے ہیں خواہ وہ تاریخی ہوں سماجی، اخلاقی، ثقافتی، تہذیبی یا ادبی۔ ان رسائل میں بچوں کی ذہنی صلاحیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اظہار کا وسیلہ بھی اسی طرح سادہ اور آسان رکھا جاتا ہے تاکہ بچوں کو باآسانی چیزیں سمجھ آسکیں۔ جاوید حیات لکھتے ہیں:

"ان رسالوں کا مقصد بچوں کی تخیلی صلاحیت کو بھی پروان چڑھانا ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں
ایسی کہانیاں بھی پیش کی جاتی ہیں جو تخیل کی بنیاد پر لکھی گئی ہوں۔ اور جن کے ذریعے بچوں کا
احساس تجسس جاگتا ہے اور وہ اپنے طور پر فکر کر کے بھی ایک نئے تخیل کی فضا آباد کر سکنے کے
لائق ہوتے ہیں۔"۱۰

انسانی زندگی کو ترقی بخشنے نیز اسے مزید متحرک بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آنے والی نسل کی رہنمائی بہتر طور پر کی جائے۔ اس کے لیے رسالے ایک اہم ذریعہ ثابت ہوتے ہیں حالانکہ دور جدید میں بچوں میں ٹی وی کا چلن کافی عام ہے کیونکہ چلتی پھرتی تصویریں ان کے ذہن کو جلد ہی اپنی طرف راغب کر لیتی ہیں لیکن ٹی وی کے خاطر خواہ منفی اثرات بھی بچوں کے ذہن پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے علمی و ادبی رسالے ان کی ذہنی نشونما کے لیے بہتر ثابت ہوتے ہیں۔

بچوں کے رسائل میں اسلوب پر خاص توجہ دی جاتی ہے کیونکہ ان کے اندر وہ شعور نہیں ہوتا کہ وہ گنجلک چیزوں کو سمجھ سکیں اس لیے کہانیوں و لطیفوں کی شکل میں ان کی ذہنی نشونما نیز ان کے اندر ادبی و فکری صلاحیت

پیدا کرنے کے لیے مواد تیار کیا جاتا ہے۔ادبی ذوق پیدا کرنے کے لیے کہانیوں کے ساتھ ساتھ شاعری بھی ان رسائل کا حصہ ہوتی ہے۔ یہ شاعری ہلکے پھلکے موضوعات پر ان کے معیار کے مطابق لکھی جاتی ہے جس سے بچوں کے اندر پڑھنے کا جذبہ پیدا ہو سکے۔ بچوں کی دلچسپی ہنسنے میں زیادہ ہوتی ہے اس لیے لطیفے وغیرہ بھی رسائل میں شامل کیے جاتے ہیں۔ بچوں کے اندر احساس تجسس ہونے کی غرض سے نیز ان کے علم میں اضافے کی خاطر سوال و جواب کے کالم بھی تیار کیے جاتے ہیں۔دور جدید میں ماہنامہ ''امنگ''،''بچوں کی دنیا'' بچوں کے درمیان اہم رسالے ہیں۔

بڑوں کے رسائل:

رسائل کی یہ قسم موضوع اور مواد دونوں ہی کی حیثیت سے بہت زرخیز ہوتی ہے۔ عوامی مذاق کے رسائل سے پرے یہ وہ رسائل ہوتے ہیں جو باشعور لوگوں کے لیے شائع کیے جاتے ہیں۔ان کے مضامین فکر و خیال کے اعتبار سے بہت عمیق ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعہ باشعور، باذوق و باصلاحیت لوگ علمی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ رسائل اپنے عہد کے ترجمان ہوتے ہیں یہاں واقعات و حادثات، تفصیلات کے ساتھ ہی فن کے زمرے تک جا پہونچتے ہیں۔اس قسم میں ایسے رسالے بھی ہیں جو یک موضوعی ہوتے ہیں اور ایسے بھی رسائل شائع ہوتے ہیں جن میں مختلف موضوعات پر مضامین، کہانیاں، نظمیں،غزلیں، کتابوں پر تبصرے وغیرہ شائع کیے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں موضوعات کے اعتبار سے مخصوص قسم کے رسائل کم نکلتے ہیں لیکن اب اس قسم کے رسالوں کا چلن آہستہ آہستہ منظر عام پر آرہا ہے حالانکہ بیرون ملک بالخصوص مغربی ممالک میں اس قسم کے رسائل کی اشاعت کا رواج پہلے سے موجود ہے۔ موضوع کے اعتبار سے رسائل کی اقسام بندی درج ذیل ہے۔

علمی و تعلیمی رسائل:

اس قسم کے رسالے علمی بنیاد کے حامل ہوتے ہیں جن کا مقصد اپنے قارئین کو اطلاعات بہم پہونچانا ہے اور اس کے افکار و آرا کی تربیت کرنا ہے۔ایسے رسالے عوامی مذاق سے پرے ہوتے ہیں۔ان رسالوں کا تعلق ایک خاص قسم کے قارئین سے ہوتا ہے جو کہ ذہنی بالیدگی و پختگی کے شعور سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ ان رسائل کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے۔

سائنسی رسائل:

اس قسم کے رسائل میں سائنسی موضوعات پر مضامین، تبصرے، مقالے اور فیچرس شامل ہوتے ہیں۔ یہ نئے سائنسی تجربات کی خبر دیتے ہیں اور ان کے افادی اور غیر افادی پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں ساتھ ہی ساتھ ان پر تنقید بھی کرتے ہیں۔ اردو میں اس کی مثال جناب اسلم پرویز کا رسالہ ''سائنس کی دنیا'' ہے جس میں طبیعات، کیمیات کیمیات اور نباتیات وغیرہ کے مضامین تفصیلاً شائع ہوتے ہیں۔

اقتصادی رسائل:

یہ رسالے معاشیات کے موضوع کو زیر بحث لاتے ہیں جن کی وابستگی ملکی اور بین الاقوامی معاشیات سے ہے۔ ان رسائل میں بازار کی چیزوں کی قیمت، کل کارخانوں کی اہمیت، سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی، مزدور، زمین، افادیت، ٹیکس، آبادی کے بڑھنے اور اس کے اسباب اور اس کے اثرات و نتائج پر مشتمل مضامین شامل ہوتے ہیں۔ یہ مضامین کبھی اطلاعاتی کبھی تنقیدی اور کبھی تحقیقی صورت میں ہوتے ہیں۔ ایسے رسالوں کی اہمیت شعبہ اقتصادیات کے طالب علم، اساتذہ، دفاتر اور ملکی امور میں معاشی شعبہ سے وابستہ نیز کل کارخانوں کے مالکوں، سرمایہ داروں اور دکانداروں کے لیے ہوتی ہے۔ اس قسم کے رسائل میں کچھ درج ذیل ہیں:

1. آئینہ روزگار، غازی پور، 1988، پانڈے رام سرن
2. یوجنا، دہلی 1981
3. تجارت، کلکتہ
4. باغبان، لاہور، 1986، عزیزالدین

قانونی رسائل:

اس قسم کے رسائل کا تعلق عدلیہ سے ہوتا ہے۔ ان کی حیثیت ملک و بیرون ملک کے عدلیہ کے متعلق معاملات سے قاری کو روشناس کرانا ہوتا ہے۔ نیز معاملات کی تفصیل، فیصلے اور ان فیصلوں سے وضع کردہ قوانین اور پرانے تعزیرات پر تنقید و تبصرہ بھی ان رسائل کا حصہ ہوتے ہیں۔

مخزن القوانین، آگرہ، 1879، خواجہ یوسف علی۔

نفسیاتی رسائل:

ان رسالوں کا علاقہ علم نفسیات کے موضوعات سے ہوتا ہے جس میں جسمانی افعال و حرکات کے معاملات شامل ہوتے ہیں۔ اس طرح کے رسائل میں ان تمام موضوعات کو زیر قلم لایا جاتا ہے جن میں ذہن، شعور، تحت الشعور اور لاشعور کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ علم نفسیات کی تمام تر شاخوں کے موضوعات ان رسائل کا حصہ ہوتے ہیں۔ پاگلوں کی نفسیات سے لے کر جانوروں کی نفسیات پر مشتمل مضامین بھی اس قسم کے رسائل میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اسپورٹس میگزین:

ان رسائل کا علاقہ کھیل کود کے موضوعات سے ہوتا ہے۔ یہ رسائل نوجوانوں کے درمیان بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں انڈور اور آؤٹ ڈور کھیلوں کے متعلق مضامین و تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔ یہ رسائل ایک طرف قومی اور بین الاقوامی کھیلوں کے سلسلہ میں خبر دیتے ہیں تو دوسری جانب ان کی حیثیت مختلف اقسام کے ملکی و بین الاقوامی کھیلوں کے سلسلے میں وقوع پذیر ہونے والے تمام اقسام کے امور پر تبصرہ پیش کرنا ہوتا ہے۔ ایسے رسائل عموماً ہفتہ وار یا پندرہ روزہ ہوتے ہیں۔ ان رسائل میں کھیل سے متعلق شخصیات اور ان کے کھیل پر مضمون شائع ہوتے ہیں، جن میں کھلاڑیوں پر تنقید سے لے کر ان کے کمال کی تعریف و توصیف یا پھر ان کی شخصیت و کردار کے سلسلہ میں شناختی مضامین شامل پیش ہوتے ہیں۔ اس قسم کے رسالوں میں 'اسپورٹس اور فلم'، 'ماہنامہ کلکتہ' ہیں۔

معالجاتی رسائل:

یہ رسائل طب، جراحت و ادویات سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں نئے و پرانے امراض کی تحقیق، ان کے اسباب اور ان کے علاج کے ذرائع بتائے جاتے ہیں۔ میڈیکل کے میدان میں روز افزوں ترقی کی تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ نئی و پرانی دواؤں کی تاثیر اور رد عمل پر بحث کی جاتی ہے اس کے علاوہ جسم کی فیزیولوجی پر مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ آپریشن کے لیے نئے آلات کی خصوصیات اور ان کے افادی و غیر افادی پہلوؤں پر بحث کی جاتی ہے۔ موسمی بیماریوں ان کے ازالے، موسمی پھلوں کی خصوصیات، اثر اور افادیت کے سلسلے میں بھی تنقیدی و تحقیقی

مضامین شائع ہوتے ہیں۔ ان رسالوں کا علاقہ علم طب سے وابستہ لوگوں سے ہوتا ہے مثلاً، معالج، علم طب کے طالب علم، طبی ادارے۔ یہ رسائل عوامی مذاق سے پرے ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں 'طبابت، 1861، طب حیوانات، 1884، مخزن الادویہ، کلکتہ، 1884، جامی قابل ذکر ہیں۔

فلمی رسائل:

ان رسائل کا علاقہ فلمی دنیا سے ہوتا ہے۔ جن میں آنے والی فلموں کی اطلاع نیز نئی ریلیز ہو چکی فلموں پر تبصرے شائع ہوتے ہیں۔ پرانی فلموں کے تذکرے اور ان پر تنقیدی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اداکاروں اور اداکاراؤں کی زندگی، ان کے کردار بھی اس قسم کے رسالوں کے موضوعات بنتے ہیں۔ ان میں فلمی کہانیاں شائع ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ رسائل عام مذاق کے مطابق ہوتے ہیں اس لیے یہ عوام میں بہت پسند کیے جاتے ہیں۔ 'شمع'' گلفام ''نیلو'' فلمی تصویر''روبی' اور 'فلم ویکلی' وغیرہ اس قسم کے رسالوں کی مثال ہیں۔

ادبی رسائل:

رسائل کے ضمن میں ادبی رسائل کی قسم سب سے اہم ہے۔ دیگر رسائل کی طرح یہاں صرف ایک ہی موضوع پر گفتگو نہیں ہوتی بلکہ یہاں بہت سارے علوم پر مضامین بیک وقت شائع کیے جاتے ہیں اسی لیے ان کی اہمیت دوبالا ہو جاتی ہے۔ ان رسائل کی حیثیت انسائیکلوپیڈیا کی سی ہوتی ہے۔ ادب کا دامن بہت وسیع ہے، یہاں ادب سے متعلق اصناف، ان کی تنقید و تحقیق ہی صرف شامل رسالہ نہیں ہوتی بلکہ اس میں علمی باتیں بھی ہو سکتی ہیں ، سائنسی موضوعات بھی اپنائے جاسکتے ہیں، فلسفہ پر بھی اظہار خیال کیا جاسکتا ہے، طبی مسائل کو بھی زیر بحث لایا جاسکتا ہے۔ کھیل کود، معاشیات، اقتصادیت، سیاسیات، نفسیات، قانون، سائنس، فنون لطیفہ غرض یہ کہ تمام موضوعات کو شمولیت دینا رسالے کی اسی قسم کا خاصہ ہے۔

برقی صحافت:

یوں تو ہر دور میں صحافت (اخبارات و رسائل) کی اہمیت رہی ہے، تاہم سٹیلائٹ اور برقی صحافت کی حالیہ ترقی نے اس میدان کو غیر معمولی اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔ زندگی کے ہر شعبے پر صحافت کے اثرات واضح طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ جمہوری ممالک میں اسے چوتھے ستون کا درجہ حاصل ہے۔ یہ ستون جمہوریت کے باقی تینوں

ستونوں کے توازن کو برقرار رکھنے یا اسے بگاڑنے کا ذریعہ بھی ہے۔ صحافت کے ذریعہ صرف خبروں اور واقعات کی ترسیل ہی نہیں کی جاتی بلکہ رائے عامہ کی تشکیل میں بھی اس کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔

برقی صحافت وہ صحافت ہے جس میں برقی آلات کا سہارا لے کر مواد کی ترسیل موصول الیہ تک پہونچائی جاتی ہے۔ اس میڈیم کے ذریعہ خبروں کی رسائی بآسانی دنیا کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ہوتی ہے۔ یہ دیکھنے اور سننے کا ذریعہ ترسیل ہے اسی لیے اس کی رسائی ناخواندہ طبقہ سے لے کر پڑھے لکھے طبقہ تک ہوتی ہے۔ جبکہ مطبوعاتی صحافت کی رسائی خواندہ طبقہ تک محدود ہوتی ہے۔ اس قسم کی صحافت کو ہم دو زمروں میں رکھ سکتے ہیں۔

1: ریڈیائی صحافت (Radio Journalism)

2: مظاہراتی صحافت (Audio-visual Journalism)

ریڈیائی صحافت:

فن صحافت کی ترسیل کے لیے جب ہم ریڈیو کا استعمال کرتے ہیں تو اسے ریڈیائی صحافت/ریڈیو جرنلزم کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے صوتی صحافت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، یہ مطبوعہ صحافت کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ہندوستان میں ریڈیو کا پہلا پروگرام ٹائمس آف انڈیا نے 1921 میں پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کے اشتراک سے نشر کیا۔ ریڈیو کی ایجاد سے قبل اس فن سے وہی لوگ استفادہ کرسکتے تھے جن کا تعلق پڑھے لکھے طبقہ سے تھا۔ لیکن ریڈیو کے آجانے کے بعد ناخواندہ طبقہ کے لوگوں کی رسائی بھی ترسیل کے اس میڈیم کے ذریعہ ممکن ہو گئی اور اس فن کے بنیادی مقصد یعنی اطلاعات کی فراہمی اور رائے عامہ کی ترتیب و تشکیل کا کام بھی وسعت اختیار کر گیا۔ جہاں تک مواد کی فراہمی، ان کی ترتیب، تنظیم و تشکیل کا معاملہ ہے، مطبوعاتی صحافت اور ریڈیائی صحافت میں کوئی فرق نہیں۔ سوائے اس بات کے کہ ایک کی ترسیل مطبوعات کے ذریعہ تحریری شکل میں ہوتی ہے جبکہ دوسری نشریات کے ذریعہ آواز کی صورت میں عوام تک پہونچتی ہے۔ فرینک کینڈلن نے لکھا ہے کہ:

> "The news as given the over the air has been collected and "subbed" in much the same way as the news in the "standard" or "echo" It has been collected and "subbed" too by much the same sort of people that is professional journalist."[11]

مطبوعہ صحافت کی طرح ریڈیائی صحافت میں بھی خبروں کے علاوہ تبصرے، رپورتاژ، مذاکرے، مباحثے، انٹرویو اور ادبی تخلیقات پیش کی جاتی ہیں۔ ریڈیائی صحافت کا تعلق بنیادی طور پر ان تمام عوامل سے ہے جو اخباری صحافت کے لیے لازم ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اخبار میں کسی لیڈر کی تقریر، کسی ادیب کی تخلیق، کسی مبصر کا تبصرہ، کسی مفکر کے خیال وغیرہ کی کارروائی ہمارے سامنے تحریری شکل میں موجود ہوتی ہے جبکہ ریڈیو کے ذریعہ ہم انھیں یا اناؤنسر کی آواز میں براہ راست سنتے ہیں۔

مظاہراتی صحافت:

آواز اور متحرک تصویروں کے اشتراک نے صحافت کے میدان میں کامیابی کی ایک نئی عبارت لکھی۔ اس کا استعمال اطلاعات کی فراہمی، رائے عامہ کی تشکیل و تربیت کی خاطر کیا جاتا ہے۔ تفریح کے طور پر مختلف پروگرام، ڈرامہ یا تھیٹر کی پیشکش بھی اس میں شمولیت رکھتی ہے۔ اطلاعات نیز رائے عامہ کی تربیت و تشکیل کا کام جب اس ذریعہ اظہار کے ذریعہ انجام پاتا ہے تو وہ صحافت کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ صحافت بنیادی طور پر حالیہ امور کو گرفت میں لینے کا فن ہے۔ مطبوعاتی صحافت میں جہاں یہ امور تحریری شکل میں منظر عام پر آتے ہیں، وہیں ریڈیائی صحافت میں یہ امور آواز کا جامہ پہن سامعین تک پہونچتے ہیں۔ مظاہراتی صحافت میں آواز اور تصویر دونوں کا استعمال ہوتا ہے لہذا یہ عوام کی دلچسپی سے قریب تر ہوتی ہے۔ اسی لیے مظاہراتی صحافت کی ذمہ داریاں بھی وسعت اختیار کر جاتی ہیں۔ اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہے، اس میں سیاسی، سماجی، ثقافتی، معاشی، قومی، بین الاقوامی، سائنسی، غیر سائنسی اور ادبی قسم کے افکار و خیالات شامل ہوتے ہیں۔ زندگی کے ان تمام گوشوں سے متعلق اطلاعاتی امور جب باآواز ہو کر متحرک تصویروں کے سہارے رائے عامہ کی تشکیل و تربیت کا کام انجام دیتے ہیں تو ہم اسے مظاہراتی صحافت کہتے ہیں۔ جہاں تک مواد کی فراہمی کا مسئلہ ہے تو یہ مطبوعاتی یا ریڈیائی صحافت سے الگ نہیں بلکہ میڈیم کی عین فطرت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہاں مواد کی پیشکش مظاہراتی ہوتی ہے۔ اسی لیے مواد سے متعلق موضوعات کی آواز اور متحرک تصویریں بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ مثلاً وزیر اعظم کی کسی میٹنگ کی اطلاع اگر پہنوچائی ہے تو اخبار میں اس کے متعلق تحریری رپورٹس مطبوعہ شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔ اسی رپورٹ کو ریڈیو کے ذریعہ آواز کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن جب یہ کام مظاہراتی صحافت کے ذریعہ انجام پاتا ہے تو جائے وقوع کی حقیقی اور متحرک تصویریں بھی باآواز فراہم کی جاتی ہیں۔ جس کے سبب اسے دیکھنے والے واقعات کا مطالعہ براہ راست

طریقہ سے کر لیتے ہیں۔ اس لیے یہ ذریعہ اظہار ترسیل کے دوسرے ذرائع کے بالمقابل زیادہ متاثر ثابت ہوتا ہے۔ مظاہراتی صحافت کی دو مروجہ شکلیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

فلم:

فلم عموماً دو قسم کی ہوتی ہیں۔ (1) فیچر فلم (2) ڈاکیومنٹری فلم

فیچر فلموں کا مقصد محض تفریح ہوتا ہے لہذا یہ ترسیل کے زمرے میں تو شامل ہوتی ہیں لیکن صحافت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جبکہ ڈاکیومنٹری فلموں میں اطلاعاتی موضوعات کو حقائق کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے لہذا یہ صحافت کا ایک اہم جز ثابت ہوتی ہیں۔

ٹیلی ویژن:

انسانی زندگی کی تاریخ میں ٹیلی ویژن کی ایجاد ایک عجوبہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ صحافت کی ایسی شاخ ہے جس کی بنیاد مظاہرے پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر نئی تکنیک انسانی زندگی میں ایک نیا موڑ لے کر آتی ہے۔ وہ انسان کو جینے کا ایک نیا رخ دیتی ہے جس سے انسان کے برتاؤ میں بھی فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ ان نئی تکنیک کے سہارے انسان اپنی زندگی کو مزید رفتار عطا کرتا ہے۔ ٹیلی ویژن کی ایجاد سے قبل ریڈیو ترسیلی دنیا کی حقیقت بن چکا تھا۔ خاموش متحرک فلمیں بھی پردے پر کامیابی سے ہم کنار ہونے لگی تھیں۔ جلد ہی سائنس نے متحرک تصویروں کو آواز دینے کا ہنر بھی جان لیا جس کی وجہ سے متحرک تصویریں آواز کے جادو کے ساتھ عوام کے دلوں کو چھونے لگیں۔ لیکن انھیں صرف پردے پر ہی پیش کیا جا سکتا تھا۔ ٹیلی ویژن نے اس محدودیت کو توڑا۔ آج یہ آواز اور متحرک تصویروں کے خوبصورت امتزاج کے ساتھ عوام کے ڈرائینگ روم کی زینت بنا ہوا ہے۔

ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی ابتدا 15 ستمبر 1959 میں یونیسکو کے ایک پائلٹ پروجیکٹ کے تحت ہوئی۔ اس پروجیکٹ کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ یہاں کے پسماندہ طبقہ کی تعلیم و تربیت میں ٹیلی ویژن کس حد تک کارگر ہو سکتا ہے۔ لہذا دہلی اور اس کے آس پاس کی بستیوں میں ٹیلی ویژن سیٹ لگائے گئے۔ اور اس پر پروگرام نشر کیے گئے۔ یہ پروگرام معلوماتی اور تفریحی نقطہ نظر کو ذہن میں رکھ کر تیار کیے جاتے تھے۔

ٹیلی ویژن آج اپنی پہونچ، آواز اور تصویر کی یکجائیت، منظر اور پس منظر کی بنیاد پر مسحور کن ذریعہ اظہار بن گیا ہے۔ بظاہر یہ فلم سے مشابہ ہے لیکن اس کی پیش کش کا سارا انحصار ریڈیو تکنیک پر ہے۔ آج اپنے گھر پر بیٹھے ٹیلی ویژن سیٹ پر مختلف اطلاعاتی امور کی مظاہراتی ویڈیو کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور براہ راست طور پر مختلف جانکاریاں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس کے ذریعہ تاریخ، علم نباتات، علم حیوانات کے مسائل دنیا کے دور دراز کے حصوں میں انسانی زندگی، تاریخی مقامات وغیرہ کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اب تک کسی تقریب یا حادثہ کا آنکھوں دیکھا حال ہم براہ رست طور پر سن سکتے تھے لیکن ٹی وی کے آجانے کے بعد اس کے ذریعہ اس کا براہ راست مشاہدہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال ریڈیو جرنلزم کی طرح ٹیلی ویژن کا صحافتی دائرہ کار بھی نیوز بلیٹن، مخصوص موضوعات پر مذاکرے، تبصرے، رپورتاژ، فیچر، نیوز ریل، انٹرویو پر مشتمل ہے اس کے علاوہ تفریحی پروگرام جیسے فلمیں، سیریل وغیرہ بھی اس پر نشر کیے جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ ٹیلی ویژن کی ایجاد سے صحافت کی افادیت اور اثر انگیزی میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ اور اب صحافت اپنے کام یعنی اطلاعات اور رائے عامہ کی تشکیل کا کام نہایت تیزی کے ساتھ بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ٹی وی جرنلزم کی اخلاقیات کے برعکس کچھ صحافی اس سے نفرت پھیلانے نیز صرف پیسہ کمانے کا کام بھی انجام دے رہے ہیں۔

دور جدید میں برقی صحافت روزافزوں ترقی کی منازل طے کر رہی ہے جس کی واضح مثال ڈیجیٹل جرنلزم (Digital Journalism) ہے۔

ڈیجیٹل صحافت:

آن لائن جرنلزم یا نیو میڈیا کے ناموں سے معروف ڈیجیٹل جرنلزم یا ڈیجیٹل صحافت ایک ایسا شعبہ ہے جہاں ادارتی مواد انٹرنیٹ کے ذریعے تقسیم کیا جاتا ہے۔ تحریر، سمعی اور بصری مواد کے ذریعے پیش کی جانے والی خبریں، تجزیے، فیچرز ڈیجیٹل میڈیا ٹیکنالوجی کے ذریعے وزیٹرز تک پہنچائے جاتے ہیں۔ شعبہ صحافت کے اس نئے میڈیم کا فائدہ یہ ہے کہ ماضی میں انتہائی مہنگا کام سمجھے جانے والا ابلاغ انتہائی قلیل لاگت سے بہت دور تک بآسانی پہنچایا جا سکتا ہے۔ ماضی میں اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی دسترس میں موجود اطلاعات اب ڈیجیٹل صحافت کے ذریعے جلد اور زیادہ سہولت کے ساتھ وزیٹرز تک پہنچائی جا سکتی ہیں۔

دنیا بھر کی طرح ہندوستان میں بھی ڈیجیٹل صحافت کا آغاز انٹرنیٹ کے ابتدائی تعارف کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ روایتی میڈیا ہاؤسز نے بھی اس شعبہ کا رخ کیا تاہم اس سے قبل انفرادی سطح پر بھی اس پر کام شروع ہو چکا تھا۔ ڈیجیٹل صحافت کی ابتدا کے کچھ ہی عرصہ میں بلاگنگ اور متعلقہ شعبہ کی دیگر اصناف بھی متعارف ہو چکی تھیں۔ پہلے سے صحافت سے وابستہ افراد یا لکھنے میں دلچسپی رکھنے والے نئے افراد نے بلاگنگ کو ابلاغ کا ذریعہ بنایا جس نے تیزی سے صارفین کی توجہ حاصل کی۔ روایتی میڈیا کے برعکس پورا دن ہر لمحہ اپ ڈیٹ ہونے والی معلومات بروقت صارف تک پہنچ کر اسے بہتر انداز میں باخبر رکھتی ہیں یہ ڈیجیٹل صحافت کی بنیادی خوبیوں میں سے ایک خوبی تصور کی گئی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ پیش کی جانے والی معلومات کی تفصیل اور متعدد ذرائع سے اس کی دستیابی نے وہ کمی بھی پوری کی جو دیگر ذرائع پوری نہیں کر سکتے تھے۔ ڈیجیٹل صحافت نے معلومات سے کارپوریٹ اور حکومتی کنٹرول کو بھی کم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

ادبی صحافت: تعریف و امتیازات

اخبارات ورسائل اپنے عہد کے حالات، واقعات، ماحول اور سماج کی حقیقی تصویر اور تاریخ ہوتے ہیں۔ یہ اپنے دور کے حالات اور ماحول کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اخبارات اور رسائل کا عوام سے گہرا رشتہ ہے، یہ اپنے دور کی برائیوں اور نقصان دہ رسم و رواج کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ہم اردو صحافت کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اخبارات ورسائل نے اپنی خبروں، مضامین اور اداریوں سے نہ صرف سماج کو بلکہ اردو صحافت کو ایک نئی سمت عطا کی ہے۔ اور اردو صحافت کو دیگر زبانوں کی صحافت کے ہم پلہ لا کھڑا کیا ہے۔ اخبارات کے ساتھ اردو رسائل نے بھی صحافت کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اردو رسائل نے فنی اصولوں کی پاسداری کرتے ہوئے اردو صحافت کی اہم خصوصیات کو اجاگر کیا ہے۔ اور ایک بڑی تعداد کو اردو زبان و ادب کے محرکات سے واقف کرانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

ادبی صحافت پر بحث کرنے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ادب اور صحافت کے باہمی رشتہ اور ان کے مابین فرق کو بھی سمجھ لیا جائے۔ ادب اور صحافت قارئین تک اپنی بات پہونچانے کے دو الگ الگ ذرائع ہیں اور دونوں کے بنیادی سروکار الگ ہیں۔ اس ضمن میں رشید حسن کا مضمون 'ادب اور صحافت' کسی حد تک بہتر طور پر رہنمائی کرتا ہے۔ وہ اپنے مضمون کا آغاز ہی ان سطروں کے ساتھ کرتے ہیں:

> ''یہ مشہور بات ہے کہ صحافت اور ادب میں تضاد کی نسبت ہے۔ روزانہ اخبار کا پہلا صفحہ اگر ہمارے سامنے ہو تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اخباری خبروں میں اور ادبی تحریروں میں کیا فرق ہوتا ہے۔''[۱۲]

اگر ان کے مضمون کے کل مواد کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اخبار میں ہنگامی نوعیت کی مختصر خبریں ہوتی ہیں۔ اداریہ قدرے تفصیل سے ہوتا ہے جو کسی خاص متاثر کن واقعے یا حادثہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کالموں، مضامین اور تخلیقی تحریروں مثلاً نظم، غزل، افسانہ اور مضامین وغیرہ پر مشتمل تحریریں شامل

ہوتی ہیں۔ ان میں خبروں، اداریوں اور غیر ادبی مضامین وغیرہ کا اثر کچھ کم یا زیادہ عرصہ کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جن تحریروں میں اعلیٰ ادبی اقدار پائی جاتی ہیں وہی اخبار میں زندہ رہ جاتی ہیں۔ بقیہ اخبارات و رسائل کے دفینوں کی حیثیت سے باقی رہتی ہے۔

اخبارات کی خبریں اور اداریے وغیرہ منسلک ادارے یا شخصیات کی پالیسی کے تحت تحریر کیے جاتے ہیں۔ اس کے بالمقابل ادب میں آزاد رہ کر اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اخبار میں ایک عملہ ہوتا ہے جو کسی نہ کسی طور پر شائع ہونے والی خبروں سے جڑا ہوتا ہے اور متعلقہ شعبہ کی پالیسی کے تحت کام کرتا ہے جب کہ ادب میں معاملہ شخصی ہوتا ہے۔ رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

"ادبی تخلیق خالص شخصی اور ذاتی معاملہ ہے، اسے بھلا اس کو آپریٹو طریق کار اور اس تجارتی مطمح نظر سے کیا واسطہ! یہی وجہ ہے کہ اخبار میں کام کرنے والے کیسے ہی ہوں، مگر ان کا بیشتر حصہ خالص صحافتی ہوتا ہے۔"[۱۳]

خبروں کی تحریر سے پرے جب اخبارات میں اداریہ، کالم، مضمون، افسانہ، نظم یا ڈرامہ لکھا جاتا ہے اور اس میں پالیسیوں کی دخل اندازی ہوتی ہے تو وہ ادب سے پرے ہٹ جاتا ہے۔ ہاں اسے صحافتی ادب تو کہا جا سکتا ہے لیکن وہ خالص ادب کے درجہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ اس وقت وہ نگارشات بھی دیگر خبروں کی طرح بے تہہ رہیں گی البتہ ان کی کشش کا وقفہ بھلے طویل ہو سکتا ہے۔

اسی پس منظر میں رشید حسن خاں شخصیت کی دورنگی کا بھی ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ کس طرح دورنگی شخصیات الگ الگ وقتوں میں الگ الگ تحریریں تخلیق کرتی ہیں یعنی ایک صحافتی ادب اور ایک خالص ادب۔ اس ضمن میں وہ نیاز فتح پوری، کرشن چندر، خواجہ حسن نظامی وغیرہ کا ذکر کر کے اپنی بات کی توضیح کرتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں ان ادیبوں نے دونوں طرح کی نگارشات کو ضبط تحریر میں لایا۔ جن میں بعض بالکل صحافتی ہیں اور بعض بالکل ادبی۔ یہاں وہ اس بات کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ:

"اصل چیز لکھنے والے کا طرز عمل ہے، اس کا انداز فکر اور انداز نظر۔ بہت اچھے صحافی کی تحریر ادبی ہو سکتی ہے، اور بہت اچھے ادیب کی تحریر صحافیانہ ہو سکتی ہے۔"[۱۴]

ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی صحافت اور ادبی صحافت کے مابین زبان کو بنیادی فرق قرار دیتے ہیں۔ اپنے مضمون 'ادبی صحافت اور ادبی رویے' میں لکھتے ہیں:

> ''خالص صحافت معلومات کی فراہمی اور اطلاعات کی ترسیل سے علاقہ رکھتی ہے اور ادب میں زبان کے استعمال کی نوعیت دبیز، تہ دار یا بڑی حد تک بالواسطہ اظہار کی ہو جاتی ہے .... اخبارات کی خبریں یا فیچر کے وسیلے سے کسی خیال، نقطہ نظر یا معلومات کو جیسے ہی قاری تک پہونچا دیا جاتا ہے، اسی وقت وسیلہ اظہار کی حیثیت سے زبان کا کردار ختم ہو جاتا ہے، جب کہ ادبی اظہار میں ترسیل خیال کا عمل اپنے آپ میں زبان کی کارکردگی کا محض آغاز بن جاتا ہے .... جو تخلیقی زبان جتنی تہہ دار، طاقت ور اور ہمہ جہت ہوتی ہے اس کی تاثر آفرینی اور کارکردگی کا وقفہ بھی اسی تناسب سے طویل ہوتا چلا جاتا ہے۔''[۱۵]

یہاں میقاتیت، یعنی مخصوص وقفے کے ساتھ اشاعت کو صحافت کی مجبوری اور ادب سے دوری کا ایک سبب بتایا گیا ہے۔ یہ بات غیر ادبی اخبارات و رسائل پر تو صادق آتی ہے لیکن ادبی صحافت اس سے مستثنیٰ ہے۔ ان تمام مباحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وقتی اور ہنگامی نوعیت کے ساتھ ساتھ اختصار عام صحافت کی مجبوری ہیں اسی کے ساتھ تجارتی اغراض و مقاصد اور ان کی پالیسی بھی ان کے پیش نظر ہوتی ہے جب کہ ادب میں وقت اور زمانے کی قید نہیں ہوتی۔ ادبی تخلیق ذاتی ہوتی ہیں جس میں صرف تخلیق کار کی ذات شامل ہوتی ہے، کسی غیر کی نہیں۔ ادب میں زبان کے فن کارانہ استعمال کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس میں خبر کو کوئی اہمیت نہیں ہوتی البتہ خبر کے تناظر میں جو جذبہ، احساس اور خیال، انداز بیان، اسلوب اور زبان ظاہر ہوتی ہے اس کی اہمیت ہوتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ میں ایسے بھی اخبارات و رسائل سامنے آتے ہیں جن میں خالص ادبی تحریریں شائع ہوتی رہی ہیں، وہی ادبی صحافت کا جز ہیں اور انھیں سے اس مقالہ کو سروکار ہے۔ ادبی صحافت کی تعریف کے ساتھ رسالہ یا مجلہ کی فہمیت بھی ضروری ہے

مجلہ یا رسالہ ایک مقررہ وقت یا مدت میں شائع ہونے والے مجموعے کا نام ہے۔ یہ ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ بھی ہو سکتا ہے۔ اخبار اور رسائل میں بنیادی فرق یہی ہے کہ اخبارات کی بنیاد روز مرہ کی خبریں ہوا کرتی ہیں جبکہ رسالے اس وصف سے مبرا ہوتے ہیں۔ رسائل میں مختلف ادبی، سماجی، سیاسی و معاشی، آرٹ، طبی، سائنسی معاملات کو شامل کیا جاتا ہے۔ جن کا مقصد قارئین کو تفصیل کے ساتھ مختلف موضوعات

کے تعلق سے مواد فراہم کرانا ہوتا ہے۔ رسائل عوام کی معاشرتی، سیاسی، سماجی و اقتصادی زندگی پر اثر ڈالتے ہیں۔ رسائل کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے۔ رسائل کی تعریف کرتے ہوئے معروف ناقد و محقق شمس الرحمن فاروقی کہتے ہیں:

''رسالہ یا جریدہ آج کل یہ دونوں لفظ اس اعتبار سے ہم معنی ہیں کہ دونوں سے ہم ایسا اخبار یا کتاب مراد لیتے ہیں جس میں مختلف اصناف پر مبنی تحریریں ہوں اور جو کسی مقررہ وقفے سے نکلتا ہو۔ جریدہ اب ذرا کم سنائی دیتا ہے۔ رسالہ کے اور بھی کئی معنی ہیں۔ مثلاً فوجیوں کا دستہ یا کوئی مختصر کتاب، جو ایک ہی موضوع پر ہو۔ جریدے کے اصل معنی تنہا ہیں۔ چونکہ اخبار یا رسالہ کا بھی ایک ایک شمارہ مقررہ وقت پر نکلتا ہے اس لیے رسالے سے اخبار کے معنی بھی پیدا ہو گئے۔ جریدہ بمعنی تنہا اب بہت کم سننے میں آتا ہے۔ صفحہ کے معنی میں اور فوجی دستہ کے معنی میں بھی جریدہ پہلے بولا جاتا تھا۔ اب جریدہ عالم کی ایک ترکیب (غالباً حافظ کے ایک شعر کی وجہ سے) ہی مستعمل نظر آتی ہے۔ اکیلے جریدہ بمعنی صفحہ شاذ ہے اور بمعنی فوجی دستہ بالکل مستعمل نہیں۔''۱۶

یعنی رسالہ یا جریدہ ایسی کتاب یا اخبار ہے جس میں کسی بھی زبان کی مختلف اصناف پر مبنی تحریروں کو مقررہ وقت کے وقفے سے شائع کیا جاتا ہے اس کے علاوہ کبھی کبھی کسی ایک موضوع پر پر بھی کوئی رسالہ شائع کیا جا سکتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کی بات سے رسالے کی تعریف کے ساتھ ہی ادبی صحافت کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ یوں تو ادبی صحافت کی باقاعدہ کوئی تعریف نہیں ملتی نہ ہی کوئی لغت اس اصطلاح کا احاطہ کرتی ہے لیکن اردو ادب کے کچھ محققین و نقادوں کی عبارتیں اس کو سمجھنے میں مدد ضرور کرتی ہیں۔ رشید حسن خاں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''ادبی صحافت کو اگر ایک اصطلاح کے طور پر استعمال کیا جائے تو پھر اس کا اطلاق ادبی یا نیم ادبی رسالوں پر بہتر ہو گا۔''۱۷

ڈاکٹر ابو الکلام قاسمی کے اس بیان سے بھی ادبی صحافت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، لکھتے ہیں:

''ادبی جریدے اپنی میقاتیت کے سبب صحافت کا حصہ کہلاتے ہیں اور ان میں تخلیقی نوعیت کی شعری اور نثری تحریروں کی اشاعت کے باعث انھیں ادبی صحافت کے زمرے میں شامل کیا جاتا ہے''۔۱۸

ان دونوں بیانات سے واضح ہے کہ ادبی صحافت کا اطلاق ادبی اخبارات و رسائل پر ہو گا۔ ایسے اخبارات و رسائل جن کا مقصد اور منشا ادب کی اشاعت ہو۔ مجلاتی صحافت یا رسائل کی صحافت پر محترمہ روشن آرا راؤ ادبی رسائل کے مسائل کے بارے میں لکھتی ہیں:

> ”مجلاتی صحافت حالات و واقعات اور نظریات کی بنیاد پر زندگی کے مختلف پہلو پیش کرتی ہے۔ سوچ کے خوبصورت دھاروں کو خوبصورت لفظوں میں ڈھال کر مجلات کی زینت بنا دیا جاتا ہے۔ وہ کبھی نثری شہ پاروں کا روپ دھار لیتے ہیں اور کبھی نظم کے پیرائے میں ڈھل کر ماضی حال اور مستقبل کو سمیٹ لیتے ہیں۔ جریدہ قارئین کی تربیت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ واقعات کے پس منظر اور پیش منظر سے بھی آشنا کرتا ہے۔ تفریح فراہم کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے۔ کیونکہ ہفت روزہ، پندرہ روزہ، یا ماہوار رسالوں کے پاس حالات و واقعات کا تجزیہ کرنے اور ان کے اثرات کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے وقت بھی ہوتا ہے پیرائی بیان بھی اور اسلوب بھی“۔19

یعنی مجلات یا رسائل کو آرام و اطمینان کے ساتھ قارئین کی پسند کا خیال رکھتے ہوئے شائع کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ رسائل میں بہت سے موضوعات اور مضامین کو بھی جگہ دی جاتی ہے۔ رسائل و جرائد کے تعلق سے ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ اس میں موجود کسی بھی مضمون کو کبھی بھی پڑھا جا سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسائل طبعی شکل میں ہوتے ہیں۔ آج کے دور میں ڈیجیٹل صحافت کے زمرے میں بھی بہت سے رسائل شائع ہو رہے ہیں۔ اور بہت سے رسائل جو اب بند ہو چکے ہیں یا طبع زاد ہیں ان کی کاپی ڈیجیٹل صحافت کے ذریعہ اپلوڈ کر دی جاتی ہے۔ جس سے ایک قاری بآسانی وہ رسائل متعلقہ ادارے کی ویب سائٹ سے پڑھ سکتا ہے۔ اخبارات کا مواد چونکہ وقتی ہوتا ہے اس لیے قاری کی دلچسپی اسے بعد میں پڑھنے میں نہیں ہوتی۔ ہاں رسائل کی مخصوص طرز پر جو مضامین اخبارات میں شائع ہوتے ہیں انھیں دوبارہ پڑھا جا سکتا ہے۔ جس طرح اخبارات میں اپنے ملکی و بین الاقوامی مسائل و معاملات پر تجزیے پیش کیے جاتے ہیں ٹھیک اسی طرح مجلات اور رسائل میں بھی مختلف معاملات و مسائل کی عکاسی کی جاتی ہے۔

اردو میں ادبی صحافت: روداد

اردو صحافت کی تاریخ پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اخبارات و رسائل نے اپنے مضامین، اداریوں اور خبروں کو ایک نئی سمت دی ہے اور ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اردو صحافت جس نے ابتدا ہی سے ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ پہلی جنگ آزادی کے وقت کے اخبارات و رسائل پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سماج کو منظم اور مستحکم کرنے میں اردو صحافت کا اہم رول رہا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے دشمنان ملک کے اندر خوف اور ہندوستانی عوام کے اند اتحاد کی لو جلائے رکھی ہے۔ اردو صحافت کی انھیں صفات کے عوض بہت سے مدیر اور جید علما کو تختہ دار پر لٹکایا جا چکا ہے۔ یہ اردو صحافت کی طاقت ہی تھی کہ انگریز مولوی باقر جیسے عظیم صحافیوں کی تحریروں سے خوف کھاتے تھے۔

اردو میں صحافت سے متعلق جتنی کتابیں تخلیق کی گئی ہیں یا دستیاب ہیں ان اکثریت ایسی کتابوں کی ہے جن میں اخبارات کو اہمیت دی گئی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اردو کی ادبی صحافت کے لیے فضا ہموار کرنے میں انھیں اخبارات کا اہم رول ہے۔ ابتداً اخبارات اور گلدستوں نے ہی ادبی و تخلیقی کاوشوں کو منظر عام پر لا کر اردو کی ادبی صحافت کے لیے راہ ہموار کی لہٰذا ان کا مختصراً تبصرہ بھی ضروری ہے۔

جب اردو زبان، کمسنی کے عہد سے نکل کر شعور کی منزلوں کو چھو رہی تھی، اردو صحافت کا آغاز ہوا۔ یہ انیسویں صدی کا ابتدائی دور تھا اور اسی زمانہ میں ۲۷ مارچ ۱۸۲۲ میں اردو کا سب سے پہلا اخبار جام جہاں نما منشی سدا سکھ لال کی ادارت میں نکلا، جام جہاں نما کے بعد کلکتہ سے ہی ۱۹۲۳ میں شمس الاخبار کے نام سے ایک اخبار جاری ہوا۔ ۱۸۳۳ میں آگرہ سے آگرہ اخبار جاری ہوا، بعد میں اس کا نام بدل کر زبدۃ الاخبار کر دیا گیا، یہ اس دور کا کافی اہم اخبار تھا۔ اسی دور میں کلکتہ سے آئینہ سکندری شروع ہوا جس کی اشاعت ہر پیر کو ہوتی تھی۔ ۱۸۳۳ میں ہی کلکتہ سے عالم افروز کے نام سے ایک اخبار جاری کیا گیا۔ لدھیانہ سے دسمبر ۱۸۳۴ میں لدھیانہ اخبار کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار کی شروعات ہوئی۔ دہلی سے سید الاخبار کے نام سے ایک اخبار ۱۹۳۷ میں سر سید احمد خاں کے بڑے بھائی سید

محمد خاں کی ادارت میں جاری ہوا سر سید احمد خاں کے ابتدائی مضامین اسی اخبار میں شائع ہوتے تھے۔ یہ اخبار مطبع سید الاخبار سے چھپتا تھا۔ آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن بھی اسی مطبع سے شائع ہوا۔

اسی اثنا میں فروری ۱۸۳۷ میں دہلی اردو اخبار جاری ہوا جس کے جاری کرنے والے مولوی محمد باقر تھے۔ اس اخبار کا نام اجرا کے وقت 'دہلی اخبار' تھا۔ اس اخبار کو اردو صحافت کا پہلا باقاعدہ اخبار کہا جاتا ہے۔ اس اخبار میں صفحہ اول پر قلعہ معلی کی سرگرمیاں حضور والا کے عنوان سے اور کمپنی کی سرگرمیاں صاحب کلاں کے نام سے شائع ہوتی تھیں۔ اس میں بہادر شاہ ظفر، ذوق، غالب، مومن، کا کلام بھی شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار میں فسادات کی خبریں بھی شائع ہوتی تھیں لیکن اس میں اداریہ نہیں ہوتا تھا۔ دہلی اردو اخبار جس کا نام ۱۸۵۷ میں اخبار الظفر کر دیا گیا تھا ۱۳ ستمبر ۱۸۵۷ کو بند ہو گیا۔ اور مولوی محمد باقر کو گولی مار دی گئی، اس طرح انھیں پہلے شہید صحافی کا درجہ حاصل ہے۔

مراۃ الاخبار کے نام سے دہلی سے ایک ہفتہ وار اخبار کی شروعات ۱۸۴۱ میں ہوئی۔ اس اخبار کو بادشاہ کا روزنامچہ بھی کہا جاتا تھا۔ اس میں بہادر شاہ ظفر کی غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ ۱۸۴۲ میں جام جہاں نما کے نام سے ایک اور اخبار کلکتہ سے ۱۹۴۲ میں شروع کیا گیا، جس کے مالک منشی غلام حسین تھے۔ مولوی محمد باقر نے ۱۸۴۳ میں مظہر حق کے نام سے ایک اور اخبار کا اجرا کیا تھا۔ مراۃ الاخبار کے نام سے کلکتہ سے ہفتہ وار اخبار ۱۸۴۷ میں منظر عام پر آیا۔ کلکتہ سے یکم فروری ۱۸۵۱ کو گلشن نوبہار کے نام سے ایک اخبار شروع ہوا تھا۔ دہلی سے صادق الاخبار دسمبر ۱۸۵۵ میں جاری کیا گیا۔ بمبئی سے کشف الاخبار ۱۸۵۵ میں جاری ہوا۔ آگرہ سے تفریح الناظرین کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۸۵۶ کو جاری ہوا اس کے مالک مرزا علی حسین تھے۔ خورشید پنجاب کے نام سے ماہانہ رسالہ لاہور سے جنوری ۱۸۵۶ میں شروع کیا گیا۔ طلسم لکھنؤ جولائی ۱۸۵۶ میں لکھنؤ سے شروع ہوا جس کے مالک مولوی محمد یعقوب انصاری تھے۔ مفید خلائق کے نام سے ایک رسالہ منشی شیو نارائن نے ۲۳ دسمبر ۱۸۵۶ کو جاری کیا۔

۱۸۵۷ کا واقعہ ہندوستان میں ایک بڑا سانحہ تھا، جس نے ہندوستان کی سیاسی، سماجی، معاشی بساط پر اتھل پتھل مچا دی۔ اس کا اثر ہندوستان کی صحافت پر بھی مرتب ہوا انگریزوں نے نئے قوانین وضع کیے سیکڑوں مطبع خانے بند کر دیے گئے۔ ۱۸۵۷ سے قبل کے اخبارات و رسائل ہفتہ وار، پندرہ روزہ یہ ماہانہ ہی تھے لیکن غدر کے بعد اس بات کی ضرورت اشد طور پر محسوس کی گئی کہ اخبارات کا اجرا روزانہ عمل میں لایا جائے جس سے اس وقت سماج

میں ہو رہی تبدیلیوں سے ہر روز ہندوستان کی عوام کو روشناس کرایا جاسکے۔ اس کا پہلا نتیجہ اردو گائڈ کی صورت میں ۱۸۵۸ میں کلکتہ سے منظر عام پر آیا، جو ۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ اخبار مطبع مظہر العجائب سے شائع ہوتا تھا۔ جس میں خبروں کے علاوہ امیروں اور نوابوں کے حالات بھی چھپتے تھے۔ ۱۸۵۸ میں سید مظفر حسین کی ملکیت میں بمبئی سے برق خاطف کی ابتدا ہوئی یہ ایک ہفتہ واری اخبار تھا۔

۲۳ نومبر ۱۸۵۸ میں مطبع نول کشور قائم ہو جانے کے بعد اس ادارے سے ۱۸۵۸ میں اودھ اخبار جاری ہوا۔ یہ اخبار لکھنؤ سے شائع ہوا ابتدأیہ ہفتہ وار پھر ہفتہ میں دوبار پھر تین بار اور بعد میں روزانہ شائع کیا جانے لگا۔ اس اخبار میں ادبی مضامین کے علاوہ تاریخی، معاشرتی، اور کتابوں پر تبصرے بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ جولائی ۱۸۵۹ میں تاریخ بغاوت ہند کے نام سے ایک ماہانہ رسالے کی شروعات سرجن مکند لال کی ادارت میں ہوئی۔ ۱۸۵۹ میں مدراس سے ہفتہ وار شمس الاخبار، ۱۸۵۹ میں جونپور سے نسیم جونپور، ۴ دسمبر ۱۸۵۹ میں لکھنؤ سے گلدستہ شعرا کا اجرا ہوا، اس میں تازہ غزلیں اور شعری نگارشات شامل کی جاتی تھیں۔

دہلی سے سید الاخبار کا اجرا عمل میں آیا اس کا پہلا کالم انگریزی دوسرا اردو اور تیسرا انگریزی میں ہوتا تھا اس کے مالک منشی مراری لال اور مہتمم وزیر علی تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں پہلے سے ہی پیسہ اخبار، اودھ اخبار، وکیل امرتسر، مہذب وغیرہ پہلے سے ہی نکل رہے تھے اسی اثنا میں لاہور سے پنجہ فولاد جاری ہوا۔ ۱۹۰۲ میں مولوی انشانے وطن لاہور کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا۔

مولانا حسرت موہانی نے رسالہ اردوئے معلی کے نام سے ایک رسالے کا اجرا ۱۹۰۳ میں کیا اس میں سیاسی، ادبی، تاریخی اور شاعری پر مشتمل مضامین شائع ہوتے تھے۔ اسی دوران جون ۱۹۰۳ میں مولانا ظفر علی خاں کے والد مولانا سراج الدین احمد نے ہفت روزہ زمیندار کی ابتدا کی۔ ۱۹۰۹ میں مولانا سراج الدین احمد کے انتقال کے بعد اس کی ادارت مولانا ظفر علی خاں نے سنبھالی۔ اس میں دبے کچلے طبقہ کی آواز اٹھائی جاتی تھی۔ یہ اردو کا پہلا اخبار تھا جس نے رائٹر اور دوسری انگریزی خبر رساں ایجنسیوں سے خبریں حاصل کیں۔ تحریک خلافت میں بھی اس اخبار نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لہٰذا اس کی متعدد بار ضمانت ضبط ہوئی۔

مولانا شبلی نعمانی نے جولائی ۱۹۰۴ میں شاہجہاں پور سے ماہنامہ الندوہ کی ابتدا کی اس میں بلند پایہ کے علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ۱۹۱۲ میں بجنور سے مولوی عبد المجید نے مدینہ بجنور کی شروعات کی۔ یہ اخبار کانگریس

اور جمعیۃ العلما کا حامی تھا۔ مولانا محمد علی جوہر نے کلکتہ سے انگریزی زبان میں ہفتہ وار کامریڈ کی ابتدا کی بعد میں یہ دہلی سے جاری کیا گیا۔ ۲۳ فروری ۱۹۱۳ کو اردو زبان میں روزنامہ ہمدرد کی ابتدا مولانا محمد علی جوہر نے کی، جس کا مقصد مسلمانوں کی خدمت تھا اس میں خلافت تحریک اور کانگریس کے نظریات کی بہتات ہوتی تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ کو ہفتہ وار الہلال کا آغاز کیا۔ حالانکہ اس سے قبل گلدستہ نیرنگ عالم ۱۸۹۹ء، اور لسان الصدق ۱۹۰۳ میں جاری کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ کلکتہ سے نکلنے والے احسن الاخبار سے بھی وابستہ رہے۔ تحفہ محمدیہ اور خدنگ کی ابتدا بھی انھوں نے کی۔ الندوہ اور وکیل سے بھی جڑے رہے۔

الہلال میں زبان، تشبیہات، استعارات اور تلمیحات سے ممیز ہوتی تھی، اسلوب خطیبانہ ہوتا تھا۔ زبان اور اسلوب کے اعتبار سے اس دور میں اس پائے کا رسالہ دیکھنے کو نہیں ملتا۔ الہلال میں مذہب، سیاست، معاشیات، نفسیات، تاریخ، جغرافیہ، ادب و حالات حاضرہ پر اعلی قسم کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ الہلال میں شبلی نعمانی، علامہ اقبال، حسرت موہانی اور سید سلیمان ندوی جیسے اہم اور بلند پایہ قلم کاروں کی تحریریں شامل ہوتی تھیں۔ الہلال کے ذریعہ مولانا نے ہندوستانی عوام کو بیدار کرنے کا کام کیا اور انگریزی حکومت کو بھی یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اب یہاں کی عوام آزادی چاہتی ہے۔ ۱۹۱۴ میں پہلی بار ضمانت ضبط ہونے کے بعد دس ہزار کی نئی ضمانت حکومت کی جانب سے مانگی گئی جس کے منظور نہ ہونے کی صورت میں الہلال پریس کو بند کر دیا گیا۔ بعد میں پھر ۱۹۲۷ میں الہلال جاری ہوا لیکن چھ ماہ بعد ہی بند ہو گیا۔

۱۹۱۹ میں مولانا سید حبیب نے لاہور سے روزنامہ سیاست کی ابتدا کی اسی دوران لاہور سے مہاشے کرشن نے پرتاپ جاری کیا، جو آج بھی جاری ہے۔ ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ کو مہاشے خوشحال چند نے لاہور سے روزنامہ ملاپ شروع کیا۔ یہ اخبار تقسیم ہند کے بعد دہلی سے نکلنے لگا اور آج بھی نکل رہا ہے۔ ۱۹۲۵ میں جمعیۃ العلما ہند کا ترجمان اخبار الجمعیۃ شروع ہوا۔

حیات اللہ انصاری نے قومی آواز، سید محمد جعفری نے ملت، قاضی عبد الغفار نے حیدر آباد سے پیام حیدر آباد، ۱۹۱۸ میں انیس احمد عباسی نے روزنامہ حقیقت، مولانا محمد اکرم نے روزنامہ زمانہ، بہادر علی بہادر نے بمبئی سے ہلال نو جاری کیا۔ عبد المجید انصاری نے ۱۹۳۸ میں روزنامہ انقلاب جاری کیا جو آج بھی جاری ہے۔

اس طرح کئی اخبارات اردو میں جاری ہوئے جو یا تو غیر ادبی تھے یا نیم ادبی۔ لیکن ان اخبارات کے ذریعہ اردو کی ادبی صحافت کے لیے خاطر خواہ فضا ہموار ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلگداز، مخزن، زمانہ، نگار، شاعر، ادب لطیف۔ وغیرہ جیسے رسائل نے اردو کی ادبی صحافت کو پروان چڑھانے میں ایک اہم رول ادا کیا۔

پہلی جنگ آزادی سے قبل ادبی صحافت:

اردو میں سب سے پہلے رسالہ ”خیر خواہ ہند“ ایک عیسائی پادری آر سی ماتھر کی ادارت میں ۱۸۳۷ء میں شروع کیا گیا۔ یہ رسالہ مرزا پور سے شائع ہوتا تھا لیکن کلکتہ کے بیپٹسٹ مشن پریس سے چھپ کر آتا تھا اسے پہلا رسالہ اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ اس میں خبریں نہیں بلکہ مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ مذہب سے قربت رکھنے، دیگر تمام اہم موضوعات پر مضامین شائع کرنے میں اردو کا پہلا رسالہ ہونے کی وجہ سے اہمیت کا حامل ہے۔ خیر خواہ ہند کے بارے میں مولانا امداد صابری لکھتے ہیں:

> یہ رسالہ بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک پادری قاری ایف جی برایت صاحب، ایڈیٹر پادری ماتھر صاحب مہتمم ڈاکٹر حیدر صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ مطبع اسکول میں چھپتا تھا۔ اس رسالے کا مقصد ہندوستانیوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ تھا۔ یہ امریکن مشنری سوسائٹی کا آرگن تھا لیکن عیسائی کے فرقے پروٹسٹنٹ مشنریوں کے مضامین اس میں چھپتے تھے۔ اس رسالے میں معلوماتی تاریخی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔“[۲۰]

اس رسالے کو بھلے ہی مذہبی بنیادوں پر شائع کیا گیا ہو لیکن اردو کا رسالہ ہونے کی وجہ سے اردو زبان کو بھی خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔ نادر علی خاں لکھتے ہیں:

> ”خیر خواہ ہند کے اجرا سے عیسائیت کو کتنا نفع پہنچا یہ موضوع سے خارج ہے۔ اس کے قیام سے نہ صرف اردو زبان کا ایک مطبع مرزا پور سے جاری ہوا بلکہ اردو زبان جو شعر و شاعری اور داستان کے آہنی پنجے میں مقید تھی، اسلوب اور موضوعات کے اعتبار سے وسیع تر ہو گئی“[۲۱]

قرآن السعدین: ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج سے قرآن السعدین کے نام سے ایک ہفت روزہ جاری کیا گیا۔ اس رسالے کو دلی کالج کے پرنسپل مسٹر اسپرنگر نے شروع کیا تھا۔ یہ اردو کا پہلا ہفتہ روزہ ہے۔ اس میں بھی مختلف موضوعات کے علاوہ علم و ادب پر مضامین یکجا کیے جاتے تھے۔ اس میں نظمیں، غزلیں، و قصائد بھی شامل ہوتے تھے۔

گل رعنا: اسی سال اردو زبان میں گلدستہ "گل رعنا "کا اجرا دہلی سے مولوی کریم الدین نے کیا۔ یہ اردو زبان کا پہلا گلدستہ ہے جس میں مشاعروں میں پیش کردہ کلام کو محفوظ کیا گیا ہے۔ گل رعنا کو مولوی کریم الدین نے اردو کا پہلا رسالہ کہا ہے لیکن بعد کی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ خیر خواہ ہند اردو کا پہلا رسالہ تھا۔ محمد عتیق صدیقی لکھتے ہیں:

"یہ خیال تو صحیح نہیں ہے کہ گل رعنا اردو کا پہلا رسالہ تھا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ گل رعنا اردو کا غالباً پہلا گلدستہ تھا۔ جس کو مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۵میں تو کچھ آگے چل کر جاری ضرور کیا۔"۲۲

فوائد الناظرین: ۱۸۴۵میں اس رسالے کی شروعات ہوئی جو کہ پندرہ روزہ تھا۔ اس کے مالک اور ایڈیٹر دلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر تھے۔ اس میں سائنسی اور تاریخی مضامین زیادہ شائع ہوتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی غیر ملکی اخبارات کے مضامین ترجمہ کی شکل میں شائع ہوتے تھے۔ یہ ۱۸۵۳میں بند ہو گیا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد پھر سے اسے شروع کیا گیا۔

محب ہند: اس رسالے کا اجرا یکم ستمبر ۱۸۴۷میں عمل میں آیا اس کے مدیر بھی ماسٹر رام چندر تھے۔ یہ ایک خالص ادبی ماہانہ رسالہ تھا۔ اس رسالے کا نام پہلے خیر خواہ ہند تھا،ماسٹر رام چندر کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اس نام سے پہلے ہی ایک رسالہ کا اجرا ہو چکا ہے لہذا انھوں نے اس کا نام بدل کر محب ہند رکھ دیا۔

"چونکہ ہم کو اس کی بالکل اطلاع نہ تھی کہ کوئی اخبار خیر خواہ ہند ہندوستان میں اجرا ہوتا ہے ہم نے اپنے رسالے کا نام خیر خواہ ہند رکھا تھا۔ اب ہم کو معلوم ہوا کہ اخبار مسمی خیر خواہ ہند مرزا پور سے جاری ہوتا ہے تو ہم کو مناسب نہیں کہ ہم اپنے رسالے کا نام بھی خیر خواہ ہند رکھیں۔ اس واسطے ہم نے اس رسالے کا نام تبدیل کیا اور بجائے خیر خواہ ہند کے محب ہند رکھا"۔ ۲۳

معیار الشعرا: معیار الشعرا نامی گلدستہ آگرہ سے ۱۸۴۸اجاری کیا گیا۔ جسے مولوی ابو الحسن نے جاری کیا، اس گلدستے میں بھی مشاعروں میں پڑھی گئی غزلیں اور نظمیں شائع کی جاتی رہیں۔

ہمائے بے بہا: لاہور سے ۱۸۵۳میں شائع ہونے والا یہ رسالہ فوائد الناظرین اور محب ہند کی طرز پر تھا اور اس میں علمی، تاریخی اور سماجی مضامین شائع کیے جاتے تھے۔ اس کے مالک منشی دیوان چند تھے۔

معلم العملہ: یہ رسالہ ۱۸۵۵ میں جاری کیا گیا اس رسالے کے خریداروں میں سر سید احمد خاں، کلیان رائے جیسے لوگ تھے۔ یہ ایک ضخیم ادبی اور تاریخی رسالہ تھا، اس کے مہتمم منشی سداسکھ لال تھے۔

اسی دوران مختلف موضوعات پر مشتمل رسالے جاری کیے گئے لیکن چھپائی اور فنی سہولت کی عدم دستیابی ان کی خاطر خواہ اشاعت میں رکاوٹ بنی رہی۔ ممکن ہے کہ یہ سہولت ہوتی تو رسائل کی تعداد میں اضافہ ہوتا۔ اس دور کے دیگر کچھ اہم رسائل میں خورشید پنجاب، مفید خلائق، معدن القرنین، تاریخ بغاوت ہند، رسالہ انجمن پنجاب وغیرہ ہیں۔

پہلی جنگ آزادی سے ۱۹۰۰ تک کی ادبی صحافت:

پہلی جنگ آزادی کی تحریک نے ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کو بیدار کر دیا۔ اسی زمانے میں مسلمانوں نے مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ ساتھ ادب کو بھی مقصدیت کا رستہ دکھلا دیا۔ ان تبدیلیوں اور حالات نے جہاں سماجی، سیاسی و معاشرتی حالات کو متاثر کیا وہیں رسائل بھی اس سے متاثر ہوئے۔ اس دور میں جو رسائل ملتے ہیں ان میں تہذیب الاخلاق پیش پیش ہے۔ اس رسالے کو سر سید احمد خاں نے جاری کیا حالانکہ اس سے پہلے وہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ نام سے ۳۰ مارچ ۱۸۶۶ کو ایک رسالہ جاری کر چکے تھے۔ اسے علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بھی کہا گیا اور اخبار سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے بھی موسوم کیا گیا۔

تہذیب الاخلاق: یہ رسالہ سر سید احمد خاں کی زیر نگرانی علی گڑھ سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی کی نظر میں یہ رسالہ اردو کی ادبی صحافت کا نقطہ آغاز تھا۔ اس کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کو بامقصد راہ دکھانے کی کاوش کی، قومی تہذیبی، اخلاقی، فلاحی، معاشرتی اور سیاسی مقاصد کی تکمیل اور اصلاح معاشرہ اس کا مقصود و منزل رہی۔ نیز اس کے موضوعات میں بے انتہا وسعت پائی جاتی ہے۔ ہر وہ موضوع اس میں پیش کیا گیا جو کسی بھی طور پر اصلاح میں معاون ثابت ہو سکے۔ علم، تاریخ، مذہب، فلسفہ، سیاست، قومی تشخص، اخلاقیات، معاشرت، رسم و رواج کے علاوہ اعلیٰ پائے کے ادبی مضامین اس میں ملتے ہیں۔ مضامین کا معیار، اعلیٰ اور تحقیقی و تنقیدی عنصر پوری طرح نمایاں ہوتا ہے۔ اس میں شعری اور افسانوی ادب الگ سے پیش نہیں کیا گیا البتہ تحقیقی یا تنقیدی مقالات کے تحت زیر بحث آ گیا ہو تو اس کا جائزہ ضرور پیش کیا گیا۔ یہ رسالہ اردو زبان و ادب، بامقصد تحریک، انقلابی اصلاحات نیز مسلمانوں کی تاریخ میں دوررس تبدیلیوں کی وجہ سے ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا

ہے۔اور مستقبل کی ادبی صحافت کی بنیادیں بھی فراہم کرتا ہے۔ اس رسالے کا اداریہ خود سر سید احمد خاں لکھتے تھے۔اس کے اہم مضمون نگاروں میں خود سر سید احمد خاں، منشی مشتاق حسین، حافظ محمد عبد الرزاق اور حافظ عبدالرحمن حیرت تھے۔ تہذیب الاخلاق کا آخری شمارہ ۲فروری ۱۸۹۷کو شائع ہوا۔ اس کے بعد اسے رسالہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں شامل کرلیا گیا۔ خلیق احمد نظامی سر سید احمد خاں کی صحافت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”دراصل تہذیب الاخلاق ہی وہ رسالہ ہے۔ جس نے اردو میں صحافت کی داغ بیل ڈالی۔ سید احمد خاں صحافت کی اعلیٰ قدروں کے ترجمان تھے۔ انھوں نے اردو صحافیوں کو بتایا کہ سچائی، صداقت روی اور سنجیدگی ایک صحافی کا اسوۂ زندگی ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اظہار خیال کی آزادی پر بھی زور دیا۔ وہ صحافت کو سچائی اور برائے عامہ کا ترجمان بنانا چاہتے تھے۔“۲۴؎

تہذیب الاخلاق کے اجرا سے لے کر رسالہ دلگداز کے اجرا تک متعدد رسائل شروع ہوئے۔ ۱۸۷۳ میں اجمیر سے رسالہ انجمن رفاہ عام راجپوتانہ کا آغاز ہوا۔ یکم دسمبر ۱۸۷۴ میں گلدستہ بدایوں ماہانہ کی شروعات ہوئی، یہ شاعری کا گلدستہ تھا اور اس میں شاعروں کے کلام اور ان کی نگارشات شامل اشاعت ہوتی تھیں۔ لکھنؤ سے گلدستہ شعرا کا آغاز ہوا، حیدرآباد سے ۱۲ مئی ۱۸۷۴کو غزل الفوائد کے نام سے ماہانہ رسالہ منظر عام پر آیا۔ اس کے بانی وایڈیٹر مولوی سید حسین بلگرامی تھے۔ ۱۸۷۵ میں لکھنؤ سے انجمن اسلام کا آغاز ہوا۔ ۱۸۷۵ میں ہی کانپور سے انجمن تہذیب نامی رسالہ جاری کیا گیا۔ لکھنؤ سے مراۃالہند کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ ۱۵اکتوبر ۱۸۷۵ میں جاری ہوا۔

یہی وہ دور ہے جب کرناٹک میں اردو رسائل کا آغاز ہوتا ہے۔ حیدرآباد، بنگلور، گلبرگہ، چنئی، جیسے شہروں میں اردو کی بقا کے لیے کافی جد و جہد کی گئی۔ حیدر آباد اور گلبرگہ جیسے شہروں سے اردو کے رسائل و اخبارات بہت بڑی تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ اور ان کی رسائی اردو کے ایک بڑے حلقہ تک ہے۔ اپریل ۱۸۷۵ میں عبدالمجیب کی سرپرستی میں پندرہ روزہ محافظ بنگلور سے نکلنا شروع ہوا جو کرناٹک کا پہلا اردو رسالہ تھا۔ ڈاکٹر انیس احمد صدیقی لکھتے ہیں:

”ریاست کرناٹک بھی اردو رسائل و جرائد کی متنوع و روشن تاریخ رکھتی ہے۔ اپریل ۱۸۷۵ میں عبدالمجیب کی زیر ادارت پندرہ روزہ محافظ بنگلور کا اجرا کرناٹک میں اردو رسائل کی اشاعت کا نقش اول تھا۔ یہ آٹھ صفحات پر مشتمل اخباری صورت میں شائع ہوتا تھا لیکن مشمولات اور

ترتیب و تزئین اور تنوع کے اعتبار سے اس میں ایک رسالے کے لیے درکار تمام خوبیاں موجود تھیں۔"۲۵

۱۸۸۱ میں بنگلور سے ہی ماہ نامہ ترغیب شائع ہوا۔ یہ رسالہ خواتین کا تھا۔ اسی دور میں لاہور سے ۱۸۷۸ میں ماہانہ رسالہ اشاعت السنہ کی شروعات ہوئی۔ یہ رسالہ سرسید کے رسالے تہذیب الاخلاق کا کٹر مخالف تھا۔ لاہور سے ہی یکم فروری ۱۸۷۸ کو حافظ صحت کے نام سے ایک طبی رسالے کی ابتدا ہوئی۔ اکتوبر ۱۸۷۹ میں تیرہویں صدی کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ آگرہ سے جاری کیا گیا۔ یہ رسالہ بھی سرسید احمد خاں کی مخالفت میں بہت مشہور تھا اور ان کے خلاف مضامین اس میں شائع ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ علمی، ادبی، تاریخی اور سماجی مضامین بھی اس میں شامل ہوتے تھے۔ اس دوران شائع ہونے والے کچھ اہم رسائل کے نام اس طرح ہیں۔ ماہانہ شعری گلدستہ لکھنؤ سے ۲۴ فروری ۱۸۸۴، آگرہ سے زمانہ نومبر 3۱۸۸، ماہانہ معلم ہند لاہور سے یکم جولائی ۱۸۸۴، پنجاب لوکل سلف گزٹ گوجرانوالہ سے ۱۵ نومبر ۱۸۸۴، ماہانہ انتخاب لکھنؤ سے شعری گلدستہ یکم نومبر ۱۸۸۴، ماہانہ خلاسفر آگرہ سے ۱۵ جنوری ۱۸۸۴ کو شروع کیے گئے۔

انیسویں صدی کے آخر تک کے رسائل زیادہ تر شعری گلدستے اور نعتیہ کلام پر مبنی تھے۔ تہذیب الاخلاق کے سترہ برس بعد ادبی و معیاری حیثیت سے مشہور رسالہ عبدالحلیم شرر کی ادارت میں دلگداز نکلا۔

دل گداز: اس رسالے کا اجرا ۲۵ جنوری ۱۸۸۷ کو عمل میں آیا۔ کبھی شرر کے حیدر آباد جانے کی وجہ سے، کبھی انگلستان کے سفر کے سبب او کبھی بعض دوسری دشواریوں کی وجہ سے یہ رسالہ کئی بار بند ہوا۔ جنوری ۱۹۱۰ میں اسے استحکام حاصل ہوا اور ۱۹۲۶ تک یہ عبدالحلیم شرر کی ادارت میں باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتا رہا۔ دسمبر ۱۹۲۶ میں یہ رسالہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

یہ ماہنامہ علمی و ادبی حلقوں میں اعلی معیاری تخلیقات کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔ اس میں تاریخ و ادب کے علاوہ ناول کو قسط وار شائع کیا جاتا تھا۔ اس رسالے میں عام لوگوں کی دلچسپی کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔ اس میں ہلکے پھلکے مضامین اور کہانیاں بھی پیش کی جاتی تھیں۔ حالات حاضرہ کا تجزیہ طنز و مزاح کی صورت میں کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ رسالہ معیاری و ادبی مضامین شائع کر کے ادب کی خدمات بھی انجام دیتا رہا۔ امداد صابری اس رسالے کے تعلق سے لکھتے ہیں:

”اس رسالے میں ادبی، سیاسی مضامین بہت کم اور تاریخی مضامین بہت زیادہ ہوتے تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ مولانا شرر نے جب سے اس میں ناولوں کو بالاقساط چھاپنا شروع کیا تھا تو لوگوں کی زیادہ توجہ ناولوں پر ہو گئی تھی اور لوگ ناولوں کی مانگ کرنے لگے تھے۔ چنانچہ اس میں کافی ناول بالاقساط شائع ہوئے۔“۲۶

ابتداًدل گداز کے تقریباً تمام مضامین شرر بذات خود تحریر کرتے تھے لیکن بعد میں دوسرے قلم کاروں کی نگارشات بھی اس میں جگہ پانے لگیں۔ پالیسی میں اس تبدیلی کا ذکر شرر نے ان لفظوں میں کیا ہے:

”دل گداز میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ ایک خاص لٹریچر ہوتا ہے اور اول سے آخر تک (بہ استثنائے مضامین کے، جو کبھی کبھی شائع ہو جاتے ہیں) سب ایڈیٹر دل گداز کے دماغ و قلم کے ساتھ وابستہ رہتا ہے اور اسی وجہ سے یہ حالت ہو گئی ہے کہ دل گداز کے سال بھر کے پرچے مرتب ہو جانے کے بعد کتنے ہی پر لطف ہوں مگر ہر متفرق پرچہ بالکل بے کار اور بے مزہ نظر آتا ہے۔ الغرض یہی نقصانات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ اب دل گداز کی وضع و حالت بالکل بدل دی جائے۔ چنانچہ اب جنوری 1909 سے تاریخ اور لائف کا سلسلہ اب ختم کر دیا گیا ہے۔ اور ان کے صفحات بھی مضامین کے حصہ میں شامل کر دیے گئے ۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مشہور و معروف انشا پردازوں اور جادو نگار محققوں اور فاضلوں کے مضامین کثرت سے شائع کیے جائیں۔“۲۷

عبدالحلیم شرر نے اس سے پہلے ایک خالص ادبی رسالہ محشر کے نام سے شائع کیا۔ ۱۸۹۰ میں ایک ادبی اخبار مہذب کا آغاز بھی کیا، جس میں ان کے ناول بھی شائع ہوئے۔ اس دور کے دیگر رسالوں میں ۱۸۹۴ میں ممبئی سے ماہانہ گلدستہ عروج بہار شروع کیا گیا، جس میں زیادہ تر اتر پردیش کے شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا۔ بھوپال سے گل رعنا کے نام سے شعری گلدستہ ۱۸۹۵ میں جاری کیا گیا۔ لدھیانہ سے ۱۸۹۵ میں گلدستہ سخن، لاہور سے ۱۸۹۵ میں انتخاب لاجواب، اکتوبر ۱۸۹۶ میں میرٹھ سے پروانہ، حیدر آباد سے ۱۸۹۸ میں دبدبہ آصفی شائع کیے گئے۔

انیسویں صدی کے اواخر کے رسائل میں جو اہم نام سامنے آتے ہیں ان میں رسالہ معارف اہمیت کا حامل ہے۔ علی گڑھ سے وحید الدین سلیم کی ادارت میں جولائی ۱۸۹۸ میں شروع کیا گیا۔ ادبی اور علمی حلقوں میں اس رسالے کی اہمیت مسلم تھی لیکن بہت کم عرصہ میں یہ رسالہ بند ہو گیا۔

رسالہ معارف ہی کی ایک کڑی رسالہ ادیب ہے جو جنوری ۱۸۹۹ میں آگرہ سے جاری ہوا۔ اس رسالے میں مختلف موضوعات پر مشتمل معیاری مضامین، شعری اور افسانوی ادب شائع کیے جاتے رہے۔ انسانی مسائل پر مشتمل مضامین بھی اس رسالے کی زینت بنے۔ اس دور میں ادبی نظریات کی تفریق جدید اور قدیم ادب کی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ یہ رسالہ ان دونوں کے درمیاں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کوشاں رہتا تھا۔ اسی دور میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے حیدرآباد سے نکلے والے رسالے افسر کی ادارت کی جسے افسر الدولۃ بہادر کی سرپرستی حاصل تھی۔ یہ رسالہ ۱۸۹۹ میں جاری ہوا۔

یہ دور صحافت کے ارتقا اور موضوع دونوں ہی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور کے رسائل پر اثر انداز ہونے والے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو جنگ آزادی سے پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا اظہار جابجا نظر آتا ہے ۔ یہی وہ دور ہے جب پریس اور اخبارات پر روک لگادی گئی لیکن سر سید احمد خاں، عبدالحلیم شرر، وحیدالدین سلیم، منشی سجاد حسین، منشی محبوب عالم جیسے اردو صحافت کے نامور جیالوں نے صحافت کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ یہ دور اردو صحافت میں نئے تجربات کا دور ثابت ہوا۔ مغربی ادب ترجمہ کی شکل میں ان اخبارات و رسائل کے ذریعہ قارئین تک پہونچنے لگا۔ بعد میں اس روایت کو منشی دیا نرائن نگم، اور شاہد احمد دہلوی نے اور بھی آگے بڑھایا۔ صحافت کی تاریخ میں یہ وہ دور ثابت ہوا جب ادبی صحافت کا مفہوم واضح ہونے لگا۔ اور لوگ اخبارات کے علاوہ رسائل کو بھی اردو صحافت کا حصہ جاننے لگے۔

اس دور میں معاشرہ کی اصلاح، تعلیمی اور تمدنی اصلاحات، لوگوں میں سیاسی، سماجی و معاشرتی بیداری کے جذبہ کو بیدار کرنے جیسے موضوع کا احاطہ کیا گیا۔ اس دور کے رسائل میں بیشتر رسائل گلدستوں اور شعرا کے کلام پر مشتمل نظر آتے ہیں۔ جن میں کچھ ایسے رسائل بھی ہیں جو کسی انجمن کے ترجمان کی حیثیت سے منظر عام پر آنا شروع ہوئے۔ اور ان میں ان انجمن کے مقاصد اور ان کی سرگرمیوں کے تعلق سے مضامین شائع ہوتے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں ادب اور صحافت کا عنصر بھی شامل ہوتا تھا۔ اور اعلیٰ قسم کے مضامین، خبروں کے تجزیے، ترجمہ شدہ مضامین، سرکاری اعلانات و اشتہارات بھی عموماً شائع ہوتے تھے۔

۱۹۰۱ سے ۱۹۴۷ تک کی ادبی صحافت:

۱۹۰۱ سے قبل کی ادبی صحافت نئی صدی کے خیر مقدم کے لیے خود کو تیار کر چکی تھی۔ یہی وہ دور تھا جب اردو ادب میں نئی اصناف کا ارتقا ہو رہا تھا، ادب اور صحافت میں نئے تجربات کیے جا رہے تھے۔ انشائیہ، ڈرامہ، ناول، سوانح عمری، خاکہ، آپ بیتی، مزاحیہ، تنقیدی و تاریخی مضامین وغیرہ کی ابتدا اسی دور میں ہوئی۔ اس صدی کی شروعات ایسے وقت میں ہوئی جب انگریز پوری طرح ہندوستان پر قابض تھے اور ہندوستانی عوام کے اندر انگریزوں کے خلاف نفرت اور بغاوت جوش مار رہی تھی۔ نفرت کے اس جذبے سے اردو ادب اور صحافت کو جو نفع پہونچا ہے اس کے بارے میں رئیس الدین فریدی لکھتے ہیں:

> ''بیسویں صدی ہندوستان کے لیے زبردست انقلاب لے کر آئی۔ کانگریس نے جو اس سے پہلے ہی قائم ہو چکی تھی ملک میں سیاسی بیداری پیدا کرنا شروع کی۔ مسلم لیگ کا قیام، تقسیم بنگال کی تجویز، ایشیا اور افریقہ پر مغربی ملکوں کی تاخت و تاراج، کانپور کی مسجد کا واقعہ، ترکی سلطنت کی تباہی کا آغاز، پہلی عالمی جنگ، جلیاں والا باغ کی خوں ریزی وغیرہ نے جمع ہو کر سوراج اور خلافت کی تحریک کا راستہ تیار کیا۔ اس سے اردو اخبار بھی شدت سے متاثر ہوئے۔ اور نئے نئے اخبار نکلنے لگے۔ ایک خاص بات یہ بھی ہوئی کہ انگریزوں کے خوشامدی اخبار دب گئے اور اردو صحافت انگریزوں کی مخالفت کے لیے شمشیر عریاں ہو گئی۔ یعنی پچاس سال سے بھی کم مدت میں ۱۸۵۷ کا سماں پھر پیدا ہو گیا۔ ان دنوں اردو اخباروں کی اشاعت بھی کافی بڑھ گئی۔ یہ دور اردو صحافت کا سنہرا دور تھا۔''۲۸

الغرض اس صدی کی صحافت کی ابتدا جن رسائل اور اخبارات سے ہوئی ان میں ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد پیش پیش نظر آتی ہے۔ اس صدی میں سب سے پہلا رسالہ مخزن ملتا ہے۔

مخزن: اپریل ۱۹۰۱ میں یہ رسالہ لاہور سے شائع کیا گیا۔ اس کی نمایاں اہمیت تو یہ ہے کہ لاہور سے جاری ہونے والا پہلا معیاری رسالہ ہے جسے شیخ عبد القادر نے جاری کیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل اس رسالے کی شروعات انجمن پنجاب کے ذریعہ ہوئی۔ یہ رسالہ کچھ وقت بعد بند ہو گیا۔ دوبارہ ۱۹۲۶ میں دور جدید کے تحت شائع کیا گیا۔ دوسری مرتبہ بند ہونے کے بعد پھر ۱۹۵۰ میں جاری کیا گیا۔

اس رسالے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں نئے شاعروں اور ادیبوں کو متعارف کرایا جاتا تھا اور ان کی نگارشات کو اس میں شامل کیا جاتا تھا۔ اس رسالے میں علامہ اقبال، ظفر علی خاں، راشد الخیری،، ناصر، نذیر، فراق اور ابو الکلام آزاد کی تحریریں شامل ہوتی تھیں۔ افسانے کی صنف کو متعارف کرانے میں بھی مخزن کا نام آتا ہے۔ سجاد حیدر یلدرم اور سدرشن کے افسانوں کی اشاعت اسی رسالے میں ہوئی۔ اس کے موضوعات پر نظر ڈالیں تو اس میں بہت وسعت نظر آتی ہے۔ مضامین و مقالات بہت معیاری ہوتے ہیں۔ اور ان میں تحقیق نقطہ نظر بہت واضح طور پر نظر آتا ہے۔ اس میں پیش کردہ شعری اور افسانوی ادب میں بھی بامقصد رجحانات کو پیش کیا جاتا ہے۔ حقیقت نگاری اس رسالے کا اہم وصف ہوا کرتی ہے۔ اس رسالے نے ملے جلے انداز میں تحریک آزادی میں اہم کردار ادا کیا۔ سر زمین پاکستان سے شائع ہونے والے اس رسالے نے پنجاب کی حدود میں علم و ادب کے نئے رجحانات کی مدد سے بامقصد انقلاب برپا کرنے میں اپنا اہم کردار ادا کیا جیسا کہ شمالی ہند میں رسالہ تہذیب الاخلاق نے انجام دیا۔

زمانہ: مخزن کے بعد سب سے اہم رسالہ زمانہ ہے جسے منشی دیا نرائن نگم نے کانپور سے فروری ۱۹۰۳ میں شائع کیا۔ یہ رسالہ پہلے بریلی سے نکلنا شروع ہوا لیکن بعد میں اسے کانپور منتقل کر دیا گیا۔ اسی رسالے میں علامہ اقبال کا قومی ترانہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا پہلی دفعہ شائع کیا گیا۔ اس رسالے کی زبان عام فہم تھی۔

یہ رسالہ مختلف موضوعات پر مضامین، افسانوی اور شعری ادب کے ساتھ ساتھ معیاری ادبی مضامین کی وجہ سے مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ اس میں شاعری کو خاص طور پر اہمیت دی جاتی تھی۔ اس کے تحقیقی و تنقیدی مقالات و مضامین کا معیار بھی بلند تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ طویل عرصہ تک جاری ہونے والے اس رسالے میں دنیائے ادب کے بے شمار تخلیق کاروں کی تخلیقات محفوظ ہیں۔ اس رسالے نے مختلف خاص نمبر بھی شائع کیے جن میں ۱۹۲۸ میں جوبلی نمبر اور ۱۹۳۸ میں پریم چند نمبر پیش پیش ہیں۔

اردوئے معلی: ہندوستان کی ادبی صحافت بتدریج ترقی کے مراحل طے کر رہی تھی۔ مختلف علاقوں سے چھوٹے بڑے رسائل کا اجرا عمل میں آرہا تھا۔ اسی دوران علی گڑھ سے اردوئے معلی کا اجرا جولائی ۱۹۰۳ میں ہوا۔ اس مشہور زمانہ رسالہ کو سید فضل الحسن حسرت موہانی نے جاری کیا۔ مولانا تحریک آزادی برصغیر میں براہ راست حصہ لے رہے تھے اس لیے رسالے میں بھی سیاسی، قومی، مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر پر اثر مضامین اور کلام شامل اشاعت ہوتے۔ ساتھ ہی ساتھ ادبی مضامین بھی اس کا اہم حصہ تھے۔ اس رسالے کا مقصد لوگوں کے سامنے ایسا

تہذیبی میگزین پیش کرتا تھا جس میں تاریخی، سوانحی، تمدنی، ادبی وسیاسی مضامین بھی شائع ہوں۔ ان مضامین کا معیار اعلی اور ان کا تحقیقی نقطہ نظر واضح ہوتا تھا۔ حسرت موہانی کی سوچ اور فکر کا یہ رسالہ اپنے منفرد انداز اور اعلی معیار کی بدولت مختلف حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب رہا اور ہندوستان کے وسیع تر علاقے کو اپنی سوچ و فکر سے متاثر کیا۔

عصمت: رسالہ عصمت دہلی سے جون ۱۹۰۸ میں منظر عام پر آیا۔ یہ رسالہ خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ یوں تو اس وقت کئی ادبی و نیم ادبی رسالے زیر اشاعت تھے لیکن اس وقت کے حالات کو دیکھتے ہوئے خواتین کی تعلیم و تربیت کے لیے بھی ایک رسالہ از حد ضروری تھا۔ یہ ایک باتصویر رسالہ تھا جس میں خواتین کے تعلق سے متعدد اقسام کے مضامین شائع ہوتے ۔ تاریخی، ادبی، سماجی، معاشرتی نیز امور خانہ داری اور بچوں کی دیکھ بھال جیسے موضوعات اس میں شامل ہوتے۔

فانوس خیال: یہ رسالہ اردو کی ترویج و ترقی کی خاطر کے لیے شروع کیا گیا۔ اس میں اعلی معیاری شاعری، نثر، مختلف ادبی اور غیر ادبی موضوعات پر مضامین شائع ہوتے۔ اس رسالے کی شروعات پٹھان کوٹ سے جون ۱۹۱۴ میں ہوئی۔ اس کے ایڈیٹر ابوالرشید عبدالمجید سالک بٹالوی تھے۔

پنجاب ریویو اور تمدن: ادبی صحافت بتدریج اپنے مراحل طے کر رہی تھی۔ اسی دوران لاہور سے ۱۹۱۰ میں پنجاب ریویو، ۱۹۱۱ میں دہلی سے تمدن شائع کیے گئے۔ پنجاب ریویو مولانا ظفر نے جاری کیا اس میں سیاسی نقطہ نظر کو زیادہ اہمیت دی گئی۔ اسی طرح تمدن میں بھی اصلاحی پہلو غالب نظر آتا ہے لیکن اس نے زیادہ تر خواتین کو مخاطب کیا۔ اس کے مضامین کا معیار اعلی اور مقاصد میں خلوص پیش پیش رہا۔ جب کہ معیاری ادبی مضامین کو شامل کر کے ادب کی خدمت بھی انجام دی۔

العمر: پیارے لال شاکر میرٹھی نے العمر کا اجرا ۱۹۱۲ میں لکھنؤ سے کیا۔ اس رسالے نے معیاری ادبی مضامین اور تحقیقی مقالات پیش کر کے اردو ادب کی خدمت کرتے ہوئے ادبی تقاضوں کی تکمیل کی اور ادبی رسائل میں ایک بلند معیاری رسالے کا اضافہ کیا۔

نقاد: اسی سال ۱۹۱۲ میں آگرہ سے نقاد جاری کیا گیا۔ نام کی مناسبت سے اس میں تحقیقی تخلیقات پر بھی مناسب توجہ دی جاتی تھی۔ خود رسالے نے اپنا مقصد تنقیدی ادب کے معیار کو بلند کرنا قرار دیا تھا۔ اور وہ اس کے حصول

کی کامیاب کوشش کرتا رہا۔

ترجمان: اسی دوران لاہور سے ترجمان کا آغاز ہوا اس کی نمایاں خوبی سائنس اور فلسفہ سے متعلق مضامین کے ساتھ ساتھ ادبی مضامین کو بھی شامل اشاعت کرنا تھا۔

معارف: مجلس دار المصنفین اعظم گڑھ سے اس رسالے کا اجرا جولائی ۱۹۱۶ میں عمل میں آیا۔ اس کے مدیر سید سلیمان ندوی تھے۔ یہ ایک بہترین علمی، ادبی و دینی رسالہ تھا۔ یہ اپنے معیاری، ادبی، تحقیقی، علمی، مذہبی و اخلاقی نوعیت کے مضامین کی وجہ سے بھی مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ یہ ماہنامہ علامہ شبلی نعمانی کے نظریات سے پوری طرح مطابقت رکھتا تھا۔ اسے پروان چڑھانے والوں میں مشہور زمانہ علمی اور ادبی شخصیات نے بھرپور حصہ لیا۔ ان میں سید سلیمان ندوی، عبد الماجد دریا آبادی، سید منظر حسین گیلانی اور ڈاکٹر عبد الستار پیش پیش تھے۔ اس ماہ نامہ نے جدید نظریہ ادب کو ترقی دینے کے لیے پوری کوشش کی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، مولانا عبد الماجد دریا آبادی، مولانا نیاز فتح پوری، مولوی الف دین، حاجی عبد الرحمن حیرت، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا الطاف حسین حالی، جیسے اس وقت کے اہم اور معروف ادیب، و مفکرین، مورخین اور شاعروں کی نگارشات اس میں شائع ہوتیں۔ مولانا امداد صابری اس رسالے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اس رسالے نے جو سنجیدہ اور تحقیقی لٹریچر پیش کیا ہے اس سے اس رسالے کی مقبولیت ہوئی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال نے رسالہ معارف کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ یہی ایک رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے" ۲۹؎

نگار: نگار کی شروعات اردو کے مشہور ادیب، نقاد اور دانشور مولانا نیاز فتح پوری نے ۱۹۲۲ میں لکھنؤ سے کی۔ یہ رسالہ اپنے خصوصی نمبرات کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ اس رسالے نے ہر سال ایک خصوصی نمبر شائع کیا۔ ڈاکٹر شریف الدین لکھتے ہیں:

> "اس رسالے کی سب سے عمدہ خوبی یہ تھی کہ یہ سال کے آخر میں کسی اہم موضوع پر خصوصی شمارہ پیش کرتا تھا۔ نگار نے اردو کے بہت سے اہم شعرا کے نمبر نکالے جیسے مومن، غالب، بہادر شاہ ظفر وغیرہ۔" ۳۰؎

رسالہ بیسویں صدی: اس رسالے کی ابتدا خوشتر گرامی نے ۱۹۳۷ میں لاہور سے کی، تقسیم ہند کے بعد یہ رسالہ دہلی آ گیا۔ اس رسالے نے قارئین کو ادب عالیہ کی طرف راغب کیا۔ تقریباً سبھی بڑے ادیبوں اور مصنفین کی

نگارشات اس میں شائع ہوتی رہی ہیں۔اس رسالے میں مضامین،سیاسی ظرافت، کارٹون اور صحت سے متعلق مواد اور افسانے شائع ہوتے ہیں۔اس رسالے کی شہرت خوشتر گرامی کے زمانے میں ہی ہو گئی تھی۔بعد ازاں رحمٰن نیر نے اس رسالے کی ادارت ۱۹۷۷ میں سنبھالی۔ان کے انتقال کے بعد تقریباً ڈھائی سال اس کی اشاعت مسدود رہی۔اس کے بعد نیر کی اہلیہ شمع افروز زیدی نے اس کی ادارت کا ذمہ لیا۔

رسالہ اردو: بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ادارت میں اورنگ آباد دکن سے رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۱ کو جاری کیا گیا۔۱۹۴۷ کے بعد سے یہ رسالہ کراچی سے نکلنے لگا۔انجمن کی سرگرمیوں اور خبروں کے ساتھ اس میں بہترین علمی و تحقیقی اور ادبی مضامین شائع کیے جاتے تھے۔اردو زبان او ادب کی ترویج و ترقی میں یہ رسالہ پیش پیش رہا۔ایک لمبے عرصہ تک اس نے اردو ادب کی خدمت کی۔بعد میں یہ رسالہ اردو ادب کے نام سے دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا۔اس رسالے کا معیار ابتدا سے ہی بلند رہا۔اس کے قاری اس کے مضامین کی بہت تعریف کرتے۔اس میں نظم اور نثر اور اعلیٰ درجے کے مضامین شائع ہوتے۔ڈاکٹر رام بابو سکسینہ لکھتے ہیں:

> ”انجمن کا مشہور و معروف سہ ماہی رسالہ اردو ہندوستان کے نہایت کارآمد اور مشہور رسائل و جرائد میں سے ہے اور اس میں زبان و ادب اردو کے متعلق نہایت قابل قدر اور دلچسپ مضامین ہوتے ہیں۔“۳۱

ہمایوں: پنجاب سے یوں تو مختلف نوعیت کے رسائل جاری ہو رہے تھے لیکن لاہور سے ہمایوں کا اجرا اردو زبان و ادب کے لیے اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔میاں بشیر احمد نے اپنے والد جسٹس شاہ دین ہمایوں کی یاد میں اس اہم ماہ نامہ کو ۱۹۲۲ میں جاری کیا۔سر عبدالقادر اور علامہ اقبال اس مشہور رسالے کے سرپرست رہ چکے ہیں۔اس میں ادبی، اخلاقی، قومی اور مذہبی موضوعات پر معیاری مضامین شائع کیے جاتے رہے۔اس میں پیش کردہ ادبی مضامین کا معیار اعلیٰ ہوتا تھا۔جابجا تحقیقی مقالات بھی پیش کیے جاتے تھے۔یہ مقالات بھی اردو ادب کے علاوہ دیگر موضوعات پر مشتمل ہوتے تھے۔اس کے علاوہ انگریزی اور دوسری زبانوں سے ترجمہ کردہ تخلیقات کو بھی شائع کیا جاتا تھا۔اس ماہ نامہ میں شعری اور افسانوی ادب بھی معیاری درجہ کا ملتا ہے۔ترقی پسند تحریک اور عام انسانوں کے ادب کے فروغ میں اس رسالے نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔اسے اپنے دور کے اہم ادیبوں، نقادوں اور محققین کے علاوہ شعرائے کرام کا بھرپور تعاون بھی حاصل رہا۔اس کے اداریوں میں حالات حاضرہ کا تجزیہ پیش

کیا جاتا۔ اس ماہنامے نے جا بجا خاص نمبر بھی شائع کیے۔ ان میں سلور جوبلی اور اقبال نمبر ادبی نقطہ نظر سے اہمیت کے حامل ہیں۔

جامعہ: جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سوسائٹی کے زیر اہتمام ۱۹۲۳ میں اس رسالے کا آغاز ہوا۔ یہ رسالہ معارف اور زمانہ کی طرز پر شائع کیا گیا تھا۔ جامعہ کی سرگرمیوں کے علاوہ اس میں ملکی و غیر ملکی سیاست پر مضامین بھی شائع کیے جاتے تھے۔ حالات حاضرہ پر تبصرے، ادبی مضامین، فلسفہ اور سائنسی علوم جیسے اہم موضوعات پر اس رسالے میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس رسالے کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس میں صفحات کا شمار پورے سال ہوتا تھا، بعد کے رسالوں میں یہ روش نظر نہیں آتی۔

اس رسالے میں پنڈت جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین، شفیق الرحمن قدوائی، سید وقار عظیم، پروفیسر محمد عاقل، قاضی عبد الغفار، عبد الماجد دریا آبادی، اختر انصاری، شوکت سبزواری، آل احمد سرور، امداد صابری، مرزا فرحت اللہ بیگ اور نصیر الدین ہاشمی جیسے ادیبوں اور محققین کی تحریریں اس میں شامل ہوتی تھیں۔

اس رسالے میں تخلیقی نگارشات کو بھی اہمیت دی گئی، افسانوں میں سجاد ظہیر، خواجہ احمد عباس، پریم چند، قرۃ العین حیدر، جیسے افسانہ نگاروں کی تحریریں شائع ہوتی رہیں۔ اس رسالے میں ادب کے لیے ایک مخصوص گوشہ رکھا گیا تھا جس میں انشائیہ، طنز و مزاح، سفرنامے، شاعری، افسانے اور دوسری ادبی نگارشات کو خصوصی طور پر شائع کیا جاتا تھا۔ یہ رسالہ آج بھی اپنے اسی معیار کو برقرار رکھتے ہوئے اردو ادب و صحافت کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

نیرنگ خیال: لاہور سے کئی معیاری رسالے شائع ہو چکے تھے لیکن نیرنگ خیال کا اجرا اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت رسائل کی مقبولیت میں روز افزوں ترقی ہو رہی تھی۔ اس رسالے کی شروعات جولائی ۱۹۲۴ میں ہوئی۔ یہ رسالہ اپنے عہد کے رسالوں میں اس لیے ممتاز تھا کہ یہ ہمیشہ وقت کی پابندی کے ساتھ ہر ماہ مقررہ تاریخ پر شائع ہوتا تھا۔ جس سے دوسرے رسالے بھی وقت کی پابندی کا خیال رکھنے لگے۔ اس رسالے نے قومی یکجہتی کو فروغ دیا اور مسلمانوں کو ہندو مذہب کی جانکاری کے لیے رامائن نمبر شائع کیا۔ اس کے علاوہ جدید غزل نمبر، چینی افسانہ نمبر، اردو کانفرنس ایڈیشن، گولڈن جوبلی نمبر اول اور دوم اہمیت کے حامل ہیں۔ اس رسالے کو اپنے دور کے مشہور و معروف ادیبوں، نقادوں اور محققوں کا بھرپور تعاون حاصل رہا۔

بہارستان: لاہور سے ہی اختر شیرانی نے بہارستان کے نام سے مئی ۱۹۲۶ میں بہارستان نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ اس میں افسانوی اور شعری ادب کو اہمیت حاصل تھی۔ معیاری ادبی مضامین بھی اس میں جگہ پاتے تھے۔ اردو ادب میں خوبصورت الفاظ کا اضافہ کرنے میں اس رسالے کا نام پیش کیا جاتا ہے۔ اس رسالے میں تصاویر بھی شائع کی جاتی تھیں۔ اختر شیرانی نے اس کے علاوہ انتخاب(۱۹۲۵)، خیالستان (۱۹۳۰)اور رومان(۱۹۳۳) جیسے رسالے بھی شائع کیے جو بہت مقبول ہوئے۔

منادی: اسی سال ۱۹۲۶ میں خواجہ حسن نظامی نے دہلی سے منادی کا اجرا کیا۔ اس رسالے میں مختصر کہانیوں کے ساتھ ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس نے مختلف موضوعات پر خاص نمبر بھی شائع کیے، ان میں اردو انسائیکلوپیڈیا ہندوستان ۱۹۲۶، اور امیر خسرو نمبر ۱۹۶۳ پیش پیش ہیں۔

ادیب: اردو کی ادبی صحافت میں الہ آباد سے شائع ہونے والا رسالہ ادیب بھی اہمیت کا حامل ہے۔ منشی نوبت رائے نظر کی ادارت میں ۱۹۲۸ میں شائع کیا گیا۔ اس کی نمایاں اور اہم خصوصیات تو شعری ادب تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اعلی معیاری مضامین و مقالات بھی شامل اشاعت کیے جاتے رہے ہیں۔ نیز اس کا افسانوی ادب جدید نقطہ نظر خصوصاً ادب برائے زندگی کے سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے۔

ادبی دنیا: ۱۹۲۹ میں لاہور سے ادبی دنیا کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا گیا۔ اس رسالے کے مدیران میں علامہ تاجور اور صلاح الدین احمد کے نام ملتے ہیں۔ اس رسالے میں مختلف موضوعات پر مضامین کے ساتھ ساتھ معیاری ادبی مضامین بھی ملتے ہیں۔ جابجا تحقیقی اور تنقیدی مضامین بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ شعری اور افسانوی ادب بھی اس رسالے کا خاصہ رہا ہے۔ اس کی خاص اشاعتیں اور خاص نمبر بھی جاری ہوئے۔

ساقی: ماہنامہ ساقی کا اجرا شاہد احمد دہلوی کی ادارت میں دہلی میں عمل میں آیا۔ اس کے اجرا کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے لیکن امداد صابری کی تحقیق کے مطابق اس کا سن اشاعت ۱۹۳۰ ہے جو درست معلوم پڑتا ہے۔ یہ رسالہ تقسیم ہند کے بعد کراچی سے شائع ہوتا رہا۔ ماہنامہ ساقی سے رومان پسند اور کلاسیکی ادب کو فروغ حاصل ہوا۔ سعادت حسن منٹو، بیدی، عصمت چغتائی، میرا جی، فیض احمد فیض اور سردار جعفری کی تحریریں اس میں شائع ہوتی تھیں۔ شاہد احمد دہلوی کو ترجمہ نگاری کے میدان میں مہارت حاصل تھی لہذا مغربی ادب کے کئی ادبی شہ پاروں کا اردو ترجمہ اس رسالے میں شائع ہوا۔ فاؤسٹ، رومیو جولیٹ، ہیملٹ، راسلاک جیسے انگریزی ادب کے مشہور ڈرامے

اور نثری شہ پارے اس رسالے کی زینت بنے۔ ساقی نے کئی خاص نمبر بھی شائع کیے، دلی نمبر ۱۹۳۲، ناصر نمبر ۱۹۳۳، سال نامہ ۱۹۳۴، ظریف نمبر اپریل ۱۹۳۵، افسانہ نمبر جولائی ۱۹۳۵، چغتائی نمبر اکتوبر ۱۹۳۵، جاپان نمبر جنوری ۱۹۳۶، راشد الخیری نمبر ستمبر ۱۹۳۶ قابل ذکر ہیں۔

شاعر: رسالہ شاعر کی ابتدا فروری ۱۹۳۰ میں علامہ سیماب اکبر آبادی نے کی۔ اس کے مدیر سیماب اکبر آبادی کے بڑے صاحبزادے منظر صدیقی مرحوم تھے۔ یہ رسالہ اردو کے تمام رسالوں میں ایک الگ شاخت رکھتا ہے۔ جدید ٹکنالوجی اور اردو کی نئی بستیوں کے حوالے سے اس میں بہت مواد شائع ہوتا رہا ہے۔ اس رسالے نے غیر ممالک میں اردو کی ترویج و ترقی کے لیے بہت سے مضامین شائع کیے اور غیر ممالک میں اردو داں طبقہ کو ہندوستان کے اردو حلقہ میں روشناس کرایا۔ یہ ایک ایسا رسالہ تھا جس کا معیار ابتدا سے ہی ادبی رہا۔ کسی بھی تحریک سے متاثر ہوئے بغیر اس نے متعدد ادیبوں کی نگارشات کو اس میں شامل کیا۔ شاعر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نے وقت اور حالات کے ساتھ ادب اور ثقافت کے تقاضوں کو سمجھا ہے اور نئے تجربے پیش کیے ہیں۔ یہ رسالہ آج بھی ۹۰ برسوں کا سفر طے کرنے کے بعد نہایت کامیابی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

شاعر کے خصوصی نمبر اپنی مثال آپ ہیں۔ ۱۶ ناولٹ نمبر، کرشن چندر نمبر، غالب نمبر، شعرا کا خصوصی نمبر، ہم عصر اردو ادب نمبر، اردو ادب ناول نمبر وغیرہ کافی اہم ہیں۔ اپنی گوناگوں ضخامت کے اعتبار سے یہ نمبرات متعلقہ میدان اور شخصیات کے مکمل فن اور تاریخ کا احاطہ کرتے ہیں۔ اردو رسائل میں شاعر ایسا رسالہ ہے جسے آغاز سے ہی باکمال اور علم و ادب کی بے مثال شخصیات کا ساتھ ملا ہے۔ یہ رسالہ زمانے کی کروٹوں کے مزاج کو سہتے اور سمیٹے ہوئے آج بھی کامیابی کی راہ پر گامزن ہے۔

ادب لطیف: ادب لطیف کی شروعات ۱۹۳۵ میں لاہور سے ہوئی۔ اس کے مدیر چودھری برکت علی تھے۔ یہ ترقی پسند تحریک کا ترجمان تھا۔ ترقی پسند رجحانات کی وجہ سے افسانوی اور شعری ادب پر زیادہ توجہ دیتا تھا۔ اسے اپنے دور کے ترقی پسند تخلیق کاروں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ افسانوں، غزلوں اور نظموں کے ساتھ ہی اعلی پائے کے تنقیدی مضامین بھی اس رسالے کا حصہ ہوتے تھے۔ اس رسالے میں لکھنے والوں میں بیدی، فیض، احمد ندیم قاسمی، ممتاز مفتی وغیرہ اور خاص نمبروں میں افسانہ نمبر، بابائے اردو نمبر قابل ذکر ہیں۔

سب رس: اس رسالے کی ابتداڈاکٹر محی الدین قادری زور نے ادارہ ادبیات اردو کے زیر اہتمام جنوری ۱۹۳۸ میں حیدر آباد دکن سے کی۔ یہ رسالہ اپنے عہد کا بے حد اہم رسالہ ہے جسے دکنی ادب کے فروغ اور ادب کی خدمت کے مقصد سے شائع کیا گیا۔اس رسالے کے مقاصد میں اردو زبان و ادب کا فروغ، غیر ملکی زبانوں کے شاہکار کا ترجمہ اور اردو میں تحقیق و تنقید کا فروغ تھا۔

اس رسالے میں دوسری زبانوں کے معیاری ادب کے تراجم کے ساتھ ساتھ اعلی معیار پر مشتمل ادبی مضامین ومقالات، تحقیقی و تنقیدی مضامین ومقالات شائع ہوتے،نیز نئے شعری وافسانوی ادب اور بچوں کے ادب کے گوشے بھی اس رسالے کی زینت بنتے۔اس کے پہلے ہی شمارے میں دوسری زبانوں کے نامور ادیبوں میتھلی شرن گپت،رابندر ناتھ ٹیگور، جی سورج بھان، شیورانی دیوی وغیرہ کی تخلیقات شائع کی گئیں، جو اس کو دوسرے تمام ہم عصر رسائل میں ممتاز کرتی ہیں۔ ہندوستان کی ادبی صحافت کی تاریخ میں اس رسالہ کی اہمیت مسلم ہے۔

اس ماہنامے نے کئی خصوصی نمبرات بھی شائع کیے جن میں چند کے نام محرم نمبر (مارچ،۱۹۳۸)،اقبال نمبر (جون،۱۹۳۸)، مرقع دکن نمبر (جنوری،۱۹۳۹)، ریڈیو نمبر (جنوری،۱۹۴۱)، افسانہ نمبر (ستمبر،۱۹۴۹)،خاص نمبر قلی قطب شاہ(اپریل تا جون،۱۹۵۸)،ایوان اردو نمبر (مئی،۱۹۶۰) ٹیگور نمبر (جون،۱۹۲۱)، غالب نمبر (ستمبر، اکتوبر ۱۹۶۹)،احتشام نمبر (مارچ،۱۹۷۳)،اقبال نمبر (نومبر،۱۹۷۰)وغیرہ ہیں۔

آجکل (نن پرون): اس رسالے کا اجرا ۱۰ جون ۱۹۴۲ کو یونائیٹڈ پبلی کیشنز کے زیر اہتمام عمل میں آیا۔ یہ ادارہ حکومت برطانیہ کے ذریعہ قائم کیا گیا جس کا مقصد اپنی سرگرمیوں کو ایران، افغانستان اور دیگر اسلامی ممالک تک پہونچانا تھا۔ اس ادارے کے تحت عربی، فارسی، انگریزی اور پشتو زبان میں کتابیں اور رسائل شائع کیے جاتے تھے۔ اسی ادارے کے تحت اردو ایڈیشن سے پہلے پشتو زبان میں نن پرون نام سے ۵ مئی ۱۹۴۱ کو ایک رسالہ شروع کیا گیا۔

نن پرون کے اردو ایڈیشن نکلنے کے تقریباً ۵ مہینے بعد اس میں لفظ آج کل جوڑ دیا گیا. نن پرون پشتو لفظ ہے جس کے معنی آج کل کے ہیں۔ یکم جون ۱۹۴۳ کو اس رسالے سے لفظ نن پرون کو ہٹادیا گیا اور صرف 'آجکل پندرہ روزہ باتصویر رسالہ' شائع ہوتا تھا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ تک یہ رسالہ پندرہ روزہ رہا اور اس کے بعد بند ہو گیا۔ تین ماہ بعد

دسمبر ۱۹۴۷ سے یہ رسالہ ماہانہ شکل میں دوبارہ شروع کیا گیا۔ دور حاضر میں یہ رسالہ پبلی کیشنز ڈویژن حکومت ہند کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے۔

ایک سرکاری رسالہ ہونے کے باوجود اسے نامور ادیبوں اور شاعروں کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ سید وقار عظیم، شان الحق حقی، راج نرائن راز، جوش ملیح آبادی، نند کشور وکرم، جگن ناتھ آزاد، محبوب الرحمن فاروقی، ابرا رحمانی اور خورشید اکرم جیسے قابل اور سرگرم لوگوں کی ادارت میں آجکل نے کافی ترقی کی ہے۔ اس کی ادبی حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے معروف محقق ڈاکٹر جمیل اختر لکھتے ہیں:

> ''آزادی سے قبل اور اس کے بعد بھی ہندوستان سے شائع ہونے والے ادبی جریدوں میں آجکل کی اپنی ایک انفرادیت رہی ہے۔ آجکل ابتدا ہی سے ایک خاص طریق کار کا حامل رہا ہے۔ جس کی بدولت اس کی ایک اپنی پہچان بنی جو شروع سے آج تک قائم ہے۔ اس جریدے نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہر طرح کے نظریاتی اختلافات، ادبی گروہ بندی اور سیاست سے الگ رہ کر ، نظریے اور ہر طبقہ کے لوگوں کی نمائندگی کی ہے۔ کسی ایک نظریہ سے آجکل کی وابستگی نہ کبھی پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ یہ تمام تعصبات سے اوپر اٹھ کر علم و ادب کی خدمت کرتا رہا ہے۔ ''۳۲

آجکل میں ہر طرح کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ادبی، تنقیدی، تحقیقی مضامین کے علاوہ افسانے، غزلیں، نظمیں، تبصرے اور انٹرویوز بھی اس رسالے کی زینت بنے ہیں ساتھ ہی ساتھ نینو ٹکنالوجی، حرکی حقیقت، ماس کمیونیکیشن اور اس طرح کے دیگر موضوعات پر بھی کافی تعدا میں مضامین شائع ہوئے ہیں۔ آج بھی یہ رسالہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔

آزادی سے قبل ۱۹۳۶ کی ادبی صورت حال میں ترقی پسند ادیبوں کے ساتھ ہر نیا لکھنے والا موجود تھا۔ لیکن ان کی سخت گیری نے آہستہ آہستہ انھیں الگ کرنا شروع کر دیا۔ حلقہ ارباب ذوق حقیقت میں ترقی پسندوں کی ادعائیت سے نئی جگہ جمع ہوتے چلے گئے۔ لہذا ۱۹۳۶ سے ۱۹۵۰ کی ادبی صحافت کا سفر طے کرتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ کیسے ترقی پسندوں کے بیچ ایک نیا ادبی رویہ سامنے آگیا۔ جس کے پاس نہ صرف لکھنے والے موجود تھے بلکہ اس دوران ایسے رسائل بھی منظر عام پر آنے لگے جو نئے ادب کے تصور کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کی بہترین مثال صمد شاہین کا 'نیا دور' ہے۔

اس عہد کے بدلتے منظر نامے میں حلقہ ارباب ذوق کے ذریعہ شعر و ادب کی نئی تفہیم کے اطوار کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ میراجی، قیوم نظر کے سالانہ نظموں کے انتخابات نے اردو کے ادبی رسائل کی تربیت کا کام بالواسطہ طور پر کیا۔ ۱۹۴۱ سے ہی سال کی بہترین نظموں کے انتخاب کا جو سلسلہ شروع ہوا اس نے نقادوں اور مدیروں کو یہ شعور عطا کیا کہ شاعری کا انتخاب کس طرح کیا جائے۔ حلقہ ارباب ذوق کی اس کوشش کے ساتھ ہی کئی اداروں نے شعر و ادب کے سالانہ انتخابات کا ایک سلسلہ جاری کر دیا جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں جاری ہے۔

نیا دور: ممتاز شیریں اور صمد شاہین نے اس رسالے کا اجرا ۱۹۴۲ میں بنگلور سے کیا۔ آزادی کے بعد یہ خاندان ہجرت کر کے کراچی پہونچا۔ کراچی آنے کے بعد اس رسالے کی اشاعت کا سلسلہ پھر شروع ہوا لیکن ۱۹۵۲ میں ممتاز شیریں کے بیرون ملک جانے کی وجہ سے یہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ یہ رسالہ صمد شاہین اور ممتاز شیریں کی ژرف نگاہی کا شناخت نامہ بن کر رہ گیا۔ 'ٹیڑھی لکیر' کی اشاعت ایک بڑا ترقی پسندانہ واقعہ تھا اور اس پر شاید ہی کسی کو ہمت ہو کہ اس کے بعض پہلوؤں پر معترضانہ گفتگو کرے۔ لیکن نیا دور نے عزیز احمد کا جو تفصیلی تبصرہ شائع کیا، اس میں عصمت چغتائی کے تعلق سے سخت باتیں بھی درج تھیں۔ اسی طرح کا واقعہ قرۃ العین حیدر کے ساتھ بھی نظر آتا ہے۔ غرض یہ کہ اس رسالے نے اپنی بات بہت بے باکی کے ساتھ پیش کی۔

ان کے رسائل کے علاوہ علی گڑھ سے تذکرۃ الشعرا (جولائی ۱۹۱۴)، نجیب آباد سے عبرت (۱۹۱۶)، میرٹھ سے آب حیات (جنوری، ۱۹۱۶)، لاہور سے ادیب (نومبر، ۱۹۱۶)، لاہور سے پیام یار (۱۹۱۶)، لاہور سے رفیق التعلیم (جنوری، ۱۹۱۷)، آگرہ سے پیمانہ (۱۹۲۳)، خیابان (۱۹۲۶)، حیدرآباد سے تجلی (۱۹۲۶)، حیدرآباد سے مکتبہ (۱۹۲۸)، بارہ بنکی سے اعجاز، لاہور سے جہانگیر، الہ آباد سے ہندوستانی (۱۹۳۱)، لاہور سے کائنات (۱۹۳۱)، گیا (بہار) سے ندیم (۱۹۳۱)، میرٹھ سے ایشیا (۱۹۳۵)، صبح امید (۱۹۳۶)، گیا (بہار) سے ماہنامہ سہیل (۱۹۳۹)، ندوۃ المصنفین دہلی سے برہان (۱۹۳۹)، مجلس مصنفین علی گڑھ سے مصنف (۱۹۴۲)، حیدرآباد دکن سے خیابان (۱۹۴۳)، لکھنؤ سے نیا دور (۱۹۴۷)، حیدرآباد دکن سے ایوان (۱۹۴۷) جیسے رسائل قابل ذکر ہیں۔

متذکرہ رسائل کا دور ۱۹۰۰ سے لے کر آزادی ہند تک کا ہے۔ اس دور کے شروع میں سیاسی تعلیمی، سماجی اور اخلاقی بیداری سے جو تبدیلیاں علم و ادب کی دنیا میں رونما ہو رہی تھیں۔ ان سے رسائل نے بھی اثر قبول کیا اور زمانے کے تقاضوں کو پوری طرح پیش کرتے ہوئے مستقبل کی راہوں کو روشن کرنے کی کوششوں میں اپنا

کردار ادا کیا۔ اس کے بعد کے دور میں بامقصد ادب اور ادب برائے زندگی کے تحت اپنے خدوخال کو نمایاں کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اسی دور میں منشی پریم چند نے افسانے کو بامقصد رجحانات سے آشنا کرتے ہوئے ادب برائے زندگی میں تعمیری نقطہ نظر پیش کیا۔ جواب حقیقت بن کر ابھر آیا تھا اور اصلاحی مقاصد کی تکمیل کر رہا تھا۔ دوسری طرف اسی زمانے میں تحقیقی اور تنقیدی ادب نے بھی نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی، معیاری ادبی رسائل کا اجرا عمل میں آیا اور ان رسائل نے جدید ادبی تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مستقبل کو سنوارنے کی کوششیں جاری رکھیں۔

یہ وہی دور ہے جب ہندوستان میں آزادی کی لہر تیز ہو گئی تھی اور قیام پاکستان کی تحریک بھی زور پکڑنے لگی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد نہ صرف انسانوں کو ہجرت جیسے المیہ سے گزرنا پڑا بلکہ اردو صحافت بھی اس سے دوچار ہوئی، بہت سے رسائل جو کراچی، پشاور اور لاہور سے شائع ہوتے تھے ان کی منتقلی ہندوستان میں ہو گئی۔ ٹھیک اسی طرح دلی آگرہ اور بمبئی جیسے شہروں سے کئی رسالوں کا تبادلہ پاکستان ہو گیا۔ پروفیسر محمد شاہد حسین لکھتے ہیں:

> "1947 میں ہندوستان آزاد ہی نہیں ہوا بلکہ تقسیم بھی ہو گیا جس کی وجہ سے اردو صحافت کو زبردست دھچکا پہنچا۔ بہت سے اخبارات اور پریس ہنگامے کی نظر ہو گئے۔ بہت سے صحافی اور قارئین ہجرت کر گئے۔ جس کی وجہ سے قارئین کی بھی کمی ہو گئی۔ پھر اردو کے ہندوستان میں سرکاری زبان نہ رہ جانے کی وجہ سے بھی اردو صحافت متاثر ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے کئی عرصہ بعد اردو زبان نے پھر سے رفتار پکڑی اور بہت بڑی تعداد میں اخبارات و رسائل نکلنا شروع ہوئے۔"[۳۳]

اردو صحافت نے جنگ آزادی میں اہم رول ادا کیا۔ ابتدا میں اردو صحافت نے اصلاحی اور تعلیمی مقصد کو سامنے رکھا۔ لیکن وقت کے پہیے نے اس میں قومی یکجہتی اور وطن سے محبت کے عنصر کو بھی شامل کر دیا۔ ان اخبارات کے ذریعہ بہت سے صحافیوں نے انگریزی حکومت کے خلاف علم بلند کیا۔ اور اس کے لیے بہت سی صعوبتیں برداشت کیں یہاں تک کہ جان کی بازی تک لگائی، اور انگریزوں کے خلاف ہمیشہ ہندوستانیوں کو متحد کرتے رہے۔ مولوی محمد باقر، مولانا حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد کی کاوشوں کو بھلا کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔

آزادی کے بعد کی ادبی صحافت:

۱۹۴۷ سے قبل ملک میں جس صحافت کی آبیاری مولوی محمد باقر، سر سید احمد خاں، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، نیاز فتح پوری وغیرہ نے کی تھی وہ آزادی کے وقت تک بہت مستحکم ہو چکی تھی۔ سب رس، بیسویں صدی، انقلاب، شاعر، آجکل نیا دور، ساقی اور رسالہ اردو اب بھی شائع ہو رہے تھے۔ لیکن چونکہ ملک کی آزادی کے ساتھ ہی ملک کی تقسیم کا سانحہ بھی پیش آیا جس سے اردو کی ادبی صحافت بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ متعدد رسائل کا تبادلہ ہو چکا تھا۔ لاہور سے نکلنے والے پرتاپ، ملاپ، وندے ماترم، پربھات، اجیت کا دفتر لاہور سے دلی منتقل ہو گیا تھا۔ وہیں ساقی، جنگ، انجام، اور مولوی عبد الحق کا رسالہ اردو پاکستان چلے گئے۔ رسالہ اردو ہندوستان میں بھی جاری رہا، جو آج بھی اسلم پرویز کی ادارت میں سہ ماہی 'اردو ادب' کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ اسی دوران بہت سے رسائل اور اخبارات اس خوں ریزی کے وقت میں دم توڑ چکے تھے، جن میں نوجوان، منشور ایشیا، نیا ادب، کرم ویر، مزدور، ممبئی سے آفتاب نو، حیدر آباد سے پیام،، کلکتہ سے رہنما، اور کانپور سے سیاست بھی بند ہو گئے تھے۔ مختلف مطبع خانے اجڑ گئے تھے۔ ۱۹۴۷ کے بعد کے قانون میں بھی تبدیلیاں کی گئیں، ۱۹۵۰ میں جب نیا قانون بنا تو پریس اور صحافت کی آزادی بھی اس قانون کی زد میں آگئی۔ بہت سے اخبارات و رسائل کے خلاف مقدمے چل رہے تھے اور بہت سارے اخبارات کو بند کر دیا گیا تھا۔ عدالت نے بہت سارے اخبارات کے خلاف فیصلے صادر کیے۔ مدیروں اور اخبارات کی تنظیموں، آل انڈیا نیوز پیپرز ایڈیٹرس کانفرنس اور انڈین فیڈریشن آف ورکنگ جرنلسٹ نے حکومت کے ذریعہ پریس کے خلاف کیے گئے اقدامات کی مخالفت کی اور حکومت نے پریس کمیشن میں کچھ اور تبدیلیاں کیں۔ لیکن اس میں بھی پریس کو مکمل آزادی نہیں دی گئی تھی۔ ان پابندیوں کو ہٹانے کے لیے آل انڈیا نیوز پیپرز ایڈیٹرس کانفرنس کے وفد نے وزیر اعظم سے ملاقات کی اور ان سے درخواست کی کہ آئین کی دفعہ ۱۹(۲) میں جو تبدیلی کی گئی ہے وہ غیر ضروری ہے لیکن اس درخواست کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

ان حالات میں جب اردو اخبارات و رسائل کے خلاف کارروائی ہو رہی تھی اور کئی مدیر عدالتوں کے چکر کاٹ رہے تھے۔ اس وقت کئی اور اخبارات و رسائل بند ہو گئے۔ ملک کا ایک بڑا طبقہ بھی اردو اور مسلمانوں کو تعصب کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ آزادی سے قبل یہ ہندوستان کی سرکاری زبان تھی لیکن آزادی کے بعد سب سے زیادہ نقصان بھی اسی زبان کا ہوا۔ ڈاکٹر شمیم حنفی تقسیم کے بعد کے ادب پر تبصرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

”ہر چند کہ تقسیم کا ادب ایک واضح سماجی جہت رکھتا ہے اور آزادی کے بعد کے چار پانچ برسوں میں یہ ادب روایتی ترقی پسندی کا واسطہ بھی بنا، لیکن اس زمانے میں نسبتاً زیادہ نمایاں صورتیں ایک شدید رد عمل کا اظہار کرتی ہیں ۔ تقسیم کے بعد فسادات ، ہجرت اور سیاسی و نظریاتی تصادمات اور تضادات تک پس منظر میں ایک ایسے ادبی تصور کو ابھرنے کا موقع ملا جو ادب اور ادیب کے سیاسی و سماجی رول کی نفی کرتا ہے اور ادب میں مقصدیت یا ادب کی سماجی افادیت سے متعلق تمام معروف و مروج ایقانات پر ضربیں لگاتا ہے ۔“۳۴

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آزادی سے قبل اردو صحافت جن بلندیوں سے گزر رہی تھی، وہ مقام بعد کے زمانے میں کہیں گم سا ہو گیا ۔ ادب کی نظریاتی تقسیم اور سیاسی و سماجی حالات نے رسائل کی صحافت کو کافی متاثر کیا، وسائل اور قارئین کی کمی نیز ادیبوں اور صحافیوں کی نقل مکانی اور مالی دشواریوں نے بھی ادبی صحافت پر کافی برے اثرات مرتب کیے ۔ ڈاکٹر سید احمد قادری لکھتے ہیں:

”اردو کے ادبی رسالوں کا یہ بڑا المیہ رہا ہے کہ اسے اردو والوں کا بھرپور تعاون حاصل نہیں ہو سکا ۔ حکومت نے بھی ادبی رسالوں کی مالی مشکلات پر توجہ نہیں دی جس کی وجہ سے ادبی رسالے بہت جلد دم توڑ دیتے ہیں ۔ اردو دانوں کا حال یہ ہے کہ ان کی ہمیشہ سے یہ خواہش رہتی ہے کہ انھیں اعزازی طور پر ادبی رسائل ملتے رہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ادبی رسالوں کی تعداد اشاعت اتنی نہیں ہو پاتی کہ وہ زندہ رہ سکیں ۔ اس عدم توجہ اور غیر دلچسپی کا رونا آج بھی رویا جاتا ہے اور آزادی سے قبل بھی اور یہ شکوہ دوسرے اور تیسرے درجہ کے ادبی رسالوں کو ہی نہیں تھا بلکہ ادبی طور پر جو صف اول کے رسالے تھے انھیں بھی تھا ۔“۳۵

اردو میں آزادی سے قبل جہاں ترقی پسندیت کا دور دورہ تھا وہیں آزادی کے بعد جدیدیت، مابعد جدیدیت، ساختیات و پس ساختیات کے نظریات و رجحانات پیش ہونے لگے ۔ جن سے یہاں کا قاری یکسر نابلد تھا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کا قاری ادب کی اس گہرائی و گیرائی سے ڈر گیا ۔ ایسے وقت میں پاپولر ادب کی ابتدا ہوئی ۔ آزادی کے بعد اس پاپولر ادب نے ادبی صحافت کو بہت نقصان پہونچایا ہے لیکن اس سہل پسندی کی بنا پر قاری اس سے جڑتا گیا اور اس سے زبان کو خاطر خواہ فائدہ پہونچا ۔ پاکستان میں پاپولر ادب کو کسی حد تک ادب کا درجہ دے دیا گیا ہے لیکن ہندوستان میں یہ آج بھی نچلے درجہ کا تصور کیا جاتا ہے حالانکہ پاپولر ادب کے زمرے میں جو ڈائجسٹ نکلے وہ کہیں نہ کہیں خالص ادب کا ہی حصہ تھے ۔ اردو کے نامور صحافی عبد الوحید صدیقی کا 'ہما' اس کی بہترین مثال ہے ۔ جس نے اقبال صدی

نمبر،اقبال نمبر،غالب نمبر،اردو نمبر،سر سید نمبر، علی گڑھ نمبر،اردو تحریک نمبر،بہادر شاہ ظفر نمبر جیسے اعلی اور بہترین خصوصی شمارے شائع کیے۔ اس کے علاوہ نکہت پبلی کیشنز کا جاسوسی دنیا، رومانی دنیا، سلامت علی مہدی کا محراب، اظہار اثر کا ماہنامہ اظہار اثر، اور نازش انصاری کا ماہنامہ گل بھی اسی زمرے میں رکھے جا سکتے ہیں۔ ان میں غزل اور افسانوں کے علاوہ شاعروں اور ادیبوں کے حالات زندگی اور ان کے انٹرویو بھی پیش کیے جاتے تھے۔

الغرض یہ کہ ملک کی آزادی سے قبل جب ترقی پسند تحریک کا دور دورہ تھا اس وقت کے ادب اور صحافت کے موضوعات اشتراکی نظام، جمہوریت کی لڑائی، آزادی سماجی برابری، مزدور ار محنت کشوں کی لڑائی وغیرہ تھے۔ لیکن حالات کے ناساز گار ہونے کی وجہ سے اس میں ایک جمود کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس وقت اردو پر مشکل اور آن پڑی جب اردو سے ہندوستان کی سرکاری زبان ہونے کا اعجاز چھین لیا گیا۔ لیکن اس جیالی زبان نے آہستہ ہی سہی لیکن پھر سے اپنے پنکھ پھیلانا شروع کیے اور بلندی کی طرف مائل پرواز ہو گئی۔

اردو کی ادبی صحافت نے اپنی پرورش کے دوران مختلف مشکل حالات کا سامنا بھی ڈٹ کر کیا اسی لیے اس نے خود کے تقسیم ہو جانے کے غم کو بھی سہتے ہوئے نہ صرف اپنی بقا کا اعلان کیا بلکہ ترقی کی منازل بھی طے کرتی رہی۔ مختلف وقتوں میں مختلف تحریکات نے اسے ثابت قدمی سکھائی، کوئی بھی تحریک اپنے عہد کی زبان اور اس کی صحافت کے ذریعہ ہی جلا پاتی ہے لہذا اردو کی ادبی صحافت نے بھی ان تحریکات کی ترقی کے لیے اپنے دامن کھول دیے۔ جس سے اردو زبان اور اس کی صحافت کو بھی خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

آزادی کے بعد کچھ عرصہ تک افراتفری کا ماحول رہا، اس اثنا میں جو رسائل نکل رہے تھے وہ بے قاعدگی کا شکار ہو گئے۔ 'آجکل' بھی اس سے اچھوتا نہیں رہا۔ اور اس کے بھی کئی شمارے منظر عام پر نہیں آئے۔ لیکن آزادی کے بعد جوش ملیح آبادی کی ادارت میں یہ پھر سے پورے آب و تاب کے ساتھ شائع ہونے لگا۔

آجکل: جوش ملیح آبادی نے اس رسالے کی ادارت سنبھالنے کے بعد ادب اور صحافت کو ایک نیا رخ عطا کیا۔ انھوں نے آجکل کو مشترکہ تہذیب اور کلچر کا ترجمان بنایا۔ اور کئی اہم اور خاص نمبر بھی شائع کیے۔ اس میں ادب کے ساتھ ساتھ معاشرتی، سیاسی، اقتصادی، سائنس، فن، آرٹ اور موسیقی جیسے موضوعات پر بھی نگارشات شائع ہوئیں۔ جوش ملیح آبادی نے آجکل کی ذمہ داری ۱۹۴۸ سے ۱۹۵۵ تک سنبھالی اس کے بعد وہ پاکستان چلے گئے۔ اس طرح عرش ملسیانی آجکل کے نئے مدیر مقرر ہوئے۔

آجکل نے ادبی صحافت میں اس لحاظ سے بھی اپنی ایک منفرد پہچان قائم کی ہے کہ اس رسالے نے کئی ضخیم اور خاص نمبر شائع کیے۔ ان خصوصی نمبروں کی ابتدا گاندھی جی کی شہادت کے بعد اگست ۱۹۴۸ میں گاندھی نمبر کے ذریعہ ہوئی اس کے بعد فروری ۱۹۵۰ میں جمہوریت نمبر، فروری ۱۹۵۲ میں غالب نمبر، مارچ ۱۹۵۲ میں افسانہ نمبر، اگست ۱۹۵۳ میں شعر و شاعری نمبر، مارچ ۱۹۵۴ میں خطوط نمبر، اگست ۱۹۵۵ میں کشمیر نمبر، اگست ۱۹۵۶ میں ہندوستانی موسیقی نمبر، نومبر ۱۹۵۶ میں گوتم بدھ نمبر، اگست ۱۹۵۷ میں جنگ آزادی نمبر، اگست ۱۹۵۸ میں مولانا آزاد نمبر، جنوری ۱۹۵۸ میں ڈرامہ نمبر، اگست ۱۹۵۹ میں رقص نمبر، اگست ۱۹۶۰ میں ہندوستانی مصوری نمبر، نومبر ۱۹۶۰ میں نظم نمبر، جنوری ۱۹۶۱ میں جگر نمبر، مئی ۱۹۶۱ میں رابندر ناتھ ٹیگور نمبر، اگست ۱۹۶۲ میں فن تعمیر نمبر، اگست ۱۹۶۳ اور ۱۹۶۴ میں افسانہ نمبر، نومبر ۱۹۶۴ میں جواہر لعل نہرو نمبر، اگست ۱۹۶۵ میں دستکاری نمبر، اگست ۱۹۶۶ میں ڈرامہ نمبر، اگست ۱۹۶۷ میں تحقیق نمبر، اگست ۱۹۶۸ میں اردو نمبر، جنوری ۱۹۶۹ میں بین الاقوامی اطفال برس نمبر، جون ۱۹۶۹ میں ذاکر حسین نمبر، نومبر ۱۹۶۹ میں گرونانک نمبر، فروری ۱۹۶۹ میں غالب نمبر، اکتوبر ۱۹۶۹ میں مہاتما گاندھی نمبر، جون ۱۹۷۰ میں سلور جوبلی نمبر، دسمبر ۱۹۷۰ میں طباعت و اشاعت نمبر، فروری ۱۹۷۱ میں غالب نمبر، اگست ستمبر ۱۹۷۱ میں فلم نمبر، اگست ۱۹۷۲ میں آزادی کا جشن سیمیں نمبر، فروری ۱۹۷۳ میں غالب نمبر، جولائی ۱۹۷۳ میں سیر و سیاحت نمبر، اگست ۱۹۷۳ میں اردو نمبر، اکتوبر ۱۹۷۳ میں اردو نمبر، جون ۱۹۷۴ میں تاراچند نمبر، نومبر ۱۹۷۴ میں امیر خسرو نمبر، جنوری ۱۹۷۵ میں لوک گیت نمبر، جون ۱۹۷۵ میں میر انیس نمبر، اگست، ستمبر ۱۹۷۵ میں خواتین نمبر، فروری ۱۹۷۷ میں خواجہ حسن نظامی نمبر، جون، جولائی ۱۹۷۷ میں تمل ناڈو نمبر، نومبر ۱۹۷۷ میں اقبال نمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۸ میں جنگلی جانور نمبر، دسمبر ۱۹۷۸ میں مولانا محمد علی جوہر نمبر، اگست ۱۹۸۰ میں پریم چند نمبر، جنوری ۱۹۸۱ میں ڈاکٹر انصاری نمبر، نومبر ۱۹۸۱ میں سہیل عظیم آبادی نمبر، اگست ۱۹۸۲ میں جمیل مظہری نمبر، فروری ۱۹۸۲ میں چکبست نمبر، نومبر، دسمبر ۱۹۸۳ میں صحافت نمبر، مارچ، اپریل ۱۹۸۴ میں میر انیس نمبر، دسمبر ۱۹۸۴ میں صحافت نمبر، جنوری ۱۹۸۵ میں صحافت نمبر، جنوری ۱۹۸۸ میں جدید ہندی کہانی نمبر، مئی ۱۹۸۸ میں اگست نمبر، جولائی ۱۹۸۸ میں پنجابی کہانی نمبر، دسمبر ۱۹۸۸ میں خواجہ احمد عباس نمبر، جون ۱۹۸۹ میں سندھی ادب نمبر، جنوری ۱۹۹۲ میں عصمت چغتائی پر خصوصی گوشہ، اپریل ۱۹۹۲ میں گولڈن جوبلی نمبر، فروری ۱۹۹۴ میں اختر الایمان نمبر، مئی ۱۹۹۴ میں ڈرامہ نمبر، اگست ۱۹۹۴ میں معین احسن جذبی نمبر، جنوری ۱۹۹۵ میں بلونت سنگھ

نمبر، اپریل ۱۹۹۵ میں جوش ملیح آبادی نمبر، دسمبر ۱۹۹۵ میں رابندر ناتھ اشک نمبر، جنوری ۱۹۹۸ میں خلیل الرحمن اعظمی پر خصوصی گوشہ اور اکتوبر ۲۰۰۰ میں علی سردار جعفری کا گوشہ شامل ہیں جو ۲۰۰۰ تک کے خصوصی نمبرات ہیں۔

آجکل نے مختلف شخصیات اور موضوعات پر نمبرات شائع کیے ہیں۔ دستکاری نمبر، لوک گیت نمبر، سندھی ادب نمبر، جنگلی جانور نمبر یہ ایسے موضوعات ہیں جن پر شاذونادر تحریریں ہی اردو میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان کے علاوہ آجکل میں اطلاعاتی، ٹکنالوجی، نئی ایجادات، سائنس اور مغربی ادب سے متعلق چیزیں بھی شامل اشاعت ہوئی ہیں۔ یہاں ایک اور خاص بات یہ ہے کہ آجکل کے صفحات میں ہمیشہ نادر تصویریں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان میں سیاست، ادب اور مختلف شعبوں سے جڑی شخصیات اور مقامات شامل ہیں۔ غرض یہ کہ سرکاری رسالہ ہونے کے باوجود بھی اس نے بلاتردد اردو میں نئے تجربات کیے۔

رسالہ نوائے ادب: انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کے زیر اہتمام اس رسالے کی ابتدا جنوری ۱۹۵۰ میں ہوئی، یہ ایک سہ ماہی رسالہ تھا۔ اس کے مدیر ظہیر الدین مدنی تھے۔ نوائے ادب یوں تو اس انجمن کا ترجمان تھا لیکن اس میں معلوماتی اور بالخصوص طلبہ کے لیے مضامین بھی شائع کیے جاتے تھے جس کی وجہ سے اسے علمی و ادبی حلقہ میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کی امتیازی خوبی اس میں شائع ہونے والا 'مقالہ نما' تھا جسے اردو حلقے میں کافی پسند کیا گیا۔ اس رسالے کے پہلے شمارے میں یہ اعلان بھی درج تھا:

(1) یہ خالص علمی و ادبی رسالہ ہو گا۔

(2) اس میں اردو زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہو گی۔

(3) اس رسالے میں گجرات اور دکن سے متعلق اردو کے ابتدائی کارنامے جو اب تک اشائع نہیں ہوئے ہیں انھیں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

(4) اردو سے متعلق ریسرچ کا کام اس کے ذریعہ بر سرِ عام لایا جائے گا۔

(5) رسالے کا حجم کم سے کم 96 صفحات ہو گا۔

(6) رسالہ ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہو گا۔ ۳۶

شعلہ و شبنم: ترقی پسند ادب کا علم بردار شعلہ و شبنم دہلی سے شائع ہوا جو ۶۴ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس میں ترقی پسندی کے علاوہ دیگر ادبی و علمی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ فلمی مضامین اور سالنامہ بھی

بہت مقبول ہوئے جس میں فلم و ادب اور عشق و رومان سے متعلق سوالات اور ان کے جوابات شائع کیے جاتے تھے۔ فلمی مضامین کی شمولیت کی وجہ سے اسے خاطر خواہ اعتراضات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

کاروان ادب: یہ رسالہ بزم ادب اردو سینٹ زیویرس کالج بمبئی کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔ جس میں کالج کے حالات، رپورٹیں اور مختلف خبریں شائع ہوتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سماجی، سیاسی و ادبی موضوعات پر بھی مضامین شامل ہوتے تھے۔

اردو ادب: اس رسالے کا اجرا مولوی عبد الحق کے ہاتھوں علی گڑھ میں ہوا۔ یہ رسالہ آزادی سے قبل ہی اجرا کے عمل سے گزرا اور ۱۹۴۷ تک 'اردو' کے نام سے منظر عام پر آتا رہا۔ چونکہ یہ رسالہ انجمن ترقی اردو ہند سے وابستہ ہے لہذا انجمن ترقی اردو ہند سے تعارف بھی ضروری ہے۔ اس انجمن کا قیام ۴ جنوری ۱۹۰۳ کو اردو زبان کی اصلاح، فروغ، قدیم نظم و نثر کے ذخیروں کی حفاظت، ادبی و علمی کتابوں کی اشاعت اور اہم کتابوں کے تراجم جیسے مقاصد کو سامنے رکھ کر عمل میں آیا۔ اس وقت اس کے صدر پروفیسر سر ٹاس واکر آرنالڈ تھے اور نائب صدور کی حیثیت سے ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاؤاللہ اور مولانا الطاف حسین حالی تھے اور سکریٹری مولانا شبلی نعمانی تھے۔ ان کے علاوہ مختلف اوقات میں انجمن سے علامہ اقبال، عبد الحلیم شرر، حسرت موہانی، شاد عظیم آبادی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولوی وحید الدین سلیم، مولوی محمد اسحق علی علوی، سید احمد دہلوی، عبد الرحمن بجنوری، مولوی عبد الحق، ڈاکٹر تاراچند اور عبد الماجد دریا آبادی وغیرہ منسلک رہے۔

مولوی عبد الحق کو ۱۹۱۲ میں انجمن کا سکریٹری بنایا گیا، جس کے تقریباً ۱۰ سال بعد رسالہ 'اردو' کا اجرا جنوری ۱۹۲۱ میں عمل میں آیا۔ آزادی کے بعد انجمن بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، اور پاکستان و ہندوستان میں الگ الگ انجمن کا قیام عمل میں آیا۔

انجمن ترقی اردو ہند کا پہلا شمارہ اس کے آفس جو اس وقت علی گڑھ میں واقع تھا، وہاں سے شائع ہوا۔ اس کے پہلے شمارے میں رسالہ کے مقاصد یوں بیان کیے گئے ہیں:

(1) انجمن ترقی اردو ہند کا یہ سہ ماہی رسالہ جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے۔

(2) یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان و ادب کے ہر پہلو پر بحث ہوتی ہے حجم کم از کم ڈیڑھ سو صفحات ہوتا ہے۔

(3) قیمت سالانہ دس روپئے۔ فی پرچہ ڈھائی روپیہ۔

(4) مضامین کے متعلق آل احمد سرور صاحب ریڈر شعبہ اردو، لکھنؤ یونیورسٹی،۷، بیر وورڈ لکھنؤ سے خط وکتابت کی جائے۔ اور خریداری اور دیگر انتظامی امور کے متعلق مہتمم انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کو لکھنا چاہئے۔

رسالہ اردو ادب نے اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اس ضمن میں کئی خصوصی شمارے بھی شائع کیے گئے ہیں۔ ۱۹۵۱ میں حسرت موہانی نمبر منظر عام پر آیا جسے آزاد ہندوستان کے اردو ادب رسالے کے پہلے مدیر پروفیسر آل احمد سرور نے مرتب کیا تھا۔ اس کے مضامین کو آل احمد سرور، ضیا احمد بدایونی، قاضی عبد الودود، مجنوں گورکھپوری، عبد القادر سرور، احتشام حسین اور ڈاکٹر یوسف حسین خان نے تحریر کیے تھے۔ ۱۹۸۲ میں حسرت صدی کے موقع پر دوبارہ حسرت نمبر شائع کیا گیا جس میں حسرت موہانی کی سیاسی زندگی اور ان کے آخری برسوں پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔ اس شمارے کی ترتیب ڈاکٹر خلیق انجم نے کی تھی۔

اس کے علاوہ ۱۹۶۴ میں شمارہ ۳ اور ۴ جواہر لعل نہرو نمبر، ۱۹۶۶ میں شمارہ ۴ اردو ادب تخلیق نمبر، ۱۹۶۹ میں پہلا شمارہ غالب نمبر، ۱۹۷۵ میں شمارہ ۱ اور ۲ تاریخ ادبیات تاجکستان نمبر، ۱۹۸۷ میں شمارہ ۲ تا ۴ عبد الغفور شہباز نمبر، ۱۹۸۸ میں شمارہ ۱ تا ۳ اشرف صبوحی نمبر، ۱۹۸۸ میں شمارہ خاص نمبر، ۱۹۸۹ میں شمارہ ۱ اور ۲ خاص نمبر، ۱۹۸۹ میں شمارہ ۳ اور ۴ خاص نمبر، ۱۹۹۰ میں شمارہ ۱ اور ۲ اختر انصاری نمبر، ۱۹۹۲ میں شمارہ ۳ اور ۴ مولوی عبد الحق نمبر، ۱۹۹۳ میں شمارہ ۱ مولوی عبد الحق نمبر، ۱۹۹۳ میں شمارہ ۲ تا ۴ راج بہادر گوڑ نمبر، ۱۹۹۴ میں شمارہ ۱ اور ۲ آنند نرائن ملا نمبر، ۱۹۹۵ میں شمارہ ۱ اور ۲ خاص نمبر، ۱۹۹۵ میں شمارہ ۳ اور ۴ قاضی عبد الغفار نمبر، ۱۹۹۶ میں شمارہ ۱، ۲، ۳، شبلی نعمانی نمبر، ۱۹۹۷ کا شمارہ ۱ تا ۴ خاص نمبر، ۱۹۹۸ کا شمارہ ۴ ذوق نمبر وغیرہ ہیں۔

اس رسالے کی ابتدا سے ہی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اردو ادب کے تاریخی پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے اور ہم عصر منظر نامے کے ساتھ ساتھ قدیم تہذیبی، سماجی اور معاشی صورتحال سے لوگوں کو متعارف کرانے کا کام کیا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اس رسالے کو جن بلندیوں پر پہونچایا اس سے آج بھی اس رسالے کا کوئی قاری انکار نہیں کرسکتا۔ پروفیسر آل احمد سرور کے بعد پروفیسر مسعود حسین خاں، خلیق انجم اور ان کے بعد اسلم پرویز جیسے ناقدین و محققین نے اس روایت کو برقرار رکھا ہے۔

تحریک: تحریک کی ابتدا مارچ ۱۹۵۳ میں دہلی سے ہوئی، جسے پریم گوپال متل نے شروع کیا تھا، جس نے ۲۹ برسوں کا سفر طے کیا۔ یہ رسالہ ترقی پسندی کا مخالف رسالہ تھا۔ اس کے مدیران میں مخمور سعیدی اور تمکین کاظمی کے نام اہم ہیں۔ اس رسالے نے ابتدا سے ہی اپنا الگ معیار قائم کیا اور کئی خاص نمبر شائع کیے جن میں بیس سالہ ادب نمبر، پچیس سالہ ادب نمبر، جگر نمبر، اقبال نمبر، غالب نمبر، انقلاب روس نمبر، اور سلور جوبلی نمبر قابل ذکر ہیں۔ خورشید اکرم اپنے مضمون 'اردو کی ادبی صحافت (۱۹۷۰ سے ۲۰۰۰ تک)' میں اس رسالے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> ''تحریک اشتراکیت مخالف رسالہ تھا اور گو جدیدیت سے اسے کوئی دانشورانہ سروکار نہیں تھا، تاہم ترقی پسندی کی ضد میں اس کے صفحات لامحالہ جدیدیت کے حامی لکھنے والوں کے لیے کشادہ تھے۔ 70 کی دہائی کا یقیناً یہ ایک سرگرم ادبی رسالہ تھا۔'' ۳۷

نیا دور: سرکاری رسائل میں 'آجکل' اور 'نیا دور' ایسے رسائل ہیں جن کی اہمیت اور افادیت آج بھی مسلم ہے۔ یہ رسائل آزادی سے قبل شروع ہوئے اور آج بھی اسی جوش اور جذبہ کے ساتھ اردو زبان و ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔ اتر پردیش کے محکمہ اطلاعات و نشریات کے زیر اہتمام شائع ہونے والا رسالہ 'نیا دور' کو سبھی علوم و فنون، ملک کی شہری و دیہی زندگی سے متعلق مضامین کے ساتھ بہتر ادب اور ہندوستان کی ترقی کے لیے کوشاں رہنے والے رسالے کے بطور پہچان ملی ہے جس نے نہ صرف ادب بلکہ ثقافت، سیاست، علوم و فنون، آرٹ، کلچر، سائنس، اقتصادیات جیسے متعدد موضوعات پر بے شمار تحریریں شائع کی ہیں۔ یہ اس لیے بھی انفرادیت کا حامل ہے کیونکہ اس نے کبھی کسی مکتبہ فکر اور تحریک سے خود کی وابستگی نہیں رکھی ہے۔

نیا دور کا پہلا شمارہ اپریل ۱۹۵۵ میں منظر عام پر آیا۔ شروع میں اس کا نام 'اطلاعات' جو ۱۹۴۲ میں شروع کیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا نام ہماری آواز بھی رہا۔ 'نیا دور کے نام سے پہلا شمارہ میں منظر عام پر آیا۔ اس میں لکھنے والوں میں فراق گورکھپوری، نیاز فتح پوری، حیات اللہ انصاری، پروفیسر محمد مجیب، جگن ناتھ آزاد، کلیم الدین احمد، آل احمد سرور، آنند نارائن ملا، وامق جونپوری، صالح عابد حسین، کشن پرساد کول، اپندر ناتھ اشک اور اثر لکھنوی کے نام اہم ہیں۔

ایک سرکاری رسالہ ہونے کے باوجود یہ رسالہ سرکاری قیود سے آزاد رہا ہے اور اس نے آغاز ہی سے اپنا الگ معیار قائم کیا ہے۔ اس رسالے میں ابتدا سے ہی ادبی مضامین، شعری تخلیقات اور متفرق موضاعات پر مضامین

شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کے موضوعات اور کالموں میں تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ابتدا میں اس میں اداریہ کے ساتھ ہی دو کالم بھی ہوتے تھے۔ اس کے مستقل کالموں میں نقد و تبصرہ اور قارئین کے خطوط اور آپ سے ملیے اہم ہیں۔ ا ن کے علاوہ بچوں کا گوشہ، دنیا کا حال، عصری رسائل، صحت، اتر پردیش کے فنکار، طبی دنیا، پیغامات جیسے گوشے و موضوعات بھی شامل رہے ہیں۔ اس رسالے کے پہلے ایڈیٹر جناب علی جواد زیدی اور جوائنٹ ایڈیٹر فرحت اللہ انصاری تھے۔

وقت کی گردش کے ساتھ ہی اس رسالے میں بھی تبدیلیاں واقع ہوئیں لیکن آج بھی یہ رسالہ اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے۔ یہ اپنے سائز، اور تزئین، بہترین مضامین اور شعری و نثری تخلیقات کے لیے جانا جاتا ہے، وہیں اس کے خصوصی شماروں کا بھی جواب نہیں۔ نیا دور نے ایک سے بڑھ کر ایک خصوصی گوشے شائع کیے، اور یہ سلسہ آج بھی جاری و ساری ہے۔ یہ خصوصی شمارے نہ صرف ادبی، سیاسی، سماجی، سائنسی و قومی شخصیات کے حوالے سے جاری کیے گئے بلکہ جملہ تمام مضامین و موضوعات پر بھی اس نے خصوصی شماروں کو اشاعت بخشی۔ ڈاکٹر اسعد مسعود خاں لکھتے ہیں:

> ”ہندوستان کی ادبی و صحافتی تاریخ میں وہ چند رسالے جو نصف صدی سے بھی زیادہ عرصے سے نہایت باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں، ان میں ایک نیا دور بھی ہے۔ نیا دور کی مثل علمی اور ادبی حیثیت کو مشاہیر علم و ادب ہر دور میں تسلیم کرتے رہے ہیں۔ یوں تو نیا دور کا ہر شمارہ گوناگوں صفات کا حامل اور متعدد خوبیوں سے آراستہ ہوتا ہے لیکن خاص نمبروں کی اشاعت کے معاملے میں نیا دور کو یقیناً خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ نیا دور نے اکتوبر 1955 سے دسمبر 1999 تک کل 73 خاص نمبر شائع کیے ہیں۔ واضح رہے کہ نیا دور کا پہلا شمارہ اپریل 1955 میں شائع ہوا تھا۔ اس سے قبل یہ اطلاعات کے نام سے نکلتا تھا۔ آزادی کے بعد اطلاعات کا پہلا خاص شمارہ یا خاص نمبر علی جواد زیدی کی ادارت میں 80 صفحات پر مشتمل اگست 1947 میں شائع ہوا تھا۔“ ۳۸

نیا دور نے غالب نمبر، احتشام حسین نمبر، جعفر علی خاں اثر نمبر، مسعود حسین رضوی ادیب نمبر، مولانا عبد الماجد دریابادی نمبر، منشی نول کشور نمبر، منشی دیا نارائن نگم نمبر، اطفال نمبر، فراق نمبر، اندرا گاندھی نمبر، یوم جمہوریت نمبر، عثمان عارف نمبر، اودھ نمبر، بہادر شاہ ظفر نمبر، قومی یکجہتی نمبر، شیخ علی حزیں نمبر، صباح الدین عمر نمبر،

نصف صدی نمبر، آزادی نمبر، علی جواد زیدی نمبر، مولانا محمد علی جوہر نمبر، میر نمبر، شکیل بدایونی نمبر وغیرہ جیسے دستاویزی نمبر شائع کرکے ادب اور صحافت میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔

سوغات: سہ ماہی سوغات کا اجرا جنوری ۱۹۵۹ بنگلور سے ہوا۔ جدیدیت کے علمبردار اس رسالے کے مدیر محمود ایاز تھے۔ مجلس ادارت میں عزیز اللہ بیگ، خلیل مامون، اور مغنی تبسم کا نام آتا ہے۔ یہ رسالہ تین ادوار میں شائع ہوا۔ پہلی بار شائع ہونے کے چند برسوں بعد بند ہو گیا۔ دوبارہ ۱۹۷۱ میں اس کی اشاعت عمل میں آئی، اور تیسری بار ۱۹۹۱ میں یہ رسالہ پھر سے منظر عام پر آیا۔ یہ رسالہ ۱۹۹۷ میں بند ہوا۔ سوغات کے نئی نظم نمبر کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ جدید نظم میں ایک دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ رسالہ اپنی ضخامت، ادبی رویوں اور اپنی تلخ و ترش تحریروں کے لیے ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ ڈاکٹر انیس صدیقی لکھتے ہیں:

> ”سوغات نے اصول و معیار کے معاملے میں مفاہمت کیے بغیر، ہر تحریک و رجحان اور ادبی گروہ بندی سے سوغات کو آزاد رکھا، سوغات نے اردو دنیا کو نہ صرف جدید ادبی رجحانات سے واقف کروانے میں غیر معمولی خدمات انجام دیں بلکہ اس کام کا سنگ بنیاد سوغات نے ہی رکھا، سوغات کا شمار اردو دنیا کے ان چند رسالوں میں ہوتا ہے جن کے بغیر اردو ادب کی ترقی اور اس کی افہام و تفہیم کا تصور محال ہے۔“[۳۹]

یہ شمارہ چار سو سے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ تین الگ الگ ادوار میں شائع ہونے کے باوجود 30 سے بھی کم شمارے ہی منظر عام پر آسکے۔ پھر بھی محمود ایاز نے اس رسالے کے ذریعہ اعلیٰ درجے کے ادب کی ترویج و اشاعت کا کام انجام دیا اور نئے مغربی رجحانات اور تنقیدی و فلسفیانہ افکار کو اردو میں روشناس کرانے کی کوشش کی۔ یہ ایک خالص ادبی رسالہ تھا، جس نے آرٹ، سماجیات اور سیاسیات سے کوئی علاقہ نہیں رکھا۔ اپنے تیسرے دور میں اس کے کل بارہ شمارے شائع ہوئے۔ جس میں ایک آخری شمارہ محمود ایاز کے کینسر میں مبتلا ہونے کے بعد انتقال کے بعد شائع ہوا۔

سہ ماہی فکر و نظر: ۱۹۶۰ میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایک سہ ماہی رسالہ فکر و نظر کے نام سے ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور ڈاکٹر نظیر احمد کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔ یہ خالص تحقیقی نوعیت کا رسالہ تھا۔ اس رسالے کے شروع میں شبیر احمد خاں نوری، پروفیسر نذیر احمد، ڈاکٹر مسعود حسین خاں کے ادبی، سماجی اور لسانی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس رسالے کی مجلس ادارت میں ڈاکٹر عتیق احمد صدیقی، آل احمد سرور، ڈاکٹر ایم

سعید الظفر چغتائی، ڈاکٹر نسیم انصاری، ڈاکٹر سلامت اللہ خاں، پروفیسر محمد انس، پروفیسر محمد جلال الدین اور پروفیسر محمد شفیع وغیرہ شامل رہے ہیں۔

کتاب نما: ماہنامہ کتاب نما کی ابتدا جون ۱۹۶۰ میں مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ کے زیر اہتمام ہوئی۔ یوں تو اس رسالے کی ابتدا آزادی سے قبل ہو چکی تھی لیکن کچھ وجوہات کی بنا سے اس کی اشاعت جاری نہ رہ سکی لہذا ۱۹۶۰ میں یہ رسالہ دوبارہ شروع ہوا۔ اس کے پہلے مدیر ریحان احمد عباسی اور نگراں غلام ربانی تاباں تھے۔

مکتبہ جامعہ کی شروعات ۱۹۲۲ میں ہوئی ابتدا میں اس نے ایک شعبہ کے بطور کام کرنا شروع کیا لیکن بعد میں اسے لمیٹیڈ کمپنی کا درجہ دے دیا گیا۔ مکتبہ جامعہ نے اپنے آغاز ہی سے کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اپنا ماہنامہ رسالہ بھی جاری کیا۔ ۱۹۲۶ میں بچوں کا رسالہ پیام تعلیم شروع کیا گیا تھا۔ آزادی کے وقت تک مکتبہ نے تقریباً ۵۰۰ کتابیں شائع کی تھیں۔ لیکن تقسیم ہند کے سانحے میں اس کے ذخیرہ کو بھی نقصان پہونچا لہذا ۱۹۵۰ تک دوبارہ اس ادارے نے تقریباً ۳۰۰ کتابیں نئے سرے سے شائع کر دیں مکتبہ جامعہ کے پہلے مینیجنگ ایڈیٹر حامد علی خاں تھے جن کی موت پر ماہنامہ کتاب نما کے جنوری ۱۹۶۴ کے شمارے میں کچھ یوں اظہار خیال کیا گیا ہے:

> ”ہمیں یہ افسوس ناک خبر شائع کرتے ہوئے دکھ ہو رہا ہے کی مکتبہ جامعہ کے سابق مینیجنگ ڈائریکٹر جناب حامد علی خاں صاحب کا حرکت قلب بند ہو جانے سے 5 دسمبر 1963 کو پیرس میں انتقال ہو گیا۔ افسوس جامعہ اپنے اس عالی دماغ رکن سے محروم ہو گئی۔ مکتبہ جامعہ پر حامد صاحب کے بڑے احسانات تھے۔ آج سے 41 سال قبل پہلے 1922 میں مکتبہ آپ ہی کی کوششوں سے قائم ہوا تھا 1922 سے 1958 تک جس محنت اور لگن سے حامد صاحب نے مکتبہ جامعہ کو سنوارا تھا اسے بھلایا نہیں جا سکتا۔ 1947 کے فسادات میں مکتبہ کا لاکھوں روپئے کا ذخیرہ خاک ہو جانے پر اسے دوبارہ قائم کرنا بلکہ اسے لمیٹیڈ کمپنی کی شکل دینا آپ ہی کا کام تھا۔“[۴۰]

حامد علی خاں کے بعد مکتبہ کی ذمے داری غلام ربانی تاباں کو سونپی گئی۔ انھوں نے رسالہ پیام تعلیم اسی جوش و خروش کے ساتھ دوبارہ جاری کیا اور ایک نیا علمی و ادبی رسالہ کتاب نما کے نام سے شروع کیا۔ جنوری ۱۹۶۴ تک کتاب نما کے اداریے بغیر عنوان کے شائع ہوتے رہے لیکن فروری ۱۹۶۴ میں اداریہ کو اشاریے کے نام سے لکھا جانے لگا۔ ماہنامہ کتاب نما کی ابتدا خالصتاً ادب کی خدمت کے لیے ہوئی تھی۔ اس رسالے کے صفحات ہر فکر کے

لوگوں کے لیے یکساں طور پر وقف تھے۔ ترقی پسند ادیبوں کے ساتھ ساتھ جدید تر رجحانات سے متاثر قلم کاروں کی نگارشات بھی کتاب نما کا حصہ بنتی رہی ہیں۔ کتاب نما میں سب سے زیادہ توجہ مکتبہ جامعہ اور جامعہ ملیہ سے متعلق خبروں کو دی جاتی تھی۔ شروع کے اداریے بھی اطلاعات سے پر ہوتے تھے۔

کتاب نما کے خاص نمبر اس طرح ترتیب دئے جاتے ہیں کہ وہ کوئی رسالہ نہ بن کر ایک مخصوص موضوع یا شخصیت پر مکمل کتاب یا دستاویز بن گئے ہیں اس کے خاص نمبروں میں گوپی چند نارنگ نمبر، مولانا عبد الوحید صدیقی نمبر اور خلیق انجم نمبر، نہرو نمبر، مہر محمد خاں شباب مالیر کوٹلوی نمبر، دھنپت رائے نواب پریم چند نمبر، سید عابد حسین نمبر، وہاب اشرفی نمبر، مولانا عبد الوحید صدیقی نمبر، ڈاکٹر عابد حسین نمبر، قرۃ العین حیدر نمبر، گوپی چند نارنگ نمبر، پروفیسر آل احمد سرور نمبر، پروفیسر نثار احمد فاروقی نمبر، خواجہ حسن نظامی نمبر عابد علی نمبر، خواجہ احمد فاروقی نمبر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسکے علاوہ کتاب نما نے ایک خاص شمارہ 'ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں اردو تحقیق' کے عنوان سے جاری کیا جو کافی مقبول ہوا۔ اس کے علاوہ کتاب نما نے کئی خصوصی گوشے بھی شائع کیے ہیں، مثلاً گوشہ انور سدید، گوشہ مرزا ادیب، گوشہ وامق جونپوری وغیرہ۔

کتاب نما نے ۱۹۸۷ میں آل احمد سرور سے مہمان اداریہ لکھوا کر ایک الگ طرح ڈالی اور نئی پہچان بنائی۔ اس کے بعد تقریباً دو برس تک اردو ادب کی متعدد اہم و برگزیدہ شخصیتوں نے زبان و ادب کے سنجیدہ موضوعات و مسائل پر مہمان اداریے لکھے اس ضمن میں پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ، منور رانا، جہانگیر رضا وارثی، مظہر مہدی، صدیق الرحمن قدوائی، سردار جعفری، جگن ناتھ آزاد، سراج اجملی، آل احمد سرور، سہیل انجم وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

شیرازہ: علی جواد زیدی کی نگرانی میں دو ماہی شیرازہ کی ابتدا مارچ، اپریل ۱۹۶۲ میں ہوئی۔ یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی رسالہ تھا جس میں ریاست جموں و کشمیر کی تہذیب و ثقافت، ادبی و علمی سرگرمیوں پر مبنی مضامین شائع ہوتے تھے۔ ہندوستانی تاریخ و تمدن اور ثقافت و ادب، فن تعمیر، آرٹ، مصوری وغیرہ پر بھی تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس، کلچر اینڈ لینگویجز کے زیر اہتمام شائع ہوتا تھا۔

محور: نریندر لتھچل کی ادارت میں یہ دو ماہی رسالہ ۱۹۶۲ میں شروع ہوا۔ اس کے دس بارہ شمارے ہی منظر عام پر آسکے۔ اس کا میلان جدیدیت کی طرف تھا۔ اس کے شریک مدیر منور لکھنوی تھے۔

کتاب: اس رسالے کی شروعات عابد سہیل کے ذریعہ دسمبر ۱۹۶۲ میں ہوئی۔ آزادی کے بعد شائع ہونے والے رسالوں میں ماہنامہ کتاب لکھنؤ کو ایک بے حد معیاری رسالہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابتدا سے ہی یہ ترقی پسند رجحان کا حامل رہا اور شب خون اور دیگر جدیدیت پسند ادبی رسالوں کے بالمقابل یہ ایک متبادل پلیٹ فارم بن کر ابھرا۔ اس کے لکھنے والوں میں حیات اللہ انصاری، رام لعل، غیاث الدین احمد گدی، کوثر چاند پوری وغیرہ جیسے افسانہ نگار شامل تھے۔ اس میں غیر ملکی ادب کے تراجم کے ساتھ نظمیں، غزلیں، ڈرامے، طنز و مزاح، تبصرے وغیرہ بھی شائع ہوا کرتے تھے۔ اس کا ایک اہم کالم 'تلخ، تند، شیریں' کے نام سے ہوتا تھا۔ اس رسالے کی مجلس مشاورت میں احتشام حسین، حیات اللہ انصاری، سہیل عظیم آبادی، عابد سہیل، جیسے نامور صحافی شامل تھے۔ کتاب تیرہ چودہ برس شائع ہونے کے بعد بند ہو گیا۔ ماضی قریب میں شب خون کے بند ہونے پر اردو دنیا میں جیسے غم اور افسوس کا اظہار ہوا ویسا ہی کتاب کی ترک اشاعت پر ہوا تھا۔

شب خون: جدیدیت کا نقیب 'شب خون' پروفیسر شمس الرحمن فاروقی جیسی ہمہ جہت شخصیت کی ایک کوشش ہے جو جون ۱۹۶۶ میں منظر عام پر آیا۔ اس نے اردو میں جدیدیت کی پر شور بحثوں کی طرح ڈالی تھی اور نئے تخلیقی تجربوں کی قدر افزائی کی تھی۔ اس کی اشاعت سے قبل تحریک، سوغات، آہنگ، کتاب، شاعر اور آجکل جیسے رسالے شائع ہو رہے تھے۔ اور ہر ایک کی اپنی کوئی نہ کوئی ادا، کوئی نہ کوئی شان تھی تاہم شب خون کا کارنامہ یہ کہ یہ اپنی اشاعت کے بعد سے اس نے بیشتر ہم عصر رسالوں کو یا تو اپنی فکر سے متاثر کیا یا اس پر اثر انداز ہوا یا اسے اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اسی لیے ۱۹۷۰ کے بعد یہ طرز و آہنگ اردو کے ادبی رسائل کا غالب رجحان بنا۔

آزادی کے بعد جن رسائل نے اردو ادب میں نئی تحریکات اور نئی اقدار کو فروغ دیا ان میں شب خون کا نام جلی حروف میں لکھا جائے گا۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ہندوستان انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہو چکا تھا لیکن اس کی قسمت میں اس آزادی کی خوشی حقیقی معنوں میں نہیں تھی کیونکہ ہندوستان اب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ تقسیم سے قبل ادب و صحافت میں ترقی پسندیت کا جو غلغلہ تھا اب وہ بھی دھندلانے لگا تھا۔ اور قاری اب ترقی پسندیت سے اکتانے لگا تھا اب اسے ایک ہی طرح کے موضوعات خواہ وہ شاعری کی صورت میں ہوں یا بصورت نثر، اس سے باہر نکلنا چاہتا تھا کہ اسی وقت میں اردو ادب میں جدیدیت کی ابتدا ہوئی، جس کا سہرا پروفیسر شمس الرحمن فاروقی کے سر بندھتا ہے۔

اسی دور میں انھوں نے شب خون جیسے رسالے کا اجرا کیا۔ شب خون کے پہلے شمارے میں سید اعجاز حسین کا نام بطور مدیر درج ہے، لیکن اس کی ترتیب و تدوین کا کام شمس الرحمن فاروقی نے ہی انجام دیا۔ اس کا پہلا شمارہ ہی ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اس میں شائع ہونے والے قلم کاروں کے نام جو سر ورق پر شائع ہوئے کچھ اس طرح ہیں، پروفیسر سید احتشام حسین، فراق گورکھپوری،، حبیب احمد صدیقی، اپندر ناتھ اشک، رام لعل، خلیل الرحمن اعظمی، مسیح الزماں، سلیمان اریب، عمیق حنفی وغیرہ اس کے کالموں میں فروغ فکر، صہبائے آبگینہ گداز، زمانہ بڑے شوق سے سن رہا ہے، قصہ جدید و قدیم، کہتی ہے خلق خدا وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بعد میں ان میں سوانحی گوشے، اور ادبی خبروں پر مبنی کالم اخبار و اذکار کا اضافہ بھی ہو گیا۔ اس میں فروغ فکر کے تحت تنقیدی مضامین، صہبائے آبگینہ گداز کے تحت شعری نگارشات، زمانہ بڑے شوق سے سن رہا ہے کالم کے تحت افسانے، قصہ قدیم و جدید کے تحت کتابوں پر تبصرے اور شعری سرگرمیوں پر مبنی خبریں پیش کی جاتی تھیں، کہتی ہے خلق خدا کے تحت قارئین کے تاثرات شائع کیے جاتے تھے۔ شب خون کے پہلے رسالے میں اس کی غرض و غایت اور مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر نے لکھا ہے:

> ”ہندوستان میں علمی و ادبی رسالوں کی تعداد بہت کم ہوتی جا رہی ہے۔ گنتی کے چند ایسے جریدے رہ گئے ہیں جو چراغ راہ بن کر راہ ادب کو روشن کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر تعداد کی کمی اور روشنی کا فقدان ان دونوں وجوہ سے بہت ناکافی ہے۔ اس کی ذمہ داری صرف ان ہی لوگوں پر نہیں جو اردو زبان سے بیگانگی برتنے میں فخر محسوس کرتے ہیں بلکہ ان لوگوں پر بھی ہے جو اپنے کو اردو دوست سمجھتے اور کہتے ہیں اس لیے کہ کوئی ادبی تنظیم ایسی نہیں جو تمام بکھرے ہوئے دانوں کو ایک رشتہ میں پرودے، مختلف و متعدد اہل فکر کے افکار و محسوسات کو ایک اچھی صورت میں منظر عام پر لاسکے، پرانے لکھنے والوں کی اچھی تخلیقات چھاپے اور نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرے، یہ کمی اور دوستوں کے ہر دیار میں محسوس کی جارہی ہے۔ اسی احساس کا نتیجہ ہے کہ الہ آباد کے کچھ باہمت ادیبوں اور ادب دوستوں نے یہ ماہنامہ نکالنے کی فکر کی۔ نوجوان اور جوانوں کی اس محفل میں دو ایک بوڑھے بھی شریک کیے گئے جن سے رہنمائی و مزید تعاون کی درخواست کی گئی۔ بوڑھوں نے بھی لبیک کہا مگر احساس و عمل کی منزل میں جو چیز سب سے زیادہ سد راہ تھی وہ وہی تھی جس کو دنیا نے ستار عیوب و قاضی الحاجات سمجھا ہے۔ اپنے اپنے طور پر سبھی اس مرحلے کو طے کرنے کے طریقے پر غور کر رہے تھے، مگر باوجود خلوص و فکر کے مالی وقت کی مہم سر ہوتی ہوئی نظر نہ آتی تھی۔ ارباب علم و فن کی اس

کشمکش کو دور کرنے کے لیے جمیل فاروقی (پرنسپل قدوائی گرلز کالج) الہ آباد نے اپنی آواز بلند کی۔ نہایت متین و حوصلہ افزا لہجہ میں اطمینان دلایا کہ اگر صرف روپیہ کی کمی سے یہ کار خیر رک رہا ہے تو آپ لوگ اس کی فکر میں وقت ضائع نہ کریں اس کا انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ اسے آواز غیب سمجھ کر کشتی منجدھار میں ڈالی جا رہی ہے۔"[۴۱]

اس طرح یہ رسالہ قارئین کے ہاتھوں پہونچا، اس کے لیے تشکیل دی گئی مجلس عاملہ میں شمس الرحمن فاروقی، جمیلہ فاروقی، ڈاکٹر سید اعجاز حسین، جعفر رضا، اور پروفیسر احتشام حسین وغیرہ کے نام شامل تھے۔ اس رسالے کی جھولی میں ابتدا سے ہی نامور محققین، مصنفین، ناقدین و تخلیق کار موجود تھے۔ شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر محمد حسن، سید محمد عقیل، محمد احمد فاروقی، فراق گورکھپوری، آل احمد سرور، سید احتشام حسین، جمیل مظہری، شہریار، عمیق حنفی، یعقوب عثمانی، راجندر سنگھ بیدی، واجدہ تبسم وغیرہ کی تحریروں و تخلیقات سے یہ رسالہ مزین ہو رہا تھا۔

شب خون کو جدیدیت کا علمبردار کہا جاتا ہے لیکن اس رسالے کے اولین شماروں سے ہی ترقی پسند قلم کاروں کی وابستگی رہی ہے۔ احتشام حسین، محمد حسن، فراق گورکھپوری اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔ جدیدیت پر اس بات کا الزام لگایا جاتا ہے کہ اس میں انسان کی بے بسی، تنہائی مایوسی، اور ناکامی کی باتیں ہوتی ہیں لیکن یہ بات درست نہیں اس میں انسانی محبت کی بو بھی آتی ہے اور زندگی کو اپنے موزوں گزارنے کے مقصد بھی، اور انسانی نفسیات کی ترجمانی بھی۔ شب خون کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہ بھی تھا کہ جہاں دیگر رسائل میں عام انسان کی زندگی کی عکاسی اور ایک جیسے ادب کی باتیں ہوتی تھیں وہیں اس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ عالمی ادب کا مواد بھی پیش کیا جاتا تھا۔ ایک طرح سے یہ مغربی طرز کا رسالہ تھا، اسی لیے اردو ادب و صحافت میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے شب خون نے بہت جلد اپنا الگ ادبی حلقہ تیار کر لیا۔

گفتگو: سہ ماہی گفتگو کا پہلا شمارہ ۱۹۶۷ میں علی سردار جعفری کے ذریعہ منظر عام پر آیا۔ علی سردار جعفری نے اس رسالے کے ذریعہ ادبی صحافت میں اپنا لوہا منوایا۔ حالانکہ یہ رسالہ ترقی پسندیت کے رجحان کا حامل تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں جدید رجحان سے متاثر ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات بھی شائع ہوتی تھیں۔ رسالے کا ایک خاص کالم مشاہیر سے ملاقات تھا جس میں اہم شخصیتوں کے انٹرویو شائع ہوتے تھے۔ پیش گفتار کے تحت اداریہ ہوتا تھا۔ اس کا غزل نمبر کافی مقبول ہوا۔ اس رسالے میں ناول، غزلیں، نظمیں، افسانے، خبریں اور غیر ملکی ادب کے تراجم کے ساتھ تبصرے بھی شامل اشاعت ہوتے تھے۔

اس کے پہلے شمارے میں فراق و مخدوم پر مضامین شائع ہوئے، قرۃ العین حیدر کے ناول 'آخری شب کے ہم سفر' کی پہلی قسط بھی اس رسالے میں شائع ہوئی۔ ظ انصاری، جگن ناتھ آزاد، قمر رئیس، ساحر لدھیانوی، فیض، راہی معصوم رضا، ن م راشد، ندا فاضلی، قاضی عبد الستار، کرشن چندر، احتشام حسین، سجاد ظہیر، اختر الایمان کی تحریروں کے علاوہ غیر ملکی زبانوں کے تراجم بھی شائع ہوئے۔ علی سردار جعفری نے ہمیشہ اس بات پر توجہ دی کہ یہ رسالہ عام روش سے ہٹ کر ہو۔

تحریر: مشہور محقق مالک رام کا یہ رسالہ ۱۹۶۷ میں دہلی سے جاری ہوا۔ اس میں معیاری تحقیقی و تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اس کی انفرادیت یہ بھی تھی کہ اس میں وفات پانے والے قلم کاروں کے بارے میں 'وفیات' کے نام سے ایک کالم ہوتا تھا جس کے تحت مالک رام متعلقہ شخصیت کے بارے میں تفصیل سے اظہار خیال فرماتے تھے۔ مالک رام کی موت کے ساتھ ہی یہ رسالہ بند ہو گیا۔

شعر و حکمت: شعر و حکمت کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۷۰ میں شہریار اور مغنی تبسم کی محنت سے منظر عام پر آیا۔ یہ ایک علمی ادبی اور تہذیبی مجلہ تھا۔ ابتدا میں اس رسالے میں شاعری پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی لیکن بعد میں مضامین بھی شائع ہونے لگے تھے۔ یہ رسالہ کسی ایک تحریک یا رجحان سے وابستہ نہیں رہا بلکہ اس میں ترقی پسند، جدید اور مابعد جدید تحریکات اور رجحانات سے وابستہ ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔ یہ رسالہ ۱۹۷۵ میں بند ہو گیا تھا لیکن ۱۹۸۷ میں اس کا دوبارہ آغاز ہوتا ہے۔ اپنے قبل کے دور میں ن م راشد، پر خصوصی نمبر، عشرت آفرین، مشتاق احمد یوسفی وغیرہ پر خصوصی گوشے بھی شائع کر چکا تھا۔ بعد ازاں دوبارہ شائع ہونے پر بھی اس کے مرتبین میں شہریار اور مغنی تبسم کے نام درج ہیں۔ پہلے شمارے میں میراجی پر خصوصی گوشہ شامل ہے۔ حرف آغاز کے تحت مدیر لکھتے ہیں:

> "آج سے چند برس پہلے شعر و حکمت کا اجرا عمل میں آیا تھا۔ اس کے سات شمارے شائع ہوئے۔ ناگزیر وجوہات سے اسے بند کر دینا پڑا۔ لیکن جنون اور عشق اپنی جگہ سلامت رہے۔ اب ہم ایک نئے حوصلے اور امنگ کے ساتھ اس کا احیا کر رہے ہیں۔ سبب یہ بھی ہے کہ گزشتہ دس برسوں میں ادب دوست قاری شعر و حکمت کو نہیں بھولے تھے۔ اس کی کمی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ انھیں کے تقاضوں اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے کہ ہم دوبارہ اس کارزیاں پر معمور ہوئے ہیں کہ ادب کے واسطے زندگی میں معنویت پیدا کریں۔"۴۲

عصری ادب:اس دور میں ادب میں جدیدیت کا رجحان حاوی تھا اور ان رسائل میں جو مواد شائع ہو رہا تھا ان میں ہیئتی نظام میں شکست و ریخت کی داستان تھی۔ فن کے رموز اور متن کی داخلی پیچیدگیوں اور اظہار و اسلوب میں نئے پن کی باتیں خوب ہو رہی تھیں لیکن سماجی و فکری آویزشوں کی باتیں اس زمانے کے رسائل کے صفحات پر کم ہی دیکھنے کو ملیں۔ اس دور میں عصری ادب کی شروعات ہوئی۔ یہ رسالہ پہلی بار جنوری ۱۹۷۰ میں منظر عام پر آیا، جو ترقی پسند ادب کی ترجمانی کر رہا تھا۔ جس طرح ۷۰ کی دہائی میں بہت سے لوگوں کے لیے شب خون آئیڈیل تھا اسی طرح ۸۰ کی دہائی میں عصری ادب بہت سے نوجوانوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ جدیدیت کے خلاف سب سے زیادہ مواد اسی رسالے میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس رسالے کی ابتدا معروف تنقید نگار محمد حسن نے کی تھی اس کے مضامین میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ اہم قلم کاروں میں باقر مہدی علی سردار جعفری، جگن ناتھ آزاد، ظفر صہبائی،ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، محمد حسن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس رسالے نے ترقی پسند ادیبوں کے ساتھ ساتھ جدید ادیبوں و شاعروں کو بھی اپنے صفحات میں جگہ دی۔

عصری ادب نے ترقی پسندی کے رجحان کو دوبارہ زندہ کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ جہاں لوگ ترقی پسندیت سے تھک کر جدیدیت کی طرف قدم بڑھا چکے تھے وہ دوبارہ محمد حسن کے اس کارواں میں شامل ہو گئے۔ اس رسالے نے ترقی پسندی کے بنیادی اصولوں کا احاطہ کیا اور ترقی پسندی کے مقاصد کو ایک بار واضح کیا اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ ترقی پسندیت ایک ایسی فکر ہے جس کی نہ موت ہوئی تھی اور نہ ہو سکتی ہے بلکہ یہ رجحان لافانی ہے۔ یہ اردو ادب کی ایسی تحریک ہے جس کے بغیر ادب کی تاریخ نامکمل ہے۔ لہٰذا سماجی مسائل،معاشی صورت حال، ظلم و استحصال،جبر و استبداد جیسے موضوعات پھر سے ادب کی زینت بننے لگے۔

جواز: سید عارف نشاط انوار نے مالیگاؤں سے ۱۹۷۷ میں اس رسالے کا آغاز کیا۔ اور تقریباً ۱۹۹۲ میں بند ہو گیا۔ اس کا سب سے اہم زمانہ ۸۰ کی دہائی کا ہے۔ جب یہ ہندوستان کی سطح پر ہم عصر اور جدید ادب کا سب سے معتبر رسالہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ ماہنامہ جواز کے کچھ شمارے تاخیر سے بھی شائع ہوئے ہیں۔ اس کے کچھ خصوصی شمارے بے حد مقبول رہے ہیں۔

معیار: اس رسالے کی ابتدا جدیدیت سے متاثر ہو کر کی گئی۔ اس رسالے کو شاہد احمد ماہلی نے ۱۹۷۷ میں شروع کیا تھا۔ اس رسالے میں پرانے رجحان کے خلاف ایک احتجاج اور بغاوت کا جذبہ شامل تھا۔ اس رسالے نے

اپنے نام کی مناسبت سے ایک اعلی مقام قائم کرنے کی پوری کوشش کی۔

الفاظ: اسی دور میں رسالہ الفاظ علی گڑھ سے نکلنا شروع ہوا۔ جس کے مدیروں میں اطہر پرویز اور ابوالکلام قاسمی کا نام آتا ہے۔ اطہر پرویز ترقی پسند تھے اور ابوالکلام جدیدیت سے متاثر۔ اگرچہ اس رسالے میں سنجیدہ اور معیاری ادب شائع ہوتا رہا، اس کے باوجود یہ رسالہ اپنی کوئی بڑی پہچان نہ بنا سکا۔ اس رسالے میں نئے تخلیقی تجربوں کی اچھی خاصی بحثیں ہوئیں، مذاکرے ہوئے۔ ۸۰ کی دہائی میں کئی اہم نمبرات بھی شائع ہوئے جن میں صلاح الدین پرویز، فراق، اشک، رشید امجد، اور گوپی چند نارنگ کے نام اہم ہیں۔

شعور: بلراج مین را نے اس کتابی رسالے کا اجرا ۱۹۷۸ میں کیا اور ایک طرح سے اردو کی ادبی صحافت کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا۔ نہایت نفیس کتابت و طباعت اور بھاری ضخامت کے ساتھ یہ رسالہ ہم عصر ادب کے قلم کاروں کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم تھا۔ اس نے گہرے ادبی اور سماجی اور سیاسی شعور کی حامل ادبی اور صحافتی تحریروں کو اس معنی خیزی کے ساتھ پیش کیا کہ ہر شمارہ یادگار بن گیا۔ یہ ادیبوں کی ذہنی تربیت کا وسیلہ بنا۔ اس رسالے کی خصوصیات ظاہر کرتے ہوئے خورشید اکرم لکھتے ہیں:

> ”اردو ادب میں اس رسالے کی حیثیت اس صحیفے کی سی ہے جس کو ہاتھ لگانے کی ہمت کم لوگ ہی جٹا پاتے ہیں۔ اس کی کل کائنات سات آٹھ شمارے اور یہی کوئی تین ہزار کتابی صفحات لیکن ہر صفحہ یادگار۔ یہ رسالہ ایک طرح کی پس جدیدی ترقی پسندی کا نقیب بھی کہا جا سکتا ہے جس کے سارے لکھنے والے جدیدیت کے حامی تھے لیکن اس میں شامل بہ مشکل ہی کوئی تحریر Apolitical ہوتی تھی۔“۴۳؎

عصری آگہی: اس رسالے کا آغاز ۱۹۷۸ میں ترقی پسند تحریک کو ایک بار پھر جلا بخشنے کی غرض سے ہوا۔ یہ رسالہ قمر رئیس نے شروع کیا تھا۔ خاص تنقیدی نظریات کے حامل مضامین کی وجہ سے یہ رسالہ اپنی انفرادی شناخت بنانے میں کامیاب رہا ہے۔ عصری آگہی نے اپنے اداریوں میں ترقی پسند نظریات کے فروغ کے لیے خاصا مواد شائع کیا ہے۔ عصری ادب کی طرح عصری آگہی نے بھی اس اپنے اداریوں میں اس بات پر خاصا زور دیا ہے کہ ترقی پسندی ہر دور میں زندہ رہی ہے اور ابھی بھی زندہ ہے۔ سماجی حقیقت نگاری، سماجی واقعیت نگاری پر بھی اداریے تحریر کیے گئے ہیں۔ اس کے خصوصی نمبروں میں افسانہ نمبر اور بیدی نمبر اہم ہیں۔ عصری آگہی کا بیدی نمبر

بہت مشہور ہوا، جو ۱۹۸۲ میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ افسانہ نمبر بھی قارئین کے درمیان کافی مقبول ہوا۔ ڈاکٹر شعیب رضا وارثی عصری آگہی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عصری آگہی کی مدت اشاعت زیادہ نہیں لیکن اس رسالے نے افسانے کے جدید رجحانات سے ہم آہنگ ہو کر قارئین میں ترقی پسندی کا نیا اور وسیع مفہوم متعارف کرایا۔ اس رسالے میں نسبتاً کم افسانے شائع ہوئے تھے لیکن جو بھی شائع ہوتے تھے وہ معیاری اور دلچسپ ہوا کرتے تھے۔ ان افسانوں میں صنعتی تہذیب کے بخشے ہوئے زخموں کی ٹیس بھی ہیں۔ اور کھوکھلی روحانیت پر تنقید بھی۔ بعض افسانے عشق کی طرفہ انگیزیاں بھی لیے ہوئے ہیں تو کہیں محض جنسی نفسیات کے شارح اور عکس ہیں، کہیں کہیں انفرادی زندگی کا کرب ہے تو کہیں اجتماعی مسائل کی تصویر کشی۔ کسی افسانے میں اصلاح کا جزبہ موجزن ہے تو کسی میں حوصلہ مندی کا درس۔۔۔غرض روایت اور جدید ہر طرح کے موضوعات پر افسانے لکھے گئے ہیں۔"۴۴؎

نقد و نظر: اس رسالے کی شروعات اسلوب احمد انصاری نے ۱۹۷۹ میں کی۔ یہ رسالہ اپنے ادبی تبصروں اور تحقیقی مضامین کے لیے جانا جاتا ہے۔ رسالے کی ابتدا میں اس کے ہر شمارے میں علامہ اقبال پر ایک مضمون شائع کیا جاتا تھا۔

اسباق: ماہنامہ اسباق کا اجرا ۱۹۸۰ میں ہوا۔ یہ رسالہ اپنے خالص ادبی مزاج کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس کے مدیر نذیر فتح پوری ہیں۔ یہ ماہنامہ پونہ سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ مہاراشٹر کے ادبی رسالوں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں غالب، اقبال، انیس، انیس کے مطالعات، علی گڑھ تحریک جیسے موضوعات پر مقالات شائع ہوئے ہیں۔

انشا: کلکتہ سے شائع ہونے والا یہ رسالہ ادبی صحافت میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا پہلا شمارہ ۱۹۸۵ میں منظر عام پر آیا تھا۔ یہ رسالہ جدید اور قدیم ادب کے ساتھ ساتھ موجودہ منظر نامہ پر مبنی مضامین بھی شائع کرتا ہے۔ رسالے کا اداریہ کافی اہم اور مقبول ہے۔ انشا کے سرورق پر ایک غزل یا نظم شائع کی جاتی ہے۔ رسالہ بڑے سائز میں نہایت جاذب نظر ہوتا ہے۔ انشا نے مختلف ادوار میں کئی نمبرات شائع کیے ہیں۔ عالمی اردو افسانہ نمبر، بابری مسجد نمبر اور گفتنی نمبر بہت مقبول ہوئے ہیں۔ گفتنی نمبر میں گزشتہ ۲۳ برسوں کے اداریوں کا انتخاب شائع ہوا ہے۔ ان اداریوں میں نہایت اہم موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ ان اداریوں میں پروردگار شعلے، ہمارے وزیر اعظم کے

کپڑے، آج کے مشاعرے، عشق بن یہ ادب نہیں آتا، جرم کی رفتار، نظریہ اور قیادت کی ضرورت،اختر الایمان، جدیدیت کے تناظر میں وغیرہ موضوعات پر مبنی یہ اداریے ادب کے ساتھ ساتھ ملکی و غیر ملکی منظر نامے کا احاطہ بھی کرتے ہیں۔

عالمی اردو ادب:اس رسالے کی ابتدا ۱۹۸۵ میں نند و کرم نے نئی دہلی سے کی۔ یہ ایک حوالہ جاتی رسالہ ہے، جس میں پورے سال کی ادبی سر گرمیوں اور مختلف نمائندہ تخلیقات کو شائع کیا جاتا ہے۔ یہ ایک منفرد رسالہ ہے جس میں پورے سال اردو ادب کی اہم تخلیقات، شعرا اور نثر نگاروں کے احوال شائع کیے جاتے ہیں۔ اس کے خصوصی نمبروں میں علی سردار جعفری نمبر، دیوندر اسر نمبر، حبیب جالب نمبر، احمد ندیم قاسمی نمبر اور گوپی چند نارنگ نمبر شائع ہو چکے ہیں۔

ایوان اردو: ۱۹۸۰کے آس پاس ہندوستان میں جہاں اردو بولنے، لکھنے اور پڑھنے والوں کی خاطر خواہ تعداد تھی، اکادمیاں قائم کی گئیں۔ اتر پردیش، مدھیہ پردیش، آندھرا پردیش، دہلی، بنگال، بہار، کرناٹک، ہریانہ، مہاراشٹر، راجستھان، گجرات، جموں و کشمیر میں یہ اکادمیاں اردو زبان و ادب کے فروغ کی غرض سے قائم کی گئیں۔ جس کے بعد کئی اکادمیوں نے اپنے اپنے رسائل شائع کیے۔ لیکن ان اکادمیوں کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسائل قاری کو متوجہ نہیں کر سکے، نہ ہی ہم عصر ادب کو۔ جن میں کرناٹک اردو اکادمی کا رسالہ اذکار گزشتہ چند برسوں سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، جو اردو کے ادب عالیہ کی اشاعت و فروغ کا رسالہ ہے۔ اسی ضمن میں اتر پردیش اکادمی سے شائع ہونے والا رسالہ 'نیا دور' بھی ہے جس پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ دہلی اردو اکادمی سے شائع ہونے والا رسالہ 'ایوان اردو' کسی حد تک اپنی ساخ بچانے میں کامیاب رہا ہے۔

ایوان اردو کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۸۷ میں منظر عام پر آیا۔ یہ دلی سے نکلنے والے رسالوں میں اہم تصور کیا جاتا ہے۔ ابتدا سے ہی اسے بڑے بڑے ادیبوں مثلاً مخمور سعیدی، شریف الحسن نقوی، قمر رئیس، عنوان چشتی، فضل الحق، فہمیدہ بیگم، زبیر رضوی وغیرہ کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ یہ رسالہ کسی تحریک یا رجحان کا کبھی ترجمان نہیں رہا ہے۔ اس رسالے میں عموماً چار قسم کا مواد دیکھنے کو ملتا ہے۔ تنقیدی و تحقیقی مضامین، نظم و غزلیں، افسانہ اور کتابوں پر تبصرے۔ اس رسالے کے بارے میں خورشید اکرم لکھتے ہیں:

"کسی واضح مقصد اور پالیسی کے فقدان کا اثر اس رسالے کی ابتدا میں ہی اس پر پڑ گیا تھا۔ دھیرے دھیرے یہی اس کی پہچان بن گیا۔ جس میں معمولی درجے کا ادب کثرت سے، اوسط درجے کا ادب اوسطاً اور اچھا ادب تبر کاً شائع ہوتا ہے۔ بھلا برا جیسا بھی ہے اب اس کے پڑھنے اور لکھنے والوں کا ایک حلقہ ہے۔"۴۵؎

ایوان اردو میں جہاں اوسط درجے کا ادب شائع ہوا ہے وہیں ادبی صحافت میں اس کی قدر و قیمت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ متعدد شخصیات و موضوعات پر اس نے خصوصی نمبرات شائع کیے ہیں، خواجہ احمد عباس نمبر، ابوالکلام آزاد نمبر، جواہر لعل نہرو نمبر، جدید ہندی کہانی نمبر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ دہلی کی تاریخ، ہندوستانی مشترکہ تہذیب، تاریخ و ثقافت پر بھی متعدد مضامین شائع کیے ہیں۔

تکمیل: تکمیل کا اجرا بھیونڈی، مہاراشٹر سے ۱۹۸۸ میں عمل میں آیا۔ اس کے مدیران میں اصغر حسین قریشی، مظہر سلیم شامل تھے۔ اس رسالے میں شمس الرحمن فاروقی، مظہر امام، ڈاکٹر مناظر ہرگانوی جیسے بڑے ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات شائع ہوتی رہی ہیں۔ یہ رسالہ آغاز سے ہی اردو ادب و زبان کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔ اردو رسائل کو عام کرنے اور لوگوں کو اردو رسائل کے تئیں بیدار کرنے میں اس کی خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔

پیش رو: اس سہ ماہی رسالے کی ابتدا جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں اردو کے استاد پروفیسر انوار عالم پاشا نے جون ۱۹۸۸ میں کی۔ اس رسالے کو ایک مشن کے بطور شائع کیا گیا تھا۔ اس میں مارکسیت اور اشتراکیت سے متعلق تخلیقات زیادہ شائع ہوئیں۔ اس کے ایسوسیٹ ایڈیٹروں میں ابرار رحمانی، مظہر مہدی، شریف احمد قریشی، ابواللیث کے نام آتے ہیں۔ اس رسالے کے ایڈیٹر پروفیسر انور عالم پاشا تھے۔ کچھ شماروں کی اشاعت کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا۔

فکر و تحقیق: فکر و تحقیق کا اجرا ۱۹۸۹ میں قومی اردو کونسل (ترقی اردو بیورو) کے زیر اہتمام عمل میں آیا۔ پہلے شمارے میں ۲۳ مقالات شائع کیے گئے تھے، جو شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں منعقدہ سمینار میں پڑھے گئے تھے۔ دسمبر ۱۹۹۲ تک یہ رسالہ ششماہی تھا۔ اور اس کے بعد تقریباً تین سال اس رسالے کی اشاعت بند رہی۔ ترقی اردو بیورو کے قومی اردو کونسل میں ضم ہونے کے بعد فکر و تحقیق کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۹۷ میں منظر عام پر آیا۔ یہ بھی ششماہی صورت میں شائع ہوا تھا۔ جولائی ۱۹۹۸ سے یہ رسالہ سہ ماہی صورت میں شائع ہونے لگا۔ جو آج بھی جاری

وساری ہے۔ اس رسالے میں زیادہ تر ادبی تحقیق و تنقید سے متعلق مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس رسالے نے اپنی منفرد تحقیقی و علمی پیش کش سے اردو کے ادبی حلقوں میں پہچان بنائی ہے۔ داغ دہلوی، مخدوم محی الدین، فیض احمد فیض، منٹو، میراجی، نئی غزل اور نئے افسانے پر اس کے خصوصی شمارے کافی مقبول ہوئے ہیں۔

ذہن جدید: ۸۰ کی دہائی ختم ہوتے ہوتے ادبی صحافت کی تاریخ میں ایک سناٹا سا قائم ہو گیا تھا، شاعر، آجکل، نیا دور، جواز، عصری ادب اور الفاظ کو چھوڑ کوئی قابل ذکر رسالہ نہیں بچا تھا۔ ایسے میں ذہن جدید نے اس میدان میں قدم رکھا جس کی گونج چہار جانب پھیل گئی۔

ذہن جدید کا پہلا شمارہ ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰ میں شائع ہوا۔ اس رسالے کو ہمہ جہت شخصیت کے مالک زبیر رضوی نے نکالا۔ اس کی مدیرہ زبیر رضوی کی شریک حیات جمشید جہاں تھیں۔ ادب، آرٹ اور کلچر کے ترجمان کے طور پر اس رسالہ نے ادبی صحافت میں ایک نئی طرح ڈالی۔ اور دھیرے دھیرے یہ بڑی زبان کا زندہ رسالہ بن گیا۔ اپنے پہلے ہی شمارے میں سوویت یونین پر مذاکرہ کر کے اس نے یہ پیغام دے دیا کہ ہم عصر ادب کا مطلب صرف افسانہ، غزل، نظم اور تنقید ہی نہیں بلکہ ہم عصر دنیا کے سیاسی و سماجی سروکار بھی ادب کا حصہ ہیں۔ فنون لطیفہ کی مختلف شاخوں، رقص، موسیقی، ڈراما، تھیٹر، اوپیرا، مصوری، فلم وغیرہ پر معلوماتی مضامین شائع کر کے ادبی صحافت میں ایک نئی جہت دی اور اس طرح ایک بڑا حلقہ اس رسالے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے ساتھ ہی اردو افسانوں پر بھی اس رسالے نے قابل قدر توجہ مرکوز کی۔ کئی ادیبوں نے ذہن جدید سے ہی ادبی حلقہ میں شناخت حاصل کی۔ اس رسالے نے پرانے لکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی، نئے لکھنے والوں کو دریافت کیا اور ان کی خاطر خواہ حوصلہ افزائی بھی کی۔ ذہن جدید کے پہلے شمارے پر تبصرہ کرتے ہوئے مظہر امام لکھتے ہیں:

> ''اب تک تو ذکر تھا ادب کا لیکن 'ذہن جدید' نے صرف ادب تک خود کو محدود نہیں رکھا ہے اور یہی اس کی بڑی خوبی ہے۔ ہمارے رسائل کی عام تصویر یہ ہے کہ کچھ مضامین جنھیں اکثر مقالے کہا جاتا ہے۔ کچھ افسانے، کچھ نظمیں، غزلیں، چند کتابوں پر تبصرے، قارئین کے خطوط اللہ اللہ خیر صلا۔ ذہن جدید ایک مختلف نوعیت کا رسالہ ہے اور صحیح معنوں میں ایک انفرادی شان رکھتا ہے۔ ذہن جدید غالباً اردو کا پہلا ایسا رسالہ ہے جس میں اردو ادب کی تخلیقات اور مباحث کے ساتھ علاوہ ازیں فلم، تھیٹر، مصوری (وکینوس) اور موسیقی پر نہایت دلچسپ پیرایہ میں معلوماتی مضامین پیش کیے جاتے ہیں۔''[۴۶]

اس رسالے کا ہر شمارہ تقریباً دو سے ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ اس رسالے کی اشاعت میں اکثر دیر ہو جاتی اور ادھر ذہن جدید کے قارئین کے لیے یہ وقت کسی قیامت سے کم نہ ہوتا تھا۔ اشاعت کے چند روز ہی میں ذہن جدید کا ہر شمارہ ادبی حلقوں میں موضوع گفتگو بن جاتا تھا۔ چونکہ میرے مقالے کا عنوان یہی رسالہ ہے اس لیے تفصیل سے آگے گفتگو کی جائے گی۔

نیا ورق: ادھر جب ذہن جدید اور سوغات نے ادبی صحافت میں ایک جوش پیدا کر دیا تھا نتیجتاً شاعر بھی کچھ تواتر کے ساتھ اپنے مخصوص ادبی انداز میں شائع ہونے لگا، جس کی کفالت سنجیدہ قارئین کر رہے تھے۔ ادھر آجکل نے بھی کلاسیکی ادب سے ہم عصر ادب کی طرف بھی توجہ مرکوز کرنا شروع کر دی اور باحیات ادیبوں پر خصوصی گوشے اور شمارے شائع کرنا شروع کر دیے۔ اسی دور میں شب خون بھی پھر ایک نئے جوش اور ولولے کے ساتھ تقریباً پابندی کے ساتھ شائع ہونے لگا۔ گو کہ ذہن جدید کی آمد نے ادبی صحافت کی مدھم پڑی سرگرمیوں کو فعال بنا دیا۔ اسی دور میں ایک نیا رسالہ 'نیا ورق' جاری ہوا۔

نیا ورق افسانہ نگار ساجد رشید نے جنوری تا مارچ ۱۹۹۷ میں جاری کیا۔ ساجد رشید کی پہچان ایک بے باک صحافی کے بطور رہی ہے، نیا ورق انھوں نے اپنے اسی مزاج کے مطابق نکالا۔ ساجد رشید کی وفات کے بعد اس کی ادارت ان کے فرزند شاداب رشید نے سنبھالی۔ ممبئی کی اردو دنیا کے ترجمان اس رسالے کا نعرہ تھا "قلم کار اور قاری کے درمیان پل" ساجد رشید نے اس ضمن میں خاصی محنت کی۔ انھیں اپنی بے باک صحافت، تیکھے سوالات، منطقی مباحث، ہندی اور مراٹھی زبانوں سے ترجمہ نگاری کی وجہ سے ملی۔ اپنے بے باک کالموں اور اداریوں کے ذریعہ انھوں نے معاشرے میں بیداری پیدا کرنے کا کام کیا۔ ہندی اور مراٹھی زبان کے علاوہ غیر ملکی زبانوں کے ادب کے تراجم بھی اس رسالے میں بڑے اختصاص کے ساتھ شائع ہوتے رہے ہیں۔ خورشید اکرم اس رسالے کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> "اس کے پہلے شمارہ میں ایک مضمون ادب، سماج اور سیاست پر تھا۔ جدیدیت کے بعد سے ادب میں سماج اور سیاست پر بات کرنے والے رگید دیے جاتے تھے۔ ساجد رشید اپنے اکھڑ قلم کے ساتھ اردو ادب کی بساط پر آ کر جم گئے۔ اقلیم ادب سے سماج اور سیاست کو بالکل ٹاٹ باہر کرنے کے نعرے کی جن لوگوں نے حمایت کی تھی ان کا ادب بھی سماج اور سیاست سے براہ رراست یا بالواسطہ طور پر متاثر ہونے لگا تھا۔ ابتداً 'نیا ورق' کو اپنے سیاسی اور سماجی

Contentکی وجہ سے مشکوک نگاہوں سے دیکھا گیا۔۔ بعض لوگوں کے نزدیک اس رسالے کا مزاج اردو سے ہم آہنگ نہیں تھا چنانچہ ایک سینئر ادیب نے ایک نجی محفل میں نیا ورق کو حلقہ لسان سے باہر کہا تھا۔ اس سے قطع نظر 'نیا ورق' نے بھی جلد اپنی ایک منفرد پہچان بنائی۔ اپنے لکھنے اور پڑھنے والوں کا ایک حلقہ بنایا اور اردو کی ادبی صحافت کی سرحد وسیع کرنے میں اپنا رول انجام دیا ہے، اپنی بعض اعتدالیوں کے باوجود"۔ ۴۷ے

اردو دنیا: قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والا یہ دوسرا رسالہ ہے۔ پہلی بار سہ ماہی صورت میں جولائی تا ستمبر ۱۹۹۷ میں منظر عام پر آیا۔ بعد میں اسے ماہانہ کر دیا گیا۔ یہ ابتداً قومی اردو کونسل کے خبرنامے کے طور پر شائع ہوتا تھا بعد ازاں اس میں اردو زبان و ادب کے حوالے سے مضامین و نگارشات بھی شائع ہونے لگیں۔ اس رسالے میں طلبا کے لیے خصوصاً مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ اردو تحقیق و تنقید، اردو تعلیم اور اردو کتابوں کی طباعت و تقسیم اور اردو کے موجودہ منظر نامے پر مشتمل تحریریں طلبا کی دلچسپی کو ملحوظ خاطر رکھ کر شائع کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ادب، صحافت اور صحت سے متعلق مواد بھی اس میں شائع کیا جاتا ہے۔ یہ رسالہ اپنی منفرد پیش کش، بہترین طباعت اور خوبصورت گیٹ اپ اور نئے نئے موضوعات پر مبنی مضامین کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس رسالے نے کئی اہم نمبرات اور خصوصی گوشے بھی شائع کیے ہیں۔

اکیسویں صدی میں ادبی صحافت:

اکیسویں صدی کا سورج طلوع ہونے تک اردو کی ادبی صحافت کے افق پر کئی رسائل اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے تھے، جن میں بعض ایسے تھے جو کافی طویل عرصہ سے جاری تھے، ان میں شاعر، اردو ادب، کتاب نما، شب خون، نیا دور، آجکل کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ کئی رسالے ایسے بھی تھے جو بیسویں صدی کے آخری دہے یا اس سے قریب تر وقت میں منظر عام پر آئے، ان میں ایوان اردو، فکر و تحقیق، ذہن جدید، نیا ورق، اردو دنیا، اردو بک ریویو، تحریر نو وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اکیسویں صدی میں شائع ہونے والے رسالوں کی فہرست بھی کافی طویل ہے۔ اس صدی میں جو رسائل شائع ہوئے ان میں سب سے پہلے 'استعارہ' پر نظر رکتی ہے۔

استعارہ: یہ ایک سہ ماہی رسالہ تھا، جس کا اجراء جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ میں ہوا۔ اس رسالے کے مدیران میں حقانی القاسمی اور محمد صلاح الدین پرویز کا نام ہے۔ اس رسالے نے نئے اذہان کی تشکیل اور تحرک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہ رسالہ نئی فکریات کا نقیب تھا، جس نے جدید رجحانات کے سرد ہونے کے بعد ادب پر طاری جمود کو کم

کرنے کی کوشش کی۔ اس رسالے میں وہاب اشرفی، ابوالکلام قاسمی، وارث علوی، مشرف عالم ذوقی، محمود ہاشمی، دیوندر اسر، گوپی چند نارنگ، ترنم ریاض اور وزیر آغا جیسے اہم ناقدین، فکشن نگار اور شعرا کی تخلیقی کاوشات و مضامین شائع ہوئے۔

ماہنامہ امکان: اس رسالے کا پہلا شمارہ ۲۰۰۰ میں شائع ہوا تھا۔ تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ادبی حلقوں میں کافی امتیازی اہمیت کا حامل ہے۔ اس رسالے کی سرپرستی معروف شاعر ملک زادہ منظور کر چکے ہیں۔ اس رسالے میں عرفان صدیقی، منور بستوی، ظہیر احمد صدیقی، عرفان احمد، پروفیسر سید عقیل، اطہر رحمانی اور ظفر گورکھپوری جیسے اہم شعرا و ادبا کی تخلیقات شائع ہوتی ہیں۔ اس رسالے کے اہم کالموں میں کسک، عرفان، درپن، میزان، الجھن، تنظیم، سفر، نیرنگ، چلمن، سروکار اور نظرپارے شامل ہیں۔

سبق اردو: اس رسالے کا پہلا شمارہ جولائی ۲۰۰۴ میں منظر عام پر آیا۔ دانش الہ آبادی کی ادارت میں نکلنے والا یہ رسالہ آج بھی جاری ہے۔ ماہنامہ سبق اردو کے مشمولات دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ رسالے کو ادب کے عام قاری سے لے کر اردو ادب کے طالب علموں کی ضرورتوں کو خیال میں رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے۔ رسالے میں اردو ادب کی تمام اصناف کے ساتھ ساتھ معلومات افزا مضامین بھی شائع کیے جاتے ہیں۔

صدا: یہ رسالہ کشمیر سے صدا کے نام سے جاری ہوتا ہے۔ جس کی مدیرہ سیدہ نسرین نقاش ہیں۔ یہ رسالہ اپنے مضامین، افسانوں، غزلوں، اور نظموں وغیرہ کے لیے کافی مقبول ہے۔ کلچرل سوسائٹی سری نگر کا ترجمان یہ رسالہ کشمیر میں اردو ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

اردو چینل: ممبئی سے نکلنے والا رسالہ اردو چینل ادب اور عصری عالمی سیاست کا حسین امتزاج ہے۔ یہ ادب اور سیاست کو ایک دوسرے کے آئینے میں دیکھنے اور دکھانے کی ایک اچھی کوشش ہے۔ قمر صدیقی بہت سے فکر انگیز ادبی اور سیاسی مباحث کو اپنے رسالے میں جگہ دیتے ہیں اس سے ان لوگوں کے ذہنی دریچے کھلتے ہیں جنہیں سیاست سے کراہیت محسوس ہوتی ہے فاروقی نمبر کے علاوہ اردو چینل کا انٹرویو نمبر خاصہ وقیع تھا اور ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی بھی خوب ہوئی۔

ترسیل: یہ رسالہ کشمیر یونیورسٹی کے شعبہ فاصلاتی تعلیم کا سالانہ ادبی و تحقیقی مجلہ ہے۔ جس کی مدیر سفینہ، عصمت آرا اور الطاف انجم ہیں۔ یہ مجلہ تنقیدی و تحقیقی مضامین، افسانوں غزلوں اور نظموں کے ساتھ ساتھ اردو اور فاصلاتی

تعلیم کے موضوع پر اعلیٰ پائے کے مضامین شائع کرتا ہے۔

گلبن: ثریا ہاشمی اور سید ظفر ہاشمی کی ادارت میں دو ماہی رسالہ گلبن لکھنؤ سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اس سے پہلے یہ رسالہ احمد آباد سے شائع ہو رہا تھا۔ اس رسالے میں ادبیات کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کا بھی ایک کالم ہے۔ رسالے میں افسانے، غزلیں، مضامین وغیرہ شائع کیے جاتے ہیں، اسی کے ساتھ اس میں قارئین کی آرا کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔

مژگاں: ادبی رسائل میں ایک اہم نام کولکاتہ سے نکل رہے مژگاں کا ہے۔ یہ ایک سہ ماہی رسالہ ہے جس کے مدیر نوشاد مومن ہیں۔ یہ ایک ضخیم مجلہ ہے جس میں اکثر اوقات شخصیات نمبر ہوتے ہیں۔ اس کے مدیر قاسم زبیری اور معاون مدیرہ ایس ایم شیخ ہیں۔

توازن: عتیق احمد عتیق کی ادارت میں نکلنے والا رسالہ توازن، مالیگاؤں بھی اہمیت کا حامل ہے۔ کسی زمانے میں لوگ بے چینی کے ساتھ اس رسالے کا انتظار کرتے تھے۔ اس رسالے میں انتہائی فکر انگیز ادبی مباحث شامل ہوتے تھے۔ اس کے خصوصی شمارے میں فضا ابن فیضی قابل ذکر ہے۔

تکمیل: مہاراشٹر کے شہر بھیونڈی سے تکمیل کے نام سے ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہوتا ہے جس کے مدیران اصغر حسین قریشی اور مظہر سلیم نہایت فعال متحرک اور متوازن فکر و نظر کے حامل ہیں یہ رسالہ نئی ادبی ذہانتوں کو اپنے اوراق پر جگہ دینے میں خصوصیت کا حامل ہے۔ تکمیل کے بعض خصوصی شمارے قابل قدر ہیں۔ بالخصوص محمود ایوبی نمبر، پریم چند نمبر، منٹو نمبر، فکشن نمبر، نشتر خانقاہی نمبر، ابراہیم اشک نمبر، سریندر پرکاش نمبر، باقر مہدی نمبر اور جاوید ندیم نمبر

جہان کتب: ماہنامہ جہان کتب کی شروعات ۲۰۰۴ میں ہوئی۔ یہ بیک وقت تین زبانوں میں شائع ہوتا ہے۔ ابتدا میں اس کی ادارت کی ذمہ داری محمد عارف اقبال نے ادا کی، بعد ازاں محمد ناصر خان اور فاروق ارگلی اس کی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ رسالے کے خصوصی نمبرات کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ محمد اقبال عارف کی ادارت میں اس کے دو خصوصی نمبرات شائع ہوئے۔

ادب ساز: سہ ماہی ادب ساز کی شروعات اپریل ۲۰۰۶ میں ہوئی۔ اس کے مدیر معروف طنز و مزاح نگار نصرت ظہیر ہیں۔ یہ رسالہ کافی ضخیم ہے، اور اس میں ادب اور موجودہ مناظر کو بہترین انداز میں پیش کرنے کی کوشش

کی گئی ہے۔ فنون لطیفہ پر مشتمل نگارشات بھی اس رسالے کا حصہ ہوتی ہیں۔ حقانی القاسمی لکھتے ہیں:

> ”ممتاز مزاح نگار نصرت ظہیر کی ادارت میں 'ادب ساز' ایک نئی لہر کے طور پر سامنے آیا ہے، اس کی جولانی و طغیانی کا احساس اہل دانش و بینش کو پہلے ہی شمارے سے ہو گیا تھا۔ رسالے کی ضخامت، مضامین کے تنوع، مباحث کے تلون سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ اس کا ارتکاز صرف ادبیات پر نہیں ہے۔ بلکہ فنون لطیفہ کی بھی شمولیت ہے۔ یہ ایک طرح سے ثقافتی نگارخانہ ہے جس میں ادب اور آرٹ کے متعلقات و لوازمات موجود ہیں۔ اس کا مقصد صرف ادبی شہہ پاروں کا اجتماع ہی نہیں بلکہ تمام شعبہ حیات سے قاری کو روشناس کرانا ہے“۔ ۴۸

جہانِ ادب: یہ غالب اکادمی دہلی کا ششماہی جریدہ ہے۔ اس کا پہلا شمارہ مئی ۲۰۰۶ میں شائع ہوا۔ یہ رسالہغالب انسٹی ٹیوٹ کے رسالے غالب نامہ کی طرز شروع کیا گیا۔ غلبیات کی تفہیم میں یہ رسالہ کافی سرگرم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس رسالے کے مضامین تین حصوں، تفہیم غالب، فکر غالب اور نثر غالب میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ان موضوعات کے تحت غالبیات پر اعلی درجے کی تخلیقات اور تنقیدی نگارشات شائع کی جاتی ہیں۔

جہانِ اردو: جہاں اردو، اردو زبان کا ایک اہم رسالہ ہے جو دربھنگہ سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ادب میں اپنا منفرد مقام رکھتا ہے۔ اردو ادب میں تحقیق و تنقید اور تاریخ کے حوالے سے اس میں کافی اہم مضامین شائع کیے جاتے ہیں۔ اس رسالے کے مدیر ڈاکٹر مشتاق احمد خان ہیں۔ یہ رسالہ عصری اردو ادب کا بہترین ترجمان ہے۔ اس کے اہم قلم کاروں میں شہاب ظفر اعظمی، ڈاکٹر ابو بکر رضوی شامل ہیں۔ اس کے کالموں میں جہانتنقید و تحقیق، جہانِ تلخ و شیریں، خصوصی مطالعہ، جہانِ فسانہ، جہانِ شعرا اور جہانِ کتب شامل ہیں۔ رسالے میں ڈاکٹر مشتاق احمد کے مضامین اور تبصرے کافی علم بصیرت لیے ہوتے ہیں۔

نوائے ادب: ممبئی سے شائع ہونے والا سہ ماہی نوائے ادب کافی اہم اور مشہور رسالہ ہے جو تقریباً پچاس برسوں سے شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالے کے مدیر ڈاکٹر شمیم طارق ہیں۔

ماہنامہ شاندار: اسے مشہور ادیب جناب نیاز جیراج پوری شائع کر رہے ہیں۔ یہ رسالہ اعظم گڑھ اتر پردیش سے شائع ہوتا ہے۔ اس ادبی رسالے میں کہنہ مشق شاعروں اور ادیبوں کے ساتھ ساتھ نو آموز شعرا اور نثر نگاروں کی نگارشات بھی شائع ہوتی ہیں۔ اس رسالے کا ایک مشہور کالم 'کل کا ستارہ' ہے۔ جس میں ابھرتے ہوئے نئے شاعر کے کوائف اور غزلیں شامل اشاعت ہوتی ہیں۔

سہ ماہی نئی کتاب: نئی کتاب کا پہلا شمارہ ۲۰۰۷ میں منظر عام پر آیا۔ اس رسالے کے مدیر شاہد علی خاں ہیں ۔شاہد علی خاں نے عمر کا ایک بڑا حصہ کتاب نما کی ادارت کرتے ہوئے بطور جنرل مینیجر گزارا ہے۔ انھیں ادارت کا کافی طویل تجربہ ہے۔ انھوں نے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نئی کتاب کی شروعات کی ہے۔ یہ رسالہ کافی جاذب ہے اور اس کے مشمولات مجموعی طور پر متاثر کن ہیں۔

الغرض دور حاضر میں رسائل کی ایک لمبی فہرست ہے جو اس وقت شائع ہو رہے ہی اور ادبی صحافت میں بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ بہار میں انجم مانپوری کے ندیم، کلیم الدین احمد کے معاصر، کلام حیدری کے آہنگ، طارق متین کے علم و ادب، وہاب اشرفی کے مباحثہ، عبد المغنی کے مریخ، سہیل عظیم آبادی کے تہذیب، قاضی عبدالودود کے معیار، مہاراشٹر میں افتخار امام صدیقی کے شاعر، شاداب رشید کے نیاورق، عبد النعیم عظمیٰ کا فنون ، وغیر جیسے رسائل آج اردو کی ادبی صحافت کی تاریخ کو استحکام بخش رہے ہیں۔

اسی طرح حیدرآباد کے سب رس، حسن کار، ہندوستانی ادب، مجلّہ مکتبہ وغیرہ ادبی رسائل ادب کی تحقیق کے ساتھ ساتھ ادب کی تفہیم و تعبیر کرتے ہوئے تنقید ادب کا بھی حق ادا کر رہے ہیں۔ مہاراشٹر کے تحریر نو اور اسباق، صوبہ مدھیہ پردیش میں کاروانِ ادب کوثر صدیقی کی ادارت میں، انتساب سیفی سرونجی کی ادارت میں شائعیں، اندور، ماہنامہ اردو ہلچل، صدائے اردو، ادبی کرن وغیرہ مشہور رسائل ہیں۔ اور پابندی سے شائع ہو رہے ہیں۔ 'کاروان ادب' کے خصوصی شماروں کو عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر رضیہ حامد کی ادارت میں نکلنے والے 'فکر و آگہی' رسالے کے نمبرات کی اردو کی ادبی دنیا میں بے حد وقعت ہے۔ ماہنامہ صدائے اردو نے نعیم کوثر کی ادارت میں اردو کی متعدد تحریکات کو نہ صرف جنم دیا، بلکہ اردو مسائل کو موضوع بحث بھی بنایا۔

سرکاری سطح پر بھی کئی صوبوں سے ادبی صحافت پر مبنی رسائل و جرائد شائع ہو رہے ہیں جن میں ایوان اردو دہلی، اردو دنیا دہلی، فکر و تحقیق دہلی، آجکل دہلی، تمثیل، خبر نامہ لکھنؤ، زبان وادب پٹنہ، پروازِ ادب چنڈی گڑھ، بہت مشہور ہیں اور معیاری ادبی صحافت کے نمونے ہیں۔

ان کے علاوہ بیسویں صدی، مستقبل، تہذیب الاخلاق علی گڑھ، شعر و حکمت، شگوفہ، پیش رفت دہلی، ادبی محاذ، کٹک، دستاویز دہلی، قومی تنظیم پٹنہ، سہ ماہی اردو امراوتی، دورِ جدید پٹنہ، لاریب لکھنؤ، زریں شعائیں بنگلور، درِ مقصود امروہہ، ضیاء وجیہہ رامپور، ترکش کولکاتہ، شب خون الہ آباد، بزم سہارا نوئیڈا، ارتباط سہ ماہی استنبول، دستاویز و، عکاس

انٹر نیشنل اسلام آباد وغیرہ اکیسویں صدی میں ادبی صحافت سے آراستہ رسائل شائع ہو رہے ہیں اور ان میں زبان و ادب سے متعلق معیاری مضامین منظر عام پر آ رہے ہیں۔

دور حاضر میں کئی اخبارات میں بھی ادبی صحافت کو جگہ دی جاتی ہے۔ کچھ اخبارات میں روزانہ ادب کا کالم ہوتا ہے تو کچھ اخبارات نے ادبی صحافت کے لیے دن اور صفحات مقرر کیے ہوئے ہیں۔ انقلاب، راشٹریہ سہارا، صحافت، سیاسی تقدیر، رہنمائے دکن حیدرآباد، اردو ٹائمز ممبئی، آبشار کولکاتہ، روشنی شری نگر، ہندوستان ایکسپریس، اخبار مشرق، ہمارا سماج، عزیز الہند، سماچار، مصنف، اورنگ آباد، تعمیر اردو مہاراشٹر، اُڑان جموں، انوار قوم کانپور، وغیرہ اخباروں میں ادبی صحافت سے متعلق معیاری مضامین و مواد ملتا ہے۔

بیسویں صدی تک صحافت کا مطلب محض روشنائی سے چھپنے والے اخبار اور رسائل ہی تھے، جن کا حلقہء اثر بھی محدود تھا۔ لیکن اکیسویں صدی سائنس اور ٹکنالوجی کی صدی ہے۔ جدید ایجادات اور جدید دریافتوں کے سبب روز نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کی یہ دریافتیں اور انکشافات وقت کی گردش کے ساتھ مزید پختگی حاصل کریں گی، بلکہ جب تک دنیا ہے، اس وقت تک ایسے انقلابات ہوتے رہیں گے۔ آج اکیسویں صدی میں اخبارات و رسائل کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا، سوشل میڈیا جیسے نئے تیز رفتار ذرائع کو زبردست وسعت حاصل ہوئی ہے۔ جس نے ماس میڈیا کی دنیا کی شکل ہی بدل دی ہے۔ اب ادبی صحافت بھی تحریری کاغذی دنیا سے اسکرین اور انٹرنیٹ پر ہے، اور یہ روشن مستقبل کی ضامن ہے۔ اکیسویں صدی میں ادبی صحافت بھی جدید ٹکنالوجی سے ہم آہنگی پیدا کر کے اس کے شانہ بشانہ ہے۔ آج ''ریختہ، ادبی میراث ڈاٹ کام، اردو دنیا ڈاٹ نیٹ، جدید ادب ڈاٹ کام، دستک ڈاٹ کام، میز راب ڈاٹ ہوم، نوائے ٹوکیو، دید اور ڈاٹ نیٹ، شعر و سخن ڈیش ٹورینٹو، تحریر نو، تریاق اردو ڈاٹ کام، اردو پوائنٹ ڈاٹ کام، واسطہ نیٹ ڈاٹ کام، اردو دوست ڈاٹ کام، شاہ کار اردو ڈاٹ کام، شگوفہ ڈاٹ کام، جدید مرکز ڈاٹ نیٹ، اور بصیرت آن لائن وغیرہ بڑی تعداد میں انٹرنیٹ پر ادبی صحافت کی سائٹ ہیں ساتھ ہی فیس بک، ٹویٹر، واٹس ایپ، وائبر وغیرہ پر بھی خوب اشعار، غزلیں، افسانچے پوسٹ ہو رہے ہیں اور ان سب کا دائرہ بین الاقوامی ہے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تمام چیلنجز کے باوجود اکیسویں صدی میں ادبی صحافت کا مستقبل روشن اور تابناک ہے بشرطیہ کہ ہم بدلتے زمانے کے ساتھ اپنی صلاحیتوں اور معیار کو قائم رکھتے ہوئے ہم آہنگی پیدا کرتے رہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱۔ کیول جے کمار، ماس کمیونیکیشن ان انڈیا، ص ۵۳

۲۔ بحوالہ محمد افتخار کھوکھر، تاریخ صحافت، ص ۷

۳۔ جی کے پُری، جرنلزم، ص ۲۱

۴۔ احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، ص ۱۱

۵۔ سید اقبال قادری، رہبر اخبار نویسی، ص ۵۵

۶۔ احمد نسیم سندیلوی، خبر نگاری، ص ۱۵

۷۔ کے پی نارائن، سمیاون کلا، ص ۳

۸۔ ڈاکٹر جاوید حیات، مبادیات صحافت، ۶۰

۹۔ ایذاً، ص ۶۳

۱۰۔ ایذاً، ۶۳ ص

۱۱۔ ای فرینک کینڈلن، ٹیچ یور سیلف بکس، ایڈیشن ۳، انگلش یونیورسٹیز پریس، ۱۹۶۶، ص ۳۲

۱۲۔ رشید حسن خاں، ادب اور صحافت، مشمولہ اردو صحافت مسائل اور امکانات، مرتب ڈاکٹر ہمایوں اشرف، ص ۵۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۶۰

۱۵۔ ڈاکٹر ابو لکلام قاسمی، ادبی صحافت اور ادبی رویے، مشمولہ اردو صحافت: ماضی اور حال، مرتبین خالد محمود، سرور الہدیٰ، ص ۹۷

۱۶۔ انٹرویو، شمس الرحمن فاروقی، بحوالہ ویب سائٹ، شمس الرحمن فاروقی ڈاٹ کام

۱۷۔ رشید حسن خاں، ادب اور صحافت، مشمولہ اردو صحافت مسائل اور امکانات، مرتب ڈاکٹر ہمایوں اشرف، ص ۶۱

۱۸۔ ڈاکٹر ابو لکلام قاسمی، ادبی صحافت اور ادبی رویے، مشمولہ اردو صحافت: ماضی اور حال، مرتبین خالد محمود، سرور الہدیٰ، ص ۹۷

۱۹۔ روشن آرا راؤ، مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل،

۲۰۔ امداد صابری، تاریخ صحافت، ص ۲۲۶

۲۱۔ نادر خان، اردو صحافت کی تاریخ، ص ۲۴۸

۲۲۔ محمد عتیق صدیقی، ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، ص ۲۸۷

۲۳۔ نادر علی خاں، اردو صحافت کی تاریخ، ص ۱۹۰

۲۴۔ خلیق احمد نظامی، سید احمد خاں، ماہناہ آجکل، ص ۹۷

۲۵۔ ڈاکٹر انیس احمد صدیقی، کرناٹک میں اردو صحافت، ص ۱۳۶

۲۶۔ امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، ص ۲۵۶

۲۷۔ دل گداز، دسمبر ۱۹۰۸، ص ۶-۷

۲۸۔ مضمون اردو صحافت عہد بہ عہد، رئیس الدین فریدی، انور دہلوی، مرتبہ اردو صحافت، ص ۵۰

۲۹۔ مولانا امداد صابری، تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، ص ۴۸۴

۳۰۔ ڈاکٹر شریف الدین، اردو صحافت اور حسرت موہانی، ص ۹۰

۳۱۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ،، تاریخ ادب اردو، راجہ رام کمار پریس، لکھنؤ، ۱۹۵۲ ص ۳۹۳-۳۹۴

۳۲۔ جمیل اختر، اشاریہ ماہنامہ آجکل، ص ۸۱

۳۳۔ پروفیسر محمد شاہد حسین، ابلاغیات، ص ۱۲۱

۳۴۔ شمیم حنفی، مضمون، اردو ادب، آجکل اور ادب کے پچاس سال، دہلی، ص ۱۵

۳۵۔ ڈاکٹر سید احمد قادری، بہار میں اردو صحافت، ص ۱۴۸

۳۶۔ رسالہ نوائے ادب انجمن اسلام، بمبئی جنوری ۱۹۵۰، ص ۴

۳۷۔ خورشید اکرم ، اردو کی ادبی صحافت(۱۹۷۰تا۲۰۰۰)تک، مشمولہ ذہن جدید ، جلد ۲۱شمارہ ۵۸،ص۵۱

۳۸۔ اطہر مسعود خاں اشاریہ نیا دور۔ ص ۴۳

۳۹۔ ڈاکٹر انیس احمد صدیقی، کرناٹک میں اردو صحافت، ص۱۶۱

۴۰۔ ماہنامہ کتاب نما، ص۱

۴۱۔ شب خون، پہلا شمارہ، اداریہ سید اعجاز حسین، ص ۳

۴۲۔ حرف آغاز، شعر و حکمت، ۱۹۸۷، کتاب۱، ص ۱۷

۴۳۔ خورشید اکرم، اردو کی ادبی صحافت(۱۹۷۰سے ۲۰۰۰) تک، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۱، شمارہ ۵۸، ص۵۶

۴۴۔ ڈاکٹر شعیب رضا وارثی، آزادی کے بعد دہلی میں اردو کے ادبی رسائل کا تنقیدی جائزہ، ص ۱۷۳

۴۵۔ خورشید اکرم، اردو کی ادبی صحافت(۱۹۷۰سے ۲۰۰۰) تک، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۱، شمارہ ۵۸، ص۶۱

۴۶۔ ماہنامہ کتاب نما، جون ۱۹۹۱، ص ۸۴، ۸۳

۴۷۔ خورشید اکرم، اردو کی ادبی صحافت(۱۹۷۰سے ۲۰۰۰) تک، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۱، شمارہ ۵۸، ص۵۹

۴۸۔ حقانی القاسمی، ادبی صحافت کا عصری منظر نامہ، مشمولہ اکیسویں صدی میں اردو صحافت، مرتب ڈاکٹر امام اعظم، ص ۴۰

باب دوم

تعارف: مرتب و رسالہ 'ذہن جدید'

i. زبیر رضوی

a. سوانحی کوائف

b. ادبی کوائف

ii. ذہن جدید

a. اغراض و مقاصد

b. اجرا کی روداد

سوانحی کوائف: زبیر رضوی

جس طرح ہماری دنیا تنوع اور توانائی سے بھری ہوئی ہے، عین اسی مطابق انسان بھی تنوع اور توانائیوں سے بھرا ہوا ہے۔ حتمی طور پر تمام انسانوں کے ضمن میں متذکرہ بات نہیں کہی جا سکتی، نہ ہی بالکلیہ یہ کوئی قاعدہ قانون ہے، تاہم اس قدر وثوق کے ساتھ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ زمانے کے ہر ایک حصے اور ہر ایک گوشے میں انسانوں کی ایک ایسی جماعت یا بعضے چند ایسی نابغہ روزگار ہستیاں موجود رہی ہیں جو تنوع اور توانائیوں سے بھری ہوتی رہی ہیں۔ یہ ہستیاں اپنی تمام تر توانائیوں اور تنوع کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے تنہا ایک بڑی جماعت کے حصے کا کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ کر جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانی حدود سے نکل کر ان ہستیوں کی کاوشیں اپنی انفرادی شناخت قائم کرتی ہیں۔ ان کے پیچھے ہزاروں لوگ ان کے کیے ہوئے کاموں کو سراہتے ہیں، نیز ان کی انفرادی و اجتماعی زندگیوں کے مختلف پہلوؤں پر غور و فکر بھی کرتے ہیں۔ اس فہرست میں منفرد رسالہ "ذہنِ جدید" کے روحِ رواں، تنوع اور توانائی سے بھرے ہوئے، نیرنگ خوبیوں کے مالک 'زبیر رضوی' بھی شامل ہیں۔ رسالہ اور زبیر رضوی دونوں اپنی اپنی انفرادیت سے اٹھتی اجتماعیت کے ساتھ ایک دوسرے کا عکس ہیں۔ دونوں ہی اپنے تنوع اور طرز سے اردو زبان و ادب کی دنیا میں مختلف تھے۔ گویا اردو ادب زبیر رضوی کی حیثیت "وَن مین آرمی" کی تھی اور رسالوں کی دنیا میں اپنے اجتماعی شعور کی وجہ سے "ذہنِ جدید" کی حیثیت بھی کم و بیش ایسی ہی تھی۔

جائے پیدائش _ امروہہ

زبیر رضوی نے اپنی زندگی کے بیشتر اور نمائندہ ایام، دہلی میں گزارے اور ایام جوانی حیدرآباد کے خوشگوار ماحول میں صرف کیے، تاہم ان کی پیدائش کا خمیر شمالی ہند کے گاؤں قصبے کے کشادہ ماحول میں اٹھا۔ یعنی بنیادی طور سے ان کا تعلق شمالی ہند کے صوبہ اُترپردیش (مغرب) کے انتہائی مردم خیز علاقہ 'امروہہ' سے ہے۔ امروہہ کے حوالے سے یہ بات اہلِ علم اور فن کے یہاں خوب عام ہے کہ یہ خطہ علم و ادب اور دین و مذہب کے میدان میں

اپنی خاص شناخت رکھتا ہے۔ علوم و فنون کے ماہرین اور تصوف و سلوک کی گہرائیوں میں اتری ہوئی روحیں یہاں وقفے وقفے سے پیدا ہوتی رہی ہیں۔ امروہہ اپنے اکابرین کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ یہاں کی مٹی سے اٹھنے والا ہر ذرہ نیرِ تاباں ہوتا ہے۔ اس خطے سے تعلق رکھنے والے اردو زبان و ادب میں ایسے کئی اصحاب فکر و فن، شاعر و سخن ور موجود رہے ہیں جنہوں نے اردو زبان و ادب میں مختلف حیثیتوں سے اپنی انفرادی شناخت قائم کی ہے۔ اس حوالے سے جون ایلیا، نثار احمد فاروقی اور کمال امروہی وغیرہ جیسے افراد و فن کاروں کا نام لیا جا سکتا ہے، جنہوں نے اپنے فن کے ذریعہ بین الاقوامی سطح پر اس شہر کا نام روشن کیا ہے۔ اس سلسلے میں کلاسیکی دور کا ایک بڑا نام جسے شعر و سخن میں استاد کا درجہ حاصل ہے، غلام ہمدانی مصحفیؔ کا بھی ہے۔

خاندانی پس منظر:

زبیر رضوی نسبی اعتبار سے نہایت اعلی نسبت رکھتے تھے۔ ان کے مورثین اعلیٰ میں بزرگوں کا ایک سلسلہ ہے، نیز ان کا سلسلہ نسب، خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہ سے جا ملتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> "محترم زبیر رضوی صاحب شجرہ نسب سیادت پناہی مشخیت مآبی حضرت شاہ ابوالفتح سید شاہ ابن بدر چشتی علیہ الرحمہ کے واسطے سے خلیفہ چہارم امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک باین طریق متصل ہوتا ہے۔"[1]

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی زبیر رضوی کے نسب کو سلسلے وار لکھتے ہیں:

> "زبیر رضوی ابن سید محمد (عرف مولوی بنے میاں) ابن حضرت مولانا احمد حسن محدث امروہی ابن مولوی اکبر حسین ابن سید نبی بخش ابن سید محمود حسین ابن پیر سید محمد حسن ابن سید سیف اللہ ابن سید ابوالمعالی ابن سید ابوالمکارم ابن شاہ سید ابوالقاسم ابن حضرت سید ابوالفتح شاہ ابن بدر چشت علیہ الرحمہ ابن سید احمد گنج رواں ابن سید محمد ابن سید طیفور ابن شہاب الدین ابن سید محمد ابن سید محمود ابن سید احمد ابن سید عبد الخالق ابن سید محمد ابن سید احمد زاہد ابن سید عبد اللہ ابن سید محمود ابن سید جنید ابن سید علی ابن سید معروف ابن سید ابوالشکر عبد العزیز ابن سید عبد الرحمن ابن سید عبد اللہ ابن سید موسیٰ ابن سید ابراہیم ابن سید علی امام رضا ابن امام موسیٰ کاظم ابن امام جعفر

صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین ابن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ"۔ ۲؎

زبیر رضوی کے جد امجد ابوالفتح حضرت شاہ ابن بدر چشت عہد اکبری کے علم شریعت و طریقت سے آراستہ، صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے جو ۹۳۰ھ میں امروہہ تشریف لائے۔ انھوں نے اپنی قیام گاہ کے لیے وہ جگہ پسند فرمائی جہاں آج آپ کی خانقاہ موجود ہے۔ یہ علاقہ ہی آپ کے اسم مبارک سے مشہور ہو کر محلہ پیرزادگان یا "خانقاہ" جانا پہچانا جاتا ہے۔ زبیر رضوی کے دادا محترم مولانا احمد حسن محدث امروہی ایک علمی، ادبی اور دینی شخصیت کے مالک تھے۔ علومِ دینیہ میں مختلف پہلوؤں سے ان کا شہرہ تھا۔ اہلِ خانہ پر ان کے علمی، ادبی اور دینی اثرات خاصے نمایاں تھے۔ اس کے علاوہ ان کی شخصیت علاقے بھر میں ممتاز تھی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی لکھتے ہیں: "مولانا احمد حسن محدث امروہی کی شخصیت کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ سرزمین امروہہ میں میدان علم و علوم شریعت کے آفتاب و ماہتاب تھے"۔ ۳؎

علم و عرفان اور روحانیت چوں کہ خاندان کے بزرگوں کی روایت میں شامل تھی لہٰذا یہ روایت آنے والی نسلوں میں بھی منتقل ہوتی رہی۔ زبیر رضوی کے دادا محترم تک یہ روایت اپنی پوری توانائی کے ساتھ جاری رہی۔ مولانا احمد حسن محدث امروہی کے صاحبزادوں میں سید محمد رضوی عرف مولوی بنّے میاں تھے، جو زبیر رضوی کے والد محترم تھے۔ آزادی کے سلسلے کی تحریک "ترکِ موالات" اور جمیعۃ علماء میں انھوں نے اپنی خدمات انجام دیں، دینی امور کی تبلیغ و اشاعت میں بھی والد محترم کی طرح انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام صرف کر دیے۔ زبیر رضوی کی والدہ کا نام فہمیدہ خاتون تھا۔ موصوفہ اعلیٰ شعور اور طبیعتاً پاکیزہ طینت اور شریعت مطہرہ کی پابند خاتون تھیں۔ معاشرتی اصلاح اور بالخصوص خواتین کی اصلاح کے تئیں حساس رویہ رکھتی تھیں۔ اس سلسلے میں ان کی کوششوں اور مسلسل جد و جہد کی بنا پر علاقے کی خواتین اور بچیوں کو دینی شعور حاصل ہوا۔ عورتوں اور بچیوں کے اندر دینی حمیت و بیداری پیدا کرنے کی غرض سے علمی کوششیں کیں۔ اپنی انھیں صفات و کمالات کی بنا پر علاقے بھر میں "فہمیدہ ملانی" کے نام سے مشہور تھیں۔ زبیر رضوی کے خاندانی پس منظر اور افراد خانہ کی علمی و ادبی بصیرت اور مذہبی حیثیت کے حوالے سے ڈاکٹر عظیم امروہوی لکھتے ہیں:

"زبیر رضوی کا خاندانی پس منظر علمی و دینی تھا۔ پردادا سید احمد حسن تھے جو اپنے وقت کے ممتاز عالم دین تھے۔ اپنے تبحر علمی اور احادیث مرسل اعظم پر عمیق نظر ہونے کے سبب محدث

امروہی کہلائے۔ دیگر بزرگان خاندان بھی علم سے آراستہ تھے اور ساداتِ رضویہ امروہہ کا یہ گھرانہ ایک نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ زبیر اور ان کے برادران بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ اسی لیے سب اہم مناصب پر فائز رہے۔ جس طرح انھیں حلقہ احباب اچھا ملا اسی طرح ان کا خانوادہ بھی ہمہ صفات کا مالک تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ بھی یہی ہونا تھا کہ ان کی شخصیت تہذیبی، علمی، ادبی اور ثقافتی اعلیٰ قدروں کی ضامن ہو"۔ ۴؎

زبیر رضوی کی پیدائش/تعلیم و تربیت:

زبیر رضوی کی پیدائش ۱۹۳۶ء میں امروہہ میں ہوئی۔ جیسا کہ رواج تھا کہ اس وقت بچوں کی ابتدائی تعلیم گھر میں ہی کرائی جاتی تھی۔ چنانچہ حسبِ رواج زبیر رضوی کی ابتدائی تعلیم و تربیت بھی گھر پر رہ کر ہوئی۔ مزید تعلیم دادا جان کے ذریعے قائم کردہ دینی مدرسہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہائر سیکنڈری کے لیے والد کے ساتھ حیدرآباد دکن کی جانب سفر اختیار کیا۔ اس حوالے سے احمد جاوید رقم طراز ہیں:

"زبیر رضوی 1936 میں امروہہ کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم ان کے دادا مولانا احمد حسن کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں ہوئی۔ 1948 میں والد کے ساتھ وہ حیدرآباد منتقل ہوئے۔ وہیں سے 1951 میں ہائر سیکنڈری کر کے دہلی آئے جہاں ہمدرد میں ملازمت اختیار کی اور دورانِ ملازمت دہلی یونیورسٹی سے بی اے پھر ایم اے کیا"۔ ۵؎

زبیر رضوی اپنے ابتدائی تعلیمی سفر اور تہذیبی تربیت کے حوالے سے کہتے ہیں:

"میرا بچپن امروہہ میں قسطوں میں گزرا۔ میں اپنے اسی بچپن کو پوٹلی میں باندھ کر والد کے ہمراہ دوسری بار حیدرآباد آ گیا۔ میں نے پولیس ایکشن کے فوری بعد والے حیدرآباد میں ہائر سیکنڈری والی تعلیم کے پانچ برس گزارے۔ جو سوجھ بوجھ والی کونپلیں امروہہ میں پھوٹنے لگی تھیں ان میں ذہانت و سنجیدگی کے برگ و بار اسی زمانے سے بہار دینے لگے تھے۔ امروہہ میری پرورش اور تہذیب و تربیت کا ایک ایسا قدیم مقام تھا جس میں دین اور عقیدے کی صدیاں، مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں کے حوالے سے میرے حافظے کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ حیدرآباد نے ہندوستان کی سب سے بڑی مسلم ریاست کے آمرانہ اور رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کا وہ نقشہ میری آنکھوں میں منجمد کر دیا جس نے مجھ پر ایک قوم کے عروج و زوال اسباب و رموز منکشف کیے،

اس طرح امروہہ اور حیدرآباد دونوں ہی میرے تخلیقی آمیزے میں اپنے تلخ و ترش شامل کرتے رہے ہیں"۔[6]

گو کہ زبیر رضوی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ درجہ پنجم اور ششم کی تعلیم حیدرآباد میں حاصل کی۔ اس کے بعد گھر واپس آ گئے۔ چونکہ زبیر صاحب خوبصورت شکل و صورت اور بہتر قد کاٹھی کے مالک تھے لہذا بستی میں ان کی خوبصورتی کے چرچے عام ہونے لگے تھے۔ ایک بار انھیں اٹھالیے جانے کی دھمکی بھی ملی لہذا انھیں ان کے والد کے پاس دوبارہ حیدر آباد بھیج دیا گیا جہاں ان کے والد اور بڑے بھائی ملازمت کر رہے تھے۔ حیدرآباد میں رہ کر انھوں نے ۱۱ہویں اور ۱۲ہویں جماعت پاس کی۔ زبیر صاحب بہتر آواز کے مالک تھے لہذا بستی میں جب بھی کوئی پروگرام ہوتا، وہ رکشے پر بیٹھ کر گاتے ہوئے پروگرام کے بارے میں اعلان کرتے تھے۔ زبیر رضوی کو اسکول کے زمانے سے ہی ادب سے خصوصی لگاؤ تھا۔ اس وقت تک انھوں نے شاعری شروع نہیں کی تھی البتہ اس نوخیز عمر میں وہ فیض، سجاد ظہیر، مجاز، سردار جعفری، مخدوم محی الدین، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس اور عصمت چغتائی کے ادبی کارناموں سے واقف ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں انھیں، شاذ تمکنت اور عوض سعید کا ساتھ نصیب ہوا تھا۔ تینوں اس وقت کے رسائل خریدتے اور اپنی سمجھ کے مطابق اس پر اظہار خیال کرتے تھے۔ اپنی خود نوشت میں لکھتے ہیں:

"ہم تین تھے، شاذ تمکنت، عوض سعید اور میں۔۔۔۔۔ اس وقت تک ہم لوگ صرف قاری تھے شعر کہنا یا افسانے لکھنا ہم میں سے ابھی کسی نے شروع نہیں کیا تھا۔ ہم آپس میں چندہ کرتے ادبی رسالے اور کتابیں خریدتے، اپنی سمجھ کے مطابق ان پر گفتگو کرتے۔ اپنی اس نوخیز عمر میں ہم فیض، سجاد ظہیر، مجاز، سردار جعفری، مخدوم محی الدین، کرشن چندر، خواجہ احمد عباس اور عصمت چغتائی کے ادبی کارناموں سے واقف ہو چکے تھے۔ اس وقت یہ سارے مقبول ادیب ہمارے آدرش تھے۔"[7]

اس درمیان زبیر رضوی نے ایک مضمون 'گوروالا سفارشات' پر لکھا۔ اس وقت وہ ہائر سیکنڈری اسکول کے طالب علم تھے۔ قمر ساحری، احسن علی مرزا، وہاب حیدر اور اختر حسن، زبیر رضوی کی حوصلہ افزائی کرتے۔ 'گوروالا سفارشات' مضمون کی اصلاح کر کے قمر ساحر نے جب اسے روزنامہ "خورشید" میں شائع کیا تو زبیر رضوی کی خوشی کی انتہا نہ رہی، گھر کے قریب ہی کاچی گوڑہ میں ایک مسجد کے پاس دارالمطالعہ تھا جہاں اخبار خورشید بھی آتا تھا۔ لہذا وہ

وہاں گھنٹوں بیٹھے رہے اور بار بار خورشید کا وہ صفحہ کھول کر رکھ دیتے جس پر ان کا مضمون شائع ہوا تھا۔ اس وقت انھیں بڑی تکلیف ہوتی جب کوئی شخص دار لمطالعہ میں داخل ہوتا اور ان کا مضمون دیکھے بغیر دیگر صفحات کھول لیتا۔

حیدر آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد زبیر رضوی اعلی تعلیم کے لیے دہلی آگئے۔ سر زمین حیدرآباد نے زبیر رضوی کو ایک قد آور شخصیت بننے کے لیے سازگار ماحول دیا۔ اسی سر زمین پر زبیر رضوی کے اندر ادب کی سمجھ پیدا ہوئی، یہیں سے انھوں نے شاعری کے خدوخال سیکھے۔

دہلی آنے کے بعد زبیر رضوی نے آل انڈیا ریڈیو میں بطور اسکرپٹ رائٹر اپنے براڈ کاسٹنگ کیریئر کا آغاز کیا۔ وقفے وقفے سے UPSC سے گریڈیڈ منصوبوں پر منتخب ہوتے رہے۔ حالات حاضرہ پر نشر ہونے والے پروگرام "جہاں نما" میں ادارت کے فرائض انجام دیے۔ بعد ازاں ایک پروگرام کے پروڈیوسر بھی رہے۔ UPSC کے ذریعہ ASD پھر SD منتخب ہوئے۔ اس کے علاوہ Director Planning and Development in DG for AIR کے منصب پر بھی فائز رہے۔ آل انڈیا ریڈیو میں ہی اسپورٹس ڈائریکٹر کی خدمات بھی انھوں نے ۷ سال انجام دیں۔ اس طرح ریڈیو میں ایک مقبول براڈ کاسٹر کی پہچان بناتے ہوئے وہ اسپورٹس کی نشریات کی سربراہی تک پہونچے۔ اور اسی منصب پر رہتے ہوئے ۱۹۹۳ میں سبک دوش ہوئے۔

دوران ملازمت زبیر رضوی کئی ممالک میں بھی تشریف لے گئے۔ انھوں نے ایک ماڈل براڈ کاسٹر کے طور پر ۱۹۷۱ میں ڈھاکہ میں پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے پر قومی نیٹ ورک پر لگاتار بے حد مقبول پروگرام بنائے۔ وزیر اعظم جناب اٹل بہاری واجپئی کے ساتھ دہلی سے لاہور تک کے سفر کی کمنٹری کی۔ ان کی کمنٹری کو وزیر اعظم نے بہت پسند کیا اور اس کی سراہنا بھی کی۔ اسی طرح نواز شریف چوٹی کانفرنس اور لاہور بس یاترا پر اٹاری کے راستے پاکستان کے پہلے سفر پر جاتے ہوئے ان کا انٹرویو اور سرحد کے اس پار ان کے شاندار استقبال پر نومین لینڈ کے اس طرف سے ان کا ۷۰ منٹ کا رواں تبصرہ ہند پاک کے مشترکہ نیٹ ورک پر نشر ہوا تھا۔ ۱۹۸۸ کے شیؤل اولمپک اور بیجنگ ایشیا کھیلوں کو بھی کوریا اور چین جا کر پروفیشنل براڈ کاسٹر کی حیثیت سے کور کیا۔ ریڈیو کے قومی نیٹ ورک کے لیے ریڈیو کے ترقیاتی منصوبے والے شعبہ کی سربراہی کرتے ہوئے بے شمار ترقیاتی اسکیمیں بنائیں۔

آل انڈیا ریڈیو کے ڈائریکٹر اسپورٹس کی حیثیت سے زبیر رضوی نے نیوزی لینڈ، چین، مکاؤ، تھائی لینڈ، آسٹریلیا، سیریا، سنگاپور اور ایران میں ہونے والی ایشین پیسفک براڈ کاسٹنگ یونین کی کئی میٹنگوں میں آکاش وانی کی نمائندگی کرتے ہوئے شرکت کی۔ کلچر اور منڈیا پروٹوکول پر دستخط کرنے کی غرض سے سرکار نے انھیں شام(Syria) بھیجا۔ آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کے دوران زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی متعدد شخصیات کے انٹرویو لیے۔ اس ضمن میں مہتاب امروہوی لکھتے ہیں:

> ”بطور براڈکاسٹر وہ اس اعتبار سے بھی پسند کیے گئے کہ انھوں نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ساٹھ ستر ممتاز شخصیات کے انٹرویو لیے تھے۔ دلیپ کمار اور لتا منگیشکر سے لیے ہوئے ان کے طویل انٹرویوز جب غیر معمولی تشہیر کے بعد ریڈیو کی اردو سروس سے پہلی بار نشر ہوئے تھے تو دلیپ اور لتا کے لاکھوں شیدائی اپنے اپنے ریڈیو سیٹوں کے پاس آکر بیٹھ گئے تھے۔ گلوکار مہدی حسن جب پہلی بار ہندوستان آئے تو انھوں نے اردو سروس کو اس شرط پر انٹرویو دینے کی حامی بھری کہ ان کے روبرو بیٹھ کر زبیر رضوی ان کا انٹرویو لیں۔ عصمت چغتائی، امرتا پریتم، [اور] مہادیوی ورما سے ان کے انٹرویوز بھی کافی مقبول ہوئے تھے۔ ۸؎

آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کے دوران ہی انھوں نے قابل قدر رسالہ ”ذہن جدید“ کی ابتدا کی۔ زبیر رضوی نے ذہن جدید کو اکیسویں صدی کا غیر معمولی رسالہ بتاتے ہوئے فنون کی عصری سرگرمیوں اور منظر ناموں پر خود ہی مضامین لکھے، جن کی تعداد کم بیش ۷۰ سے ۸۰ صفحات پر مشتمل ہوتی۔ جس محنت، لگن اور کمیٹیڈ انداز میں یہ رسالہ نکلتا رہا اس کا چرچا ادبی حلقوں میں پہلے سے کہیں زیادہ اس وقت ہوتا جب ’ذہن جدید‘ کا تازہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں پہنچتا۔ زبیر رضوی ادبی امور پر بالخصوص اردو کو درپیش مسائل پر بے باک اور مخلص ہو کر لکھتے رہے۔ نیز فنون لطیفہ پر مشتمل موضوعات پر قلم اٹھا کر اردو کے نئے و پرانے قارئین کی اس میدان سے وابستہ دلچسپی کو سیراب کرتے رہے۔

زبیر رضوی کو زبیر رضوی بنانے میں ان کی اہلیہ جمشید جہاں کا خاصا رول رہا ہے۔ حقیقی زندگی کے اسٹیج پر ’جمشید جہاں‘ نے زبیر رضوی کی اہلیہ کا کردار انتہائی خوبصورت اور خوش رنگ طبیعتوں کے ساتھ ادا کیا۔ وہیں ادبی زندگی میں ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا۔ زبیر رضوی کو کبھی خانگی مسائل میں الجھنے نہیں دیا۔ راقم سے ہوئی بات چیت میں جمشید جہاں کہتی ہیں:

”ہمارے بیچ ایک بہت خوبصورت رشتہ تھا، جس میں کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہیں رہی۔ وہ ہمیشہ میرا خیال رکھتے تھے اور میں ان کا۔ وہ جب بھی گھر میں ہوتے اپنی ٹیبل پر ہی بیٹھے کتابوں میں غرق ہوتے، میں کبھی بھی ان کے اور اردو کے تئیں ان کی خدمت کے درمیان حائل نہیں ہوتی۔ مجھے جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی، رقعہ لکھ کر ان کی ٹیبل پر رکھ دیا کرتی تھی اور وہ چیزیں مجھے حاصل ہو جایا کرتی تھیں۔ ہم لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی۔ جب بھی بات ہوتی تو ادب، میڈیا اور فنون لطیفہ سے متعلق موضوعات پر ہم تبادلہ خیال کرتے۔ ان کی محبت کی گرماہٹ کو ہمیشہ میں نے ان کی زبانی نہیں بلکہ ان کی نظروں اور Care سے محسوس کیا ہے۔ جب وہ سری نگر میں آل انڈیا ریڈیو کے لیے کام کر رہے تھے اس وقت ان کا روزانہ ایک خط مجھے حاصل ہوتا۔ سب سے خوبصورت بات یہ کہ اُن کے اِن خطوط میں کبھی Repetition نہیں ہوتا تھا بلکہ ان میں ہر بار ایک نئی تازگی اور نغمگی ہوتی جو ہماری محبت کی لو کو مزید شعائیں بخشتی۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ تمام خطوط گھر کے تبادلہ کے دوران کہیں ضائع ہو گئے لیکن ان کی محبت آج بھی میرے دل میں زندہ ہے۔ زبیر رضوی اس دنیا سے جانے کے بعد بھی مجھ سے جدا نہیں ہوئے، جب بھی کچھ خیال ستاتے ہیں میں ان کی کتابیں پڑھتی ہوں اور یوٹیوب پر ان کی مشاعروں کی ویڈیوز دیکھتی ہوں۔“ 9

گو کہ تنوع اور توانائیوں کے ساتھ دونوں ایک دوسرے کی حقیقی ضرورت بن کر ایک دوسرے کے سنگ کھڑے رہے۔ دونوں میاں بیوی سے تین اولادیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ بڑے بیٹے سید کامران رضوی ہیں جنھوں نے بی اے ایل ایل بی کیا ہے اور اس وقت دہلی میں وکالت کر رہے ہیں۔ دوسرے بیٹے سید سلمان رضوی ہیں، جو چین میں میڈیکل ریپریزینٹٹو کی خدمات انجام دے چکے ہیں، وہ فی الحال دہلی میں مقیم ہیں۔ زبیر صاحب کی صاحبزادی فارحہ رضوی ہیں، انھوں نے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد جینٹکس میں لنکن یونیورسٹی، امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور فی الحال نبراسکا یونیورسٹی، امریکہ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔

زبیر رضوی کا انتقال ۲۰ فروری ۲۰۱۶ کو اس وقت ہوا جب وہ اردو اکیڈمی کے سہ روزہ سمینار بعنوان ”اردو کے فروغ میں فلم، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ڈرامے کی خدمات“ میں صدارتی کلمات پیش کرنے کے بعد اپنی نشست پر بیٹھے۔ انھوں نے اپنے خطبے میں اس موضوع پر بھرپور انداز میں اظہار خیال کیا، اور اس خیال کو رد کیا کہ اردو ختم ہوتی جا رہی ہے۔ انھوں نے اردو کا مرثیہ پڑھنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ”میں سسکیاں لے کر

رونے کا قائل نہیں، درد کے حد سے گزرنے پر بھی بس آنکھوں کو نم کر لیتا ہوں"۔ انھوں نے اردو کے فروغ میں فلم، ریڈیو، ٹیلی ویژن ارو ڈرامے کی خدمات پر تقریباً تیس پینتیس منٹ تک سیر حاصل گفتگو کی، کئی مواقع ایسے بھی آئے جب وہ جذباتی ہو گئے۔ انھوں نے اپنی تقریر کا آخری جملہ ادا کیا 'لگتا ہے میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا"۔ اور پھر اپنی نشست پر آ کر بیٹھ گئے۔ اسی درمیان انھیں دل کا دورہ پڑا اور ان کا انتقال ہو گیا۔

عجیب شخص تھا خاموش رہ کے جیتا تھا
نظر میں حرمت سنگ صدا کے ہوتے ہوئے

ادبی کوائف: زبیر رضوی

زبیر رضوی کا ادبی کینوس معاصر ادبی رویوں اور رجحانوں میں خاصا منفرد ہے اور خاصی اپیل رکھتا ہے۔ اپنی ادبی وسعت اور انفرادیت دونوں معاملوں میں زبیر رضوی اپنی مثال آپ ہیں۔ان کے یہاں جہاں مروجہ رسومات و روایات پر عمل کے برعکس علمی و فکری تازگی، تنوع کے برعکس توانائی اور تنوع سے بھرپور ادب کا اظہار ملتا ہے،وہیں قدماء کی صحت مند روایات سے استفادہ اور ان کا احترام بھی ملتا ہے۔ زبیر رضوی کے یہاں علمی و ادبی سطح پر قدماء سے صحت مند اختلافات کے ساتھ ساتھ بہترین استفادہ اور عمدہ توازن و تطابق ملتا ہے۔اس حوالے سے ہم دیکھتے ہیں کہ "مسافت شب" کے حرف آغاز میں محقق ڈاکٹر خلیق انجم نے ان کی شاعری پر بطور مبصر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> "میری نظر میں زبیر رضوی کی سب سے بڑی خوبی توازن ہے۔ یہ توازن دین ہے عصری زندگی کی پیچیدگیوں کے بھرپور عرفان کی۔ ماضی اور حال دونوں طرف ان کا رویہ ہمدردانہ ہے۔ اسی لیے ان کی شاعری میں رومانوی بغاوت اور انقلاب، بے وجہ کی چیخ وپکار، گھن گرج یا شدید نفرت اور مردم بیزاری نہیں ملتی، بلکہ ایسا ذہن ملتا ہے جو ماضی اور حال سے ہر سطح پر سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔"[1]

'خوشنودہ نیلوفر' کے ساتھ ایک مکالمے کا درج ذیل حصہ برمحل ہے۔ ملاحظہ ہو:

> "نیلوفر: ایک تخلیق کار ادب تخلیق کرتے وقت اپنے ذہن میں ماضی رکھتا ہے یا مستقبل!
>
> زبیر رضوی: بھئی یہ تو مشکل ہے، کبھی میں ماضی میں لوٹ جاتا ہوں، کبھی مستقبل میں اور کبھی حال میں رہتا ہوں۔ بڑے فنکار اپنے کسی عہد کے پابند نہیں ہوتے، میں آج جو کچھ شاعری کر رہا ہوں جب میرا آج کل بن جائے گا تو میں ریلیونٹ ہو جاؤں گا،ایسا کچھ نہیں ہے۔ جیسے غالب کو لیں۔ غالب ماضی حال مستقبل تینوں کا شاعر تھا مگر یہ بات صدیوں کے بعد دریافت ہوئی۔ یہ

تخلیق کار کے ذہن کا کمال ہوتا ہے جو اسے ہزاروں برس یاد رکھتا ہے۔ پہلے سے کچھ کہنا مشکل

ہے"۔[11]

انہیں چند وجوہات کی بنا پر زبیر رضوی کی ادبی شاخت آفاقی سطح پر زبان و بیان اور جملہ اصناف کی تمام حد بندیاں توڑ کر باہر نکل جاتی ہے۔ مختلف حیثیتوں سے اردو ادب کے کینوس پر زبیر رضوی کی چھاپ نمایاں طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ شاعری ہو، ڈراما ہو، مضامین ہوں، ادبی صحافت ہو یا بطور پیشہ ریڈیو کی ملازمت، غرض مختلف اصناف میں براہِ راست ان کا عمل دخل موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کے حوالے سے اردو ادب میں ان کی شخصیت کے مختلف گوشے ہمیں نظر آتے ہیں۔ تمام گوشے اپنی اپنی جگہ پر اہمیت و افادیت رکھتے ہیں۔ ان گوشوں پر الگ الگ سے گفتگو کرنا بھی ضروری ہے تا کہ تمام گوشے اپنی تمام تر صحت مندی کے ساتھ ادبی منظر نامے پر آ جائیں۔

زبیر رضوی کی علمی و ادبی حیثیت اردو زبان و ادب میں اسمارٹ، انتہائی محنت کش اور جنون ادیب کے طور پر رہی ہے۔ گو براہ راست کسی تعلیمی ادارے سے ان کا تعلق نہیں تھا تاہم وہ از خود اپنی ذات میں زبان و ادب کے اہم ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے ادب پر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ کسی ادارے سے جڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کی ذہنی ساخت بھی ایسی نہیں تھی۔ تخلیقی آرٹ کے واسطے تخلیق کار کو کھلی فضا درکار ہوتی ہے۔ سکہ بند ماحول میں تخلیقی سرگرمیاں انجام دی بھی نہیں جا سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں معروف شاعر اختر الایمان نے اپنی سوانح حیات "اس آباد خرابے میں" بڑی گہری بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "تخلیقی ادب آزاد ذہن اور آزاد فکر کی میراث ہے۔ یہ محدود ماحول یا فضا میں پروان نہیں چڑھتی ہے"۔ زبیر رضوی انفرادیت کے ساتھ ساتھ تخلیقی ذہن رکھتے تھے، لہٰذا ایسے میں ممکن نہیں تھا کہ وہ کسی مخصوص ماحول کے ماتحت اپنے آپ کو باندھ کر رکھتے۔ عمر کے آخری لمحے تک ادب کے ساتھ پوری توانائیوں اور پوری دیانتداریوں کے ساتھ براہ راست جڑے رہے۔ ادیبوں کے جم غفیر میں ان کی آزاد فکر اور تخلیقی سطح پر ان کی انفرادیت ان کی خاص شناخت کے طور پر دور سے دکھائی پڑتی ہے۔

زبیر رضوی نے اپنی شاعری کا سفر مشاعروں سے شروع کیا۔ مشاعرے ہماری زبان کی تہذیبی روایات کے علمبردار رہے ہیں۔ مشاعروں کی حیثیت اردو زبان و ادبی تمام بستیوں میں بالخصوص برِصغیر ہند و پاک میں تہذیب و ثقافت کی بقا و تحفظ کے عظیم الشان ادارے کی سی ہے۔ اردو زبان و ادب میں مشاعروں کی اہمیت و

افادیت ویسی ہی ہے جیسے عرب میں منعقد ہونے والے عکاظ کے میلوں کی ہوتی تھی،جہاں مختلف سر گرمیوں کے ساتھ ساتھ عرب شعراء اپنا کلام سنایا کرتے تھے اور ملک کے طول و عرض میں اپنے کلام کے ذریعہ اپنی شہرت کا سکہ منواتے تھے۔ یہ مشاعرے صرف اردو زبان و ادب کی تہذیب و ثقافت کی علامت ہی محض نہیں ہوتے تھے بلکہ نئے نویلے شعرا کے حق میں ایک عمدہ پلیٹ فارم بھی مہیا کرتے رہے ہیں۔ قدیم دور سے ہی اردو کے متعدد نامور شعرا مشاعروں کی روایات سے براہ راست وابستہ رہے ہیں۔ یہیں سے ان کی شاخت بھی عام ہوتی رہی ہے۔ یہ روایت آج بھی رائج ہے۔

زبیر رضوی کا معاملہ بھی کم و بیش یہی رہا ہے۔ اول اول وہ ایک شاعر کی حیثیت سے اردو ادب میں داخل ہوتے ہیں، مختلف مشاعروں میں وہ شرکت کرتے ہیں۔ اپنے مخصوص لب و لہجے اور مترنم آواز و آہنگ کے ذریعے کلام سناتے ہیں۔ پھر انہی مشاعروں کے توسط سے ملک کے طول و عرض میں زبیر رضوی کی ایک شاخت متعین ہوجاتی ہے۔ فرحان حنیف کو دیے گئے ایک انٹرویو، جس میں مشاعرے میں شرکت کرنے اور شاعر بننے تک کے دلچسپ سفر کو انھوں نے بیان کیا ہے، کہتے ہیں:

”فرحان حنیف: عام طور سے کوئی خوبصورت واقعہ یا حادثہ شاعری کا سبب بنتا ہے۔ کیا آپ کی زندگی میں بھی ایسا ہی کچھ ہوا جس نے شاعری کی طرف آپ کو راغب کیا؟

زبیر رضوی: اس طرح کا کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔ ہاں البتہ جس ماحول میں میری پرورش ہوئی اس میں ثقافتی سر گرمیوں کا اچھا خاصا زور تھا۔ میں بچپن ہی سے مشاعروں میں جانے لگا تھا۔ چونکہ میری آواز بھی اچھی تھی اس لیے محفلوں اور مشاعروں میں مجھے دوسروں کا کلام ترنم میں پڑھنے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔ بعدازیں مجھے دوسروں نے شعر کہہ کر دئیے اور میں مشاعروں میں بحیثیت شاعر شرکت کرنے لگا۔ اب لوگوں میں تاثر قائم ہو گیا تھا کہ مجھے شاعری آتی ہے۔ جب میں نویں کلاس میں تھا تب حیدرآباد جانا ہوا اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ دوسروں نے جو غزلیں دی تھیں وہ بھی اب پرانی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ جھوٹی امیج کو برقرار رکھنے کے لیے میں نے شاعری شروع کردی۔ استادوں کے ساتھ رہ کر وزن اور بحروں کا سلیقہ بھی آ گیا تھا۔ یعنی جھوٹے شاعر کو سچے شاعر میں بدلنے کا ڈراما جب شروع ہوا تو رفتہ رفتہ شعر کہنے میں تبدیل ہوتا چلا گیا اور میں شاعر بن گیا“۔ ۱۲

ابتدائی مشاعروں کے برعکس آج کل کے مشاعروں میں خاصی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں۔ اگلے زمانوں کے مقابلے آج ان مشاعروں میں خاصی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو داد و تحسین یا نقد و تاثر کی ابتدائی صورت 'واہ' کہنے کے موقع و محل سے بھی کماحقہ واقف نہیں ہوتے ہیں۔ شاعری اعلیٰ ذہن کی پیداوار ہے۔ یہ انسانی ذوق اور وجدان کی عطا ہے۔ یہ انسان کے اندرون و بیرون مسائل کا مداوا ہے۔ لیکن آج کل کے مشاعروں میں شاعری کے ذریعہ عوام کی سستی ذہنیت کو کیش کیا جاتا ہے اور شور و ہنگامہ کی صورت میں داد و دہش طلب کی جاتی ہے۔ سنجیدہ شاعری اور باذوق قاری دونوں مشاعروں کی حدود سے کم و بیش ناپید ہوتے جا رہے ہیں تاہم ماضی میں ان کی اہمیت و افادیت اور تہذیب و ثقافت اور ادب کی ترویج و اشاعت میں ان کے نمایاں کردار سے کسی طور انکار ممکن نہیں ہے۔ مشاعروں کے حوالے سے زبیر رضوی صاحب حسن رضوی کے ساتھ ایک مکالمے میں از خود کہتے ہیں:

"حسن رضوی: مشاعرے ہماری تہذیب اور ثقافت کے تحفظ کا اہم انسٹی ٹیوشن ہے۔ کچھ اس کے بارے میں مزید فرمائیے۔

زبیر رضوی: میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہندوستان میں مشاعروں کی صورت حال کچھ خاص اچھی نہیں ہے۔ وہاں سطحی چیزیں سنائی جاتی ہیں۔ ترنم کا بڑا عمل دخل ہے۔ یوں بھی وہاں سامعین ملے جلے ہوتے ہیں۔ خالص اردو بولنے والے ہی نہیں دیگر زبانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی مشاعروں کے پنڈالوں میں موجود ہوتے ہیں۔ ان سامعین کو سامنے رکھ کر شاعری کی جاتی ہے۔ پاکستان میں ترنم کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ لحن کوئی بری چیز نہیں ہے۔ ہم مہدی حسن اور غلام علی کی آواز میں اگر غزلوں کا لطف لے سکتے ہیں اگر شاعر بھی اپنی آواز میں اپنی غزلیں سنا رہا ہے تو اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے۔ پاکستان میں زہرہ نگاہ اور حبیب جالب کے ترنم پڑھنے کا انداز مجھے بے حد پسند رہا ہے۔ کلیم عثمانی اور ساحر صدیقی بھی اچھا پڑھتے ہیں۔"[۱۳]

بہر حال زبیر رضوی نے مشاعروں کے جم غفیر سے شعر و سخن کا آغاز کیا۔ انھوں نے اپنی ذات و صفات پر کبھی مشاعروں کی مخصوص چھاپ نہیں پڑنے دی۔ اپنے انفرادی اور اجتماعی امور میں اس قدر توازن برقرار رکھا کہ علمی و ادبی حلقوں میں زبیر رضوی کی خاص شناخت قائم ہو گئی۔ وحید اختر، زبیر رضوی کے شعری عہد، ان کی طویل شعری مسافت اور عہد ریاض کے حوالے سے تفصیل سے لکھتے ہیں:

”ان کی ابتدائی ادبی تربیت ترقی پسندوں کے زیر اثر ہوئی لیکن ان کی ابتدائی شاعری پر اس کے اثرات نظر نہیں آتے۔ وہ اوائل شعر گوئی سے ہی مشاعروں اور محفلوں کے مقبول شاعر رہے ہیں۔ مشاعرے کی مقبولیت عموماً خوش گلوئی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ زبیر کو شہرت و مقبولیت حاصل کرنے میں ان کے پڑھنے کے سحر آگیں انداز نے بہت مدد دی۔ لیکن اس نفع میں زیاں کا پہلو بھی تھا۔ عام پسند شاعری شاعری عموماً ادبی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اس کے ساتھ تو خوش گلوئی اکثر صورتوں میں سچے شاعرانہ اظہار کے لیے طوق گلو بھی بن جاتی ہے۔ اگر شاعر میں جوہر ہے بھی تو وہ دب جاتا ہے۔ مشاعرے میں داد پانے کی کوشش نے ہمارے کئی اچھے شاعروں کو ادبی سطح سے گرا کر عامیانہ سطح پر اتار دیا ہے۔ زبیر نے اپنی شاعری کا سفر مشاعرے کی سطح سے شروع کیا۔ وہ مشاعرے کی مقبولیت سے ادبی معیار کی طرف آہستہ آہستہ بڑھے۔ یہ مسافت واقعی شب ہجر کی طرح طویل مسافت تھی۔ زبیر نے اسے کامیابی سے اس لیے عبور کیا کہ ان کی شعلہ آواز میں حقیقی تجربات کی روشنی بھی شامل تھی۔ انھوں نے برسوں کے ریاض سے اس روشنی کو اپنی آواز میں چمکایا۔ اور سنوارا۔“[۱۴]

زبیر رضوی نے غزل اور نظم دونوں صنفوں میں طبع آزمائی کی ہے تاہم ان کی شہرت بطور نظم گو شاعر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں نمایاں رہی ہے۔ پروفیسر شہپر رسول کے ساتھ دوران گفتگو زبیر رضوی از خود بتاتے ہیں:

”سوال: کیا آپ نے بھی شاعری کا آغاز غزل ہی سے کیا تھا؟ اس سلسلے میں کوئی خاص بات آپ قارئین کو بتانا چاہیں گے؟

جواب: شہپر صاحب! سچی بات تو یہ ہے کہ جب میں دوسری بار حیدرآباد ہائر سیکنڈری کرنے کے لیے آج گیا تو میرے پاس استاد کو ثر امروہوی کی دی ہوئی پانچ چھ غزلیں تھیں۔ مگر جب یہ غزلیں غیر اہم محفلوں میں سناتے سناتے باسی ہو گئیں تو میں نے اپنے طور پر شعر کہنے کی مشق شروع کر دی۔ جی ہاں! پہلے پہل تو غزل ہی کہی تھی جو تقلیدی تھی۔ اسی زمانے میں شاذ تمکنت اور عوض سعید سے دوستی ہو گئی۔ یہ دونوں ادب سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے اور مجھ سے زیادہ نئے ادب سے باخبر تھے۔ انہی دوستوں کی مدد سے نئے ادب کے کئی مجموعے پڑھے اور یوں فیض، سردار جعفری، مجاز، ساحر، اور مخدوم جیسے شعراء کے نام کانوں میں پڑے اور ادب و شاعری کا موضوع ہی بدل گیا۔ اب میں نظم بھی لکھنے لگا تھا اور یہ دونوں دوست جو میری ہی طرح اسکول

میں تھے ابھی تک انھوں نے شاعری اور افسانہ نگاری شروع نہیں کی تھی، میرے سامع ہوا کرتے تھے۔"۱۵

شعر و سخن کے میدان میں صنف غزل اور نظم میں ان کی پسندیدگی کس جانب تھی اور اس کی وجہ کیا تھی، اس سلسلے میں زبیر رضوی دوران مکالمہ کہتے ہیں:

"زبیر رضوی: نظم اور غزل ہیئتی اعتبار سے مختلف ہیں۔ تہذیبی موضوعات کے اظہار کے لیے نظم کی ہئیت استعمال کرتا ہوں۔

آگے سعادت سعید دریافت کرتے ہیں، آپ نظم کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا غزل کو؟

زبیر رضوی: غزل سے زیادہ مجھے نظم پسند ہے۔ کیونکہ جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اس کے لیے نظم کی ہئیت دور تک میرا ساتھ دیتی ہے۔"۱۶

زبیر رضوی کی شاعری سادہ، سہل اور معنی سے پر ہوتی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کی ابتدا ۱۵ سال کی عمر سے کی۔ ان کی شاعری میں ایک تڑپ، ایک درد اور ایک قسم کا اضطراب پایا جاتا ہے۔ 'پرانی بات ہے' ان کی طویل نظمیں ہیں جس میں انھوں نے اسلامی تہذیب و ثقافت کی قدروں کو قلم بند کیا ہے۔ ایک پوری تہذیبی تاریخ کو انھوں نے ان نظموں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس تناظر میں یہ نظمیں قاری کے دل پر گہرے نقوش چھوڑتی ہیں۔ چونکہ زبیر رضوی کا آبائی گھرانہ مذہبی تھا، بلکہ یوں کہا جائے کہ پورا علاقہ مذہبی رجحان رکھتا تھا۔ کبار علماء کرام اور صوفیاء کرام وہاں بود و باش اختیار کرتے تھے۔ خود زبیر رضوی کے باپ دادا علماء و فقہاء میں شامل تھے۔ گھرانہ علمی، ادبی اور صوفیانہ مزاج کا حامل تھا۔ اس کے علاوہ سرزمین امروہہ پر ایسے کئی باکمال شعراء جام و سبو کرتے تھے جن کے اثرات سے ایک نسل متاثر ہو رہی تھی چنانچہ اس کا عمدہ نمونہ ہمیں ان کلام میں بخوبی ملتا ہے۔

انھوں نے اپنی نظموں 'پرانی بات ہے' میں مذہب کی ضرورت پر زور دیا ہے کیونکہ مذہب انسان کو اخلاق سکھاتا اور عمل کرنے پر اکساتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی اقوام مسلمانوں سے کہیں آگے نکل چکی ہیں، مسلمانوں کی پسماندگی کی وجہ، تعلیم سے دوری ہے۔ مذہب کے سلسلے میں ان کے فرزند سید کامران رضوی ایڈوکیٹ بتاتے ہیں کہ:

”پاپا(زبیر رضوی) بائیں بازو سوچ کے حامل تھے، وہ نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے تھے لیکن اسلامی تعلیمات کا جو علم آج ہم لوگوں کے اندر ہے، وہ پاپا ہی کی دین ہے۔ چونکہ وہ خود ایک نہایت مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لہذا اُس کا اثر اُن کے ذہن میں کہیں نہ کہیں موجود تھا۔ انھوں نے بچپن سے ہمیں اسلام کی الف سے لے کری تک تعلیم دی ہے۔ اس تعلیم کی وجہ غالباً یہ ہے کہ انسان مذہب کی تعلیمات پر عمل پیرا رہتے ہوئے بہت پنپ کر پھول ہو جاتا ہے اور اپنی زندگی میں منظم ہو جاتا ہے“۔ ۱۷؎

زبیر رضوی کی شاعری کا ایک حصہ مذہبی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعہ مسلم نوجوانوں کے اندر نیا جوش اور امنگ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ قوم کے نوجوانوں کے اندر ایثار، ہمدردی اور قربانی کا جذبہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگانا چاہتے ہیں۔ ان کی مشہور نظم کے کچھ بند یوں ہیں:

تیرے رکے نہ قدم، کوئی ٹوٹے نہ ستم
تیرے بازوؤں میں دم، تری دور ہے منزل راہی
کٹھن ڈگر ہے، چاروں اور ہیں اندھیاروں کے ڈیرے
راہ میں تیری کنکر پتھر، کتنے موڑ کٹیلے
دیکھ اٹھا کہ آنکھ کے کتنے ساتھ چلے ہیں تیرے
کئی خوبرو صنم کئی کاکلوں کے خم
تیرے رکیں نہ قدم، تیری دور ہے منزل راہی
کانٹوں کو پھول بنالے طوفانوں میں جی لے
ان ویران گزرگاہوں میں گھول دے گیت رسیلے
دیکھ کہ تیرے پیچھے پیچھے کتنے روپ سجیلے
کہیں لوح و قلم کہیں تیغ و علم
تیرے رکیں نہ قدم، تری دور ہے منزل راہی

انسان اس وقت اس قدر ترقی کر رہا ہے کہ وہ خلا میں جانے کی تیاری میں ہے سائنس اور ٹیکنالوجی میں روز افزوں مہارت حاصل کر رہا ہے۔ زبیر رضوی مسلمانوں کو سائنسی ترقی کی انتہائی بلندیوں پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ جس کا ذکر وہ اپنی نظم 'نیلا پرچم' میں یوں کرتے ہیں:

او مور کھ انسان سمے پہچان ترانے گھول دے
جنگ نہ ہونے پائے فضا میں نیلا پرچم کھول دے
یوروپ کی جانب سے بڑھا ہے خون کا ایک بیوپاری
جگ میں چاروں اور ہے اس کے نام سے اک بیزاری
جاگ ذرا ہوشیار، و گرنہ گھاؤ پڑیں گے کاری
او مور کھ انسان سمے پہچان ترانے گھول دے

اس نظم میں انھوں نے جنگ کے مہیب خطروں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

جنگ ہوئی تو مچ جائے گی گھر گھر ہاہا کار
ٹوٹ ٹوٹ کر رہ جائیں گے من بینا کے تار
نگری نگری لوٹ مچے گی جب ہوگی بمباری
گلی گلی آواز پھرے گی موت، بھوک بیکاری
او مور کھ انسان سمے پہچان ترانے گھول دے

اس نظم سے جو تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ زبیر رضوی مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنا چاہتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ خدا کے علاوہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکانا چاہئے۔ اللہ نے انسان کو بے شمار اختیارات سے نوازا ہے۔ زبیر رضوی نے اس نظم میں سوئے ہوئے مسلمانوں کو جگانے کی کوشش کی ہے۔ اسی میں ان کی ایک نظم 'صفا اور صدق کے بیٹے' کے عنوان سے ہے۔ اس نظم میں بھی زبیر رضوی مسلمانوں کو ان کی عظمت رفتہ یاد دلا کر انھیں اپنا کھویا ہوا مقام دلانا چاہتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ جب تک مسلمان صدق و صفا یعنی قرآن اور اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا رہے، وہ زمانہ پر حکومت کرتے رہے اور جیسے ہی مسلمانوں نے اس راہ کو چھوڑا وہ کمزور ہو گئے اور پستی و زوال کا شکار ہو گئے۔ 'صفا و صدق' میں وہ کہتے ہیں:

پرانی بات ہے

لیکن یہ انہونی سی لگتی ہے
سواد شرق کا ایک شہر تاریکی میں ڈوبا تھا
اچانک شور سا اٹھا
زمین جیسے تڑخ جائے، ندی میں باڑھ آجائے
کوئی کوہ گراں جیسے جگہ سے اپنی ہٹ جائے
بڑا کہرام تھا خلقت
متاع و مال سے محروم، ننگے سر
گھروں سے چیخ کر نکلی
مگر آل صفا و صدق کے خیمے نہیں اکھڑے
وہ اپنی خواب گاہوں سے نہیں نکلے
روایت ہے
صفا و صدق کے بیٹے ہمیشہ رات آتے ہی
حصار حمد اپنے چار جانب کھینچ لیتے تھے
مقدس آیتوں کو اپنے پہ دم کر کے سوتے تھے
روایت ہے
بلائیں ان کے دروازوں سے
واپس لوٹ جاتی تھیں
سواد شرق کا وہ شہر
اس شب، ڈھیر تھا لیکن
صفا و صدق کی اولاد کے خیمے نہیں اکھڑے

اس نظم میں زبیر رضوی مسلمانوں کو ان کی عظمت پارینہ کی یاد دلاتے ہیں اور ان کے اسلاف کے کارنامے سناتے ہیں جب وہ صدق و وفا کے پیکر تھے اور حصار حمد باندھتے تھے۔ اسی طرح 'پرانی بات ہے' کی نظموں میں ایک نظم 'بنی عمران کے بیٹے' کی ہے۔ اس میں زبیر رضوی نے مسلمانوں کے زوال کی کہانی سنائی ہے کہ مسلمان جنسی

خواہشات کا شکار ہو گئے۔ اگر وہ تقوی کے راستے پر عمل پیرا ہوتے تو دنیا میں ترقی کرتے۔ مسلمانوں کے اصل زوال کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے شمشیر وسناں کو چھوڑ کر طاؤس ورباب کو اپنالیا اور عیاشیوں میں پڑ گئے۔ کہتے ہیں:

پرانی بات ہے
لیکن یہ انہونی سی لگتی ہے
بنی عمران کے بیٹوں کی شادابی کا عالم تھا
امارت اور ثروت ان کو ورثے میں ملی تھی
ان کے تہہ خانے جواہر سے بھرے ہوتے
کنیزیں،داشائیں، جسم کی انمول سوغاتیں لیے
کھیل کھیلتی رہتیں
مصاحب رات بھر دیوان خانوں میں
بنی عمران کی عیاشیوں کی داستان کہتے
روپہلی صحبتوں کا تذکرہ کرتے
اچانک مخملیں پردے سرکتے
اک پری چہرہ
الف لیلیٰ کے سب سے خوبصورت جسم کی صورت
تھرکتی دف بجاتی، خواہشوں کو دعوتیں
بنی عمران کے بیٹے اشارہ کرتے اور سارے مصاحب
سر جھکائے تخلیہ کرتے

دنیا میں مسلمانوں کے زوال کی وجہ یہی ہے کہ بادشاہ اور خلفاء عیاشیوں میں پڑ گئے، ان کے درباروں میں برہنہ لڑکیوں کا رقص ہوتا ہے۔ اس نظم میں اسی کی طرف اشارہ ہے امراء اور رؤسا کنیزوں سے دل بہلاتے تھے۔ اسی طرح زبیر رضوی نے ایک نظم میں بنی قدوس کے بیٹوں کا ذکر کیا ہے۔ جو ہمیشہ شمشیر زن رہتے تھے لیکن لغزش پانے ان کو گھیر لیا۔ اور تباہ ہو گئے۔ انھوں نے اپنی نظم 'شریف زادہ' میں بھی انھیں خیالات کو موضوع بنایا ہے:

سنو کل تمہیں ہم نے مدراس کیفے میں
اوباش لوگوں کے ہمراہ دیکھا
وہ سب لڑکیاں بد چلن تھیں جنہیں تم
سلیقے سے کافی کے کپ دے رہے تھے
بہت فحش اور مبتذل ناچ تھا وہ
کہ جس کے ریکارڈوں کی گھٹیا دھنوں پر
تھرکتی مچلتی ہوئی لڑکیوں نے
تمہیں اپنی باہوں کی جنت میں رکھا
بہت دکھ ہوا
تم نے ہوٹل میں کمرہ کرائے پہ لے کر
ان اوباش لوگوں اور ان لڑکیوں کے ہجوم طرب میں
گئی رات تک جشن صہبا منایا
بہت دکھ ہوا خاندانی شرافت
بزرگوں کی بانکی سجیلی وجاہت کو
تم نے سر عام یوں روند ڈالا
سلیقہ جو ہوتا تمہیں لغزشوں کا
تو اپنے بزرگوں کی مانند تم بھی
گھروں میں کنیزوں سے پہلو سجاتے
پئے عشرت دل حویلی میں ہر شب
کبھی رقص ہوتا کبھی جام چلتے

کسی ماہ رخ پر دل و جاں لٹاتے
سلیقہ جو ہوتا تمھیں لغزشوں کا
تو یوں خاندانی شرافت وجاہت
نہ مٹی میں ملتی نہ بدنام ہوتی

زبیر رضوی کی شاعری کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ ان میں طنز کی کاٹ ہوتی ہے۔ نظم 'شریف زادہ' میں انھوں نے بزرگوں کی اس روایت پر چوٹ کی ہے جسے آج سماج غلط نگاہ سے دیکھتا ہے۔ انھوں نے آج کے نوجوانوں کی ابتذال بھری حرکات اور فحاشی کا ذکر کرتے ہوئے بزرگوں کی عیاشی کو بے پردہ کیا ہے، جسے سماج آج تہذیبی و ثقافتی ورثہ کے نام پر تبرکاً دیکھتا ہے جبکہ آج کے نوجوانوں کی اس حرکت پر نعرہ استغفار بلند کرتا ہے حالانکہ یہ اسی روایت کا تاریک حصہ ہے جس کو اکابرین بطور فخر کرتے رہے ہیں۔ نظم کے اختتام تک آتے آتے وہ ایک ناصح کا کردار بھی ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

زبیر رضوی کی ایک طویل نظم 'علی بن متقی رویا' ہے جو ان کے مجموعہ 'پرانی بات ہے' میں شامل ہے۔ علی بن متقی، زہد و تقوی سے سرشار ایک ایسا انسان ہے جو تہجد کے وقت بھی اٹھ کر کلام پاک پڑھتا ہے۔ زبیر رضوی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انسان اگر تقوی پر کاربند رہے، خدا کے بتائے ہوئے راستے پر عمل پیرا ہو تو کامرانی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ خدا کی اطاعت سے انکار کرتا ہے اور جو ذمہ داری خدا نے اس کے کاندھوں پر رکھی ہے اگر وہ اسے ذمہ داری کے ساتھ ادا نہیں کرتا تو قدرت اس کی جگہ کسی دوسری قوم سے وہی کام لے سکتی ہے۔ ان کی یہ نظم ملاحظہ ہو:

علی بن متقی مسجد کے ممبر پر کھڑا
کچھ آیتوں کا ورد کرتا تھا
جمعہ کا دن تھا، مسجد کا صحن
اللہ کے بندوں سے خالی تھا
وہ پہلا دن تھا مسجد میں کوئی عابد نہیں آیا
علی بن متقی رویا

مقدس آیتوں کو مخملیں جزدان میں رکھا

امام دل گرفتہ نیچے منبر سے اتر آیا

خلا میں دور تک دیکھا

فضا میں دور تک پھیلی ہوئی تھی

دھند کی کائی

اسی نظم کے دوسرے حصے میں جو دراصل نظم کا آخری حصہ بھی ہے اس میں شاعر نے اسے محض انسانی المیہ بتانے کی کوشش کی ہے۔ نیز اپنے فن کے ذریعے یہ بھی بتانے کی حتی المقدور کوشش کی ہے کہ یہ المیہ مذہب کا بھی نہیں ہے۔ مذہب کو پیدا کرنے والا یہی کام دوسری مخلوقات سے بھی لے لیتا ہے۔ جیسا کہ نظم کے دوسرے حصے میں پرندوں کا ذکر کرکے یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہوا پھریوں

منڈیروں، گنبدوں پر ان گنت پر پھڑ پھڑائے

کاسنی کالے کبوتر صحن میں نیچے اتر آئے

وضو کے واسطے رکھے ہوئے لوٹوں پہ

اک اک کرکے آبیٹھے

دل گرفتہ پھر سے منبر پر چڑھا

جزدان کو کھولا، صفوں پر اک نظر ڈالی

وہ پہلا دن تھا مسجد میں

وضو کا حوض خالی تھا

صفیں معمور تھیں ساری

مسجد، آیتوں کا ورد، جمعہ کا دن، اللہ کے بندے، مقدس آیتیں، مخملیں جزدان، امام دل گرفتہ، وضو کا لوٹا، نماز کی صفیں، جیسی لفظیات کا استعمال زبیر رضوی کے تحت الشعور میں مذہب کی وابستگی اور اس سے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔ نظام ہاتف اس نظم کو ہماری عصری حسیت کا المیہ قرار دیتے ہیں۔ یہ نظم اردو کے ادبی حلقوں میں کافی مقبول رہی یہاں تک کہ اس کی پیروڈی میں بانی اور محمد علوی نے بھی اپنی شاعری میں علی بن متقی کو رلایا۔ مجتبی

حسین نے زبیر رضوی کے خاکے ”زبیر رضوی: سریلا آدمی“ میں تفصیل کے ساتھ بڑی شستہ زبان میں علی بن متقی کے رونے کی کہانی کو قلم بند کیا ہے۔ اور یہ پتہ لگانے کی کوشش کی ہے کہ آخر یہ علی بن متقی ہے کون جو اب تک زبیر کی نظموں میں روتا رہا پھر اس نے بانی کی غزلوں میں دہاڑیں مارنا شروع کر دیا اور کچھ عرصہ بعد محمد علوی کی ایک نظم میں بھی آنسو بہانے لگا۔

زبیر رضوی نے آغاز میں غزلیں کہیں اور خوب کہیں لیکن ایک وقت کے بعد ان کی طبیعت نظم کی طرف مائل ہو گئی۔ غزل گوئی سے نظم نگاری کی طرف مائل ہونے کا یہ فائدہ ہوا کہ ان کی نظموں میں غنائیت اور رومانوی احساس پیدا ہو گیا۔ ان کی ابتدائی نظموں میں رومانیت کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ گو بعد میں ان کی نظموں سے رومانوی احساس کی شدت کم ہوتی گئی اور فکری و معنوی احساس پیدا ہوتا گیا۔ ان کا ذہن نئی نظم کے رجحان کے حوالے سے زیادہ کارآمد ثابت ہوا۔ چنانچہ اس حوالے سے باقر مہدی لکھتے ہیں:

"زبیر رضوی کو میں کل تک ایسا شاعر سمجھتا تھا جس کا کلام زبان و بیان کی خامیوں سے بڑی حد تک پاک مگر زیادہ عمیق نہیں ہے۔ اس میں کچھ تازگی بھی نہیں ہے۔ اسی تجربے کا ہیئت اور الفاظ کے نئے استعمال کا کچھ ایسا وثوق بھی نہیں ہے۔ مگر پچھلے سال زبیر رضوی کی چند نظموں کے مطالعہ کے بعد میری رائے میں اچانک تبدیلی آئی ہے اور اب میں سمجھتا ہوں کہ زبیر نے اپنی نئی نظموں میں اخلاقی مسائل کو افسانوی شعری انداز میں کچھ ایسی نشتریت کے ساتھ پیش کیا ہے کی اس کی نظمیں غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اس کی زبان تو داستانوں ہے اور اندازِ بیان بھی کہاوتوں والا ہے مگر مسائل، شعری لب و لہجہ اور الفاظ کی ترتیب، مجھے تو یہ شعری کہانیاں معلوم ہوتی ہیں۔"[۱۸]

اردو شاعری میں حب الوطنی کی مثالیں جا بجا بکھری نظر آتی ہیں، زبیر رضوی کی شاعری بھی اس وصف سے خالی نہیں رہی۔ گیت 'یہ ہے میرا ہندوستان' اس ضمن میں خاصی مقبول رہی۔ یہ گیت زبیر رضوی کی ذات سے ایسا منسلک ہوا کہ تا عمر مشاعروں میں اس گیت کی فرمائش ضرور کی گئی۔ یہ گیت بعض اسکولی نصابوں میں بھی داخل ہے۔

زبیر رضوی جس عہد میں پیدا ہوئے وہ ترقی پسند تحریک کا نقطۂ آغاز تھا۔ اس تحریک کے زیر اثر دنیا بھر کے ادیب و فنکار دنیا بھر میں کمزور طبقوں کے خلاف پھیلی ہوئی سماجی ناانصافیوں، نابرابریوں، طبقاتی کشمکش اور

استحصالی رویوں کے خلاف ادب و فن کی تلوار لے کر میدان میں اتر رہے تھے۔ اسی فکر کے تحت ترقی پسند رویے نے "ادب برائے ادب" کی جگہ "ادب برائے سماج" کا نعرہ بلند کیا۔ زبیر رضوی کی شاعری میں بھی اس کے واضح نقوش دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کے نزدیک کسان اور مزدور سب سے پسا اور مظلوم طبقہ ہے۔ جو اپنے کھیت کھلیانوں میں محنت کر پوری قوم کو کھلاتا ہے حالانکہ اکثر و بیشتر اوقات وہ خود بھوکا رہ جاتا ہے۔ وہ سال بھر محنت تو کرتا ہے لیکن اس کی محنت کا ثمر جاگیرداروں کو حاصل ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں زبیر رضوی کا ایک مشہور گیت ہے جس کا عنوان ''کسان راجہ'' ہے:

میں راجہ ہوں اس دھرتی کا ساری دھرتی میری اونچے پربت میرے ہیں یہ نیلی چھتری میری
میں راجہ ہوں اس دھرتی کا ساری دھرتی میری
کھیت ہے میرے، ساگر میرا، چنچل لہریں میری مست پون گھنگھور گھٹائیں اودی جھیلیں میری
میں راجہ ہوں اس دھرتی کا ساری دھرتی میری
مست پون گھنگھور گھٹائیں اودی جھیلیں میری کھلیانوں پر میرا قبضہ دھان کی بالیں میری
میں راجہ ہوں اس دھرتی کا ساری دھرتی میری
اپنے گھر میں بھوک اگائی جگ میں ہن برسایا محلوں کو اجیارا بخشا کٹیا کو اندھیارا
میں راجہ ہوں اس دھرتی کا ساری دھرتی میری
ڈالی ڈالی پتی پتی پر ہے میرا ادھیکار مسکائے ہے آج درانتی فصل کھڑی تیار
میں راجہ ہوں اس دھرتی کا ساری دھرتی میری
اونچے پربت میرے ہیں یہ نیلی چھتری میری

اس نظم میں انھوں نے بتایا ہے کہ کس طرح جاگیردار، مظلوم کسانوں کا خون چوستے ہیں۔ زبیر رضوی اس استحصالی نظام کے خلاف ہیں، جس میں جاگیردار کسانوں پر ظلم کرتا ہے۔ کسان پورے سال کھیت میں محنت کرتا ہے اور یہ جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام اسے ایک سطحی زندگی جینے سے بھی باز رکھتا ہے۔ زبیر رضوی مزدوروں اور محنت کشوں کے مسائل سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں اس لیے سامراجی قوتوں کے خلاف پوری شدت سے آواز بلند کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ جاگیردار، سرمایہ دار، مزدور اور محنت کشوں کو ان کے حقوق دیے جائیں۔

زبیر رضوی کی شاعری میں موضوعات کا تنوع پایا جاتا ہے، ان کی شاعری کا اسلوب بھی انھیں کی اختراع ہے۔ وہ تلخ موضوعات کو بھی بڑی آہستگی اور نرم خوئی کے ساتھ شعری قالب میں ڈھالتے ہیں۔ اس طرح جیسے کوئی انسان کانچ کے برتن کو طاق سے نیچے بڑی احتیاط کے ساتھ اتارتا ہے۔ ان کی فکر کی نزاکت اور خیال کی ندرت، دونوں ان کے اظہار میں بہ آسانی ڈھونڈی جاسکتی ہیں۔ ان کی نظم 'خوشبو کی اسیری' کا بیانیہ بطور مثال پیش ہے:

وصل کی ہنستی ہوئی اک شب ملی
تشنگی کی دھوپ میں تپتے بدن
قرب کی آسائشوں میں کھو گئے
رشتۂ دل، ساعتوں کی گود میں
آرزو کے خواب لے کر سو گئے
صبح چمکی تو امیر شہر نے
ساری دیواروں پر شیشے چن دیے ساری دیواروں کو اونچا کر دیا

موضوع کی مناسبت سے نظم کا اختتام سرمایہ دارانہ ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔ لیکن اختتامیہ اتنا ہی چونکا دینے والا، غیر متوقع اور ڈرامائی ہے۔ زبیر رضوی اپنا علیحدہ رجحان رکھتے ہیں۔ ان کے تخلیقی سوتوں کا رنگ اور رخ الگ ہے ان کے یہاں جمالیاتی شعور ان کی شاعری کا Under current ہے۔ زبیر رضوی خود کہتے ہیں کہ "میری جدیدیت ایک اپڈیٹیڈ کلاسزم تھی جس میں ادب کی mystic بھی تھی۔ ہئیت کی قوتِ نمو بھی اور ادراک بھی" اسی لیے وہ رومانی شاعر کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ وہ ماضی کو کبھی نہیں بھولتے لیکن ماضی کو حال میں ضم کرنے کا ہنر بھی جانتے ہیں۔ نظم 'واپسی' میں زبیر رضوی کا یہی کمال پایا جاتا ہے۔

ہماری چاہتوں اور لغزشوں کے
سارے موسم جا چکے
تم آخری بوسے کی خواہش میں
لب و رخسار کی سوغات کیوں لائے؟
وصال و قرب میں بھیگی ہوئی برسات کیوں لائے؟

زبیر رضوی کی ہر نظم بتاتی ہے کہ ان کا شاعرانہ مزاج نرم ہے۔ یہ ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ اس نظم میں وہ خود بھی ماضی کی سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں اور چاہتوں و لغزشوں کے موسموں کے گزرنے کا ماتم کر رہے ہیں۔ زبیر رضوی کی طویل نظم 'صادقہ' نے ادبی فکر پردازوں کو اپنی نظم سے چونکایا ہے۔ نظم کا کینوس بہت وسیع ہے۔ جس میں لہجے کی وہ ضوفشانی ہے جس نے جدید اردو نظم کے چاہنے والوں کو ایک نئے ذائقہ سے آشنا کر دیا ہے۔ صادقہ براہِ راست اپنے شریک سفر سے مکالمہ ہے۔

صادقہ!
یہ طلوع صبح کتنے ملال دے گئی!
دن کی بساط بجھ گئی
رونق شہر شادماں لوٹ کے پھر سے آگئی
سارے حنوط، صف بہ صف
راہ میں آکے جم گئے
جتنے پری جمال تھے، بام پہ آکے سج گئے
کیسہ زر اچھالتے ناقہ سوار آگئے

یہاں قاری تذبذب کا شکار ہوتا ہے کہ ارے یہ کیا ہو رہا ہے لیکن شاعر یہاں ایک طویل نظم کے لیے پس منظر تیار کر رہا ہے۔ واقعات کی صف بندی ابھی جاری ہے۔ یہ پوری نظم اسی واقعاتی تواتر اور حسنِ ترتیب کا نمونہ ہے۔ نظم، منظر بہ منظر آگے بڑھتی ہے۔

صادقہ! یہ زوال کی ساعت بِد نصیب ہے
سارے قصیدہ گو، جلوسِ گردِ ملال ہو گئے
سارے کلاہِ امتیاز طاق میں رکھ دیے گئے
سارے لباسِ فاخرہ، تن سے الگ کیے گئے
طبل و علم، نہیں رہے
کیسہ زر نہیں رہے
سارے خزانے لٹ گئے

سارے نشان اقتدار

ماہ و نجوم اختیار

روغنِ خانہ خمار

سارے کھرچ دیے گئے۔

یہاں استعارات کا ایک دریا ہے جو سبک روی کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا ہے، یہ اس طویل نظم کا خاصہ ہے۔ نظم کا تکملہ بھی نہ صرف خوب ہے، بلکہ اسی روانی میں موجود بھی ہے۔

صادقہ!

تم میرے ہاتھ میں اپنا حنائی ہاتھ دو،

عرصہ کارزار میں تم میری ہم قدم رہو،

آؤ، کہ کسی پہاڑ سے آدمِ خاک کے لیے

دستِ دعا اٹھائیں ہم

صوت و صدا کی مشعلیں

چار طرف جلائیں ہم۔

پوری نظم اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ اسے آنکھ بند کر visualise کیا جائے۔ اتنی تمام ترصفات کے باوجود کہیں کہیں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ تلمیحی ابہام نے تفہیم کے در کھلنے میں ذرا سستی سے کام لیا ہے۔ غرض یہ کہ زبیر رضوی کی نظموں میں جدت طبع کے جواہرات اور اظہار کے اسلوب کی ندرت کے تمام محاکات کی شیرازہ بندی کرنے کا فریضہ انجام دے گی۔ صادقہ کے حوالے سے جنید اکرم فاروقی لکھتے ہیں:

> "صادقہ فکر و خیال اور تاریخی صداقتوں سے معمور ایک کامیاب نظم ہے۔ اس کے شاندار امید افزا اختتام کی وجہ سے اس کا شمار اردو ادب کی کامیاب رجائی منظومات میں کیا جائے گا۔"[۱۹]

جہاں تک زبیر رضوی کی غزلیہ شاعری کا تعلق ہے، اہم بات یہ ہے کہ ان میں موضوعات کی فرسودگی کی جگہ ندرت خیال و فکر کا احساس شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی غزلیں پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ جیسے ہم کچھ نیا پڑھ رہے ہیں۔ ان کی غزلوں کی یہ خصوصیت ہی انھیں وہ مقام عطا کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے کہ جس کی حسرت ہر شاعر کے دل میں انگڑائیاں لیتی رہتی ہے۔

غم تو غم ہی رہیں گے زبیر
غم کے عنوان بدل جائیں گے
اپنی پہچان کے سب رنگ مٹا دو نہ کہیں
خود کو اتنا غم جاناں سے شناسا نہ کرو

زبیر رضوی کی شاعری کا پہلا مجموعہ ”لہر لہر ندیا گہری“ ہے، جس میں نظمیں بھی شامل ہیں اور غزلیں بھی۔ یہ زبیر رضوی کے ابتدائی دور کے شعری تجربات ہیں جن میں انفرادی تجربات کی آئینہ داری ہوتی ہے، ان تجربات میں کسی حد تک حقیقت پسندی بھی ہے اور ذاتی احساس کی عکاسی بھی لیکن تغزل کی وہ سنجیدہ و متین کیفیت جو معصومیت اور باطنی سوز و ساز سے مملو ہوتی ہے موجود نہیں ہے۔ ان میں کوئی فکری، انقلابی یا سنجیدہ موضوعِ زندگی غزل کے پیرائے میں پیش نہیں کیا گیا ہے۔

شب وصال کے جب ان سے تذکرے آئے
تو دور جا کے نگاہوں سے میری شرمائے

یہاں ایک سیدھا سادہ سا خیال کارفرما ہے، جہاں کسی طرح کی کوئی جدت و ندرت نہیں پائی جاتی۔ خیال اردو شاعری میں نیا نہیں ہے اور بہت انوکھا بھی نہیں لیکن سلاست و سادگی نے اس شعر کو دلکش بنا دیا ہے۔ اس غزل کے دیگر اشعار میں بھی کم و بیش یہی کیفیت جلوہ نما ہے۔ بعد کی غزلوں میں بھی کم و بیش ایسے ہی عمومی تجربات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مثلاً

ہم وفا کیش و وفادار رہے
اور دنیا تھی کہ دھوکے ہی دیے

جو ملا اس کو خدا مان لیا
ہائے کیا سادہ مزاجی سے ملے

زبیر رضوی کا دوسرا مجموعہ کلام ”خشت دیوار“ ہے۔ اس کی غزلوں میں زبیر رضوی کی تخلیقیت پہلے مجموعہ کلام کی رومانی فضا سے بلند ہو کر زیادہ منور ہو جاتی ہے۔ یہاں ان کی غزلوں میں بتدریج کچھ انفرادیت کا سا احساس ہوتا ہے اور عصری حسیت جا بجا تغزل کے پیرہن میں نظر آتی ہے:

زندگی جن کی رفاقت میں بہت نازاں تھی
ان سے بچھڑی تو کوئی آنکھ میں آنسو بھی نہیں

پتھر کے صنم پوجو کہ مٹی کے خداوند
ہر بابِ کرم دیر ہوئی بند پڑا ہے

شہر در شہر ہے تپتے ہوئے صحرا کا سماں
تم برس جاؤ میرے دل پہ گھٹاؤں کی طرح

تغزل کی داخلی کیفیتیں بھی اظہار کی رعنائیوں کے ساتھ دوسرے دور کے مجموعہ کلام میں ابھرتی ہیں۔

وہ جس کو دور سے دیکھا تھا اجنبی کی طرح
کچھ اس ادا سے ملا ہے کہ دوستانہ لگے

دوسرے مجموعہ کلام تک زبیر رضوی کا لب و لہجہ احساس کی نزاکت، جذبہ کی صداقت اور اظہار کی سلاست سے نزدیک تر ہوتا گیا ہے۔ یہاں ایک بکھری ہوئی تہذیب و ثقافت کو نئی امیجری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اس میں جدت بھی ہے ندرت بھی، حسن اور اثر بھی۔ نئے عہد کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پتھر کی قبا پہنے ملا جو بھی ملا ہے
ہر شخص یہاں سوچ کے صحرا میں کھڑا ہے

تیسرے مجموعہ کلام 'دامن' میں کچھ نئی چیزیں بھی شامل ہوتی گئی ہیں۔ یہاں نئے فرد کی بے بسی اور کسمپرسی کی کیفیت کو زبیر رضوی نے خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

غروب شام ہی سے خود کو یوں محسوس کرتا ہوں
کہ جیسے ایک دیا ہوں اور ہوا کی زد پہ رکھا ہوں

عہد حاضر کی ایک خاص پہچان اجنبیت اور خود غرضی ہے۔ یہاں کسی کی کوئی اپنی شناخت نہیں اور نہ کوئی رشتہ و رفاقت، نہ دوستی و مروت اور نہ احسان شناسی کے جذبات سلامت رہ گئے ہیں۔ زبیر رضوی اس کیفیت کو یوں قلم بند کرتے ہیں:

پرانے لوگ دریاؤں میں نیکی ڈال آتے تھے
ہمارے دور کا انسان نیکی کر کے چیخے گا

الجھ رہی تھی تعلق کی زمیوں سے ہوا
ہرا بھرا تھا جو پتا زمیں پہ ٹوٹ گرا

بنیادی طور پر زبیر رضوی غزل کی عشقیہ کیفیت کے ترجمان ہیں۔ جس نے ان کی غزل کو کلاسیکی وقار، سنجیدگی، عصری حسیت اور آگہی سے ہم آہنگ کر دیا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

”زبیر رضوی کی شاعری کا بنیادی لہجہ عشقیہ ہے، اور یہ بات میں وضاحت سے کہنا چاہوں گا کہ میری نظر میں آج کی شاعری کا بنیادی موضوع عشق نہیں ہے۔ لیکن عشق کو کم سے کم فروعی موضوع کی حیثیت ہمیں دینی ہی پڑے گی۔ کچھ نہیں تو اس وجہ سے کہ عشق بہر حال ہماری بنیادی جبلیت کے بنیادی تقاضوں کا اظہار ہے اس سے بچ نکلنا ممکن ہو تو ہو لیکن اس کے وجود کی تنکیر ناممکن ہے۔ لہذا زبیر رضوی کی شاعری کا بڑا حصہ اگر جدید شاعری کے دھارے سے الگ ہے تو بھی بہر حال جدید شاعری جزو لاینفک ہے۔“ ۲۰

آگے لکھتے ہیں:

”جو چیز زبیر رضوی کی عشقیہ شاعری کو ہمارے لیے قابل قبول بناتی ہے وہ ان کے لہجے کا خلوص وانفرادیت اور ان کے مزاج عشق کی جدیدیت ہے۔ ان کی عشقیہ شاعری کی رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے وہ میر و غالب مومن یا حسرت جگر ق فراق کا نہیں ہے۔ اگرچہ مجموعی اعتبار سے ان کی پوری شاعری کی صورت کہیں کہیں فیض کہیں کہیں فراق اور کہیں کہیں اختر الایمان کی یاد دلاتی ہے۔“ ۲۱

جس طرح زبیر رضوی کی نظمیہ شاعری میں انتظار حسین کے فکشن کے مانند علامتی اظہار پایا جاتا ہے، ان کی غزلیں بھی اس وصف سے خالی نہیں رہیں۔ زبیر رضوی کی غزلوں کی ایک اہم پہچان اس کا ایجاز و اختصار ہے، ان کی غزلیں وجودی فکر کی حامل ہیں جو زندگی کو دور سے محض ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنے کی منکر ہے۔ وہ فرد کو زندگی کے ڈرامے میں ایک عملی کردار کی صورت میں دیکھنے پر مصر ہے۔ اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ فرد کو اپنی زندگی میں اپنے کردار کو پورے خلوص کے ساتھ عملی طور پر بروئے کار لانا ہے۔ اس لیے کہ وجود عمل سے عبارت

ہے یہ محض تجریدی یا محض حقیقت کا دوسرا نام نہیں زبیر رضوی کی پوری شاعری خواہ وہ نظم کی ہو یا غزل کی ہر جگہ اس فکر و شعور اور زاویہ نظر کا مخلصانہ اظہار کرتی ہے۔ چند اشعار بطور مثال پیش ہیں:

تمام راستہ پھولوں بھرا تمہارا تھا
ہماری راہ میں بس نقش پا تمہارا تھا

جس کو دیکھا تھا اکثر ہجوم یاراں میں
وہ ایک شخص بہت ان دنوں اکیلا تھا

یہ کیسی دشمنی ہے کہ ہاتھ میں خنجر نہیں ملتے
محاذِ جنگ سے لڑتے ہوئے لشکر نہیں ملتے

زندگی کے جبر اور تشدد کی ترجمانی یوں کرتے ہیں:

کاکلانِ شہر نے پیغام بھیجا ہے زبیر
اپنے اپنے سر لیے سب جانب مقتل چلیں

زبیر رضوی کے چند شعر اور ملاحظہ ہوں:

آئینہ دیکھ کے اکثر یہ خیال آتا ہے
دل کشی برف کے مانند پگھل جائے گی

مدتوں ے بعد جی چاہا تھا چھت پر سویئے
رات پہلو میں نہ لیٹی تھی بوندیں آ گئیں

دھندلا گئے رنجش میں اس آواز کے شیشے
برسوں جو سماعت سے ہم آغوش رہی ہے

خود کو لہو کروگے جو بھاگو گے کود کر
دیوار ہائے دل پہ ہیں شیشے گڑے ہوئے

دور تک کوئی نہ آیا ان رتوں کو چھوڑنے
بادلوں کو جو دھنک کی چوڑیاں پہنا گئیں

متاعِ عرضِ سخن صرفِ ذکرِ یار ہوئی
اس ایک طرزِ سخن سے ہمارا نام چلا

گزرتی شب کے ہونٹوں پر کوئی بے ساختہ بوسہ
پھر اس کے بعد تو سورج بڑی تیزی سے چمکے گا

اور سب لوگ تو میخانے سے گھر لوٹ گئے
مہرباں رات نے سینے سے لگایا ہے مجھے

زبیر رضوی کی ادبی صحافت

زبیر رضوی کی ادبی اور ادبی صحافت کی شناخت کا عظیم الشان پہلوان کا رسالہ "ذہنِ جدید" ہے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے ماہنامہ 'خیال'، 'کامٹی' اور سہ ماہی 'محور' میں ادارت کے بعد 'ایوان اردو' میں بھی مخمور سعیدی کے ساتھ بحیثیت مدیر اپنی ادبی صحافت کے نمونے پیش کر چکے ہیں۔ 'ایوان اردو' میں 'جدید کہانی نمبر' (اگست ۱۹۹۴) زبیر رضوی اور مخمور سعیدی کی مشترکہ ادارت میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ایوان اردو کے منتخب افسانے،۱۹۹۵، کو ترتیب دیا۔ لیکن زبیر رضوی کی ادبی صحافت میں اصل پہچان رسالہ 'ذہن جدید' سے ملی۔ اس رسالہ نے اردو زبان و ادب کی رنگا رنگی اور دل پزیری کو صحافت کے ذریعے رواج دینے کا کام کیا ہے۔ زبیر رضوی اپنے عہد میں اپنے معاصرین کی جماعت میں ایک نیا ذہن یا ایک جدید ترین اور رجحان ساز ذہن رکھتے تھے۔ یہ رسالہ ان کی جدید ذہنیت کا غماز ہے۔ یہ رسالہ ادبی صحافت کی دنیا میں محض رسالہ یا کوئی رسمی یا روایتی رسالہ نہیں تھا بلکہ اردو زبان و ادب اور فنونِ لطیفہ کے ضمن میں اس کی ایک خاص اور علحیدہ پہچان ہے۔ رسالوں کے حوالے سے اس کی یہ خوبی زبیر رضوی کو زمانے تک زندہ رکھے گی۔ اس منفرد جریدے کے پلیٹ فارم سے مختلف عصری اور کلاسیکی نوعیت کے موضوعات اور ادبی رجحانات و تحریکات پر جو عالمانہ تحریریں پیش کی گئیں اور خود زبیر رضوی نے جو اداریے سپرد قلم کیے ہیں،

وہ اس رسالے اور اس کے بانی کو اردو زبان و ادب کی دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے کافی ہیں۔ زبیر رضوی کی گوناگوں شخصیت اور ان کے رسالے کے موضوعاتی تنوع کے حوالے سے مظفر حسین سید لکھتے ہیں:

"زبیر رضوی کا ایک وصف بے مثل اور تھا کہ وہ محض شعر و سخن یا ادب تک محدود نہ تھے۔ ان کی دلچسپی کا محور و مرکز اگرچہ بڑی حد تک شاعری ہی تھی مگر اس کی حدود سے باہر نکل کر انھوں نے تمام فنون لطیفہ، ثقافت نیز معاشرتی منظر نامے کو اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا تھا۔ اسی لیے ان کی تحاریر میں بے محابہ تنوع ہے۔ ان کے موضوعات میں مصوری بھی ہے، ڈرامہ اور ناٹک بھی اور پردہ سیمیں بھی۔ ان کی گوناگوں دلچسپیوں کا تابندہ ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے تمام تر پیشہ ورانہ مصروفیات کو خیر آباد کہہ کر کام کرنا اور ایک بے فعل، یا فراغت زندگی گزارنا پسند نہ کیا بلکہ خود کو ہمہ تن مصروف رکھنے کا ایک نیا وسیلہ دریافت کیا۔ ایک نئی راہ اختیار کی اور ایک ادبی، ثقافتی مجلہ جاری کرنے کا منصوبہ بنایا۔ "ذہن جدید" ان کے اس منصوبے کا ثمر تھا۔ انھوں نے نے بنفس نفیس ایک اہم شاعر ہونے کے باوصف اس جریدے میں نہ صرف شاعری کے مقابلے میں نثر کو اولیت دی بلکہ موضوعات کے بے مثل تنوع کے ذیل میں ادب کے دائرے کے باہر تمام فنون لطیفہ نیز ثقافتی تبدیلیوں کو اپنی توجہ کا محور بنایا۔ اس کا ثبوت "ذہن جدید" کے وہ بہتر شمارے ہیں جن کی پیشکش اور اشاعت ربع صدی کے عرصے کو محیط ہے۔ انھوں نے اپنی لوح کے اوپر جو سکہ بند قطعہ نثر چسپاں کرنے کے لیے وضع کیا، وہ یہ ہے "بڑی زبان کا زندہ رسالہ" اس طور پر انھوں نے اولاً تو اردو کے ایک عظیم زبان ہونے کا اعلان کیا، ثانیاً اپنے ہی پروردہ جریدے کو زندہ رسالہ قرار دیا۔ جس کا سروکار زندگی کے گل سے تھا۔ فطری طور پر ذہن جدید کی وہی بے مثل پذیرائی ہوئی جس کا وہ سزاوار تھا۔ اس عرصہ طویل میں اس پر ہوئے تبصرے، نیز بطور موضوع اس پر کی گئی تحقیقی کاوشیں اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں۔"۲۲

آگے مزید لکھتے ہیں:

"یوں تو اردو کا ادبی پرچہ نکالنا اور جاری رکھنا ہی ایک کمال ہے، لیکن معیاری پرچہ نکالنا، متواتر پچیس برس تک نکالتے رہنا، تمام تر نامساوات کے باوجود اس کے معیار کو قائم رکھنا اور کوئی مصلحتی مفاہمت نہ کرنا، اس سے برتر کمالات ہیں، جنہیں کوئی زبیر رضوی ہی انجام دے سکتا ہے۔"۲۳

زبیر رضوی اردو اور فنون لطیفہ کے حوالے سے بہت حساس اور انتہائی فکر مند تھے۔ برقی میڈیم کو زبان سینے کی بات کیا کرتے تھے۔ ترسیلی ذرائع کو مطالعہ کا موضوع بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلے میں متعدد کتابیں بھی لکھیں، جسے اردو دنیا کو پیش کیا۔ اس حوالے سے احمد جاوید لکھتے ہیں:

"وہ فنون لطیفہ سے اردو کے گہرے رشتے کا ذکر کرتے ہوئے جب اس پر اظہار افسوس کر رہے تھے کہ ہم لوگ چیزوں کی جو تصویر پیش کرتے ہیں وہ دور سے دیکھ کر بنائی ہوئی تصویر ہوتی ہے، نزدیک سے دیکھنے اور ان کی گہرائی میں اتر کر سوچنے سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ میں واحد شخص ہیں جس نے ترسیلی میڈیم کو مطالعہ کا موضوع بنایا اور ان پر متعدد کتابیں لکھی ہیں تو بہت دل گرفتہ سے ہو گئے۔ ان کی زبان پر وہ تاریخی جملہ آجائے جو ہمارے کانوں میں برسوں گونجے گا "میں سسکیاں لے کر رونے کا قائل نہیں ہوں". درد کا حد سے گزر جانے پر بھی بس آنکھوں کو نم کر لیتا ہوں۔ پھر یہ کہتے ہوئے کی میڈیم کو زبان چاہیے اور میڈیم اپنی زبان خود لاتا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس کی مثال پیش کی کہ یہ کس طرح چار گھنٹے کے پروگرام سے شروع ہوئی پھر آٹھ گھنٹے اور اس کے بعد چوبیس گھنٹے کی ہو گئی۔ لیکن آج اس کی کیا حالت ہے؟ اس کے بعد ان کی زبان پر یہ جملہ آیا "لگتا ہے میں زیادہ جذباتی ہو گیا" اور وہ اپنی نشست پر آکر بیٹھ گئے پھر جو سانحہ پیش آیا، اس پر آنکھوں کو یقین نہیں آیا۔"؎۲۴

زبیر رضوی کے قلم نے رکنا نہیں سیکھا، فنون لطیفہ کے شعبہ ہائے جات کے موضوعات پر انھوں نے ذہن جدید میں کھل کر لکھا۔ انھوں نے اس میدان میں اردو قاری کو روشناس کرانے کے لیے جو ذمہ داری اٹھائی، اس میں پوری ایمانداری کے ساتھ اپنے آخری وقت تک لگے رہے۔ فنون لطیفہ سے متعلق موضوعات پر جو تحریریں ہمیں ذہن جدید میں ملتی ہیں ان میں بیشتر زبیر رضوی کے قلم کی سیاہی ہیں۔ ان موضوعات پر دیگر فن کاروں و ادیبوں کی تحریریں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی مدد بہر طور پر اس ملازمت نے کی جو وہ آل انڈیا ریڈیو میں رہ کر کر رہے تھے، وہاں رہتے ہوئے انھوں نے اپنے شوق کو علمی سانچے میں ڈھالا اور اسے کندن بنالیا۔ وہی کندن ہم ذہن جدید کے صفحات پر جابجا دیکھتے ہیں۔ اس دوران انھوں نے جو مضامین لکھے ان میں بیشتر کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ غالب اور فنون لطیفہ، عصری ہندوستانی تھیٹر، ہندوستانی سینما: سو برسوں کا سفر، عصری عالمی ادب کے ستون، ترقی پسند اور ان کے معاصر پینٹر اسی نوع کی کتابیں ہیں۔

زبیر رضوی نے اپنی خود نوشت 'گردش پا' کے نام سے لکھی۔ زبیر رضوی کی زندگی امروہہ کی گلیوں سے نکل کر حیدر آباد کی گلیوں، بازاروں اور ادبی محفلوں تک پہونچی اور پھر دلی کے شور شرابہ بھرے ماحول میں ان کی زندگی، زندگی کے حدود کے سے نکل کر ایک شخصیت کا روپ لینے لگی۔ چونکہ ان تین شہروں سے ان کا بالواسطہ طور پر تعلق رہا ہے لہذا ان شہروں، قصبوں کی زندگی، وہاں کی تہذیب، گلی کوچوں کا ذکر، چوک چوراہوں کی کہانیویاں اور سیاسی حالات سے لیکر ان شہروں میں ادبی تحرکات کی مثالیں اس خود نوشت میں واضح طور پر ملتی ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سالہ سفر کے حالات و وقعات و مشاہدات اور یادوں کو ایک کولاج کی طرح بکھیرا ہے۔ 'گردش پا' زبیر رضوی کی جادوئی نثر نگاری کا نمونہ ہے، البتہ زمانی ربط و تسلسل اس کتاب میں مفقود ہے لیکن پھر بھی یہ کتاب اپنی سبک روی، مزاج، اسلوب اور تازہ کاری کے لحاظ سے منفرد اور اہم ہے، اور اردو خود نوشت کے باب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ ڈاکٹر اسلم پرویز 'گردش پا' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "کتاب کا نام گردش پا اس کے خود نوشت ہونے پر دلالت کرتا ہے لیکن اس کے بیشتر مندرجات ہمیں زبیر کی ذات کے وسیلے سے ایک Socio-Cultural History کی جھلکیاں بھی دکھاتے ہوئے چلتے ہیں۔ قطع نظر اس بحث کے کہ اس کا کینوس کتنا وسیع یا محدود ہے۔ گردش پا کے اسلوب اور اس کے مندرجات کے دل فریب بکھراؤ میں دنیا ہی البیلا پن ہے جو ہم زبیر کی شخصیت اور زبیر کی شاعری کے لہر لہر ندیا گہری، سے انگلیاں فگار اپنی تک کے ان مختلف تیوروں میں دیکھتے آرہے ہیں جن میں کسی کلاسیکی رقص کے پے در پے بدلتے ہوئے موڈز (Moods) کی سی کیفیت ہے۔"۲۵

گو مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں زبیر رضوی کی ادبی زندگی اور ان کی شاعرانہ پہچان تقریباً ساٹھ دہائیوں پر محیط ہے۔ ریڈیو جیسے مقبول ترسیلی میڈیم سے انھوں نے اپنے بامعنی سفر کا آغاز کیا وہ اسپورٹس کے سینئر سربراہ کے منصب تک پہونچے۔ ایشیا پیسفک براڈ کاسٹنگ یونین کے اجلاسوں میں اے آئی آر کی کئی بار نمائندگی کی۔ وہ بڑی حد تک اکیلے ایسے ادیب ہیں جنھوں نے شاعری، ادبی صحافت اور ترسیلی میڈیم میں اپنی امتیازی پہچان بناتے ہوئے تھیٹر، مصوری اور سینما پر کتابیں لکھیں۔ ۱۹۹۰ میں رجحان ساز رسالہ 'ذہن جدید" جاری کیا۔ دس شعری مجموعوں کے شاعر زبیر رضوی نے 'پرانی بات ہے' والی حکائی لہجے کی نظمیہ سیریز سے چونکایا اِس کی پہلی ہی نظم 'علی بن متقی رویا' بے حد مقبول ہوئی۔ زبیر رضوی نے دوسری بار ادبی حلقوں کو اس وقت بھی اپنی طرف متوجہ کیا جب انھوں نے

طویل نظم ’صادقہ‘ لکھی، آفاقی اور تہذیبی پس منظر میں شاعر اور ’صادقہ‘ کی ہم کلامی نے ’صادقہ‘ کو نسائی دانش کا انوکھا کردار بنا دیا۔ ’سنگ صدا‘ ان کی اب تک کی شاعری کا نمائندہ انتخاب ہے۔ فنون لطیفہ پر مسلسل ۲۵ برسوں تک اپنے رسالے ذہن جدید میں لکھا۔ ریڈیو سے وابستگی کے زمانے میں بھی فنون لطیفہ ان کا محبوب موضوع تھا۔ ۱۹۳۵ میں امروہہ میں پیدا ہوئے زبیر رضوی ۲۰ فروری ۲۰۱۶ کو اردو اکادمی میں ایک سمینار کے دوران اپنے صدارتی خطاب کے بعد داعی اجل سے جا ملے۔

بیدار مغز تھا جو سخنور نہیں رہا
’ذہن جدید‘ کا تھا جو رہبر نہیں رہا
(احمد علی برقی اعظمی)

زبیر رضوی کے سوانحی اور ادبی سفر کی ایک جھلک:

نام:	سید زبیر رضوی	قلمی نام:	زبیر رضوی
پیدائش:	۱۵اپریل،۱۹۳۵،امروہہ	وفات:	۲۰فروری۲۰۱۶
والد	سید محمد رضوی	والدہ:	فہمیدہ خاتون
دادا:	مولانا محمد حسن محدث امروہوی (شاگرد قاسم نانوتوی)		
شادی:	۱۳جنوری۱۹۶۸	اہلیہ:	جمشید جہاں
اولاد:	سید کامران رضوی، سید سلمان رضوی، فارحہ رضوی		
تعلیم:	ابتدائی اور ہائر سیکنڈری تک کی تعلیم: امروہہ اور حیدرآباد		
	بی اے: دہلی یونیورسٹی، ایم اے: دہلی یونیورسٹی		

ملازمت: ہمدرد، آل انڈیا ریڈیو (دہلی، رام پور، سری نگر، لیہہ) اسکرپٹ رائٹر، پروڈیوسر، ایڈیٹر، اے ایس ڈی، ایس ڈی، ڈائریکٹر (پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ)، ڈائرکٹر (اسپورٹس) چیرمین ریڈیو جیوری، ایشیا پیسفک براڈ کاسٹنگ یونین۔ ۱۹۹۲ آل انڈیا ریڈیو میں انتخابی کمیٹی کے ممبر ایڈیٹر "ذہن جدید" سکریٹری و صدر "ذہن جدید فورم"

ڈی ڈی اور ای ٹی وی میں کئی پروگرام کے پروڈیوسر، سکریٹری دہلی اردو اکیڈمی ۱۹۹۳-۹۵

انعامات و اعزازات: غالب ایوارڈ ۲۰۰۶، اردو اکیڈمی ایوارڈ، ایم ایچ آر ڈی سے فنون لطیفہ اور اردو کے مابین رشتہ پر کام کے لیے فیلوشپ، غالب انسٹی ٹیوٹ سے غالب اور فنون لطیفہ پر ریسرچ کے لیے اسپیشل اسائنمینٹ، سابق صدر جمہوریہ شنکر دیال شرما اور وزیر اعظم مرار جی دیسائی کے ہاتھوں ادبی خدمات کے لیے اعزازات سے نوازے گئے۔ سابق وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی کے ساتھ دہلی سے لاہور تک بس سے گئے اور کمنٹری کی۔ ۱۹۸۷ میں کرکٹ ورلڈ کپ کے لیے کمنٹری، ۱۹۸۸ میں سیول اولمپکس میں ریڈیو کے لیے کمنٹری، ۱۹۹۲ میں ایشین گیم کے لیے کمنٹری، ۱۹۹۳-۹۵ میں سیکریٹری اردو اکیڈمی،

ادارت: ماہنامہ خیال، کامٹی اور محور کی ادارت۔ رسالہ ذہن جدید کے مرتب

کالم نویسی: تقریباً چار روزنامہ، انقلاب اور ممبئی کے سنڈے ایڈیشن میں سیاسی کالم۔

شعری مجموعے: لہر لہر ندیا گہری (۱۹۶۴)، خشت دیوار (۱۹۷۰)، مسافت شب (۱۹۷۷)، دامن (۱۹۸۴)، پرانی بات ہے (۱۹۸۸)، دھوپ کا سائبان (۱۹۹۲)، اُنگلیاں فگار اپنی (۱۹۹۸)، پورے قد کا آئینہ (کلیات ۱۹۸۴)، سبزہ ساحل (۲۰۰۸)، سنگ صدا (۲۰۱۵)۔

نثری تصانیف: گردش پا (سوانحی یاد داشتیں۔ ۲۰۰۱)، اردو - فنون اور ادب (مضامین۔ ۲۰۰۴)، غالب اور فنون لطیفہ (تنقیدی مضامین۔ ۲۰۰۴)، عصری ہندوستانی تھیٹر (اردو ہندی تھیٹر کے حوالے سے۔ ۲۰۱۲)، ہندوستانی سنیما: سو برسوں کا سفر (۲۰۱۵)، عصری عالمی ادب کے ستون (۲۰۱۵)، ترقی پسند اور ان کے معاصر پینٹر (۲۰۱۶)۔

مرتب کردہ کتابیں: نئی نظم - تجزیہ اور انتخاب(۲۰۰۷)، تماشا میرے آگے(غالب پر لکھے منتخب ڈرامے ۲۰۰۷)،اردو ڈرامے کا سفر آزادی کے بعد:ایک انتخاب(۲۰۰۷)، آزادی کے بعد اردو اسٹیج ڈرامے (انتخاب۔۲۰۰۸)،یک بابی اردو ڈرامے (انتخاب۔۲۰۰۸)، کالی رات(فسادات کے افسانے۔۲۰۰۸)،فسادات کے افسانے:ہندی(انتخاب۔۲۰۰۸)۔

تراجم: قلی قطب شاہ- نریندر لوتھر(انگریزی سے اردو)،وادیٔ سندھ کی تہذیب- سَر ماٹیمولر(انگریزی سے اردو)۔

دیگر: زبیر رضوی نے قلی قطب شاہ اور ٹیپو سلطان پر دو فل لینتھ اوپیرا بھی لکھے ہیں، جو بے حد مقبول ہوئے۔

ان کے آٹھ ریڈیائی ڈرامے بھی نشر ہوئے۔ ان کا بار بار نشر ہونے والا ڈرامہ 'اس رات کا قرض' اور 'ناچ راجہ ناچ' ہیں۔

زبیر رضوی کی خدمات کا اعتراف: سہ ماہی لمحے لمحے (بدایوں) میں حسیب سوز اور خان فہیم کی ادارت میں اکتوبر ۱۹۸۴ تا جون ۱۹۸۵ میں گوشہ زبیر رضوی،

متاعِ سخن(زبیر رضوی کے ادبی سفر کا جائزہ) ترتیب اسلم پرویز۔ ۲۰۰۹،

زبیر رضوی شخصیات سیریز-۴، اتر پردیش اردو اکادمی، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہوی۔ ۲۰۱۷،

زبیر رضوی (شخصیت اور خدمات) مرتب عبد الحی، کریٹو اسٹار پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ ۲۰۲۱

زبیر رضوی کا بے حد مقبول گیت 'یہ ہے میرا ہندوستان' گزشتہ کئی برسوں سے اسکولی نصاب کا حصہ ہے۔

رسالہ ذہن جدید: اغراض و مقاصد

اخبارات و رسائل نے ہمارے علمی، تہذیبی اور سیاسی شعور کو بیدار کرنے میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ جہاں اخبارات روز مرہ کی خبروں کی رسائی کا محرک بنے وہیں رسائل و جرائد نے ہم عصر ادبی محرکات کے خدو خال سے آشنائی میں مدد بخشی۔ ذی علم اور نامور نقادوں اور تخلیق کاروں کی کاوشات سے اردو کی ادبی صحافت کو استحکام عطا کیا۔ نیز بہت سے گمنام اہل قلم کی تربیت کی جو دیکھتے دیکھتے ممتاز ادیبوں اور دانشوروں میں شمار ہونے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ نئے اذہان کو اپنے صفحات پر جگہ دے کر انھیں قارئین کے مابین قبولیت بخشی۔ ماہنامہ ''ذہن جدید'' کا اندراج بطور خاص فنون لطیفہ کی پیش کش کے ساتھ مختص ہے نیز اسے یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس رسالہ نے نئے اذہان کو متعارف کرانے پر خاصی توجہ صرف کی ہے۔

ذہن جدید کا پہلا شمارہ ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰ میں منظر عام پر آیا، اور آخری شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۱۵ میں شائع ہوا۔ اس وقفہ میں کل ۷۱ شمارے زیور طباعت سے آراستہ ہوئے۔ زبیر رضوی کے انتقال کے ساتھ ہی ذہن جدید کی اشاعت پر بھی قدغن لگ گیا۔ ایک لمبے عرصے تک قارئین 'ذہن جدید' کی اشاعت جاری رہنے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن مدیرہ جمشید جہاں نے زبیر رضوی کے اس جہانِ فانی سے کوچ کر جانے کے بعد رسالے کی اشاعت بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ راقم کی جمشید جہاں سے ہوئی بات چیت کے دوران انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ دیا کہ اردو کی کئی قد آدم شخصیات، زبیر رضوی کے خیر خواہوں اور احباب نے اس رسالے کو جاری رکھنے کا اصرار کیا، اور از خود اس کی اشاعت کے عزم سے آگاہ کیا، لیکن جمشید جہاں کی رضامندی انھیں حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ جمشید جہاں کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ جس قدر محنت اور اشتیاق سے زبیر رضوی ہر شمارے کو ترتیب دیتے اور اس کی تزئین کرتے وہ شاید کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔ جس کے عوض 'ذہن جدید' کا وہ معیار بھی باقی نہیں رہ سکتا تھا جو زبیر رضوی نے قائم کیا تھا۔ لہذا 'ذہن جدید' بالآخر ۲۵ سالوں کے سفر کے بعد ۷۱ شماروں کے ساتھ اختتام کو

پہونچا۔ مخدوم محی الدین اور سلیمان اریب کی یاد میں نکلنے والے اس رسالے کی مدیرہ کی ذمہ داری اول تا آخر زبیر رضوی کی اہلیہ جمشید جہاں نے ادا کی۔ ترتیب و تزئین خود زبیر رضوی کا حصہ ٹھہرا۔

ذہن جدید کے ہر شمارے میں اردو زبان و ادب سے متعلق تخلیقی، معلوماتی، تجزیاتی اور تنقیدی تحریریں تو بہر حال شامل ہوتی ہی تھیں لیکن 'ذہن جدید' کی جو خصوصیات اسے اردو زبان کے اکثر ادبی جرائد سے ممتاز کرتی ہیں۔ ان میں مختلف اصناف ادب کے سلسلے میں ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں ہونے والے تخلیقی اور تنقیدی، علمی اور فکری کام کی پیشکش، مختلف فنون لطیفہ کے رجحانات اور متعلقہ شخصیات کے مطالعے اور تجزیے، انتخاب اور ترتیب کا بلند معیار اور مضامین کا تنوع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

زبیر رضوی نے ذہن جدید کو مخدوم محی الدین اور سلیمان قریب کے ناموں سے منسوب کیا۔ ذہن جدید کے ہر شمارے پر جلی حروف میں ان دونوں کا نام لکھا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ ایک سوال کے جواب میں تفصیل کے ساتھ اس کی وجہ بھی روشنی ڈالتے ہیں:

> "وہ (مخدوم) میرے آئڈیل تھے ان کے ساتھ سلیمان قریب کا نام بھی آتا ہے۔ ان کی یاد میں، میں نے ذہن جدید شروع کیا۔ اپنے سماجی اور سیاسی کمٹمنٹ کے اعتبار سے ان جیسا سچا، کھرا شاعر اردو میں دکھائی نہیں دیتا"۔ ۲۶

مظفر حسین سید لکھتے ہیں:

> "حیدرآباد میں انھیں مخدوم محی الدین اور سلیمان اریب جیسے باکمال لوگوں کی صحبت نصیب ہوئی تھی۔ زبیر صاحب نے اپنے ان ہر دو رفقائے کبیر کو فراموش نہیں کیا، جب انھوں نے اپنے ذاتی جریدے کا اجراء کیا تو اسے ان مرحومین کی یاد سے وابستہ کیا"۔ ۲۷

اردو زبان میں شائع ہونے والے ادب کا حلقہ قارئین اگرچہ برصغیر کے علاوہ دنیا کے بیشتر ممالک میں موجود ہے۔ لیکن عجیب اتفاق یہ ہے کہ اس میں شائع ہونے والے زیادہ تر ادبی رسائل مضامین و موضوعات کے تنوع اور معیار، دیگر علوم اور فنون لطیفہ سے دلچسپی اور وابستگی کے اعتبار سے ایک محدود دائرہ عمل سے باہر نہیں نکل پائے۔ ذہن جدید کا کارنامہ یہ تھا کہ اردو کے ادبی رسائل کی صف میں نووارد ہونے کے باوجود اس نے ابتدا ہی سے نہ صرف اپنی مختلف النوع کارکردگی کے مستحکم ثبوت مہیا کیے بلکہ سنجیدگی سے اردو ادب کے اس وسیع حلقہ قارئین تک پہونچنے کی کوشش کی اور فنون لطیفہ سے نابلد اس جہان ادب میں ادب اور آرٹ کے امتزاج کے بہترین

مظاہرے پیش کیے۔ رسالہ ذہن جدید کے اجرا کا مقصد بھی فنون لطیفہ کے رجحانات سے اردو ادب کے حلقہ کی لاعلمی ہی ٹھہرا۔ فرحان حنیف کو دیے گئے ایک انٹرویو میں زبیر رضوی کہتے ہیں:

”ایک مرتبہ مجھے ریڈیو کی جاب سے 'یو پی ایس سی' کے امتحان میں نمائندگی کا موقع ملا جہاں پروگرام ایگزیکیٹیو کی پوسٹ کے لیے جن امیدواروں نے امتحان دیا انھیں فنون لطیفہ اور حالات حاضرہ کے بارے میں کوئی خاص جانکاری نہیں تھی۔ انھیں یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بسم اللہ خاں اور ایم ایف حسین کون ہیں۔ تب میں نے ان کی بے خبری اور بے بسی محسوس کی کیونکہ ہمارے اردو اخباروں اور رسالوں میں فائن آرٹ کے لیے کوئی مخصوص گوشہ نہیں ہے۔ اس وقت مجھے 'ذہن جدید' نکالنے کا خیال آیا تاکہ 'ذہن جدید' پڑھنے والوں کو کم از کم یہ سب باتیں تو معلوم ہوں“۲۸

زبیر رضوی ایک ویژنری شخصیت کے مالک تھے ان کا ہر قدم بامقصد ہوتا تھا۔ ذہن جدید کے اجرا کا خیال محض یوں ہی نہیں تھا بلکہ انھوں نے اجرا سے قبل ہی اس رسالے کے خدوخال کا تعین کر لیا تھا۔ وہ اردو ادب کے سچے شیدائی تھے اور ہر پل اردو کی بقا اور اس کے عروج کی فکر میں کوشاں رہتے۔ اردو داں طبقہ کی فنون لطیفہ سے لاعلمی نے انھیں پریشان کر دیا جس کا اظہار انھوں اپنے انٹرویو میں کیا۔ زبیر رضوی نے یہ رسالہ فنون لطیفہ کے لیے بطور خاص جاری کیا اور اسی طرز پر اس کے خدوخال کا تعین بھی کیا۔ لیکن تخلیقی کاوشات، تنقیدی مضامین، تجزیے اور عالمی ادب کے محرکات بھی یکساں طور پر 'ذہن جدید' کی زینت بنے۔ زبیر رضوی نے دونوں ہی گوشوں کو یکساں اہمیت دی تاکہ اردو کا قاری یکساں طور پر دونوں ہی گوشوں سے استفادہ حاصل کر سکے۔ اس طرح یہ رسالہ روایتی نہ رہا بلکہ اس نے فنون لطیفہ کے ساتھ ساتھ جدید علوم اور عالمی ادب کو اردو کی ادبی صحافت میں متعارف کرایا۔ رسالہ "ذہن جدید" جیسا جدید ترین خیال، اس کے تنوع، تجدد اور تفکر کے ساتھ ہی دیگر رسائل کے مقابلے میں اس کے امتیاز کے حوالے سے پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں از خود زبیر رضوی انتہائی تفصیل کے ساتھ رسالے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں:

”سوال: آپ کے رسالے "ذہن جدید" میں ادب کے ساتھ ساتھ مصوری، موسیقی، رقص، فلم، تھیٹر، کارٹون، فوٹوگرافی، ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ادب اور مغربی ادبی سرگرمیوں کا تعارف اور بے لاگ مباحثے بھی ہوتے ہیں۔ یقیناً یہ اردو کے دوسرے رسائل سے مختلف ہے۔ ایسا رسالہ شائع کرنے کا ارادہ آپ نے کب کیا، اور یہ کیسے ممکن ہو سکا؟

جواب: شہر صاحب! میں نے اپنی زندگی کے ہر اہم دوراہے پر اس راہ کو اختیار کرنا پسند کیا جس کے آس پاس کچھ نیا نیا سا نظر آنے کی امید ہو۔ شاعری اور کل وقتی ملازمت میں بھی وہی کیا جو میری دانست میں پہلے نہ ہوا تھا۔ "ذہن جدید فورم" تو ایک ادبی تنظیم کی شکل میں پہلے ہی وجود میں آچکا تھا۔ اس کی ادبی نشستیں بھی دہلی میں وقتاً فوقتاً ہوا کرتی تھیں۔ "ذہن جدید" اپنے صفحات پر اور اپنے مزاج و معیار کے اعتبار سے کیسا ہو اس کا خیال مجھے ریڈیو پر رہ کر ہوا تھا۔ جہاں تنوع اور رنگا رنگی ہی نشریات کا حسن تھا، دوسرے ریڈیو اور براڈ کاسٹنگ میں ادب کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کا کوریج بھی ہوتا تھا۔ اس کے لیے یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ جو بھی اس وادی پر خار کا مسافر بننے کا آرزومند ہو وہ نہ صرف ساؤنڈ میڈیم کا نبض آشنا ہو بلکہ ہندوستانی فنون لطیفہ کے خدوخال کو بھی پہچانتا ہو۔ اس کے تعارف اور تجزیہ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بس اس خیال کے تحت میں نے ذہن جدید کے منفرد خدوخال کا تعین کیا اور اس کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا تاکہ میرے رسالے کا نوجوان قاری اگر چاہے تو ساؤنڈ میڈیا کی دنیا کا حصہ بھی بن سکے۔ اس کے ساتھ ہی یہ احساس بھی تھا کہ اردو کی ادبی صحافت کو ایک ایسا چہرہ دیا جائے جو قومی ثقافت کے نقش و نگار سے آراستہ ہو اور اپنی مثال آپ ہو۔ یہ کام بظاہر مشکل تھا خاص طور سے اس لیے بھی کہ اس کے لیے وسائل اور مالیات کی کوئی ضمانت نہ تھی مگر نیت کا خلوص اور ارادے کا استحکام کام آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ذہن جدید جیسا رسالہ شائع کرنے کا کام کسی ادارے کا تھا لیکن یہ میرے جیسے تنہا فرد نے بے سروسامانی میں انجام دیا۔ یا یوں کہیے: قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔

اس لگن اور کاوش مسلسل نے ذہن جدید کے اشاعتی تسلسل کے 52ویں شمارے تک پہنچا دیا، وہ بھی اس طرح کہ عصری ادب اور فنون لطیفہ کے آمیزے سے ترتیب پانے والے رسالے کو ایک مکمل جریدے کی شکل میں پڑھنے والوں کے مطالبے کا حصہ بنا دیا۔ شہر صاحب! میں نے پچاس برسوں کی ادبی زندگی میں اس قدر ذوق اور آمادگی کے ساتھ کسی ادبی رسالے کو اردو قارئین کے ایک بڑے اور قابل ذکر حلقے میں اپنی مثالی جگہ بناتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میرے اعتماد نے مجھے لڑکھڑانے نہیں دیا۔ آج خلق خدا یہ کہہ رہی ہے کہ "ذہن جدید" اردو کا اعلیٰ معیار کا متنوع اور قومی شناخت رکھنے والا ہمہ پہلو رسالہ ہے۔

مجھے ذہن جدید کے معیار و مزاج اور اس کے متنوع کو بنائے رکھنے میں کوئی بڑی مشکل پیش نہیں آئی۔ ادب کے علاوہ میں ہندوستانی فنون لطیفہ پر ایران حاصل اور خصوصی نوعیت کے مضامین شائع کرنے والے انگریزی رسائل اور کتابیں باقاعدگی کے ساتھ پڑھتا ہوں اور ہر

ممکن کوشش کرتا ہوں کہ تھیٹر، فلم، رقص، پینٹنگ اور موسیقی کے پروگراموں میں شرکت کروں اور پھر ان سے متعلق "ذہن جدید" میں جو کچھ لکھوں وہ فنون کے عصری منظر نامے کو قاری پر روشن کردے۔ میرے خیال میں ان تمام مساعی اور ذوق و شغف نے ذہن جدید کو بڑی زبان کا زندہ رسالہ بنادیا ہے"۲۹۔

تشہیری وسائل سے بھر پور اس زمانے میں ادب بھی اس بات سے خالی نہیں رہا کہ رسائل و جرائد میں اکثر انھیں لوگوں کی نگارشات شامل ہوتی ہیں جو خود کو بار بار نظر آنے کے مواقع یا تو پیدا کرتے رہتے ہیں یا پھر ایسے مواقع کو اپنی گرفت میں لینے کی منصوبہ بند کوششیں کرتے ہیں۔ اس ضمن میں دوسری قسم ان مدیران اور مرتبین کی ہے جو صرف قد آدم شخصیات کی نگارشات کو ہی اپنے صفحات پر جگہ دیتے ہیں، نئے اذہان مہینوں اپنے مضامین یا تخلیقات کے شائع ہونے کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ ذہن جدید ان دونوں ہی صفات سے مبرا نظر آتا ہے۔ وہ ایک جینوئن تخلیق کار اور مضمون نگار کو اہمیت دیتا ہے خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ ذہن جدید کے مقاصد میں صفحات کی پر اندازی کبھی بھی شامل نہیں رہی بلکہ 'ذہن جدید' کے معیار کے بر خلاف اگر کوئی تحریر اشاعت کے لیے آتی ہے تو وہ اس رسالے کا حصہ نہیں بنتی۔ زبیر رضوی ذہن جدید میں لکھنے والوں کے نام لکھتے ہیں کہ "ذہن جدید میں اشاعت کے لیے کچھ ایسا بھیجیں جس کی اشاعت رسالے کے معیار کو سر بلند کرے اور اس کی اشاعت سے مرتب کو ایک Thrill کا احساس ہو"۔۳۰

تشہیر کے اس دور میں چہار جانب یہ کوششیں جاری ہیں کہ جینوئن نہ ہونے کے باوجود انھیں کسی طرح مشہور و معروف ہونے کا موقع فراہم ہو اور ان کی تحریریں منتخب رسائل میں شامل ہوں۔ زبیر رضوی نے ایسے لوگوں کو بالکل بھی اہمیت نہیں دی اور نہ ہی انھیں ذہن جدید کے صفحات پر جگہ دی۔ ان حالات میں 'ذہن جدید' کے اجرا نے بھی قیاس آرائیوں کے بے شمار در باز کیے ہوں گے لیکن زبیر رضوی اس سے ذرا بھی خائف نہیں، لکھتے ہیں: "ہم یہ کیوں کر کہیں کہ ہم Genuine لوگوں میں ہیں اور ذہن جدید کے اجرا کا مقصد اردو قاری کو ادب، آرٹ اور کلچر کے عصری رویوں، رجحانات اور سرگرمیوں سے باخبر رکھنا ہے۔ ہماری اس بات پر اردو قاری نے یقین کر لیا تو ہمیں محسوس ہوگا کہ خونِ جگر رائیگاں نہیں گیا"۔۳۱

ذہن جدید کسی نظریے، ادارے یا حکومت وقت کا حامل نہیں رہا۔ بلکہ اس دور میں جو ادب پروان چڑھتا رہا اس کی پذیرائی اس رسالے نے بخوبی انجام دی۔ راقم کی مدیرہ سے ہوئی گفتگو کے دوران اس بات کا انکشاف ہوا کہ

زبیر رضوی کسی مخصوص سوچ، فکر اور ادارے کے سخت خلاف تھے۔ انھوں نے نہ کبھی حکومت وقت کی پذیرائی اپنے رسالے کے اداریوں میں کی اور نہ ہی ایسے مضامین شائع کیے۔ ذہن جدید کے مقاصد میں آزادی اور خود روی ابتدا سے ہی موجود رہی۔ اس بات کا اظہار ہمیں اداریوں میں جا بجا ملتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ذہن جدید، ادب فنون سے تعلق رکھنے والے امور، اور خود مختار اداروں میں حکومتِ وقت کی مداخلت کے سخت خلاف ہے۔ وہ اس کے بھی خلاف ہے کہ ادب اور فنون کے لیے وقف کسی تقریب میں وزیر اعظم یا ان کی کابینہ کے کسی بھی وزیر یا سیاسی شخصیت کو شہ نشیں بنایا جائے"۔ ۳۲؎

یہ زبیر رضوی کی خود روی ہی تھی کہ انھوں نے فنون لطیفہ جیسے موضوعات کی خاطر اردو میں ذہن جدید کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا حالانکہ ابتدا میں انھیں اس میں خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی، ایک مخصوص طبقہ جو بظاہر اردو ادب سے نہیں تھا بس انھیں کے رد عمل میں فنون لطیفہ پر مشتمل نگارشات پر پذیرائی حاصل ہوتی۔ لیکن زبیر رضوی نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل اس موضوع کا احاطہ کرتے رہے۔ بعد ازاں فنون لطیفہ کی نگارشات نے بھی ایک حلقہ قارئین اختیار کر لیا۔ اس ضمن میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

"ہمارے پڑھنے والوں میں غیر ادبی حلقہ زیادہ ہے۔ ہم اسے نیک فال سمجھتے ہیں۔ اور اسے بھی فال نیک سمجھتے ہیں کہ ہمیں ابھی تک جو داد و دشنام ملی ہے اس کے دینے والوں میں سے کسی ایک کا تعلق "اردو کی درس گاہوں" والوں سے نہیں ہے۔ کہ ہم اس حلقہ کو اردو زبان کے حق میں بہت پہلے "مرحوم" لکھ چکے ہیں۔۔۔۔۔۔ ذہن جدید کے ابتدائی سو صفحوں پر پڑھنے والوں کا رد عمل بڑا برجستہ ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں اس سے آگے کے صفحات پر بتدریج پڑھنے والوں کا رد عمل نہ کے برابر ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اردو کا قاری ایک زمانے سے کھڑکیاں بند رکھنے کا عادی ہے اور ہم نے پہلی بار اس کی اجازت کے بغیر بیک وقت ساری کھڑکیاں کھول دی ہیں کہ باہر کی زبانوں کا کیا حوالہ خود ہمارے ملک کی کئی زندہ زبانیں چاروں طرف کھلی کھڑکیوں سے آرہی ہواؤں کو اپنی سانسوں میں اتار رہی ہیں کہ اس کے بغیر آفاق پر کمندیں ڈالنے کا ہنر نہیں آتا"۔ ۳۳؎

اردو رسالوں کی یہ روایت مدتوں سے جاری ہے کہ اس میں صرف تخلیقی مواد ہی شائع ہوتا ہے، بعد ازاں تنقیدی نگارشات بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ لیکن ایک لمبی مدت تک اردو رسائل نے اپنا دامن دیگر علوم و فنون سے

بچائے رکھا۔ جبکہ ہندوستان کی دوسری زبانوں میں ان علوم و فنون کے لیے راہ بہت پہلے ہموار ہو چکی تھی۔ اردو رسائل میں اسی راہ کو ہموار کرنے کا بیڑا زبیر رضوی نے اٹھایا تاکہ اردو رسائل کے قاری کی ذہنی پرورش جدید علوم کی روشنی میں ہو سکے اور وہ زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کھڑا رہ سکے۔ ذہن جدید نہ صرف تخلیقی نگارشات اور تنقیدی و تجزیاتی مضامین کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کے دیگر شعبوں سے واقف کراتا ہے بلکہ عالمی ادب کے محرکات سے روشناس بھی کراتا ہے۔ گویا ذہن جدید کلچرل زندگی کی رنگا رنگی کو سمیٹے ہوئے ہے اور کلچرRegenerationاور دانشوری کی روایت کے تسلسل کو اردو داں قارئین تک پہونچانے والا محض ایک اردو رسالہ نہیں بلکہ ذہنی تربیت کا محرک ادارہ ہے۔ ذہن جدید کی انہیں ہمہ جہتی ادبی اہمیت کے متعلق فضیل جعفری رقمطراز ہیں:

> ”جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں متذکرہ بالا سہ ماہی رسالہ کے اجرا کے پیچھے زبیر رضوی کا پختہ ایمان اور ایقان ہے کہ پچھلے پچیس تیس برسوں میں ”جدیدیت“ کا ہنگامہ تو بہت ہوا اور اچھی بری تخلیقات بھی سامنے آئیں لیکن سارا معاملہ محض شاعری، افسانہ نگاری اور تنقید تک محدود رہا، ظاہر ہے کہ بیسویں صدی کے اس آخری دہے میں لوگ باگ محض شاعری یا افسانہ نگاری کے بل بوتے پر جدید ذہن کے حامل ہونے کا دعوی نہیں کر سکتے، جدید ذہن وہ ہے جو اردو شعر و ادب کے علاوہ فنون لطیفہ (مثلاً موسیقی اور مصوری) سیاسیات، عمرانیات اور پھر مختلف زبانوں کی ادبیات سے بھی واقف ہو، انھوں نے 'ذہن جدید' کو حتی الامکان ان چیزوں کا ترجمان بنانے کی کوشش بھی کی ہے۔“۳۴

ذہن جدید میں فنون لطیفہ کے ذمن میں بیشتر تحریریں زبیر رضوی کی ہیں۔ جو اس بات کی غماز ہیں کہ اس میدان میں معیاری اور علمی مضامین لکھنے والوں کی تعداد نہ کے برابر ہے۔ لہذا زبیر رضوی کی تحریریں ہی اس ضمن میں ہمارے تجسس کو دو آتشہ کرتی ہیں۔ زبیر رضوی کو ادب کے ممکنہ تمام گوشوں سمیت فنون لطیفہ کے متعدد شعبوں میں یکساں دسترس حاصل تھی۔ چونکہ زبیر رضوی نے ایک لمبے عرصے تک ریڈیو میں ملازمت کی لہذا فنون لطیفہ سے ان کی محبت میں مزید اضافہ ایک فطری عمل تھا۔ جس وجہ سے اس میدان میں ان کی صلاحیت نے مزید پختگی حاصل کر لی۔ دوران ملازمت موصوف کو مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مشاہیر کے انٹرویو کا بھی موقع جو بعد ازاں ذہن جدید کی زینت بھی بنے۔ یہی وجہ ہے کہ زبیر رضوی کو اس میدان میں مہارت حاصل تھی جس کی واضح مثالیں 'ذہن جدید' کے صفحات میں جا بجا بکھری نظر آتی ہیں۔ اس ضمن میں وہ خود کہتے ہیں:

”سوال: آپ کے رسالے ذہن جدید میں ڈراما، مصوری اور دیگر فنون لطیفہ سے متعلق مضامین مختصر مگر معلوماتی ہوتے ہیں تاہم تنقیدی مضامین محض ایک یا دو ہوتے ہیں جو عموما کسی دوسری میگزین سے مستعار ہوتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا اچھے لکھنے والے لوگ موجود نہیں نہیں؟

زبیر رضوی: ہم کیا کہیں۔ حقیقت ظاہر ہے، ہمارے یہاں رسالوں کا ایک تصور ہوتا ہے، ادبی رسالوں کی ہمارے یہاں سو برس کی تاریخ ہے۔ ہمارے پاس شروع میں بہت اچھے اچھے رسالے تھے۔ نذیر احمد کے رسالے اور ناولوں سے متاثر ہو کر اس وقت خواتین سے متعلق بہت سے رسالے نکالے گئے چند ایک اردو رسالے موسیقی وغیرہ کے بارے میں بھی نکلے ہیں۔ لیکن ہمارا جو کونسیپٹ ہے وہ منفرد ہے۔ اردو ہی کیا ہندی میں بھی ایسے رسالے نہیں ہیں البتہ بنگالی میں یہ چیزیں مل جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے یہاں ناچ گانا اور تھیٹر کی ایک روایت موجود ہے۔ اس لیے ان موضوعات پر رسالے مل جاتے ہیں بلکہ چند ایک تو ہم سے بھی بہتر ہیں۔ کیونکہ وہ بہت بکتے ہیں۔ میرے ذہن میں ایک بات تھی کہ اگر قاری کو زیادہ کشادہ ذہن بنانا ہے تو اس کے لیے ذہن جدید جیسے پرچے کی ضرورت ہے۔ خاص طور سے کہ آپ ایک جمہوری ملک کے معاشرے کی تعمیر کرنے جا رہے ہیں تو ذہن بھی نہایت کشادہ ہونا لازمی ہے۔ ادب بھی انسان کو مہذب بناتا ہے لیکن اگر ساری کائنات کے ساتھ جڑ جائے تو غور و فکر میں مزید وسعت کی گنجائش ہے۔ اس سے قاری کا کینوس بڑا ہوتا ہے۔ سطح میں بلندی آتی ہے۔ اب تک ہم صرف ایک ہی کھڑکی سے جھانک رہے تھے اس لیے صرف غزل، افسانہ، نظمیں ہی نظر آ رہی تھیں مگر اب جس بھی کھڑکی کو کھولیں نئی اور تازہ ہوا ہمارے دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہے۔ اردو کا جب کوئی اخبار یا رسالہ نکلتا ہے تو میں یہ دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی نہیں سوچتا کہ اس کا قاری کون ہے؟ اور اگر ہے تو اس کی کلاس کون سی ہے اردو بولنے والے انگلش لوگ یا اوسط درجے کے یا نچلے درجے کے اردو بولنے والے لوگ۔ آپ کا ٹارگٹ کون ہے، یہ بات کوئی نہیں سوچتا۔ مگر میرا ٹارگٹ وہ ہے جو جمہوریت کا دلدادہ ہے۔ جو فائن آرٹ کا شوقین ہے۔ جو تھیٹر بھی جاتا ہے۔ ہم اسے پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ نہ ہم نے اساتذہ کو منایا اور نہ ہی اردو کے روایتی طالبعلم سے اصرار کیا ہے۔ اس لیے کوئی سرکاری امداد بھی نہیں لیتا ہوں۔ میں یہ کام ایک مشن کے طور پر کرتا ہوں۔“۳۵

منجملہ زبیر رضوی نے "ذہن جدید" کے نام سے سہ ماہی رسالہ نکال کر اردو دنیا کو ایک بڑا اور متنوع ذہن دیا ہے۔ معاصر زمانے کی تمام بڑی زبانوں کے سامنے اردو زبان و ادب کو پورے اعتماد اور منطقی انداز میں پیش کیا۔ اس کے علاوہ دنیا کو یہ بتانے کی کوشش بھی کی ہے کہ اردو زبان و ادب میں بھی دنیا کی دیگر بڑی زبانوں کی طرح وسعت ہے۔ فنون لطیفہ کی جملہ شاخوں کو پیش کرنے کی پوری قوت ہے۔ تکنیکی اور ترسیلی غرض ہر طرح کی زبان کو اردو میں بھی پوری وسعت کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ ذہن جدید کے کئی شماروں میں ایک اعلان کی اشاعت بارہا ہوئی ہے، جس میں ذہن جدید کے مقاصد سے لے کر زبیر رضوی کے اہداف کی طرف روشنی ڈالی گئی ہے، جو ہو بہو نقل ہے۔

زندہ زبان کا بڑا رسالہ

ذہن جدید

کے اجراء کا مقصد دانشوری کی اُس روایت کو زندہ کرنا ہے جس کی تشکیل سرسید، شبلی، ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریابادی اور نیاز فتح پوری کے قلم سے ہوئی تھی۔

ذہن جدید

روایت کی ایک تجدید بھی ہے اور ایک مشن بھی

- آپ سب چاہیں تو یہ رسالہ ہر باذوق گھر میں پہونچ سکتا ہے اور اس کی اشاعت ہزاروں تک پہنچ سکتی ہے۔
- ذہن جدید کو اپنے حلقے اور شہر میں متعارف کرایئے تاکہ لوگ ہماری کوشش سے واقف ہوں۔
- ہم ایک لمبے سفر پر نکلے ہیں۔ آپ سب ہمارے ساتھ چلتے رہیں تو ہمیں سارا راستہ پھولوں بھرا لگے گا۔
- ہم اردو ادیب کو اشاعتی گھروں کے استحصال اور ان کی بے جا خوشامد سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ ہم آنے والے دنوں میں اپنے باذوق قارئین اور لکھنے والوں کے تعاون سے ایک اشاعتی گھر بنانا چاہتے ہیں جو سستی اور معیاری کتابیں چھاپ سکے اور انھیں پڑھنے والوں کی ایک معقول تعداد تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ ادب کے علاوہ ہم ترسیل، تھیٹر، مصوری، فلم، رقص اور موسیقی پر دلچسپ اور اچھی کتابیں شائع کرنے کی تمنا رکھتے ہیں۔
- اپنے اشاعتی منصوبے کے ذریعے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اردو کا باذوق قاری اپنی مادری زبان میں چھپنے والے اچھے رسالوں اور کتابوں کی اشاعت کو، جی ہاں، صرف اپنے بل پر یقینی بنائے رکھنے کی حمیت اور حوصلہ رکھتا ہے۔

ہمارے یقین کی اس جلتی ہوئی لو کو اپنے ہاتھوں کا تحفظ دیجئے۔

ذہن جدید: اجرا کی روداد

'ذہن جدید' ایک سہ ماہی ادبی رسالہ ہے جو زبیر رضوی کی ہمہ جہت شخصیت کا غماز ہے۔ یہ رسالہ ان کی ترتیب اور تزئین کا مظہر ہے۔ ابتدا تا آخر رسالے کے مدیر کی خدمات جمشید جہاں اور مرتب کی ذمہ داری زبیر رضوی نے انجام دی۔ زبیر رضوی نے یہ رسالہ اردو قارئین کو فنون لطیفہ کے شعبہ ہائے جات سے متعارف کرانے اور معاصر ادبی رویوں سے قاری کو روشناس کرانے کے لیے جاری کیا۔ اس رسالے کا اجرا 'ذہن جدید فورم' کے بینر تلے عمل میں آیا۔ زبیر رضوی نے 'ذہن جدید فورم کا قیام 'ترنگنی' کے بند ہو جانے کے بعد کشمیر سے دہلی واپسی پر کیا۔ ابتدا میں بلراج مین را، انور عظیم اور بلراج کومل جیسی قد آور شخصیات کا ساتھ ملا جنھوں نے زبیر رضوی کے اس خواب کو حقیقت بننے میں مدد فراہم کی۔ انھیں ادبی صحافت کے میدان میں پہلے ہی کافی تجربہ ماہنامہ خیال، کامٹی اور محور میں ادارتی کام انجام دینے کے باعث ہو چکا تھا۔ لہٰذا جب ذہن جدید کا پہلا شمارہ منظر عام پر آیا، اسے قارئین کے درمیان کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ابتدا میں فنون لطیفہ کے گوشوں کو اس کے حق کے مطابق پذیرائی حاصل نہیں ہوئی لیکن اہستہ آہستہ جب اردو قارئین اس شعبہ سے مانوس ہوئے، ذہن جدید ایک ہر دل عزیز رسالہ بنتا گیا۔

ذہن جدید کا پہلا شمارہ ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰ پر مشتمل ہے۔ اس پہلی سہ ماہی کا سلسلہ شمارہ نمبر ۱ اور جلد نمبر ۱ ہے۔ اور آخری شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۱۵ پر مشتمل ہے جو شمارہ نمبر ۷۱ و جلد نمبر ۲۶ ہے۔ یہ ایک ڈیمائی سائز کا رسالہ ہے جو پہلی بار لبرٹی آرٹ پریس، دریا گنج دہلی سے شائع ہوا۔ ہر شمارے کی ضخامت تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ حالانکہ 'ذہن جدید' ایک سہ ماہی رسالہ ہے لیکن ۷۱ شماروں میں ایک شمارہ نو مہینوں کی مدت پر مشتمل ہے جب کہ ۲۸ شمارے ششماہی ہیں، سہ ماہی شماروں کی تعداد ۴۲ ہے۔ مزید تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں۔

سہ ماہی شمارے بہ اعتبار شمارہ نمبر: ۱ تا ۱۶، و ۱۹، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۳۷، ۴۰، و ۴۳ تا ۵۰، و ۵۳ تا ۵۵، و ۵۷ تا ۵۹، و ۶۱، ۶۲، ۶۵، ۷۰ اور ۷۱۔ کل ۴۲ شمارے۔

ششش ماہی شمارے بہ اعتبار شمارہ نمبر: ۱۷،۱۱، ۲۲، ۲۴، ۲۶،۲۸، ۲۸تا۳۶، و ۳۸، ۳۹،۳۸، ۴۱، ۴۲، ۵۱،
۵۲، ۵۶، ۶۰، ۶۳، ۶۴، ۶۶تا۶۹۔ کل ۲۸شمارے۔

نوماہ پر مشتمل شمارہ بہ اعتبار نمبر: ۱۸۔ کل ایک شمارہ۔

ذہن جدید نے کئی خصوصی شمارے، گوشے اور متعدد ادبی و غیر ادبی اشخاص اور متنوع موضوعات کے خصوصی مطالعے پیش کیے۔ زبیر رضوی نے یہ صبر آزما کام بڑی ہی تندہی اور خوش مزاجی سے انجام دیا۔ ان خصوصی نمبروں، گوشوں اور مطالعوں کے لیے زبیر رضوی کو کیا کیا جتن کرنے پڑے، یہ صبر آزما کام انہی کا سرمایہ اور ثمر تھا۔ ذہن جدید کے ان خصوصی گوشوں اور مطالعوں نے اپنے آپ میں ایک تاریخ رقم کی ہے جن کی تفصیل اس طرح ہے۔ (گوشہ ممتاز مفتی، شمارہ نمبر ۱)، (فسادات پر خصوصی گوشہ، شمارہ نمبر ۳)، (گوشہ عزیز حامد مدنی، شمارہ نمبر ۵)، (گوشہ عصمت چغتائی، شمارہ نمبر ۶)، (گوشہ منٹو، شمارہ نمبر ۷)، (گوشہ دیوندر ستیار تھی، شمارہ نمبر ۹)، (جلتے چراغ بجھانے والوں کی مذمت، خصوصی گوشہ، شمارہ نمبر ۱۰)، (فسادات نمبر، شمارہ نمبر ۱۴)، (جدید نظم نمبر ۱ (انتخاب نظم) شمارہ نمبر ۱۹)، (جدید نظم نمبر ۲، (نظموں کے تجزیے)، شمارہ نمبر ۲۰)، (گوشہ غالب اور ہندوستانی فنون لطیفہ، شمارہ نمبر ۲۷)، (۸۰ کے بعد کی اردو نظم (تعارف) اور انتخاب، شمارہ نمبر ۲۸، (گوشہ ادب پیما، شمارہ نمبر ۲۹)، (گوشہ علی سردار جعفری اور گوشہ مجروح سلطان پوری، شمارہ نمبر ۳۰)، (خصوصی مطالعہ فارسی شاعرہ فروغ فرخ زاد، شمارہ نمبر ۳۱ (خصوصی مطالعہ سو برس اور دس افسانے، شمارہ نمبر ۳۲)، (خصوصی گوشہ' امن انسان کی ضرورت ہے' باز خواں (بلراج مین را کے افسانے)، خصوصی گوشہ بالی ووڈ کا داستانوی کردار دلیپ، شمارہ نمبر ۳۳)، (گوشہ گجرات، شمارہ نمبر ۳۴)، (گوشہ شکیب جلالی (تعارف و انتخاب) اور گوشہ یگانہ، شمارہ نمبر ۳۶)، (گوشہ ممتاز شیریں اور گوشہ پریم چند، شمارہ نمبر ۳۷)، (گوشہ نازک الملائکہ، شمارہ نمبر ۳۸)، (گبریل گارسیا مارکیز کی آٹھ کہانیاں، شمارہ نمبر ۴۰)، (گوشہ احمد ندیم قاسمی، شمارہ نمبر ۴۱)، (پریم چند کے افسانوں پر خصوصی شمارہ، شمارہ نمبر ۴۳)، (۱۸۵۷ کی پہلی جنگ آزادی، شمارہ نمبر ۴۷)، (سعادت حسن منٹو نمبر، شمارہ نمبر ۴۸)، (گوشہ مخدوم محی الدین، شمارہ نمبر ۴۹)، (گوشہ حبیب تنویر، شمارہ نمبر ۵۳)، (اردو شاعروں کا البم (امیر خسرو سے جاں نثار تک شاعروں کے احوال اور نمونۂ کلام) شمارہ نمبر ۵۴)، (پاکستانی خواتین افسانہ نگار نمبر (احوال اور انتخاب)، شمارہ نمبر ۵۶)، (گوشہ ن م راشد، شمارہ نمبر ۵۸)، (گوشہ زاہدہ زیدی، ساجدہ زیدی اور واجدہ تبسم، گوشۂ۔ ۲ن م راشد، گوشۂ- ۳ ہندوستانی انگریزی ادب، شمارہ نمبر ۵۹)، (گوشۂ حسین (ایم ایف حسین)، گوشہ ہندوستانی انگریزی ادب، شمارہ نمبر ۶۰)، (سلسلہ ن م راشد، سلسلہ فیض

احمد فیض،گوشہ منشایاد، شمارہ نمبر ۶۱)،(خصوصی مطالعہ اسد محمد خاں، شمارہ نمبر ۶۲)،(گوشہ ضیاء جالندھری،ذہن جدید فورم کا سمینار شمارہ نمبر ۶۳)،(گوشہ ہاجرہ مسرور،گوشہ شفیق فاطمہ اور گوشہ شہزاد احمد،یگانہ کی رباعیوں کا انتخاب، شمارہ نمبر ۶۴)،(گوشہ ثمینہ راجہ اور علی ظہیر، شمارہ نمبر ۶۵)،(گوشے: علی سردار جعفری،بلراج کومل،لطف الرحمن،احمد ہمیش، ٹیگور کو نوبیل صدی انعام، راجندر یادو، شمارہ نمبر ۶۶)،(گوشہ وارث علوی اور گوشہ محمد علی صدیقی، شمارہ نمبر ۶۷)،(گوشہ پریم چند اور علی سردار جعفری، نئی غزل کا انتخاب،گوشہ رتن سنگھ شمارہ نمبر ۶۸)،(گوشہ حلقہ ارباب ذوق، شمارہ نمبر ۶۹)،(روبرو:فنون لطیفہ سے متعلق مشاہیر کے انٹرویواور گوشہ اقبال متین، شمارہ نمبر ۷۰(خصوصی پیشکش:اختر الایمان شمارہ نمبر ۷۱)۔

مذکورہ بالا گوشوں، اور خصوصی شماروں میں چند ایسے بھی ہیں جنھیں مرتب رسالہ زبیر رضوی نے اپنے 'مکتبہ ذہن جدید' سے طبع کر کے قارئین کے لیے مطالعے کا سامان فراہم کیا۔ جیسے 'ذہن جدید' کا چودھواں شمارہ فسادات کے افسانوں کے لیے مخصوص تھا۔ اسے بعد میں مزید افسانوں کے ساتھ اردو اور بعد میں ہندی میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔اسی طرح جدید نظم نمبر،جس میں ۱۹۶۰ کے بعد نمایاں ہونے والے شاعروں کی نظمیہ شاعری کے انتخاب کو پیش کیا گیا تھا۔ اسی کے تسلسل میں دوسرے شمارے جس میں جدید نظم پر مضامین اور تجزیے شامل تھے، انھیں ترمیم کے بعد کتابی شکل میں 'نئی نظم: تجزیہ اور انتخاب' کے نام سے شائع کیا گیا۔ ستائیسویں شمارے میں ایک گوشہ 'غالب اور ہندوستانی فنون لطیفہ' کے نام سے شائع ہوا تھا۔اس میں شامل تحریروں کو بعد میں اضافے کے ساتھ غالب انسٹی ٹیوٹ سے کتابی شکل میں 'غالب اور فنون لطیفہ' کے نام سے شائع کیا گیا۔اسی طرح زبیر رضوی نے 'ذہن جدید' میں فلم و سنیما کے حوالے سے جو مضامین شائع کیے انھیں بعد میں ترتیب دے کر اپنی زندگی کے آخری ایام میں 'ہندوستانی سنیما: سو برسوں کا سفر' کے نام سے شائع کیا۔ 'اردو ادب اور فنون'، 'ترقی پسند اور ان کے معاصر پینٹر'، 'عصری عالمی ادب کے ستون' بھی ایسی کتابیں ہیں جن کا مواد دراصل ذہن جدید میں پہلے شایع ہو چکا ہے۔

ذہن جدید کی مدیرہ کی ذمہ داری اول تا آخر زبیر رضوی کی اہلیہ جمشید جہاں نے ادا کی۔ مشمولہ نگارشات کی ترتیب کی خدمات زبیر رضوی نے اول تا آخر انجام دیں۔ 'ذہن جدید' کے ۱۸ شمارے زیور کتابت سے آراستہ ہوئے جس کی ذمہ داری اعجاز احمد نے ادا کی۔ شمارہ نمبر ۱ میں عبد المنان کاتب، شمارہ نمبر ۱۴، ۱۶ اور ۱۷ میں اعجاز احمد کے ساتھ سراج الدین کا نام بھی کتابت کے ضمن میں درج ہے۔ شمارہ اول اور دوم کے سرورق کی تزئین اقبال

احمد نے انجام دی۔ شمارہ نمبر ۳ کے سرورق کی تزئین میں شمشاد حسین کا نام درج ہے۔ شمارہ نمبر ۴ اور ۵ میں سرورق کی تزئین کی ذمہ داری زبیر رضوی کی دختر فارحہ رضوی نے ادا کی۔ شمارہ نمبر ۱۹ سے ذہن جدید کی کمپوزنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ شمارہ نمبر ۳۰ تا ۴۹ میں کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے خانے میں "ذہن جدید" کا نام ملتا ہے۔ شمارہ نمبر ۵۰ اور ۵۱ میں حسام الدین فیضی، ۵۲ تا ۵۷ میں روح اللہ فرہاد کا نام درج ہے۔ شمارہ ۵۸ تا ۷۱ میں تزئین کے ضمن میں 'ذہن جدید' کا نام دیکھنے کو ملتا ہے۔

قانونی مشیر کے طور پر پہلی بار شمارہ نمبر ۱۱ میں سید کامران رضوی ایڈوکیٹ کا نام درج ہے۔ شمارہ نمبر ۱۳ او ۱۴ میں سید کامران رضوی ایڈوکیٹ کے ساتھ ہی انل شرما ایڈوکیٹ کا نام بھی بطور قانونی مشیر درج ہے۔ اس کے بعد کے شماروں میں صرف سید کامران رضوی ایڈوکیٹ کا نام قانونی مشیر کے طور پر درج ہے۔

ذہن جدید کے مطبع میں لبرٹی آرٹ پریس، دریا گنج، دہلی کا نام شمارہ نمبر ۱ تا ۳، جے کے آفسیٹ پریس، دلی کا نام شمارہ نمبر ۴ تا ۵۳ و ۶۱ تا ۶۴، مرکزی پرنٹرس، جامع مسجد، دہلی کا نام شمارہ نمبر ۵۵، ۵۷، ۶۵، میکاف پرنٹرز، بلبلی خانہ، دہلی کا نام شمارہ نمبر ۵۸ اور ۵۹ میں، خواجہ پریس، جامع مسجد دہلی کا نام شمارہ نمبر ۶۶ اور ۶۷، اسی طرح مطبع حرمین پریس، چاندنی محل، دہلی کا نام شمارہ نمبر ۶۸ تا ۷۰ میں، نیو پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی کا نام شمارہ نمبر ۷۱ میں درج ہے۔ اسی طرح بعض شمارے ایسے بھی ہیں جن میں کسی مطبع کا نام شامل نہیں ہے، ان شماروں کی تعداد ۳ ہے جو بالترتیب یہ ہیں: ۵۴، ۵۶، ۶۰۔

رسالہ ذہن جدید کے تقسیم کار مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، جامعہ نگر نئی دہلی اور تقسیم کار کی شاخین مکتبہ جامعہ اردو بازار دلی، مکتبہ جامعہ پرنس بازار بمبئی اور مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، علی گڑھ تھے۔ وقت کے ساتھ تقسیم کاروں کی فہرست میں اضافہ بھی ہوا۔ شمارہ نمبر ۸ میں نصرت پلشرز، امین آباد، لکھنؤ اور بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ کا اضافہ ہوا۔ شمارہ نمبر ۱۰ میں ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دلی اور مکتبہ دین و ادب، امین آباد، لکھنؤ کا اضافہ ہوا۔ اسی طرح شمارہ نمبر ۱۲ میں سینٹرل نیوز ایجنسی، کناٹ پلیس، نئی دہلی اور شمارہ نمبر ۳۲ میں سری رام سینٹر منڈی ہاؤس، نئی دہلی اور دانش محل ، امین الدولہ پارک، لکھنؤ کا اضافہ ہوا۔

شمارہ نمبر ۱ تا ۱۵ میں رسالہ 'ذہن جدید' کے ترسیل زر اور ڈاک کا پتہ ''پوسٹ باکس نمبر 7042، نئی دلی 110002'' تھا۔ شمارہ نمبر ۸ سے ایک باریک سی تبدیلی پتہ میں درج ہے جو اس طرح ہے۔ ''ذہن جدید، پوسٹ

باکس نمبر 7042، نئی دہلی 110002 ۔پتہ کا یہ سلسلہ شمارہ نمبر ۱۶ تک دیکھنے کو ملتا ہے۔ شمارہ نمبر ۱۶ تا ۱۸ میں ترسیل وزر کا پتہ "ذہن جدید، فلیٹ 7، B-137، لین 12، ذاکر نگر نئی دہلی"، اور سادہ ڈاک کا پتہ پوسٹ بکس 7042، نئی دلی 110002 درج ہے۔ شمارہ نمبر ۱۹ تا ۴۵ میں ترسیل وزر اور رجسٹرڈ ڈاک کا پتہ "70 کاسمو اپارٹمنٹس، گلی 12، ذاکر نگر نئی دہلی، اور سادہ ڈاک کا پتہ پسٹ بکس نمبر 7042، نئی دہلی 110002 دیکھنے کو ملتا ہے۔ شمارہ نمبر ۲۱ میں سادہ ڈاک کے پتہ میں تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے جو اس طرح ہے۔پوسٹ بکس نمبر 9789، نئی دہلی 110025۔ شمارہ نمبر ۴۶ تا ۱۷ میں ترسیل زر اور رجسٹرڈ ڈاک کے خانے میں " C.2, AB Complex, 179/8, Zakir Nagar, New Dehi-25 درج ہے جبکہ سادہ ڈاک کے خانے میں شمارہ نمبر ۶۶ تک "پوسٹ بکس، 9789، نیو فرینڈس کالونی، نئی دہلی 110025 درج ہے۔ شمارہ نمبر ۶۷ میں سادہ ڈاک کے ختم ہونے کا اعلان ہے لہذا بعد کے رسائل میں سادہ ڈاک کا کوئی پتہ درج نہیں ہے۔ بین الاقوامی سطح پر ترسیل زر اور رابطہ کا پتہ شمارہ اول سے شمارہ ۴۰ میں درج نہیں ہے۔ شمارہ ۴۱ میں تین پتے درج ہیں جو اس طرح ہیں:

(1)

Mr. Bedar Bakht

21-Whiteleaf cresecent

Scarborough, ONTARIO,

Canada

(2)

Mr. Khalid Razvi

11610 Peach Wood Lake,

Sugar Land, TEXAS 77478-7021

U.S.A

(3)

Mr. Mustafa Shahab

28 Weighton Road

Harrow H A3 6HZ

U.K

شمارہ نمبر ۴۳ سے ڈاکٹر مصطفی شہاب کے پتہ کی جگہ ڈاکٹر فارحہ رضوی کا پتہ درج ہے:

Dr. Fareha Razvi

535 Apt. No. 17, N23 street

Lincoln 68503 NE U.S.A

شمارہ نمبر ۵۳ سے ڈاکٹر بیدار بخت اور ڈاکٹر فارحہ رضوی کے پتہ کا اندراج ملتا ہے،ڈاکٹر فارحہ رضوی کے پتوں میں تبدیلیاں بھی ملتی ہیں۔

شمارہ نمبر ۵۱ تا ۶۱ میں:

Dr. Fareha Razvi

2244-Vine Street, Flat-202

UNL Family Housing

Linclon 68503 NE – U.S.A

شمارہ نمبر ۶۲ میں:

Dr. Fareha Razvi

11755, Wakeley Plaza

12Apt. 10, OMAHA

Nebraska-68154, U.S.A

شمارہ نمبر ۶۳ میں:

Dr. Fareha Razvi

2244-Vine Street, Flat-202

UNL Family Housing

Linclon 68503 NE – U.S.A

شمارہ نمبر ۶۴ تا ۶۸ میں:

Dr. Fareha Razvi

11755, Wakeley Plaza

Apt. 10, OMAHA

Nebraska-68154, U.S.A

شمارہ نمبر ۶۹تا۷۱ میں:

Dr. Fareha Razvi

17366- Ruggls Street

OMAHA NEBRASKA-68116

U.S.A

رسالہ 'ذہن جدید' میں رابطہ کے لیے ای میل کا اندراج بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ابتدائی شماروں میں ای میل درج نہیں ہے۔ ۲۴ویں اور ۲۵ویں شمارے میں Fareha@giasdla.vsni.net.in، ۲۶ویں اور ۲۷ویں شمارے میں zhnjdd@del3.vsnl.net.in، شمارہ نمبر ۲۸ تا ۴۷ میں zehnejadid@vsnl.com، شمارہ نمبر ۴۸ تا ۷۱ میں zehnejadid@gmail.com بطور ای میل درج ہے۔ شمارہ نمبر ۳۱ میں ذہن جدید کی ویب سائٹ کا پتہ http://www.zehnejadid.com بھی درج ہے۔ جو بعد کے اور ابتدائی شماروں میں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح شمارہ نمبر ۵۵ میں زبیر رضوی کی ویب سائٹ کا پتہ www.zubairrazvi.in بھی درج جو بعد کے رسائل میں دیکھنے کو نہیں ملتا۔

ذہن جدید کے کل شماروں کی ضخامت بالترتیب اس طرح ہے۔ شمارہ نمبر ۱ میں(۲۰۵)، شمارہ نمبر ۲ میں(۲۳۵)، شمارہ نمبر ۳ میں(۲۰۵)، شمارہ نمبر ۴ میں(۱۷۶)، شمارہ نمبر ۵ میں(۲۲۳)، شمارہ نمبر ۶ میں(۲۲۶)، شمارہ نمبر ۷ میں(۱۹۲)، شمارہ نمبر ۸ میں(۱۹۲)، شمارہ نمبر ۹ میں(۱۹۱)، شمارہ نمبر ۱۰ میں(۱۹۶)، شمارہ نمبر ۱۱ میں(۲۰۷)، شمارہ نمبر ۱۲ میں(۱۹۲)، شمارہ نمبر ۱۳ میں(۱۹۲)، شمارہ نمبر ۱۴ میں(۲۰۷)، شمارہ نمبر ۱۵ تا ۲۴ میں(۱۹۲)، شمارہ نمبر ۲۴ میں(۲۰۸)، شمارہ نمبر ۲۵ تا ۳۱ میں(۲۰۰)، شمارہ نمبر ۳۲ میں(۲۱۶)، شمارہ نمبر ۳۳ میں(۲۲۷)، شمارہ نمبر ۳۴ میں(۲۲۱)، شمارہ نمبر ۳۵ میں(۲۱۳)، شمارہ نمبر ۳۶ میں(۲۳۶)، شمارہ نمبر ۳۷ میں(۲۳۶)، شمارہ نمبر ۳۸ میں(۲۴۰)، شمارہ نمبر ۳۹ میں(۲۳۴)، شمارہ نمبر ۴۰ میں(۲۳۷)، شمارہ نمبر ۴۱ میں(۲۲۴)، شمارہ نمبر ۴۲ میں(۲۳۰)، شمارہ نمبر ۴۳ میں(۲۳۲)، شمارہ نمبر ۴۴ میں(۲۲۰)، شمارہ نمبر ۴۵ میں(۲۳۳)، شمارہ نمبر ۴۶ میں(۲۲۹)، شمارہ نمبر ۴۷ میں(۲۲۸)، شمارہ نمبر ۴۸ تا ۵۱ میں(۲۳۲)، شمارہ نمبر ۵۲(۲۳۱)، شمارہ نمبر ۵۳ میں(۲۲۳)، شمارہ نمبر ۵۴ میں(۲۴۰)، شمارہ نمبر ۵۵ میں(۲۲۴)، شمارہ نمبر ۵۶ میں(۲۳۰)، شمارہ نمبر ۵۷ میں (۲۳۱)، شمارہ نمبر ۵۸ میں(۲۳۲)، شمارہ نمبر ۵۹ میں(۲۳۲)، شمارہ نمبر

۶۰ میں(۲۴۰)، شمارہ نمبر ۶۱ میں(۲۲۳)، شمارہ نمبر ۶۲ میں(۲۲۲)،شمارہ نمبر ۶۳ میں(۲۲۴)، شمارہ نمبر ۶۴ میں(۲۲۴)، شمارہ نمبر ۶۵ میں(۲۰۰)، شمارہ نمبر ۶۶ میں(۲۲۸)، شمارہ نمبر ۶۷ میں(۲۳۹)، شمارہ نمبر ۶۸ تا ۷۰ میں(۲۲۴)اور شمارہ نمبر ۷۱ میں(۲۴۰)صفحات ہیں۔

ابتدا میں رسالہ 'ذہن جدید' کی قیمت اندرون ملک فی پرچہ ۲۰ روپے، سالانہ ۱۰۰ روپے (بشمول ڈاک خرچ) لائبریری ایڈیشن فی پرچہ ۵۰ روپے اور سالانہ ۲۰۰ روپے تھی۔ بیرون ممالک فی پرچہ ۲/۱ امریکی ڈالر اور سالانہ ۱۰ /امریکی ڈالر تھی۔ وقت کی گردش کے ساتھ ہی ڈاک اور کاغذ کے اخراجات میں اضافے کے سبب وقتاً فوقتاً اس رسالے کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ شمارہ نمبر ۵ میں ذہن جدید کی قیمت پاکستان میں ۳۰ روپے درج ہے بقیہ قیمتیں ہو بہو ہیں۔ شمارہ نمبر ۶ میں ذہن جدید کی قیمت میں پہلی بار بین الاقوامی سطح پر اضافہ ہوتا ہے۔ فی پرچہ قیمت دو ڈالر سے تین ڈالر اور سالانہ بارہ ڈالر قرار پاتی ہے۔ ہندوستان میں پہلی بار اس کی قیمت میں اضافہ شمارہ نمبر ۱۲ میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس شمارے سے ذہن جدید کی قیمت فی پرچہ ۲۵ روپے قرار پاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بین الاقوامی سطح پر بھی اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اضافی شکل میں فی پرچہ چار ڈالر اور سالانہ سولہ ڈالر اس کے ساتھ ہی پاکستان میں فی پرچہ ۳۵ روپے درج ہے۔ اس کے بعد ہندوستان میں شمارہ ۱۸ میں فی پرچہ قیمت ۳۵ روپے، سالانہ ۱۴۰ روپے اور بین الاقوامی سطح پر فی پرچہ پانچ ڈالر جبکہ سالانہ بیس ڈالر دیکھنے کو ملتی ہے۔ اسی طرح وقت کے ساتھ رسالے کی قیمتوں میں اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔ شمارہ ۳۴ میں ہندوستانی سطح پر فی پرچہ ۴۰ روپے اور سالانہ ۱۶۰ روپے۔ شمارہ ۵۲ میں ہندوستانی سطح پر فی پرچہ ۴۵ روپے، سالانہ ۱۸۰ روپے، لائبریری ایڈیشن ۲۲۰ روپے، بین الاقوامی سطح پر فی پرچہ ۵ ڈالر، سالانہ ۲۵ ڈالر۔ شمارہ ۵۶ میں ہندوستانی سطح پر فی پرچہ ۵۰ روپے ،سالانہ ۲۰۰ روپے اور لائبریری ایڈیشن ۲۴۰ روپے۔ شمارہ نمبر ۶۳ سے فی پرچہ ۶۰ روپے سالانہ ۲۶۰ روپے، لائبریری ایڈیشن ۲۸۰ روپے۔ شمارہ نمبر ۶۵ سے پہلی بار ہندوستان میں شمارے کی قیمت میں حذف دکھائی دیتا ہے۔ سالانہ قیمت ۲۶۰ سے گھٹا کر ۲۵۰ قرار پاتی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ لائبریری ایڈیشن میں اس کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کی قیمت ۳۰۰ قرار پاتی ہے۔ اس کے بعد آخری بار 'ذہن جدید' کی قیمتوں میں اضافہ شمارہ نمبر ۶۸ سے ہوتا ہے اور اس کی قیمتیں فی پرچہ ۷۵ روپے، سالانہ ۳۰۰ روپے اور لائبریری ایڈیشن ۴۰۰ روپے مقرر ہوتی ہیں۔

ذہن جدید کے سفر کے دوران مختلف اوقات میں شماروں کی قیمت میں بتدریج اضافہ ہوا۔ اس سلسلے میں دوسری بار ۲۸ ویں شمارے سے پانچ روپیے کی قیمت کا اضافہ ہوا، لہٰذا زبیر رضوی اداریے میں رقم طراز ہیں:

"ذہن جدید نے اپنے اشاعتی تسلسل کو کسی نہ کسی طرح برقرار رکھا ہے، پڑھنے والوں نے بھی اسے اپنے امکانی تعاون دے کر اس میں شایع ہونے والے مواد کو سراہا ہے، حال ہی میں ڈاک کی شرحوں میں اضافے نے ننھے رسالے کی قوت برداشت کو نڈھال کر دیا ہے۔ اس لیے ذہن جدید کی قیمت میں 5 روپے کا اضافہ ناگزیر بن گیا ہے۔ امید ہے ہمارے پڑھنے والے اس اضافے کو رسالے کی بقا کی خاطر سہ لیں گے"۔۳۶

ڈاک کی شرحوں میں اضافے کے سبب فی شمارہ پانچ روپۓ کی مزید اضافت کے سلسلے میں ۳۱ویں شمارے کے اداریے میں لکھتے ہیں:

"ذہن جدید باوجود کوشش کے اپنے عشاعتی تسلسل میں پیدا ہونے والے وقفہ کو دور نہیں کر پایا، یہ پھر بھی غنیمت ہے کہ ذہن جدید پچھلے دس سال سے برابر نکل رہا ہے اور اب اس کی اشاعت کا گیارہواں سال شروع ہو رہا ہے، اس عرصے میں ہماری کوشش یہ رہی کہ ذہن جدید کم سے کم قیمت پر پڑھنے والوں کو بازار میں ملتا رہے، لیکن اس ملک کے بجٹ بنانے والے چھوٹی موٹی سطحوں پر کام کرنے والوں کو مالی راحت دینے کو ترجیح نہیں دیتے۔ کم تعداد میں چھپنے والے رسالے جو عموما ادبی، ثقافتی اور علمی ہوتے ہیں، وہ ڈاک کی بڑھتی ہوئی شرحوں کی زد میں سب سے زیادہ آتے ہیں، اس بار بھی یہی ہوا کہ فی رسالہ پانچ روپے کا خرچ اور بڑھ گیا ایسی صورت میں ذہن جدید کے لیے کوئی اور چارہ نہیں رہا کہ آئندہ شمارے سے اس کی قیمت میں مزید پانچ روپے کا اضافہ کر دیا جائے گا، اگلا شمارہ پینتیس روپے کا ہوگا اور سالانہ ایک سو چالیس روپے، بیرون ممالک کے لیے سالانہ خریداری بیس امریکی ڈالر اور فی پرچہ پانچ ڈالر رہے گا، امید ہے ہمارے قارئین اس اضافے کو ذہن جدید کی بقا کی خاطر برداشت کریں گے"۔۳۷

ایک اور اداریہ میں لکھتے ہیں:

"کاغذ اور دوسری مدحوں میں بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر ہم خود کو ذہن جدید کی فی شمارہ قیمت میں پانچ روپیے کا اضافہ کرنے پر مجبور پا رہے ہیں۔ امید قارئین اور سرپرست ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اپنے تعاون سے نوازیں گے۔ اگلے شمارے ۵۲ سے فی شمارہ قیمت ۴۵ روپے ہوگی اور چار شماروں کی سرپرستی ۱۸۰ روپے ہوگی۔ سولہ برسوں میں ذہن جدید کی قیمت میں یہ چوتھی بار اضافہ کیا جا رہا ہے ہمیں امید ہے کہ قیمت میں اس اضافی پانچ روپے سے ذہن

جدید میں استعمال ہونے والے کاغذ کی کوالٹی کو بھی بہتر بنانے میں مدد ملے گی، یہ شمارہ مارچ تا اگست ۲۰۰۸ کا ہے تاکہ آئندہ اشاعتی تاخیر کو کم سے کم رکھا جائے"۔ ۳۸؎

ڈاک خرچ میں میں اضافے کے سبب 'ذہن جدید' کی قیمت فی شمارہ 50 روپے کر دینے کی مجبوری پر مرتب زبیر رضوی کی تحریر ملاحظہ ہو:

"اس شمارے کی اشاعت کے ساتھ ہی ذہن جدید اپنی عمر کے بیسویں برس میں قدم رکھ رہا ہے، ستمبر ۱۹۹۰ میں اس کا پہلا شمارہ جس تنوع کے ساتھ شائع ہوا تھا اس میں امکانی بھر بہتری لاتے ہوئے آج ذہن جدید معاصر ادب اور فنون کو پوری باخبری کے ساتھ پیش کرنے والا اردو زبان کو اپنے عصر کی دانش ورانہ فکر و فنون سے جوڑنے والا رسالہ بن گیا ہے، بڑھتے ہوئے اخراجات نے اس شمارے سے فی شمارہ 50 روپئے قیمت کر دینے پر مجبور کر دیا ہے۔ امید ہے ہمارے قارئین اپنے تعاون سے نوازیں گے"۔ ۳۹؎

ذہن جدید کے کئی شماروں میں اس کی قیمتوں میں اضافہ ہوا جن کی تفصیلات پہلے ہی درج کی جا چکی ہیں۔ اردو کے ادبی رسائل کے لیے یہ مسئلہ کوئی خاص مسئلہ نہیں، لیکن وقت جرورت اگر اگر اشتہارات مل جائیں تو یہ پریشانی بھی دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔ ذہن جدید کے صفحات پر بھی مختلف قسم کے اشتہارات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان میں بعض روایتی ہوتے ہیں مگر بیشتر اوقات بڑے اہم ایوان اردو، غالب اکادمی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، اردو اکادمی وغیرہ کے جدید و قدیم مطبوعات کے اشتہارات مع قیمت رضا لائبریری رامپور، خدا بخش لائبریری کے مطبوعات کت اشتہارات اور ان کے علاوہ بعض اہم ادارےیے وانسٹی ٹیوٹ کے داخلے سے متعلق اعلانات اور پھر ذاتی کتب خانہ کے لیے ان کتابوں کی فہرست مع قیمت، یہ ایسے اشتہارات ہیں جو ذہن جدید کے اخراجات میں نہ صرف مدد فراہم کرتے ہیں بلکہ یہ زبیر رضوی کے ادبی ذوق و شوق کے ترجمان بھی ہیں۔ مالی مشکلات کے ضمن میں زبیر رضوی کے پسر سید کامران رضوی ایڈوکیٹ کے ساتھ ہوئی راقم کی گفتگو میں وہ کہتے ہیں کہ:

"ذہن جدید نے کئی بار مالی مشکلات کا سامنا کیا، لیکن پاپا (زبیر رضوی) نے ان مشکل حالات کو کبھی اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا۔ ہندوستان میں سرکولیشن بھی زیادہ تھا، اور ذہن جدید کی قیمتیں کبھی اتنی نہیں رہیں کہ ان سے فی شمارہ اخراجات بھی حاصل کیے جا سکیں۔ البتہ بیرون ملک جانے والے شماروں سے کبھی مالی نقصان نہیں ہوا، اور ان کی جو شرحیں قائم کی گئی تھیں ان میں شمارے اور بیرون ملک بھیجنے کے سارے اخراجات بھی نکل جاتے تھے لیکن نفع کا سودا

> وہاں بھی نہیں ہوا۔ جب کبھی ایسا مشکل وقت پیش آیا پاپا (زبیر رضوی) نے اپنی جیب سے اخراجات کی تکمیل کی، جہاں تک اشتہارات کا مسئلہ ہے تو پاپا(زبیر رضوی) اپنے طور پر اشتہارات حاصل کرنے میں ہمیشہ کامیاب ہوتے رہے"۔[۴۰]

ان مشکلات کے پیش نظر سنگیت ناٹک اکادمی، دہلی نے کئی بار جزوی مالی تعاون ذہن جدید کو دیا۔ سنگیت ناٹک اکادمی کے اس جزوی تعاون میں اس کا مقصد فنون لطیفہ پر مشتمل صفحات میں اضافت بھی رہی۔ جن شماروں کو اکادمی کا جزوی مالی تعاون حاصل رہا وہ شمارہ نمبر ۶۲، ۶۳، ۶۷، اور ۶۹ ہیں۔ ان شماروں کے صفحہ اول پر جزوی مالی تعاون کے ساتھ شائع ہونے کے بارے میں اعلان بھی کیا گیا ہے۔

مالی مشکلات، زبیر رضوی کی مصروفیات اور علالت کی وجہ سے رسالے کی اشاعت میں متعدد بار تاخیر بھی ہوئی۔ انھیں گوناگوں وجوہات کی بنا پر 'ذہن جدید' کے سہ ماہی ہونے کے باوجود ۲۸ شمارے ششماہی اور ایک شمارہ نو مہینوں پر مشتمل تھے۔ زبیر رضوی اس تاخیر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "ذہن جدید کی اشاعت میں تاخیر سب ہی کو تردد میں ڈال دیتی ہے اور یہ دھڑ کا سا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ بند تو نہیں ہو گیا، ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ ذہن جدید کو اپنی اشاعت کے ان پانچ برسوں میں یہ شکایت کبھی نہیں رہی کہ اس کو خرید کے پڑھنے والے نہیں ہیں۔ ذہن جدید آج بھی پڑھنے والوں کا محبوب رسالہ ہے لیکن کم تعداد میں چھپنے والے اسی صورت میں زندہ رہ سکتے ہیں کہ ان کو اشتہارات کی مدد ملتی رہے، بد قسمتی سے اردو معاشرہ ایسے وسائل سے خالی ہے اور جن کے پاس وسائل ہیں انھیں ادب کی سرپرستی کرنے کی توفیق نہیں۔ لیکن ہتھیلیوں پر چراغ جلائے رکھنے کا جنون کچھ برس سہی، بس آپ ان آندھیوں میں اپنے کف دست دست ہونے کا احساس دلاتے رہیے"۔[۴۱]

ذہن جدید کو بہت سے اداروں اور میڈیا ہاؤسز کا تعاون حاصل رہا ہے جن میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، اردو اکادمی دہلی، اردو اکادمی اتر پردیش، جے اینڈ کے اکادمی آف آرٹ اور کلچر اور وزارت خارجہ حکومت ہند شامل ہیں۔ ان معلومات کا پتہ جناب زاہد علی خاں، ایڈیٹر روزنامہ سیاست، حیدر آباد کو لکھے گئے ایک خط سے ملتا ہے۔ یہ خط راقم کو مدیر رسالہ جمشید جہاں سے حاصل ہوا۔ یہ خط ماہنامہ سیاست سے ذہن جدید کی اشاعت میں درپیش مالی مسائل کے ضمن میں لکھا گیا ہے۔ خط کی چند سطریں یہ ہیں:

ذہن جدید کی اشاعت کو چوبیس سال پورے ہو رہے ہیں اس کی اشاعت کے ابتدائی برسوں میں اردو کے اس منفرد رسالے کو روزنامہ سیاست کا بھرپور تعاون حاصل تھا، چونکہ یہ مخدوم اور اریب جیسے شاعروں کی یاد سے منسوب دلی سے نکلنے والا پہلا رسالہ ہے اس لیے بانیان روزنامہ سیاست نے اس رسالے کی دل سے پذیرائی کی اور اس کی اشاعت کو یقینی بنانے میں اپنی عملی سرپرستی سے نوازا۔ اب یہ صورت کسی قدر بدل گئی ہے گو قارئین کی سطح پر، ذہن جدید کی ایک معیاری اور منفرد رسالے کی حیثیت، مستحکم ہو چکی ہے آپ سے اور روزنامہ سیاست سے میرا لگاؤ آج بھی برقرار ہے آپ کی شخصیت اہل حیدرآباد کے لیے احترام اور کشش کا باعث ہے اس لیے ذہن جدید کی اشاعت کے اس نازک موڑ پر آپ کی طرف نظر کا اٹھنا فطری ہے۔

مخدوم اور اریب کی یادیں اور ان کے فکری اور تخلیقی افکار کو ادب کے قارئین کے ذہنوں اور حافظوں میں روشن رکھنے کی ہماری کوششوں میں وسائل کی جو کمی ہوتی جا رہی ہے اور اشاعتی تسلسل میں جو تاخیر ہونے لگی ہے اس کے حل کے لیے کچھ تجاویز جو ذہن میں آرہی ہیں وہ اس خیال سے آپ کے علم میں لائی جا رہی ہیں تاکہ آپ کی بااثر شخصیت، اس بڑھتے ہوئے بحران سے رسالے کو نجات دلانے میں معاون بن سکے!

- آندھرا پردیش اردو اکادمی 'ذہن جدید' کو مخدوم ایوارڈ سے نوازے یہ استحقاق کسی بھی زاویے سے غلط نہیں ہے۔
- اکادمی، ذہن جدید کی کم از کم پچاس کاپیاں (ہر شمارے کی) خرید کر اسے آندھرا کے اردو اداروں، کالجوں اور ممتاز شخصیات کو بطورِ عطیہ اعزازی دینے کی منظوری سے نوازے جن کو رسالہ جانا ہے ان کے نام و پتے ہمیں ارسال کر دیں تاکہ منظوری ملنے کی صورت میں رسالہ اکادمی کی طرف سے اعزازی بھیجا جاسکے۔
- اگر ممکن ہو تو ادارہ 'سیاست' چار شماروں کی سرپرستی کے خیال سے اپنے اشتہار سے نوازے تو خوشی ہوگی۔

بعض اداروں اور انفرادی اشخاص کا تذکرہ ذہن جدید کے صفحات میں بھی ملتا ہے جن کے تعاون کا شکریہ زبیر رضوی نے ادا کیا ہے، اداروں میں انڈین ایرلائنز، KDM (شکتی بھوگ آٹا)، فاؤ اسٹار گیسٹ ہاؤس، پریہ درشی کالج آف کمپیوٹر سائنسز، سمیر گیسٹ ہاؤس، ساہتیہ اکیڈمی، ہمدرد (وقف) لیبارٹریز، ٹاٹا اسٹیل، عباسی برادرز، گرین

روڈ لائنز، ڈی اے وی پی، اردو اکادمی دلی، کرناٹک اور مہاراشٹر، لنک تالے، کریم ہوٹل لمیٹیڈ، آندھرا پردیش اسٹیٹ فائینشل کارپوریشن، وزارت خارجہ،انفرادی لوگوں میں نفیس احمد عباسی (دہلی)، زاہد علی خاں ایڈیٹر سیاست(حیدر آباد)،ڈاکٹر اسلم پرویز (جواہر لعل نہرو یونیورسٹی)، علی احمد فاطمی(الہ آباد یونیورسٹ)، علی صدیقی (عالمی اردو کانفرنس) شین کاف نظام (جودھپور) ،رخسانہ جبیں (سری نگر)، ساحل احمد(الہ آباد) رئیس نجمی (امروہہ)، منصور عثمانی (مرادآباد)،سعادت حسین انعام دار (گلبرگہ)، شفیع شوق (سری نگر)، مسعود جاوید (ونڈ فیلڈ ایڈورٹائزر)،اقبال احمد چودھری (دہلی)شامل ہیں۔ ۴۲؎

گو حتمی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ”ذہن جدید“ زبیر رضوی کا ایک خواب تھا جو پہلے ”ترنگنی“ کی صورت میں آرٹ کے حلقے میں مشہور ہوا۔ لیکن ترنگنی کے بند ہونے کے بعد جب ذہن جدید فورم کا انعقاد عمل میں آیا اس وقت بھی کسی ایسے پلیٹ فارم کی ضرورت محسوس کی گئی جو فنون لطیفہ کے شعبوں سے اردو ادب کے متعلقین تک اس کی رسائی کو آسان بناسکے۔ چونکہ ذہن جدید فورم ایک خالص ادبی پلیٹ فارم تھا لہٰذا ذہن جدید کا قیام عمل میں آیا جو ادب اور فنون لطیفہ پر مشتمل تحریروں کو بیک وقت قارئین کی نظر کرسکے۔ اپنے پچیس برسوں کے اس سفر میں ذہن جدید نے نہ صرف ادبی رویوں سے قارئین کو روشناس کرایا بلکہ فنون لطیفہ کے میدان میں بھی قارئین کا ذوق پیدا کیا۔

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱۔ زبیر رضوی کا ندانی تعارف، از مصباح احمد صدیقی، مشمولہ زبیر رضوی شخصیت اور خدمات، مرتب عبدالحی، ص ۴۱

۲۔ ایضاً، ص ۴۲

۳۔ ایضاً، ص ۴۶

۴۔ زبیر رضوی-ایک نظر میں،ڈاکٹر عظیم امروہی، مشمولہ زبیر رضوی، شخصیات سیریز 4، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہی، ص ۵۷

۵۔ زبیر رضوی، سینے میں جلن- آنکھوں میں طوفان،احمد جاوید، مشمولہ زبیر رضوی، شخصیات سیریز 4،مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہی، ص ۹۳

۶۔ انٹرویو زبیر رضوی ______ شہپر رسول، مشمولہ متاع سخن (زبیر رضوی کے ادبی سفر کا جائزہ)، ترتیب و تزئین اسلم پرویز، ص ۱۹۳

۷۔ زبیر رضوی، گردش پا، ص ۲۹

۸۔ شاعر زبیر رضوی کا سوانحی اشاریہ، از مہتاب امروہوی، مشمولہ زبیر رضوی شخصیت اور خدمات، مرتب عبدالحی، ص ۵۸

۹۔ راقم کے ساتھ جمشید جہاں کا ذاتی انٹرویو

۱۰۔ حرف آغاز،ڈاکٹر خلیق انجم، مشمولہ مسافت شب، ص ۶

۱۱۔ میں نقادوں کو اہمیت نہیں دیکھتا، خوشنودہ نیلوفر مشمولہ زبیر رضوی شخصیات سیریز 4، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہی، ص ۱۰۹

۱۲۔ انٹرویو زبیر رضوی ______ فرحان حنیف، مشمولہ متاع سخن،اسلم پرویز، ص ۱۸۵

۱۳۔ زبیر رضوی س ایک مکالمہ،سعادت سعید حسن رضوی پاکستان، مشمولہ سہ ماہی لمحے لمحے، ص ۸۰

۱۴۔ مسافت شب اور زبیر رضوی، پروفیسر وحید اختر، مشمولہ سہ ماہی لمحے لمحے، ص ۵۳ و ۵۴

۱۵۔ انٹرویو زبیر رضوی ______ شہپر رسول، مشمولہ متاعِ سخن، اسلم پرویز ص ۱۹۴

۱۶۔ انٹرویو زبیر رضوی ______ سعادت سعید اور حسن رضوی، مشمولہ متاعِ سخن، اسلم پرویز، ص ۲۰۲

۱۷۔ سید کامران کے ساتھ راقم کا ذاتی انٹرویو

۱۸۔ بشارت پانی کی: ایک تاثر، باقر مہدی مشمولہ سہ ماہی لمحہ لمحہ بدایوں، ص ۴۶

۱۹۔ زبیر رضوی کی نظم 'صادقہ' ایک سرسری مطالعہ، جنید اکرم فاروقی، مشمولہ شخصیات سیریز 4، زبیر رضوی، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہوی، ص ۵۵

۲۰۔ مضمون لہر لہر ندیا گہری، از شمس الرحمن فاروقی، مشمولہ متاع سخن، اسلم پرویز، ص ۱۲

۲۱۔ ایضاً ص ۱۲-۱۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۴۹

۲۳۔ ذہن جدید، بہ اقدار قدیم، مظفر حسین سید، مشمولہ زبیر رضوی، شخصیات سیریز 4، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہوی، ص ۴۷ و ۴۸

۲۴۔ زبیر رضوی، سینے میں جلن۔ آنکھوں میں طوفان، احمد جاوید، مشمولہ زبیر رضوی، شخصیات سیریز 4، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہوی، ص ۸۹

۲۵۔ زبیر رضوی کی خود نوشت، اسلم پرویز مشمولہ زبیر رضوی شخصیت اور خدمات، مرتب عبد الحی، ص ۲۷۷

۲۶۔ مکالمہ زبیر رضوی ______ محسن جلگانوی، مشمولہ متاعِ سخن، اسلم پرویز،

۲۷۔ ذہن جدید، بہ اقدار قدیم، مظفر حسین سید، مشمولہ زبیر رضوی، شخصیات سیریز 4، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہوی، ص ۴۱

۲۸۔ مکالمہ زبیر رضوی ______ فرحان حنیف، متاع سخن، اسلم پرویز، ص ۱۸۷ و ۱۸۸

۲۹۔ مکالمہ زبیر رضوی ______ شہپر رسول، مشمولہ متاعِ سخن، اسلم پرویز، ص ۱۸۹

۳۰۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱۲، شمارہ ۴۴، جون تا اگست ۲۰۰۶، ص ۵

۳۱۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱، شمارہ ۱، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰، ص ۵

۳۲۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱۵، شمارہ ۳۹، جون تا نومبر ۲۰۰۴، ص ۵

۳۳۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲، شمارہ ۳، مارچ تا مئی ۱۹۹۱، ص ۵

۳۴۔ فضیل جعفری، ہفتہ وار ''اردو بلٹنز'' (ممبئی: ۱۳ا۱ کتوبر ۱۹۹۰

۳۵۔ میں نقادوں کو اہمیت نہیں دیتا، خوشنودہ نیلوفر، مشمولہ زبیر رضوی شخصیات سیریز 4، مرتب ڈاکٹر مہتاب امروہوی، ص ۱۱۲ و ۱۱۳

۳۶۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۸، شمارہ ۲۸، مارچ تا گست ۱۹۹۹، ص ۹

۳۷۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱۱، شمارہ ۳۱، ستمبر ۲۰۰۰ تا فروری ۲۰۰۱، ص ۷

۳۸۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱۸، شمارہ ۵۱، مارچ تا اگست ۲۰۰۸، ص ۶

۳۹۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۰، شمارہ ۵۵، ستمبر تا نومبر ۲۰۰۹، ص ۶

۴۰۔ سید کامران رضوی سے راقم کا ذاتی انٹرویو

۴۱۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۶، شمارہ ۲۰، مارچ تا مئی ۱۹۹۶، ص ۵

۴۲۔ ذہن جدید، جلد ۳، شمارہ ۱۲، جون تا اگست ۱۹۹۳ ص ۱۷۳

باب سوم

اردو تنقید اور 'ذہن جدید'

i. معاصر تنقیدی منظرنامہ اور 'ذہن جدید'

ii. کلاسیکی ادب کی تنقید اور 'ذہن جدید'

معاصر تنقیدی منظر نامہ اور 'ذہن جدید'

'ذہن جدید' جس زمانے میں طبع ہونا شروع ہوا، وہ زمانہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی کشاکش کا زمانہ تھا۔ تنقیدی منظر نامے پر جدیدیت کے ہم نوا نقادوں کے ساتھ مابعد جدید نقاد بھی سرگرم عمل تھے اور جدیدیت کی رواج دی ہوئی شعریات سے انحراف کی آوازیں صاف سنی جا رہی تھیں۔ کہانی میں بالخصوص اس بات کا دعویٰ عام تھا کہ اب افسانے میں کہانی کی واپسی ہو رہی ہے اور ادب کی تعبیر کا کبیریہ بیانیہ اپنی بساط سمیٹ چکا ہے۔ اب صغیر بیانیوں کی آمد آمد ہے۔ اس طرح ادب میں نظریاتی سطح پر ادبی متون کی تعبیر و تنقید کے رویے بنیادی تبدیلی سے گزر رہے تھے۔ جدیدیت اس وقت بالکل ختم نہ ہوئی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے متوازی مابعد جدید ادبی تصورات اردو میں پوری طرح قائم ہو چکے تھے۔

جدیدیت اردو میں محض نشاۃ ثانیہ کا رد عمل نہ تھی۔ یہ نو آبادیاتی عہد کی جدیدیت سے کئی معنوں میں مختلف تھی اور نو آبادیاتی تصور فن سے انحراف اور اس کے ازالے کی ایک رجحان ساز کوشش کے طور پر سامنے آئی۔ جدیدیت کے فنی کینن میں فرد کو بنیادی حیثیت دی گئی۔ یہ انسان مرکز تصور کے ساتھ ساتھ تخلیق کار کی آزادی کا تصور لے کر سامنے آئی۔ اس ادبی رجحان کے پیش نظر نو آبادیاتی عہد کے ان تصورات کی نفی بھی تھی جن کی روح ہمارا کلاسیکی سرمایہ ادب مطعون قرار پایا تھا اور اظہار کے مختلف پیرائے نئے عہد کے تقاضوں سے نہ صرف ہم آہنگ تھے بلکہ ان کی بنیادی روح ترقی کے خلاف تھی۔ نو آبادیاتی تصورات نے فطرت پرستی اور ادب کی افادیت پر خاصا زور دیا، ایسا ادب جو افادی نہ ہو، غیر مفید اور ضرررساں قرار پایا۔ اس ادبی نقطہ نظر کو اردو میں پہلے اصلاحی تحریک نے رواج دیا اور بعد میں یہ اپنی توسیعی اور ترقی یافتہ شکل میں ترقی پسند تحریک کے ادبی منشور کا حصہ بن گیا۔ جدیدیت کا رجحان اسی ادبی رویے کے جواب کے طور پر سامنے آیا۔ جدیدیت نے اردو کی کلاسیکی اصناف کی نئی درجہ بندی کا کام کیا اور اس کی شعریات کو دریافت کر کے عام کرنے کا کام کیا۔ غزل، قصیدہ، مثنوی، داستان وغیرہ کی شعریات وضع کی گئیں اور ان اصناف میں تخلیق کے طریقہ کار سے بحث کی گئی۔ اردو میں جاری کی جانے والی

جدیدیت نے ساختیاتی اور اسلوبیاتی مطالعوں کو خاص اہمیت دی۔ متن کی تعمیر میں جاری وساری تہذیبی سیاق پیش نظر رکھااور اس طرح کلاسیکی متون کی تعبیر کا کام مہم جو انداز میں انجام دیا گیا۔

جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے درمیان امتیاز و فرق کو نشان زد کرتے ہوئے جدیدیت کی بنیادی فکر کے بارے میں ضمیر بدایونی نے بعض اہم پہلوؤں کی طرف اشارے کیے۔ انھوں نے لکھا کہ:

> ”جدیدیت دراصل روایت کے باطن میں پیدا ہونے والی تبدیلی کی نشان دہی کرتی ہے۔ ادب اور فنون لطیفہ میں جدیدیت اپنا اظہار عقل پرستی کے بیانیے میں کرتی ہے لیکن اس عقل پرستی کا نکتہ عروج عقل گریز انسان کی پیدائش ہے۔ وجودیت اور لایعنی تھیٹر اسی عقل گریز انسان کا احوال نقل کرتے ہیں۔ سارتر اور ہیڈیگر، بیکٹ اور آئی نسکو کے افکار میں جدیدیت نے صدیوں کا فاصلہ طے کیا۔“[1]

مابعد جدیدیت نے انسان مرکز بیانیہ کی نفی کی اور کبیری بیانیے پر استوار کی گئی شعریات پر از سر نو غور کرنے اور ناقابل پیشکش پہلوؤں کو پیشکش کے دائرہ سوال میں لا کر اپنی اہمیت اور نئے طرز احساس کے اثبات پر زور دیا۔ مابعد جدید معاشرے کے مسائل جدید معاشرے کے مسائل سے اس لحاظ سے مختلف ہو گئے کہ انسان کی مرکزیت کا تصور اور عقل کی بالادستی کی فکر خانہ استرداد میں ڈال دی گئی۔ پہلے انسان تمام تر سرگرمیوں کا مرکز تھا اور تعقل کو دوسری حسی سرگمیوں پر فوقیت حاصل تھی۔ انسانی ترقیات کا ہدف انسان دوستی کے تصور پر استوار تھا لیکن بیسویں صدی کے اخیر میں جو منظر نامہ ترتیب پایا اس میں انسان کی مرکزیت جاتی رہی اور اطلاعاتی دنیا نے نئے مسائل پیدا کیے جو صدی کے خاتمے اور نئی صدی کے آغاز تک بذات خود ایک نیا مظہر بن گئے۔ ادبی تھیوری میں ان نظریوں کو سرگرم بحث کا حصہ بنانے میں ادبی صحافت نے اہم رول ادا کیا۔ ضمیر بدایونی لکھتے ہیں:

> ”اردو ادب میں نئے تنقیدی کلچر کی صورت حال بڑی امید افزااور امکانات سے بھرپور ہے۔ گو ہم ابھی مابعد جدیدیت کے تصورات سے پوری طرح آشنا نہیں ہیں پھر بھی اس نئی دنیا میں ہم داخل ہو چکے ہیں۔ ساختیات، پس ساختیات اور مابعد جدیدیت کے بارے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی تحریریں نئے تنقیدی کلچر کو فروغ دینے میں ایک اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ شمس الرحمان فاروقی کا ادبی رسالہ ”شب خون“ زبیر رضوی کا ”ذہن جدید“ قمر جمیل کا ”دریافت“، وزیر آغا کا ”اوراق“ اور فہیم اعظمی کا ماہنامہ ”صریر“ اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ اب ادبی جریدوں نے

برصغیر کی سطح پر انی سمتوں کی نشان دہی کی ہے اور نئے تنقیدی کلچر کو متعارف کرانے میں اہم
کردار ادا کیا ہے۔"[۲]

"ذہن جدید" نے تنقیدی تھیوری میں سامنے آنے والے نئے مباحث کو اجاگر کرنے اور انھیں قارئین تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے ہم عصر ادبی دانش وری کو بطور خاص جگہ دی اور نت نئے مضامین اور تصورات کو سامنے لانے والے نقادوں کی تحریروں کو ترجیحی بنیاد پر شائع کیا۔ اس نے صرف نظریے کی حمایت میں ہی مضامین شائع نہیں کیے بلکہ نظریے سے تعرض کرنے اور اسے دائرہ سوال میں لانے والے مضامین بھی شائع کیے۔

ذہن جدید نے اپنے آغاز سے ہی تنقیدی مباحث کو اہمیت دی۔ ترقی پسندی اور جدیدیت کے ادبی سروکاروں کے ساتھ مابعد جدیدیت، ساختیات پس ساختیات وغیرہ کی بحثیں اس رسالہ کا حصہ بنیں۔ رد تشکیل (Deconstruction) کے نظریے پر بھی اس رسالے میں گفتگو کی گئی۔ اردو دنیا میں انیسویں صدی کے اواخر میں فکشن بنام شاعری کے مباحث بھی زور شور سے اٹھائے گئے اور ایک صنف کی دوسری صنف پر برتری کا مسئلہ بطور تنقیدی سوال کے قائم کیا گیا۔ ذہن جدید نے فکشن کے مباحث اور تجزیہ کو ترجیحی بنیادوں پر اپنے پرچے میں جگہ دی۔ فکشن کے نظری مباحث کے ساتھ ساتھ مختلف افسانوں کے متون اور ان کے تجزیے اس رسالے میں شائع ہوئے۔ ادبی صحافت اور تنقید دونوں میں یہ تنقیدی رویہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ذہن جدید نے جس کثرت سے فکشن پر مضامین شائع کیے، دوسرے پرچوں نے نہیں شائع کیے۔ ایک زمانے تک تو فکشن کی تنقید نے ادبی صحافت میں خاطر خواہ جگہ ہی نہیں پائی تھی، صرف شاعری پر زیادہ تنقیدیں شائع ہوتیں اور فکشن پر اگر مضامین شائع بھی ہوتے تو وہ کہانی کی تلخیص اور کردار و پلاٹ کی سرسری گفتگو تک محدود ہوتے۔ ذہن جدید نے فکشن کو ترجیحی صنف کے طور پر چھاپا اور اس پر ایک فکر انگیز مکالمہ قائم کیا۔ اگرچہ اس سمت میں بعد میں آصف فرخی وغیرہ نے بھی توجہ کی اور شمس الرحمان فاروقی کی افسانے کی حمایت کا سلسلہ شب خون میں جاری ہی تھا۔ ذہن جدید نے یہ کیا کہ افسانے کی صنف کے یک طرفہ تقابل کے سامنے ایک صحت مند بحث کو شائع کیا۔ ہم پہلے تنقید کے زیر نظر مباحث پر شائع ہوئے مضامین کی روشنی میں ذہن جدید کے مشمولات سے سامنے آنے والے مباحث کا جائزہ لیں گے۔

ذہن جدید کے پہلے شمارے میں "ترقی پسندی" پر مکالمہ ومباحثہ شائع ہوا۔ اس مباحثے کے شرکا میں بلراج کومل، شمس الرحمان فاروقی، قمر رئیس، دیویندر اسر، وحید اختر شامل تھے۔ مباحثہ کا عنوان "اشتراکی دنیا میں ہونے

والی تبدیلیوں کے پیش نظر ادب میں ترقی پسندی کی معنویت"تھا۔ اردو کی ترقی پسند تحریک کمیونزم کے فلسفے سے متاثر ہونے کے ساتھ ساتھ روسی انقلاب سے بھی اثر پذیر تھی، وہاں کی نئی تبدیلیوں نے ہندستان کی ترقی پسندی کے لیے ایک مقام آرزو اور منبع تحریک و ترغیب کی صورت حاصل کر لی تھی۔ روسی انقلاب نے سوشلزم کے نظریے کو بہت کمک پہنچائی تھی۔ ادب میں ترقی پسند تحریک نے اشتراکیت اور سوشلزم دونوں سے ہی خوشہ چینی کی تھی۔ اردو میں ترقی پسندی نے ادب کی افادیت اور عوامیت پر جس طرح سے اصرار کیا، اس اصرار کی پشت پر اشتراکیت سوار تھی۔ ادب محض اظہار اور اضطراب نہ ہو کر تریاق اور آلہ جراحت قرار دیا جانے لگا تھا۔ روس کے زوال کے بعد صورت حال بدلنے لگی اور نئی دنیا میں جدید تکنیک اور وسائل کے پھیلاو کے ساتھ طاقت کا مرکز بھی تبدیل ہونے لگا۔ ایسی صورت میں سوشلزم یا ترقی پسندی کی عالم گیر پشت پناہی جاتی رہی اور ترقی پسندی کے اجتماعیت پر اصرار نے پہلو بدلا اور فرد کی اہمیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہونے لگی۔ بلراج کومل نے اردو کے مختلف ادیبوں کے خیالات اس بارے میں نقل کیے۔ تبدیل ہوتی صورت حال میں سوشلزم کے جواز پر یہ خیالات یک گونہ اعتراض تھے، جس میں ہمدردی کی زیریں لہر بھی شامل تھی۔ اصغر علی انجینئر جو ترقی پسندوں سے گہری رسم وراہ رکھتے تھے، اس کے ادبی مکالموں کو رواج دینے میں ان کی نگارشات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بلراج کومل نے اصغر علی انجینئر کی یہ رائے نقل کی:

> "کیا سوشلزم آج بھی ہمارے لیے کچھ معنی رکھتا ہے؟ کیا فلاحی ریاست ہی سوشلسٹ ریاست ہے۔ سوویت یونین میں مذہب کے تعلق سے جس رویے نے جنم لیا ہے اس نے فرد اور سماج کے بارے میں سوچنے کے لیے بعض نئے سوالات اٹھادیے ہیں۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ فرد کی ذات ایک محور ہے تو کیا اس طرح جدیدیت کا احیا نہیں کر رہے ہیں جس کی گزشتہ بیس سالوں میں مذمت کرتے آئے ہیں۔ ۳؎

اس اقتباس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ترقی پسندی جدیدیت سے مزاحمت کی راہ پر گامزن رہی اور جدیدیت کے فرد اساس ادبی نظریے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتی رہی کہ اس ادب کے فلاحی وافادی تصور کے ساتھ اس کی عوامیت کو نقصان پہنچتا تھا۔ دوسری طرف فرد کو اہمیت دینے سے اظہار کی سطح پر ایسے تنوع کو راہ ملتی تھی جسے عوامی ادب کے لیے ساز گار نہیں کہا جا سکتا۔ ادیب کو بحیثیت فرد آزادی ملنے کا واضح مطلب ہے کہ وہ اظہار کے ایسے پیرائے اختیار کرے گا جن کی نوعیت عوامی سے زیادہ خالص ادبی ہوگی اور فرد کی مداخلت متن میں شامل

ہوگی اس لیے اس میں مخصوص زاویے اظہار ایسے استعمال ہوں گے جو عامۃ الورود ادبی اظہار سے مختلف ہوں گے۔ یہی وہ وجہ تھی جس نے ترقی پسندی کو جدیدیت سے مزاحم کیا گو ترقی پسندی اور جدیدیت ایک دوسرے کے مقابل اپنی بقا کے لیے مزاحم تھیں۔ جدیدیت کو اپنا وجود ثابت کرنا تھا اس لیے وہ بہت زور شور سے ترقی پسندی کے ادبی منشور کے ساتھ اس کے لٹریری پروڈکشن پر سوال قائم کر رہی تھی۔ فنی زاویے سے ترقی پسند ادبی سرمائے کو بے وقعت ثابت کرنے کی ایک مہم جدیدیت نے شروع کی۔ جب یہ مزاحمت اپنے فیصلہ کن عہد میں داخل ہونے لگی اور جدیدیت کو بطور غالب رجحان ادیبوں کی اکثریت نے اپنا لیا اور سارے سنجیدہ اور فن سے معمور ادب لکھنے والوں نے اسے اپنا لیا تو ایسی صورت حال میں ترقی پسندی کے سامنے جدیدیت کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ بچا۔ اصغر علی انجینئر کا بنیادی سوال اسی جواز کے بارے میں ہے کہ کس اخلاقی یا نظریاتی جواز کے تحت جدیدیت کو قبول کیا گیا ہے۔ یہ سوشلزم کی پسپائی کے ساتھ ساتھ ترقی پسندی کی شکست کا بھی ایک طرح سے اعلان ہے۔ ہم اس پوری صورت حال کو ادب کی نظریاتی جدلیات سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ترقی پسندی کی بطور ادبی اصطلاح کیا قدر و قیمت ہے؟ کیا یہ ہمیں ادب کسی ایسے جامع تصور تک لے جاتی ہے جو انسان مرتکز ہونے کے ساتھ ادب کی ادبیت اور فنیت کا محافظ ہو؟ یا پھر اسے اخلاقی قدر اور افادی ضرورت کے طور تسلیم کیا جائے جو ادب کو افادیت پسندی کا پابند کرتی ہے اور اس پر اخلاقیات کو نفاذ بھی عمل میں لاتی ہے۔ تبدیلی اور ترقی کے مفاہیم یکساں نہیں رہے ہیں، وہ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ تو کیا وقت کے ساتھ ترقی پسندی اپنے نظریات میں ردوبدل کو قبول کرے گی اور ترقی پسند لفظ کی رعایت میں ہر نئی تبدیلی کو قبول کرے گی لیکن تبدیلیاں تو پہلے پہل فرد سے شروع ہوتی ہیں اور اجتماع کی صورت بہت بعد میں اختیار کرتی ہیں جیسے اردو کی ادبی دنیا مین جدیدیت کا داخلہ ۱۹۶۰ کے بعد ہوتا ہے اور ترقی پسندی اسے ۱۹۹۰ میں قبول کرتی ہے تو ایسی صورت میں وہ اپنے ترقی پسندوں کے سامنے کس طرح کا اخلاقی جواز پیش کرے گی؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو اس وقت قائم ہوئے ہوں گے جب ترقی پسندی نے جدیدیت کو قبول کیا ہو گا یا اسے ترقی پسندی کی توسیع کہا ہو گا۔ (وحید اختر) بلراج کومل "ترقی پسندی" کی اصطلاح پر ہی سوالیہ نشان لگاتے ہیں:

> "ترقی پسندی کی اصطلاح اولاً و آخراً صرف اردو اور ہندستان کی چند زبانوں میں استعمال ہوتی ہے۔ دنیا کی کسی دیگر زبان میں اس ادبی اصطلاح کا کوئی دیگر مفہوم نہیں ہے۔ اگر اس اصطلاح سے مراد کچھ صالح عناصر اور خوشگوار فعالی ادبی عناصر کی پیش کش سے ہے تو یہ سب جہتیں دنیا کی

تمام زبانوں کے ادب میں اصطلاحی پیش بندیوں کے باوجود سر گرم کار ہیں۔ مثبت اور منفی صفات سراسر اضافی ہیں۔ اور تبدیلی کے عمل میں ان کے مفاہیم بھی مسلسل بدلتے رہتے ہیں۔ اگر ہم غیر مشروط اظہار آزادی کو بطور اصول تسلیم کرتے ہیں تو ہم طرز عمل کی نوعیت کے اعتبار سے ادبی مسائل میں غیر ادبی مسائل کے جبر کو رد کرتے ہیں۔ اگر ہم بنیادی طور پر یہ رویہ قبول کر لیتے ہیں تو لفظ ترقی پسند، غیر ترقی پسند غیر ضروری ہو جاتے ہیں۔ [۴]

ہم نے دیکھا کہ بلراج کومل نے ترقی پسند ادبی نشور اور ادیب پر تحریکی جبر سے اپنے اس نقطہ نظر کا مواد حاصل کیا فی الواقع یہ اس دوہرے رویے سے اخذ کیا گیا جسے الگ الگ دورانیوں میں ترقی پسندی نے اختیار کیا۔ ترقی پسند تحریک جیسا پہلے بھی کہا گیا کہ روسی انقلاب سے اثر پذیر تھی اور یہاں وہ کمیونسٹ تحریک کا حصہ بلکہ اس کا ہراول دستہ تھی جو ادب اور زبان کی سطح پر کمیونزم کی نشر واشاعت کا کا انجام دیتی رہی۔ ایسی صورت میں ادب اور غیر ادب کا یکجا ہونا لازم تھا کہ ادب ترقی پسندی کی اولین ترجیح نہیں تھا بلکہ وہ ادب کے راستے سے عوام تک رسائی حاصل کرنا چاہتی تھی اور اپنی انسان دوستی کے لیے ادب کو عام ذریعہ ابلاغ کے طور پر بتکرار استعمال کرنا اس کے پیش نظر تھا۔ ترقی پسند تحریک ادب سے معاملہ کر رہی تھی جس کی ایک طویل روایت پہلے سے موجود تھی۔ اس لیے وہ ادبی قدر اور ہدف کو پوری طرح نظر انداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے اسے تضاد یا پس و پیش کا شکار بھی ہونا پڑا۔ ترقی پسندی کو اس وقت سب سے بڑے المیے سے گزرنا پڑا جب اس کی نظری اساس عملی دنیا میں مسترد کر دی گئی۔ کمیونزم ومارکسزم کی اساس پر قائم ہونے والی حکومت ختم ہوئی اور اس طرح سوشلزم کا نظریہ مخدوش ہو گیا کہ اس سے اس کی جائے امان چھن گئی اور ترقی پسند آرزومندی کے پاس کوئی مرکز باقی نہ رہا۔ ایسی صورت حال میں وہ اگر جدیدیت کو قبول نہ بھی کرتی تو اس کے پاس باقی رہنے کا جواز بچا نہ تھا۔ اگر ترقی پسندی نے ادیب کی آزادی اور انفرادیت کو اجتماعی اظہار کی یکساں سطح کا پابند نہ بنایا ہوتا تو ایک طرح اس کے لیے گنجائش تھی کہ روس کا زوال ہی سب کچھ نہ تھا۔ مارکسی اور اشتراکی نظریات میں بڑی قوت تھی اور سوشلزم میں عوامی سروکاروں سے ایسی غرض تھی کہ ترقی پسندی کو بآسانی پسپا نہیں کیا جا سکتا تھا۔

شمس الرحمان فاروقی جن کی عمر اور ادبی کاوشوں کا بڑا حصہ جدیدیت کو قائم کرنے اور ترقی پسندی کے انہدام میں صرف ہوا، مارچ ۱۹۹۰ میں منعقد ہونے والے ترقی پسند تحریک کے جلسے کو موضوع کا تمسخر بناتے ہوا کہا

کہ ترقی پسند ادیب اور ادب کہاں ہیں جو اس کی معنویت زیر بحث لائی جائے۔ ظاہر ہے اس تمسخر میں اس مزاحمت کی کارفرمائی بھی ہوگی جس نے جدیدیت کی تیس سالوں تک مخالفت کی۔ فاروقی کہتے ہیں:

> ”تیس برس پہلے جب جدیدیت نے اعلان کیا کہ ادب کو سیاست اور سیاسی حالات کا تابع ہونا چاہئے تو ترقی پسند حضرات بہت ناراض ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ جدیدیت پسند ادیب دراصل رجعت پرست اور امریکی سامراج کے نمائندے ہیں۔ لیکن جب جدیدیت کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا اور مارکسی ترقی پسند فکر ضمنی اور غیر اہم ہونے لگی تو انھوں نے کہنا شروع کیا کہ ادب کو سیاست اور سیاسی حالات کا تابع ہونے کی ضرورت نہیں، ہاں اسے سماجی حالات کا آئینہ دار اور سماجی شعور کا حامل ضرور ہونا چاہئے چنانچہ ”نئی ترقی پسندی“ کو ”سچی جدیدیت“ کہا گیا۔ جلدی جلدی میں ”ادبی سماجیات“ اور ”سماجی تنقید“ جیسی مہمل اصطلاحیں بھی گڑھ لی گئیں اور بار بار یہ دعوی کیا گیا کہ ادب وہی اچھا ہے جو سماج اور سماجی مسائل سے گہرا تعلق رکھتا ہو ادبی سماجیات اور سماجی تنقید جیسی اصطلاحوں کے ذریعہ ادب کے طالب علم کو فریب دینے والوں کو خبر نہ تھی کہ لوسین گولڈمان اپنی کتاب Towards a Sociology of the Novel (مطبوعہ ۱۹۶۴) میں کھلے طور پر اس بات کا اقبال کر چکا تھا کہ ادب اور ”سماجی شعور“ یا ”سماجی حالات کے انعکاس“ کا معاملہ دو اور دو چار کا معاملہ نہیں ہے۔“[۵]

فاروقی صاحب یہاں ترقی پسند فکریات کی پسپائی کا حظ آمیز بیانیہ مرتب کرتے ہیں۔ فی الواقع صورت حال کی تبدیلی سے پیدا ہونے والے وہ اسباب جو ترقی پسندی کے زوال کا سبب بنے، فاروقی صاحب ان اسباب سے صرف نظر کرتے ہوئے ترقی پسند نظریہ سازی کے ان تسامحات کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہیں جو اس سے جہد للبقا کی جنگ میں عجلت میں سرزد ہوئیں، ورنہ ادبی سماجیات یا ثقافتی مطالعات کی شاخ ایسی پیش پا افتادہ بھی نہیں ہے کہ بآسانی خانہ استرداد میں ڈال دیا جائے۔ اگر متن کی تعبیر اور اس کی شعریات سازی پر بیرون کو ہو بہو چسپاں کرنا نامناسب اور قابل گرفت ادبی کارگزاری ہے اور ہم اپنی کلاسیکی اصناف کی شعریات اس تہذیب اور اس کی علمیات سے دریافت کرنے کے پابند ہیں جن میں یہ اصناف پروان چڑھیں تو اصناف کے سماجی مطالعے کم از کم متن کی علمیات کا شعور تو بہر صورت فراہم کرتے ہیں اگرچہ وہ فن کی وجودیات کے بالمقابل تادیر قائم نہیں رہتے۔ ترقی پسند ادبی زاویہ نظر نے سماج کے تئیں ایک ادبی ذمہ داری کو قبول کیا اور وہ اس کی پیروی میں غلو کا شکار ہوئی ورنہ سماجی سروکار اور ثقافتی انسلاک تو ہر جاندار ادبی تخلیق کا خاصہ ہے۔ فاروقی مارکسزم اور کمیونزم کے ادب میں بے دخل

ہونے کی عالمی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں اور ان ادیبوں کو بطور حوالہ پیش کرتے ہیں جو مارکسی میلانات کے باوجود نئی صورت حال کے اقراری ہیں۔ وہ آگے ترقی پسندی کی پسپائی پر اپنے اطمینان کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

> ”مارچ 1990 میں جو جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس کی تھوڑی بہت روداد جو مجھ تک پہونچی، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارے ترقی پسندوں نے ”بدلے ہوئے سیاسی حالات“ سے کچھ سبق نہیں سیکھا۔ مارکسی فکر کو مذہب کے طور پر قبول کرنے والے اپنی فکر میں بنیادی تبدیلی کریں بھی تو کس طرح؟ مارکسی فکر کی قبا میں جو دیو استبداد پائے کوب تھا۔ اس کے وجود سے انکار تو ایگلٹن بھی نہ کر سکا، اس نے صرف یہ کہا کہ اسٹالنزم دراصل سچی مارکسیت نہیں ہے۔ ہمارے ”ترقی پسندوں“ نے مارچ 1990 کے جلسے میں حسب معمول ”انسانی قدروں“ کی بات کی۔ انھیں یہ خبر تو ہے ہی نہیں کہ کمیونسٹ آلتوسے نے مارکس کی اقتصادی فکر کو Anti-Human قرار دے دیا ہے۔ لیکن انھیں شاید یہ بھی خبر نہیں ہے بشر دوستی کا مطلب ہے Pluralism اور Pluralism ہر طرح کے پروگرام کی نفی کرتی ہے۔ لہٰذا ادب پر کسی طرح کا پروگرام نافذ نہیں ہو سکتا۔[۶]

بالآخر فاروقی صاحب ادب کی خود مختار دنیا کا اعلان کرتے ہیں۔ وہ جس تکثیریت پسندی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور کبیری بیانیے کی جس طرح تردید کرتے ہیں اس سے ہی مابعد جدید فکر کا راستہ بھی نکلتا ہے جسے فاروقی صاحب نے قبول کرنے میں پہلے پہل اسی پس و پیش کا مظاہرہ کیا جو ترقی پسندی نے جدیدیت کے باب میں کیا تھا۔

قمر رئیس ترقی پسند تحریک کے ان ارکان میں سے ہیں جنھوں نے مابعد جدیدیت کے عہد میں بھی ترقی پسندی کا علم سنبھالے رکھا اور ترقی پسندی کو ہم عصر صورت حال سے مربوط کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ سب سے پہلے تو انھوں نے ترقی پسندی اور اشتراکیت کے مابین حد فاصل قائم کی کہ ترقی پسندی اور اشتراکیت ہم معنی نہیں ہیں۔ بعض عوامل کے زیر اثر یہ ضرور ہوا بعض ادیبوں نے ترقی پسندی کی شناخت کے طور پر اشتراکیت کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی شناخت سے باور بھی کرایا۔ آگے وہ بالٹک ریاستوں سے ترقی پسندی کے تعلق کی طرف متوجہ ہوئے اور روس کے علاوہ چین، ویت نام اور کیوبا کا بھی نام لیا اور سرمایہ داری و اشتراکیت کی داخلی جنگ کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ سویت یونین سے ترقی پسندوں کا ایک لگاؤ اور دلی تعلق قمر رئیس کے یہاں سامنے آتا ہے۔ وہ ترقی پسندی کی ہم عصر معنویت کے بارے میں کہتے ہیں:

> ”ترقی پسندی بنیادی طور پر تعقل پسندی، حقائق کے معروضی افہام و تفہیم، سائنسی شعور، جمہوری انسان دوستی کی تحریک ہے۔ اس نے توہم پرستی، مجہول اور مریضانہ روحانیت، رجعت پسندی، فرقہ واریت، ظلمت پرستی، غلامی، ذات پات، نسل یا جنس کی تفریق اور ہر طرح کے استحصال کے خلاف ہمیشہ آواز بلند کی ہے اور میری دانست میں یہ وہ تصورات ہیں جو آج بھی ادیبوں اور دانشوروں کی غالب اکثریت کا جزو ایمان ہے۔ یہ ترقی پسندانہ رویہ ان کے وجود میں رچ بس چکا ہے۔ اس لیے ان کی صحت اور اصابت کو کوئی چیلنج نہیں کرتا۔“

قمر رئیس ترقی پسندی کے سماجی نظریات کا اعادہ کرتے ہیں اور انھیں سماجی نظریات کو اس کی ہم معنویت کا نکتہ خیال کرتے ہیں۔ یہ تصور ادب کی سماجی جہت کے ساتھ ساتھ اس کے افادی پہلو پر اصرار کرتا ہے۔ گو ادب بذات خود ہدف یا مقصد نہیں ہے بلکہ ادب کی ادبیت کی اولین شرط اس کا افادی ہونا ہے۔ اس طرح ایک کبیری بیانیہ تشکیل پاتا ہے جو ادبی تخلیق میں اظہار کی تکثیریت کو افادیت پرستی کا پابند بناتا ہے۔ پابندی کا یہی صیغہ جب تعمیم حاصل کرتا ہے تو ادب میں یکسانیت پیدا ہوتی ہے۔ یکسانیت اظہار وابلاغ کے لیے تو مفید ہے کہ اس سے نظریے اور خیال کو عام اور ذہنوں میں راسخ کرنے کی سہولیت ہاتھ آتی ہے لیکن تخلیقیت کی گوناگوں صورت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ قمر رئیس نے اس ذیل میں ایک قدم آگے بڑھایا اور ترقی پسندی سے آگے نئی ترقی پسندی کے قائل ہوئے جس میں اجتماعی مسائل کے ساتھ انفرادی آزادی کے لیے بھی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

دیوندر اسر نے ترقی پسندی کی ہم عصر معنویت پر اسی سیاق میں گفتگو کی اور اشتراکی آمریت کی ادبی تابعداری میں اس کے زوال کے اسباب دکھائے ہیں۔ انھوں نے کمیونسٹ نظام کے انہدام کے بعد ترقی پسندی کے سوال کے بے معنی ہو جانے کو سادہ صورت حال کے طور پر قبول نہیں کیا بلکہ اس میں انسان دوست عناصر اور سماجی پہلو کا اثبات کرتے ہوئے یہ بتایا کہ اس پہلو کا جواب جدیدیت کے پاس آج بھی نہیں ہے۔ وہ ترقی پسندی کی نشو نما میں متوسط طبقے کے کردار پر بحث کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس نے ترقی پسند اقدار کا حامل لٹریچر پیدا کرنے کے بجائے تفریح پسند پاپولر لٹریچر پیدا کیا۔ اسر کی یہ بات کچھ غلط بھی نہیں کہ بالی ووڈ سے وابستگی کے بعد طلب اور کھپت کے اصول پر کئی ترقی پسندوں نے عمل کیا۔ وہ ادب کی ادبیت اور جمالیاتی قدر ادب کے ایک اہم وصف کے طور پر قبول کرتے ہیں بطور نتیجہ وہ اسے کلچر اور سماج ہی خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ترقی پسندی میں یہ کثیر جہتی موجود ہے اور اسی موجودگی کی وجہ سے ہم عصر دنیا میں اس کی معنویت اور ربط قائم ہوتا ہے۔ وہ

صورت حال سے پرے ہر عہد میں احتجاج اور مزاحمت کی آواز کو کارگر مانتے ہیں کہ اس میں تخلیقیت اور ترغیب کے عناصر بہر صورت موجود ہوتے ہیں۔ ۸

وحید اختر اردو میں جاری ترقی پسندی کا سرچشمہ فیضان اس مارکسزم کو قرار دیتے ہیں جسے لینن اور اسٹالن نے پروان چڑھایا۔ ان کے بموجب یہ مارکسزم فی الواقع ناپختہ اور آمرانہ ترغیبات سے گراں بار تھا۔ عام تخلیقی حاضرے اور اشتراکیت کے درمیان عدم مناسب کی صورت پذیری میں اسی ناپختہ اشتراکیت کا اہم کردار ہے۔ اردو میں ترقی پسند نظریات بیرونی دنیا کا بوجھ اٹھاتے رہے، وحید اختر اسی پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ہم کب تک بیرونی دنیا کا بوجھ اٹھائیں گے۔ ہماری ترقی پسند قدروں کی اساس ہمارے داخلی اور ملکی تقاضوں پر استوار ہونی چاہیے۔ ۹

گو ترقی پسندی جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے آنے کے بعد بھی اردو دنیا سے پوری طرح منہا نہیں ہوئی۔ اس نے نئی ترقی پسندی کے نام سے اپنے مقام کو ادبی دنیا میں قائم کرنے اور اپنے بنیادی سروکاروں کو زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ گو انسانی زندگی میں انسان کی مرکزیت ختم ہوئی، وہ مشینوں اور اطلاعاتی انقلاب کی آمد کے بعد بحیثیت فرد مجبور ہوتا گیا لیکن یہ سب ہونے کے بعد بھی انسان کی زبونی کا سلسلہ تو باقی رہا اور اسی سلسلے نے مزاحمت کا جواز فراہم کیا اور مزاحمت کی صورتوں نے ترقی پسندی کے لیے ادبی اظہار میں امکانات باقی رکھے۔

دوسری بحث ''ذہن جدید'' میں مابعد جدیدیت بنام جدیدیت کی ملتی ہے۔ اردو میں جدیدیت کے رجحان کو ترقی پسندی کے بعد باریابی ملی اور اس کے مبادیات میں فرد و اظہار کی غیر مشروط آزادی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوئی۔ جدید تنقید نے اشیا کو بطور حقیقت قبول کیا اور بطور اشیا ان کے ادراک تک رسائی حاصل کرنے پر زور دیا یعنی انھوں نے کیا ہے؟ کو جاننے اور پرکھنے کی بنا ڈالی اس کے برعکس اشیا کے عینی تصورات نے اشیا کو عین تصور کیا، اشیا کی ماہیت کو فرض کردہ دعوی کی رو سے جانچنے پرکھنے کی روش عینیت کی وجہ سے رواج میں آئی۔ اردو میں جدیدیت کی بنا ڈالنے والوں میں بنیادی نام شمس الرحمان فاروقی کا ہے۔ شمس الرحمان فاروقی نے ترقی پسندی یا مارکسی تنقید کو عینیت پسندی کی پیداوار خیال کیا جو عمومی بیان پر انحصار کرنے اور غیر تحلیلی بیان پر اصرار کرنے کی روش ہے۔ شمس الرحمان فاروقی نے جدید طریق انتقاد کی خوبی یہ بتائی کہ اس نے موضوعی اور موضوعاتی باتوں

سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ذاتی ترجیح کی غیر منطقی اور غیر استدلالی بنیادوں کا انقطاع ہوا۔ متن کو اس کی صنفی اور ادبی خصوصیات کے سیاق میں دیکھنے کی روش جدیدیت کی روش ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”تجزیاتی فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ فن پارے کے بارے میں موضوعی اور موضوعاتی دونوں طرح کی باتیں خارج از بحث کر دی گئیں۔ موضوعی باتوں سے میری مراد وہ باتیں ہیں جو مجھے ذاتی یا جذباتی طور پر پسند آتی ہیں چاہے وہ منطق یا استدلال ان کے وجود سے انکار کرے۔ مثلاً میں نے یہ فرض کر لیا کہ ادیب کی سماجی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا میں ادب میں سماجی ذمہ داری کا انعکاس تلاش کروں گا۔ اگر وہ نہیں ملتا تو ادب کو لاطائل قرار دوں گا۔ چاہے اس ادب میں ادبی حسن ہو یا نہ ہو، میں یہ کہہ دوں گا کہ سماجی ذمہ داری کا انعکاس نہیں ہے تو ادبی حسن بھی نہیں ہے۔ خیر یہاں تک غنیمت تھا لیکن اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر فن پارے میں سماجی ذمہ داری کا اثر ملتا ہے تو میں اسے اچھا ادب کہوں گا، اس میں کسی طرح کا حسن ہو یا نہ ہو۔ میں تمام ادب کی تنقید کرتے وقت دامن بچاتا رہوں گا کہ کہیں یہ نہ ثابت ہو جائے کہ سماجی ذمہ داری کا ثبوت نہ ہونے کے باوجود فلاں ادب اچھا ہے، چنانچہ سردار جعفری اور دوسرے ترقی پسند نقاد ایک گتھی کو حل کرنے میں سرگرداں رہے کہ بودلیئر، غالب یا رومی کی معنویت ان کے لیے کیا اور کیوں ہے؟ غالب، میر اور کبیر کی حد تک تو وہ کھینچ کھانچ کر کچھ نہ کچھ فلسفہ برآمد کر لائے لیکن بودلیئر، کافکا وغیرہ کے لیے ان لوگوں نے مریضانہ غیر صحت مندانہ، داخلیت پرست وغیرہ کی اصطلاحیں تراش کر دل کو مطمئن کر لیا کہ اگر یہ لوگ مجھے اچھے بھی لگتے ہیں تو محض انسانی کمزوری ہے۔ ورنہ یہ سب مریض اور غیر صحت مند ہیں۔“[۱۰]

یہ دراصل ادب کی نظریاتی پرکھ اور پہچان کا نقص ہے کہ وہ جس ادعائیت کا پابند ہوتا ہے اس کے دائرے سے باہر کی دنیا اس کے لیے لائقِ ملامت قرار پاتی ہے۔ ادب کی آزادی اور فرد کے شخصی تجربہ کی نفی کا سرا اسی ادعائیت سے مربوط ہے جو نظریاتی بوطیقا پابند کر کے تخلیق کار سے یہ توقع کرتی ہے کہ وہ اسی خاص دائرے کا پابند ہو کر ادب تخلیق کرے۔ گویہ شعور کی مشروط ادبی کارگزاری کا مطالبہ کرتی ہے اور ادبی کارگزاری کے شعور کی سطح نہ تو مشروط ہو سکتی ہے اور لاشعور پر پوری طرح دسترس بھی نہیں ہے کہ وہ انجانے کونوں سے برآمد ہو کر تخلیق میں دخیل ہو جاتا ہے۔ جدیدیت بنیادی طور پر موضوعی اور معروضی کی باہمی کشاکش سے نکل کر معروضیت کو موضوعیت پر غالب کرنے کا نام ہے۔ یہ صنف کا مطالعہ صنفی تقاضوں اور اظہار کے فنی وسائل کی روشنی میں کرتی

ہے نہ کہ محض سماجی اور انسانی سروکار کی تابع ہو کر متن کو پڑھتی ہے۔ ہاں متن کی ساخت پر اصرار کرتی ہے۔ ادیب کی آزادی کے ساتھ فرد کو اجتماع پر ترجیح دیتے ہوئے اس کے ذاتی خصائص کو اہمیت دیتی ہے۔ یہ کسی نظریہ بند مثالی اصولیات پر اجتماعی اظہار اور شخصی تخلیق کو نہیں پرکھتی۔ ادب میں جمالیاتی قدر کا تعین کرنے کے لیے یہ متن کی خصوصیات پر متوجہ ہوتی اور اسی روش پر اصرار کرتی ہے۔ ہم نظریاتی تنقید کو آسانی کے لیے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ایک اجتماعی نظریہ ہے جو تاریخ اور جملہ فنون کی تعبیر میں اپنے نظری مبادیات کی پیروی کرے اور ایک فنی طریق کار جو متن کی طویل روایت فن پارے کی تفہیم کے اصول مرتب کرے اور ان اصولوں کو بطور ادبی نظریے کے فن پارے کی تفہیم میں بروئے کار لائے۔ ایسا کرتے وقت فن کا فارم بھی زیر بحث آئے گا اور اس میں مختلف اصناف کے مابین پائے جانے والے تفاوت کو اہمیت حاصل ہوگی۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی ایک صنف کی اصولیات کو دوسری صنف پر منطبق کیا جائے اور اس سے وہی مطالبے کیے جائیں جو کوئی صنف پورا کرتی ہو، جیسے غزل سے نظم کا مطالبہ یا شاعری سے افسانے کے تقاضے۔

اردو میں روج پانے والی جدیدیت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے اس نے صنف شناسی اور ادبی قدر کے مقامی پیمانے وضع کرنے کی کوشش کی۔ اس نے متن کے تناظر کے بجائے اس کے سیاق کو اہمیت دی۔ اس نے متن کی علمیات کو اس کی وجودیات پر غالب کرنے کا بے جا تشریحی یا تعبیری طریقہ کار اختیار نہیں کیا۔ نو آبادیاتی عہد میں کلاسیکی اصناف کی ناقدر شناسی اور ناپختہ مغربی پیمانے پر ادب کی تعبیر و تشریح کا جو کام انیسویں اور بیسویں صدی میں ہوا ان سے ان اصناف کی واقعی تحسین کے پیمانے گم کر دیے۔ جدیدیت نے متن کو بنانے اور اس کی تعین قدر کرنے والے مشرقی پیمانوں کو بازیاب کیا اور ان پر جدید تعبیریں پیش کیں جس سے ان اصناف کی واقعی اہمیت کھل کر سامنے آسکی۔

مابعد جدیدیت کا رجحان جدیدیت کے رد عمل کے طور پر اردو میں متعارف ہوا اور اس نے کبیری بیانیوں کی نفی کر کے صغیری بیانیوں کو اہمیت دی۔ گو اس میں ساخت شکنی کی روایت بھی شامل تھی۔ اس نے ادب کے معنی کو سیاق میں متعین کرنے کے بجائے لفظ کی سیاق سے آزادی کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے کسی ایک بیانیہ پر انحصار نہ کرتے ہوئے مختلف بیانیوں، رجحانات و میلانات کو اپنے دائرے میں جگہ دی۔ جاگیرداری سے صنعت کی طرف کا دورانیہ جدیدیت کا حصہ تھا تو صنعت کے اطلاعاتی انقلاب کی طرف آنے کا عرصہ مابعد جدیدیت کے نام ہوا۔ اردو میں مابعد جدیدیت کے پیروکار نے اسے ثقافتی اور سماجی صورت حال سے تعبیر کیا۔ اردو میں مابعد جدیدیت

کو بطور ردِ متعارف کرانے سے گریز کیا گیا۔ اگرچہ یہ اپنی مکالماتی اور مباحثاتی کارروائی میں جس طرح جدیدیت سے تعرض کرتی رہی اسے ایک ردِ عمل کہا جاسکتا ہے جو جدیدیت کے بالمقابل خود کو قائم کرنے کے لیے کوشاں رہی۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

"اس طرح دیکھا جائے تو جدیدیت کے جلو میں جس اجنبیت، ذات پرستی، خوف، تنہائی، یاسیت اور احساسِ جرم کی یلغار ہوئی تھی، اس کی بنیاد اپنے آپ کالعدم ہو جاتی ہے اور ادب کا رشتہ از سرِ نو سماجی اور ثقافتی مسائل کی آزادانہ تخلیقی تعبیر سے جڑ جاتا ہے۔ نیز معنی چونکہ متن میں بالقوۃ موجود ہے اور قاری اس کو بالفعل موجود بناتا ہے اس لیے ادب اور آرٹ کی کارفرمائی میں قاری کی نظریاتی بحالی سے قاری پر ادب کے اثرات یعنی آئیڈیالوجی کے عمل دخل کی راہ بھی کھل جاتی ہے، یعنی ادبی متن ہی سماجی و ثقافتی تشکیل اور ہر ادبی معنی کسی نہ کسی نظریہ اقدار اور نظریہ حیات یا آئیڈیالوجی یعنی ترجیحی اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سماجی معنی یا آئیڈیالوجیکل ترجیحی اقدار کی جو بات مابعد جدیدیت کے راستے سے آرہی ہے، وہ کسی نظریے کی رو سے یا سیاسی نظام کی رو سے نافذ نہیں کی جارہی ہے۔"[11]

تاریخی ترتیب میں مابعد جدیدیت کو جدیدیت سے سابقہ تھا اس لیے وہ ردِ عمل کی نفسیات سے بری ہونے کے دعوے کے باوجود بری نہیں کہی جاسکتی۔ ہم دیکھتے ہیں جدیدیت نے ادبی اصناف کے جس فنی اعتبار کو قائم کیا اور اسے علمیات کے جبر سے آزادی دلائی یہاں وہی علمیات اور فلسفے پھر اس کا تعاقب کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے یہ تھا کہ ایک کبیری بیانیہ ہی قابلِ قبول بیانیہ تھا لیکن اس میں مختلف بیانیوں کا انضمام ہو گیا۔ اگرچہ بیانیہ کے جبر سے آزادی ملی لیکن غیر مشروط طور پر نظریاتی بیانیوں کو باریابی بھی ملی۔ قاری کو یہ آزادی ملی کہ وہ اپنی صوابدید اور ترجیح پر متن کے معنی متعین کرے۔ ساختیات کے بعد پس ساختیات نے متن وضعی رشتوں کی تقلیب کا سامان کیا گو ایک اور پابندی اٹھادی اور اس طرح متن کو آزاد تعبیر کا تابع بنا کر اسے کسی بھی مدلول کا حسبِ امکان دال بنانے کا راستہ پیدا کر لیا، اردو میں مابعد جدیدیت کو متعارف کرانے والوں نے ظاہر کیا۔ تانیثیت، نو تاریخیت اور ردِ تشکیل کے فلسفے میں مابعد جدیدیت میں داخل ہو گئے اس طرح یہ ادبی نظریہ طریقِ تعبیر کے کئی وسائل کا حامل ہو گیا۔ گوپی چند نارنگ کی کتاب "ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات" نے مابعد جدیدیت کے مباحث کو زیرِ بحث لانے اور اس کی قدر و قیمت کو جانچنے اور پرکھنے کا سامان بہم کیا۔ نارنگ نے جن لکھنے والوں کو اس نظریے کا نمائندہ بنایا، نارنگ کے معاصرین نے ان نمائندوں کی مابعد جدیدیت سے وابستگی اور ادبی قدر شناسی سے ان کے

تعلق کا جائزہ لیا۔ فضیل جعفری ان نمائندہ لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے نارنگ کی کتاب سے تعرض کیا اور باب درباب اس کے مشمولات کا محاکمہ کیا۔ مابعد جدیدیت کے سامنے جدیدیت کے مباحث تھے اور نارنگ بھی ابتدا میں جدیدیت کے ہم نواؤں میں شامل تھے، اس لیے جدیدیت سے مابعد جدیدیت کو ممتاز کرنے کی ذمہ داری بھی ان پر آن پڑی۔ جدیدیت کو اردو میں متعارف اور قائم کرنے میں شمس الرحمان فاروقی کی حیثیت زیادہ فعال اور متحرک جدیدیے کی تھی، وہ جدیدیوں کی صف میں قائد کا مقام رکھتے ہیں اس لیے جدیدیت اور فاروقی دونوں ہم معنی خیال کیے گئے۔ فضیل جعفری نے نارنگ کی اس ذہنی کشمکش کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ہاں ہمیں اس بات کا غم اور وہ بھی شدید غم ضرور ہے کہ ڈاکٹر نارنگ نے بلاوجہ سے یا پھر محض ذاتی وجوہات کی بنا پر فاروقی کو اپنا مسئلہ بنالیا ہے۔ اس رویے سے ان کے ہمالیائی تنقیدی پروجیکٹ کو دھکا نہیں لگا بلکہ ہم جیسے "نارنگیوں" کی نظر میں ان کی تنقیدی بصیرت اور علمیت مشکوک ہو کر رہ گئی ہے۔ مثال کے طور پر موصوف اپنی کتاب "ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات" کے دیباچے میں ایک جگہ یوں رقم طراز ہیں: "جدیدیت کا تنقیدی ماڈل چونکہ امریکی نیو کریٹیسزم پر مبنی تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ادب کے سماجی منصب سے شدت سے انکار کیا گیا۔ جب اس غلطی کا احساس ہوا تو پھر پناہ قدامت پسندی میں لی گئی۔" چونکہ اس عمومی تبصرے میں کسی کو نامزد نہیں کیا گیا، اس لیے اب نارنگ صاحب کے ایک حالیہ انٹرویو سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو: "ان کے یہاں دو وفاداریوں میں شدید کشمکش ہے۔ یعنی ایک طرف جدیدیت وہ بھی غالی جدیدیت، دوسری طرف کلاسیکیت وہ بھی غالی کلاسیکیت۔ شعر شور انگیز میں یہ دونوں نمایاں ہیں۔" اب غالباً اس وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی کہ نارنگ نے اپنے دیباچے میں فاروقی کو ہی نشانہ بنایا ہے۔" ۱۲

مابعد جدیدیت کا سب سے بڑا دعویٰ ہے کہ اس نے کبیری بیانیے سے متن کی تعبیر کو آزادی دلائی اور صغیر بیانیے ادب میں اس کی بدولت باریاب ہوسکے۔ متن کو دیکھنے کا کوئی ایک زاویہ یا طریق نقد نہ رہا بلکہ مختلف زاویوں سے ادب کو دیکھنے اور پرکھنے کی گنجائشیں پیدا ہوئیں۔ مابعد جدیدیت نے حقیقت پسندی اور جدیدیت دونوں ہی کو مشکوک خیال کیا۔ ان نظریات کے دعویٰ مابعد جدیدیت کے نزدیک قابل اعتبار نہ رہے۔ فرانسوا لیوتارد فریڈرک جیمسن اور ژاں بودریلارد وغیرہ کے نظریات سے مابعد جدید مباحث کو قائم کرنے میں مدد دی اور مابعد جدید فکر کے حاملین نے ان دانشوروں سے استفادہ کیا۔ متن کو وحدت سے بے نیاز کرنے اور آزاد معنی کا حامل

بنانے کا دعویٰ مابعد جدید فکر نے کیا۔ اس نے معنی کی تعبیر میں مصنف کے منشا اور مرادوں کو بے دخل کر کے متن کا سرمایہ قاری کے تصرف میں دے دیا کہ وہ جیسے معنی چاہے اس سے بر آمد کر سکتا ہے۔ رولاں بارت نے ”مصنف کی موت“ کا اعلان کیا تو متن ایک خاموش مظہر میں تبدیل ہو گیا اور قاری کی دانش نے اس پر حسب استعداد تصرف حاصل کر لیا۔ ضمیر بدایونی نے مابعد جدیدیت کے مثبت اور منفی رویوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ جمالیاتی جدیدیت کے خلاف ردعمل کو مابعد جدید فکر کا مثبت آغاز قرار دیتے ہیں۔ فوکو ژاک دریدا کو مابعد جدیدیت کے مفکرین میں شمار کرتے ہیں کہ وہ انھیں نئے شعور کا نقطہ عروج قرار دیتے ہیں۔ ضمیر بدایونی یہ بھی بتاتے ہیں کہ مابعد جدیدیت جدیدیت کے پیدا کردہ بعض تصورات کی نفی سے پیدا ہوتی ہے۔ ذات کی نفی کو اس میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے یہاں فوکو اور دریدا ایسے دانشور کی صورت میں سامنے آتے ہیں جنھوں نے ذات کے سحر سے نکالا۔ ۱۳

یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مابعد جدیدیت کو جدیدیت سے الگ کر کے دیکھنا ممکن نہیں کہ مابعد جدیدیت کی بنا اس تصور سے متصادم ہو کر قائم ہوتی ہے جسے جدیدیت نے رواج دیا۔ گو جدیدیت نے مادے کو انسانی تصرف میں دے کر کائناتی عمل میں اس کی جس مرکزیت کا اعلان کیا تھا، جدیدیت اسے تصور انسان کو متصادم ہو کر اپنی شناخت قائم کرتی ہے۔ گو جدیدیت نے انسان پرستی کی رو کو عالم گیر نظریاتی مظہر میں تبدیل کرنے کی سعی کی تھی۔ ہم دو متوازی رویوں یعنی وجودیت اور مارکسیت دونوں میں انسان کو مرکز میں دیکھتے ہیں۔ یہ دونوں نظریے انسان کو مرکز میں رکھ ہی اپنے سروکار بناتے ہیں اور اسی سے اور کلامیے کی تشکیل کرتے ہیں۔ وجودیت اور جدیدیت نے نشاۃ ثانیہ کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ انسان اور انسانیت کی مرکزیت دھیرے دھیرے ختم ہونے لگی۔ وہ اس مقام تک آ پہنچی جہاں انسان اور تاریخ کی تعمیر نو منصوبہ باندھا گیا۔ ضمیر بدایونی فوکو کو کانٹ کی توسیع ماننے کے بجائے اسے ایک ایسے مفکر کی صورت میں شناخت کرتے ہیں جس نے تعقلاتی شکست وریخت کی طرف متوجہ ہو کر اس انتشار کو دریافت کیا جس سے انسان ذہن کی سطح پر بنرد آزما ہوتا ہے۔ ضمیر بدایونی بتاتے ہیں کہ فوکو کی تنقید کانٹ کی ”تنقید عقل محض“ سے بالکل مختلف ہے۔ اس طرح وہ فوکو کو عقل کا نیا صورت گر مانتے ہیں۔ ۱۴ تصور انسان کو بدلنے میں مابعد جدید مفکروں نے جو کردار ادا کیا، ضمیر بدایونی اس پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

> ”مابعد جدیدیت نے اپنے عہد سے انسانوں کی تصویر ہٹا دی ہے۔ ہیڈیگر نے ہستی یعنی The Bieng کی تصویر لگا دی ہے۔ نیٹشے نے فوق البشر کی، دریدا اور فوکو کے نزدیک انسان ماضی کی

> بات ہے۔ فوکو تو صاف کہتا ہے کہ Era of Man یعنی عہد بشریت اب ایک نقش بر آب سے زیادہ نہیں۔ ریت پر بنائے ہوئے نقش و نگار طوفانی موجوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وقت نے انسان کو مٹا دیا ہے معدوم کر دیا ہے۔ مابعد جدیدیت دراصل مابعد جدید انسان کا عہد ہے۔ اس عہد کا آغاز ہو چکا ہے۔ نئی جمالیات، نیا ادب، نیا فلسفہ، نئی اخلاقیات، نیا علم الانسان، آرکیٹکچر، فنون، معاشرتی علوم یہ سب مابعد جدید نقطہ نظر سے متاثر ہو رہے ہیں۔" ۱۵

"ذہن جدید" میں مابعد جدید فلسفے سے بحث کا محور نارنگ کی کتاب "ساختیات پس ساختیات اور مشرقی شعریات" ہے۔ یہاں ہم تین مفکرین کو بطور خاص مرکز میں دیکھتے ہیں۔ وہ ہیں فوکو، لاکاں، اور دریدا۔ فضیل جعفری فوکو کو پس ساختیاتی فلسفی اور مفکر ماننے کے بجائے کلامیے کا مؤرخ قرار دیتے ہیں اور نوم چامسکی کو دیے گئے فوکو کے انٹرویو کا حوالہ دیتے ہیں جس میں اس نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ فضیل جعفری کے نزدیک فوکو کا موجودہ اقتداری نظام کے خلاف احتجاج قابل ذکر ہے، اسی طرح وہ سماجی تنقید کے میدان میں فوکو کی تنقید کو اہم اور درست خیال کرتے ہیں۔ کلامیے اور ابہام کی کثرت کی وجہ سے فوکو تفہیم قدرے مشکل ہے۔ اس کے یہاں داخلی تضادات کی کثرت متن کو پیچیدہ بنا دیتی ہے۔ فضیل جعفری کے مطابق نارنگ نے فوکو کو صحیح تناظر میں دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے اسٹیون بسٹ اور ڈوگلیس کیلر کے حوالے سے بتایا ہے کہ فوکو کے یہاں عدم تکمیلیت و تکمیلیت کے ساتھ حیاتیاتی سیاست کے درمیان مدوجزر کی کیفیت ہے؛ وہ ان کے مابین ہچکولے کھاتا رہتا ہے۔ ۱۶ نارنگ کی تفہیمِ فوکو کے بارے میں فضیل جعفری کہتے ہیں:

> "فوکو کے بارے میں نارنگ کا یہ خیال کہ "اس نے اپنے نظریہ ڈسکورس کے ذریعے نطشے کے فلسفے کی ایک نئی تعبیر پیش کی ہے۔" ہمارے نزدیک افواہ کے علاوہ کچھ نہیں۔ جو لوگ نطشے سے متعلق تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں انھیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ نطشے کا فلسفہ عقلیت پسندی، چسیدگی سے عبارت ہے جب کہ فوکو ان دونوں اقدار کا دشمن ہے۔ اگر ہم فوکو کے اس نظریے کو تسلیم کر لیں کہ تاریخی تناظر میں 'علم' کے تمام دعوے اضافی اور عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں تو پھر کسی مخصوص تاریخی دور پر تنقید کرنے یا سماجی حکمت عملی تیار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" ۱۷

کسی مفکر کی عطا صرف یہ نہیں کہ اس نے رائج تصورات کی صحت اور ہم عصر دنیا سے ارتباط کی صورت حال پر سوال قائم کیا اور اقتداری سرچشموں سے بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے انھیں اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ دوسرے

معنوں میں انھیں معتوب کیا۔ وہ سطح پر برپا ہونے والی نئی صورت حال کے امتیاز کی نشان دہی کے ساتھ اس کے بارآور اور ثمر دار ہونے کے لیے مطلوب نظام کی نشان دہی نہ سہی، اس کی طرف اشارے ضرور کرتا ہے جس سے اس عہد کو شناخت کرکے اس کی اساسیات تشکیل دی جاسکیں۔ فوکو سوال قائم کرنے میں تو کسی نوع کے پس و پیش کا شکار نہیں ہوتا لیکن مطلوب نظام کی نشان دہی میں وہ پہلو تہی کرتا ہے اور اس کی یہ پہلو تہی اس وجہ سے ہے کہ وہ رائج نظام کی پابندی اور حصار میں گرفتار ہونے سے گریزاں ہے۔

نارنگ کے یہاں لاکاں بھی زیر بحث آیا ہے۔ ادب کے ضمن میں کسی مفکر یا نظریہ ساز فلسفی کا ذکر اس بات کا متقاضی ہوتا ہے کہ اس کا ادب سے براہ راست تعلق ہو۔ اس تعلق کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ ہے کہ اس نے ادب کی تعبیر و تشریح میں دلچسپی رکھی ہو، اس کے نمونے رکھ چھوڑے ہوں اور وہ نمونے ایسے جزرس فکری، لسانیاتی اور معنیاتی پہلوؤں کو محیط ہوں جن سے ادب کی تعبیر اور متن کی قرات کا کوئی منفرد طریقہ دریافت ہو۔ دوسری صورت یہ ہے مفکر یا فلسفی نے راست طور پر ادب کے مطالعے کو تو اپنے مرکز میں نہ رکھا ہو لیکن اس کی حصولیابیوں ادبی تخلیق یعنی لٹریری پروڈکشن کو نیا زاویہ دینے میں اہم رول ادا کیا ہو۔ وجودیت، مارکسیت کے ساتھ ساتھ نفسیات کو ہم اس ضمن میں رکھ سکتے ہیں کہ انھوں نے بطور فلسفہ لٹریری پروڈکشن کے مزاج اور منہاج کو متاثر کیا۔ اس سیاق میں لاکاں کا ادبی کردار کیا ہے وہ بطور ادبی نقاد کے کیوں کر اہم ہے۔ فضیل جعفری لاکاں کو ادیب اور نقاد تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں:

> "ادب کی تخلیق کرنا تو بجا لاکاں نے نہ تو کوئی ادبی تھیوری پیش کی اور نہ ہی کبھی ادبی تجزیوں سے دلچسپی کا اظہار کیا۔ بقول دریدا: "لاکاں نے ادبی متن کے سانچوں کو کبھی ہاتھ تک نہیں لگایا۔ وہ بنیادی طور سے نفسیات کا آدمی تھا۔ فرائڈ کی نئی قرات کے نام پر اس نے فرائڈین اصولوں کو تہس نہس کرکے رکھ دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ اس کی اپنی ساری نفسیات بھی خواہش سے متعلق حقائق تک محدود ہے۔"[۱۸]

گو دریدا، لاکاں کو نفسیات کے باب میں بھی کوئی اہم مقام دینے پر آمادہ نہیں ہے۔ ایک طرف وہ لاکاں کی ساری تنقیدی کارروائی کو ایک معنی میں فرائڈی نفسیات کی تخریب کہتا ہے تو دوسری طرف وہ نفسیات کے باب میں اس کے یہاں محدودیت کی نشان دہی کرتا ہے۔ لاکاں کے بارے میں نارنگ کا خیال یہ ہے کہ اس نے فرائڈین نفسیات کی نئی تعبیریں پیش کیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نفسیات کے باب میں لاکاں کی یہ محدود کاوش کس حد تک

اور یجنل ہے۔ فضیل جعفری بتاتے ہیں کہ لاکاں کے بارے میں دریدا کے خیالات کو صد فیصد صداقت ماننا مناسب نہیں ہے اس نے ایڈ گر ایلن پو کی کہانی The Perloined Letter کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ اس تجزیے کے بارے لزلی کی فراہم کردہ معلومات کے مطابق یہ تو میری پوناپارٹ کے تجزیہ کا اعادہ ہے۔ یہ تو ادبی انتقاد کا پہلو ہے، نفسیات کے باب میں بھی لاکاں اس سے بہت زیادہ مختلف اس لیے نہیں ہے کہ وہ فرانسیسی ماہرین نفسیات مارگریٹ دیوڈ کے مضمون سے مستعار ہیں۔[۱۹] اب نہ تو لاکاں ادبی نقاد رہا اور نہ ہی ماہر نفسیات تو اس کی معنویت مابعد جدیدیت میں کیوں کر باقی رہ سکتی ہے۔

فوکو اور لاکاں کے بعد گوپی چند نارنگ کے قائدین مابعد جدیدیت میں ایک نام دریدا کا بچتا ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ دریدا مغربی فلسفے سے زیادہ مشرقی فلسفے کی طرف راغب تھا۔ اسے لاتشکیلی مسائل میں دلچسپی نہ تھی۔ وہ اپنی نسلی و تناسلی رشتوں کی ترغیبات کے زیر اثر بھی تھا۔ اس نے اپنے فلسفے کی بنا نٹشے پر رکھی کہ فرق والتوا کے معنیاتی رشتے رد اضداد یا Undoing of opposites بہت واضح ہیں۔ یعنی وہ اپنی فلسفیانہ روایت کو اپنا ماخذ بھی بناتا ہے۔ فضیل جعفری نے گائتری چکرورتی کے حوالے سے بتایا ہے کہ دریدا ہیگل، ہسرل، نطشے اور ہیڈیگر سے متاثر تھا۔ اس نے ان فلسفیوں کی مدد سے ہی اپنی فکر کا ساختیہ تیار کیا۔ دریدا کے بارے میں تیقن سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے متن کے انہدام اور تعمیر نو کی طرف پیش رفت کی۔ اس نے معنی کی بازیافت کے بارے میں جو خیالات ظاہر کیے وہ ظاہر اور غیر ظاہر معنی کی تفریق سے معنی کی کھلنے والی نئی جہت ہے۔ متن کا متن بنانے والے سے علاحدہ وجود دریدا کے یہاں ضرور روشن ہوتا ہے تاکہ متن روایتی معنی کے حصار سے آزاد ہو سکے۔ دریدا ایک طرف متن کو قاری کے تصرف میں دیتا ہے کہ متن کے معنیاتی نظام کی متنوع جہتیں منور ہو سکیں لیکن اسے انتشار کا بھی خدشہ ہے اس لیے وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ”بہت سے لوگ مصنف کی منشا کو سمجھے بغیر، اس کی تحریروں پر غاصبانہ قبضہ جمالیتے ہیں اور اس کا استحصال شروع کر دیتے ہیں۔“[۲۰] یہ جاننے بعد کیا یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ دریدا ابہام کے ساتھ تضاد کا بھی شکار ہے۔ غاصبانہ قبضہ اور استحصال کا لفظ استعمال کرکے وہ دراصل یہ بتا رہا ہے کہ متن کے بعض پہلوؤں کو روشنی میں رکھ اسے نظریے کا پابند بنایا جاسکتا ہے اور یہ پابندی متن کی معنویت کو کثرت کا حامل بنانے کے بجائے انتشار کو جنم دے سکتی ہے اس لیے وہ منشائے مصنف کا مکمل استرداد بھی نہیں چاہتا۔ محولہ جملے سے فضیل جعفری یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

”دریدا کا یہ جملہ ظاہر ہے ساختیات، پس ساختیات اور رد تشکیل تینوں کے تابوتوں میں کیلیں ٹھونک کر انھیں زیرزمین کر دینے کے مصداق ہے۔ مصنف کے منشا کے خلاف جہاد چھیڑنے والے موسیو دریدا نہیں چاہتے کہ خود ان کی تحریروں کے معنی کے بے دخل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ان کے مطابق ان کی تحریروں کے وہی معنی نکالے جانے چاہئیں جو وہ خود سمجھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی موسیو رولاں بارتھ کی کتاب "مصنف کی موت" کا ہی نہیں بلکہ خود ان کا اور ان کے پورے مکتب فکر کا قلع قمع بھی ہو جاتا ہے۔“[۲۱]

اخذ نتیجہ کی یہ صورت پوری طرح درست نہیں کہی جا سکتی۔ مصنف کی موت کا سوال ایک طرح کا انتہا پسندانہ رد عمل ہے جو منشا مصنف کے شدت پسند رویے کی ضد میں پیدا ہوا ہے کہ متن کے بہت سے امکانات جو مصنف کی منشا اور بسا اوقات اس کے شعور سے پرے ہوتے ہیں لیکن متن کے ترکیبی نظام میں بندھے ہوتے ہیں؛ اب منشائے مصنف کی شدت پسند پیروکاری نئے معنیاتی امکانات کا راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ مصنف کی منشا میں تخفیف اور اس سے مکمل ہائی یہ دو دو الگ الگ باتیں ہیں اور دریدا ان دونوں کے درمیان کی بات کرتا ہے۔ وہ نہ متن کو نظریے کا پابند بنا کر گماشتے کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے اور نہ ہی وہ متن کی تعبیر میں بے مہار آزادی دے کر انتشار معنی کی صورت حال دیکھنا چاہتا ہے۔ ہم اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ وہ معنی کی ایک وحدت پر قانع ہو سکتا ہے لیکن اسے آخری تعبیر نہیں مان سکتا۔ دریدا کے یہاں متن کو کائناتی مظہر میں جو اہمیت حاصل ہے، اس کے بموجب بھی اس کا محولہ بالا قول اسی تعبیر کی تائید کرتا ہے جو اوپر پیش کی گئی۔ ضمیر بدایونی لکھتے ہیں:

”دریدا اساطیر کی ساختیات کو مغربی فلسفہ کی آخری ہچکی قرار دیتا ہے۔ یعنی وہ مابعد الطبیعاتی نظام جو افلاطون، ارسطو روایت سے ہیڈیگر اور لیوی اسٹراس تک پھیلا ہوا ہے اسے دریدا مرکزیت سے پکارتا ہے۔ یہ کلام، مرکزیت نظام فکر ہمیں معنی کی دائمی موجودگی کے فریب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ یعنی معانی کی ایک مستقل اور آزاد دنیا موجود ہے جس کا اظہار زبان اپنے لسانی رشتوں میں کرتی ہے۔ گویا زبان اس خود مکتفی اور آزاد معنی کی دنیا کی ایک شبیہ اور ایک عکس تیار کرتی ہے یعنی نمائندگی۔ دوسرے لفظوں میں حقیقت اور معنویت پہلے سے موجود ہے جو زبان کی خالی گود کو موجودگی سے آشنا کرتی ہے اور اس طرح لسانی خلا یا فقدان کا زوال واقع ہوتا رہتا ہے اور زبان کی دنیا معنی کی دنیا کے تابع ہو جاتی ہے۔ موجودگی کی مابعد الطبعیات زبان کو تخلیقی فعلیت سے خالی قرار دیتی ہے۔ معنویت سے نا آشنا اور حرکت و جنبش سے محروم ایک

جامد وجود سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی وہ دنیائے معانی کے ساتھ طلوع ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ہی غروب بھی ہو جاتی ہے۔

ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے

دریدا حقیقت کو اس کے بالکل برعکس خیال کرتا ہے اس کے نزدیک دنیائے معانی تو لسانی رشتوں سے پیدا ہوتی ہے اس کا اپنا کوئی وجود نہیں بلکہ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ متن سے باہر کوئی شعور موجود ہے اور نہ کوئی کائنات۔ یہ متن ہے جو معنی کے وجود کو ممکن بناتا ہے اور متن عبارت ہے لسانی ساختوں کی تنصیبات سے۔ معنی اور سچائی لسانی ساختوں کی سطح پر لہروں کی طرح بہتی رہتی ہیں۔"۲۲

متذکرہ بالا بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریدا متن کی خود مختاری کا قائل ہے وہ پوری شعوری دنیا کو ہی متن کے تابع کر دینے پر آمادہ ہے ساتھ ہی وہ منشاے مصنف کی بات بھی کرتا ہے۔ موجودگی کی مابعد الطبیعات اگر زبان کو تخلیقی فعلیت سے خالی کر دیتی ہے تو پھر مصنف سے پرے جا کر متن کی تعبیر کا قاری اساس عمل ایک لحاظ سے مصنف کی موت کا غماز ہے۔ اب کسی قاری کی تعبیر اسی کے لیے اہم ہو سکتی ہے دوسرے کے لیے کیوں اہم ہوگی، اس لیے مابعد نظری مباحث کا وجود میں آنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن جو بات قابل قبول معلوم نہیں ہوتی وہ یہ کسی متن کی قاری اساس تعبیر کو مابعد جدید متن کیوں قرار دیا جائے اور اسے مابعد جدید تعبیر مان کر پڑھا جائے تو ایسی قرأت بھی قاری اساس تعبیر کی حامل ہوگی اور اس سے انتشار کی کیفیت کا پیدا ہونا یقینی ہے اسی لیے دریدا مصنف کو بے دخل کرنے کا خواہاں ہے ساتھ ہی وہ اپنی تعبیر کا استحکام بھی چاہتا ہے یعنی سیدھے سادھے الفاظ میں کہا جائے تو وہ متن کی من مانی تعبیر کا جواز اور فروغ چاہتا ہے تاکہ مختلف شناختوں کے انہدام کا عمل انجام پائے۔ تعبیر کی سطح پر انار کی صورت پیدا ہو۔ مابعد جدید فلسفیانہ کارروائی کا ہدف بہت واضح ہو کر سامنے نہیں آتا۔ اس سے کوئی وقیع تعبیر نظریہ سامنے نہیں آتا جو متون کو انسانی اجتماع کے کارآمد رکھے۔ اس بات کا علم حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ مختلف نظریات کی طرح اس مابعد جدید نظریے کی پشتیبانی کا عمل کون سے محرکات انجام دیتے ہیں۔ فضیل جعفری نے جو باتیں اس سلسلے میں بتائی ہیں وہ بہت چونکانے اور حیرت میں ڈالنے والی ہیں۔ وہ اس کی ذمہ داری "تھیوری" پر ڈالتے ہیں۔ وہ اس "تھیوری" کی جائے پیدائش جان ہاپکنز یونیورسٹی کو بتاتے ہیں کہ وہاں یہ ۱۹۶۶ میں پیدا ہوئی۔ دریدا، بارتھ اور لاکاں جیسے دائیں بازو سے وابستہ لوگوں سے اس نظریے کی بنا ڈالی۔ اس نظریے کی نمود میں سرمایہ

داری کو دخل ہے کہ اسے علمی مذاکرے کا حصہ بنانے میں صنعت کار ہنری فورڈ نے اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۴ میں شروع ہونے والی ویت کی جنگ جو ۱۹۶۴ تا ۱۹۶۵ خطرناک حدود میں داخل ہو گئی تھی، نے اس تھیوری کو ناگزیر کیا۔ دانش ور اور دانش گاہی انسانیت کے پامالی کے خلاف احتجاج پر آمادہ ہوئیں تو انھیں زیر کرنے کا یہی راستہ اختیار کیا گیا انھیں ایسی علمی مباحث میں گرفتار کیا جائے جس سے نکلنے کی صورت نہ ہو۔ فضیل جعفری نے پروفیسر جان ہارورڈ کے حوالے سے یہ بتایا ہے کہ امریکی حکومت کے اشارے پر صنعت کار ہنری فورڈ نے اپنے رفقائے کار کی مدد سے نئے مباحثے کو سرگرم کرنے کا سامان بہم کیا۔ اس نے ۱۹۶۵ میں میٹنگ فرانسیسی دانشوروں کو امریکہ مدعو کرنے کا پروگرام اس لیے مرتب کیا تاکہ مزاحمت پر آمادہ پروفیسروں اور طلبہ کو ایک ایسے مباحثے کی طرف موڑا جاسکے جس سے نکلنے کا موقعہ انھیں طویل مدت تک نصیب نہ ہو۔ فضیل جعفری لکھتے ہیں:

> ”ان حالات میں امریکی حکومت کا فکر و تشویش میں مبتلا ہو جانا ایک فطری امر تھا۔ اسی نازک موڑ پر انتظامیہ نے ہنری فورڈ دوئم سے مدد طلب کی۔ فلنڈرس یونیورسٹی (آسٹریلیا) کے پروفیسر جان ہارووڈ (John Harwood) نے اپنی کتاب (Eliot to Derrida: The Poverty of Interpretation (1989) میں تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکی حکومت کی ایما پر ہنری فورڈ دوئم نے 1965 کے آخر میں اپنے سازشی رفقائے کار (Co-conspirators) کی ایک میٹنگ طلب کی۔ واضح رہے کہ اس وقت تک رولاں بارتھ اور ژاک دریدا وغیرہ کی سارتر دشمنی اور سارتر کے حوالے سے کمیونسٹ دشمنی کے چرچے عام ہو چلے تھے۔ دریدا سارتر کے بارے میں اپنا یہ مشہور جملہ لکھ چکا تھا:”میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنے ڈھیر سارے مسائل پر بالکل غلط رائے رکھنے کے باوجود سارتر کو اتنی شہرت کیسے مل گئی اور اسے اپنے عہد کا دانشورانہ ضمیر کیسے کہہ دیا گیا.....“(حوالہ: فلپ نورس کی کتاب: دریدا، 1987 صفحہ 12)“

چنانچہ ۱۹۶۵ والی اسی میٹنگ میں یہ طے کیا گیا کہ فرانسیسی دانشوروں کے اس گروہ کو امریکہ مدعو کیا جائے تاکہ یہ لوگ ایسے مباحث اٹھائیں کہ ریڈیکل امریکی پروفیسر اور طلبہ ان میں الجھ کر رہ جائیں اور پھر دسیوں برس تک سڑکوں پر نہ آسکیں۔ نتیجے کے طور پر جے۔ ہلس ملر اور پال دی مان نے بحکم حاکم (فورڈ دوئم) اکتوبر ۱۹۶۶ میں The Language of Criticism and the Science of Man کے موضوع پر وہ سمینار منعقد کیا جس میں رولاں بارتھ اور لاکاں کے علاوہ ژاک دریدا بھی موجود تھا۔ اس سمینار کے سارے مصارف

> ہنری فورڈ دوئم نے ہی برداشت کیے اور یہیں سے امریکہ کے توسط سے دریدا کی عالمی شہرت کا آغاز ہوا۔ بقول پروفیسر سدرلینڈ، ردتشکیلی نقاد اور تھیوری کے علم بردار اسٹیبلشمنٹ کے خلاف چیختے چنگھاڑتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ امریکی سرمایہ داری ہی ردتشکیل اور تھیوری کی "شوگر ڈیڈی" ہے۔ (شوگر ڈیڈی سے مراد وہ بوڑھا شخص ہے جو کسی نوجوان عورت عورت پر بے دریغ دولت خرچ کرتا ہے تا کہ آگے چل کر اس کا جنسی اور جسمانی استحصال کر سکے۔ ف۔ج)"[۲۳]

فضیل جعفری کی فراہم کردہ معلومات کی رو سے تھیوری پر ہونے والی پوری کارروائی صنعت کارانہ دفاعی کارروائی قرار پاتی ہے۔ اس کارروائی کا عین مدعا آڈیالوجی سے صعنت اور سرمایہ کی حمایت میں لڑنا ہے۔ گو ہم اسے انسان پرست اور سرمایہ دار فکری نظام کے درمیان دانشورانہ رسہ کشی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ تھیوری سے مابعد جدیدیت کا تعلق یہ بتاتا ہے کہ متن سے وابستہ سیاقی معانی کا انخلا کیوں ناگزیر ہے۔ مصنف کی موت کا تصور بھی کیوں اہم ہے۔ اس سارے تصورات کے غالب آجانے کے بعد مصنف اور متن دونوں ہی مابعد جدید فکر کے تابع ہو کر اپنی وجودی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اردو میں منعقد ہونے والے مابعد جدید علمی مناقشے کی کئی جہتیں "ذہن جدید" کے ذریعے سامنے آتی ہیں۔ اس تنقیدی کارروائی پر گوپی چند نارنگ نے بھی اپنا ردعمل ظاہر کیا۔ انھوں نے فضیل جعفری کے معروضات کا محاکمہ کرنے کے بجائے ان کے تنقیدی معروضات کو اپنے خلاف ردعمل مان لیا۔ فضیل جعفری نے مابعد جدیدیت تھیوری اور ساختیات و پس ساختیات پر جن نوع کے اعتراضات کیے نارنگ نے اسے سنجیدہ تنقیدی کارروائی خیال کرنے کے بجائے بغض عناد اور سازش پر محمول کیا۔ وہ اپنے مضمون "مابعد جدیدیت کے حوالے سے کشادہ ذہنوں اور نوجوانوں سے کچھ باتیں" میں لکھتے ہیں:

> "جس طرح کی غیر ذمہ دارانہ باتیں وہ (فضیل جعفری) میری کتاب کے بارے میں ارشاد فرما چکے ہیں، تقریباً اسی کج فہمی کا اظہار انھوں نے نہایت طمطراق سے مابعد جدیدیت کے بارے میں بھی فرمایا ہے۔ کاش انھوں نے کچھ سنجیدہ نکات اٹھائے ہوتے تو گفتگو آگے بڑھتی۔ بعض لوگ خود کو عقل کل سمجھتے ہیں اور انھیں یقین ہوتا ہے کہ آخری سچائی انھیں پر اتری ہے۔ افسوس کہ ادب میں نہ تو کوئی آخری پیغمبر ہوتا ہے اور نہ کوئی آخری سچائی ہوتی ہے۔ غالب نے شاید اسی لیے کہا تھا کہ قتیل کا کہا ہوا، وحی یا الہام نہیں کہ میرے لیے واجب

التسلیم ہو۔ قتیل تو پھر بھی صاحب کتاب تھا،ہمارے کرم فرماوں کے پاس کتاب تو کیا ورق بھی نہیں،لے دے کے کچھ ہے تو ذہن جدید“۔۲۴؎

مابعد جدید فکر پر صنعت کار کی پشت پناہی اور مزاحمت کے خلاف دانشورانہ رسہ کشی میں اس فکر کا استعمال ایسے پہلو ہیں جو اپنا قرار واقعی جواب چاہتے ہیں۔ متن پر قاری کی حکمرانی اور اخذ معانی کی غیر مشروط آزادی اور اس پر مستزاد مختلف صغیری بیانیوں کا استعمال؛ یہ مباحث پسند و ناپسند پر مبنی نہیں بلکہ سنجیدگی سے محاکمے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ نارنگ نے ان سنجیدہ اعتراضات کو سرے مسترد کر دیا گویا کہ ان کے پاس ان سوالوں کا جواب نہیں ہے۔ اسی مضمون میں ”غیر مشروط“کو ایک فرضی خیال ظاہر کرتے ہیں اور مابعد جدیدیت کو ایک آئیڈیا لوجی تسلیم کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ آگے وہ اردو کے تکثیری مزاج کی بات کرتے ہیں۔ مابعد جدیدیت میں صغیر بیانیوں کا اجتماع اور ہندستانی سماج کی تکثیریت دو الگ الگ مظاہر ہیں۔ ایک مادی اور ٹھوس سماجی مظہر ہے اور دوسرا ایسا نظریاتی مظہر جسے سنجیدہ مظہر کے طور پر قبول کرنا بھی بغیر قرار واقعی بحث و تمحیص کے ممکن نہیں ہے۔ ہندستانی تکثیریت رد تشکیل یا کسی انہدام کی نہ تو داعی ہے اور نہ ہی اس کی متحمل ہے اور مابعد تکثیریت اس کی داعی ہے۔ اس لیے نارنگ کا اس نوع کا خیال دراصل معقول اعتراضات نہ قبول کرنے جیسا ہے۔ نارنگ کے زیر بحث مضمون کا عنوان کسی تنقیدی بحث کا مضمون معلوم نہیں ہوتا۔ یہ اپنے آپ ایک ایسا دعوت نامہ نظر آتا ہے جو نئے کی تلاش میں رہنے والے تیز طبیعت کے لوگوں کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ جس انداز میں ترقی پسند عناصر کو راغب کرنے اور مابعد جدیدیت کو مستحکم کرنے کے قواعد مرتب کرتے دکھائی دیتے ہیں؛اس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ان کے پاس ان اعتراضات پر بات کرنے کا موقعہ نہیں تھا۔ وہ بھی کئی ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کی رائے کو متضاد سمتوں میں بھٹکتا ہوا دکھاتی ہیں۔ ایک طرف وہ جدیدیت اور ترقی پسندی کے مباحث کو رد کرتے ہیں تو دوسری طرف ترقی پسند عناصر کے لیے قدرے نرم گوشے بھی پیدا کرتے ہیں کہ جدیدیت کی ملامت سے نالاں طبقہ ان کا حلقہ بگوش ہو سکتا ہے۔ وہ بیک وقت مابعد جدید مکالمہ کو آئیڈیالوجی بھی بتاتے ہیں اور آزاد بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ اسی تضاد بیانی کا شکار ہیں جس سے مابعد جدید کے اساطین دوچار ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ مابعد جدیدیت کا ہندستانی ماڈل بھی تیار کرنا چاہتے ہیں ۔ الغرض اردو مابعد جدیدیت پر مضبوط مکالمہ قائم کرنے میں ”ذہن جدید“نے اہم کردار ادا کیا۔

”ذہن جدید“ نے تنقید کے عمومی نظری مباحث کے ساتھ افسانے کی تنقید کو جگہ دی۔ افسانہ سے متعلق نظری و عملی تنقیدی مباحث اس رسالے کا حصہ بنے۔ افسانے کے جدید مباحث کو سر گرم تنقید کا حصہ بنانے میں شمس الرحمان فاروقی اور وارث علوی کا حصہ زیادہ ہے کہ انھوں نے فکشن کی تنقید پر محاذ سنبھال کر دوبدو مکالمے کی جو صورت پیدا کی؛ اس نے فکشن تنقید و تخلیق دونوں سے متعلق عام رجحان میں تبدیلی پیدا کی اور افسانے پر ہونے والی رسمی گفتگو پلاٹ کردار، منظر نگاری اور مکالمہ سے نکل کر صنفی شناخت اور شعر وافسانہ میں زبان کے استعمال اور اصناف کے ترکیبی مزاج تک جا پہنچی۔ اس سے شاعری اورافسانے کے درمیان برتری وکم تری کی بحث شروع ہوئی۔ وارث علوی نے اپنے مضمون ”شاعری اور افسانہ“ میں بات شاعری وافسانہ کے موازنے سے شروع کی۔ سب سے پہلے انھوں نے محمود ہاشمی کا یہ قول نقل کیا: ”ادب یا لٹریچر یا آرٹ نام ہے شاعری، مصوری اور موسیقی کا لیکن یہ افسانہ بیچارہ خوامخواہ گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح ادب کے چکر میں پڑا ہوا ہے۔“[۲۵] وارث علوی نے اس مضمون میں پہلے یہ بتایا کہ کس طرح نثر کے رواج پانے کے بعد کلاسیکی بیانیہ اصناف شعری ہیئت سے نثری ہیئت کی طرف منتقل ہونے لگیں۔ مثنوی، رزمیہ، منظوم ڈراما وغیرہ نثر کے مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی انتہا کو پہنچ گئیں۔ ان کی جگہ نثر میں دیگر اصناف نے لے لی اور وہ رواج میں آ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے شاعری کی اہم خصوصیت یعنی زبان سے اس کے رشتے کے بارے میں بات کی کہ یہ رنگوں اور سروں کے بجائے لفظ کے ذریعے اظہار پاتی ہے اور زبان ہی اس کا وسیلہ اظہار ہے اس لیے مصوری و موسیقی کی بہ نسبت نثری اصناف سے اس کا تعلق زیادہ گہرا اور وقیع ہے۔ نظم کے نئے فارم کی ایجاد نے شاعری کو آہنگ کی ایک ایسی قسم سے آشنا کیا جو نثریت کی طرف مائل ہے۔ آزاد نظم نے تو اردو شاعری کی مروج روایت میں لیریکل وصف میں ایک لحاظ سے صدمہ ہی پہنچایا کہ وزن کی سلامتی کے باوجود حرف روی وغیرہ میں یکسانیت کی سابقہ صورت جاتی رہی۔ موسیقیت کے اوصاف بیانیہ شاعری میں اس سطح پر باقی نہ رہے۔ علوی لکھتے ہیں:

”.... بعض جدید نقادوں کا تو یہ کہنا ہے کہ شاعری کو جو چیز موسیقی سے افضل تر فن بناتی ہے وہ اس کا دانشورانہ مظروف Intellectual Content ہے۔ شاعری خیالات کو انگیز کرتی ہے اور فکر کو حرکت میں لاتی ہے۔ لطیف ترین غنائی شاعری بھی اس دانشورانہ مظروف سے محروم نہیں ہوتی اور شاعری کی دوسری قسمیں مثلاً بیانیہ یا ڈرامائی یا ماجرائی تو خاصا کھرا مواد لیے ہوتی ہیں۔ رزمیہ میں یہ مواد سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہوتا ہے کیوں کہ رزمیہ کا کینوس بہت بڑا ہوتا ہے۔ اسی لیے مصوری اور موسیقی کے برابر شاعری کو پہنچانے کے لیے طویل نظموں تک کو

شاعری کے دائرے سے خارج کرنا پڑا۔ گویا ایسی نظم ہی شاعری قرار پائی جو مختصر ہو، غنائی ہو، امیجسٹ ہو اور حیاتی ہو۔ شعر کو سنگیت یا شعر محض بنانے کی یہ تمام کوششیں کتنی کامیاب یا ناکام ہوئیں، اس کی بحث کا یہ موقع نہیں۔"۲۶

گو وارث علوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کسی فارم کو اس کے طریق اظہار میں مستعمل وسائل سے شناخت کرنا مناسب تنقیدی رویہ ہے۔ رنگ و صدا کے فارم کو شاعری سے ملانے اور بحیثیت فن شاعری کا ان سے موازنہ کرنے کے نتائج مفید طلب نہیں ہوتے؛ اس لیے اصناف کے موازنے میں اظہار کے وسیلے کے طور پر مستعمل وسیلہ زبان کے برتاؤ کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ افسانہ اور شاعری دونوں زبان کے میڈیم سے گزر کر ہی وجود میں آتے ہیں اس لیے بحث کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ شاعری کس انداز میں زبان کو استعمال میں لاتی ہے اور افسانہ اسے کس طرح برتتا ہے۔ وارث علوی یہ بتاتے ہیں کہ جس طرح شاعری تشبیہ، استعارہ اور علامت کو استعمال میں لاتی ہے؛ افسانہ بھی اپنے فارم کی وسعت کے امکان کی حدود میں ان کا استعمال کرتا ہے۔ وہ منظر نگاری اور مختلف مکانوں کی پیکر نگاری میں فکشن کی تخلیقی زبان اور عام صحافتی زبان کا فرق واضح کرتے ہیں۔ اب افسانہ اور شاعری کے درمیان تقابل کے بعد تعین قدر اور درجہ بندی کا سوال سامنے آتا ہے۔ وارث علوی اس بات سے خوب واقف ہیں کہ افسانہ میں زبان بطور مقصود مستعمل نہیں ہوتی بلکہ اس کا مصرف وسیلہ کی حد تک ہے۔ اسی لیے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جدید قاری کا ذہن صحت زبان سے زیادہ دوسرے پہلوؤں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ اور یہ پہلو نفسیات، فلسفے، اخلاق اور معاشرت سے متعلق ہیں۔ وہ افسانے کی تنقید کو لسانیات و ساختیات تک محدود کرنے کے اس لیے مخالف ہیں کہ ایسا کرنے سے اس کا اشرافیائی کردار قائم ہوتا ہے جو جدید ادب کے جمہوری عمل سے مطابقت نہیں رکھتا۔ وہ افسانے اور شاعری کا موازنہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں:

"تخلیقی تخیل زبان کی کرشمہ سازیوں کو اعجاز میں بدلتا ہے اور تخلیقی تخیل افسانہ نگار کے پاس بھی اتنا ہی ہوتا ہے جتنا شاعر کے پاس۔ حماسہ خواں اور داستان سرا دونوں کے منھ سے الفاظ ہی نکلتے ہیں لیکن سامعین تو ایک انوکھی، انجانی اور عجیب و غریب دنیا میں پہنچ جاتے ہیں...... مختصر یہ کہ جمالیاتی عمل کے ذریعے قاری کے ذہن کو مسرت و بصیرت کے خزانوں سے مالامال کرنے کے لیے شاعر، افسانہ نگار اور ڈراما نگار تینوں تخلیقی تکیل ہی کا استعمال کرتے ہیں، چونکہ تینوں کا دائرہ کار الگ الگ ہے، اس لیے تینوں کا طریقہ کار بھی الگ الگ ہے۔ ہمیں تینوں کے فرق کو شناخت کرنا چاہیے اور تینوں کے دائرہ کار کی حدود میں ان کے طریقہ کار

کی خصوصیات پر نظر رکھنی چاہیے۔ کسی چیز کا دوسرے سے مختلف ہونا اس کے کم تر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔"۲۷

وارث علوی زبان کو شاعری اور افسانے میں بنیادی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ حماسہ خواں اور داستان گو کا موازنہ کرتے وقت یہی بتانا چاہتے ہیں کہ دونوں ہی زبان کے سحر میں سامع کو باندھتے ہیں؛ ایک نثر سناتا ہے اور دوسرا شاعری۔ وہ صنفی تفریق کے قائل ہوتے ہیں اور ہر صنف کے اظہاری و تخلیقی حدود کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ افسانے اور نظم کی زبان کے عمل کو نشان زد کرتے وقت یہ دیکھتے ہیں کہ نظم حشو وزوائد کی متحمل نہیں ہوسکتی اس میں زبان کا تستعلیقی عمل کار فرما ہوتا ہے۔ وہ تجرید، ابہام، اجمال اور آفاقیت کو نظم کے خواص میں شمار کرتے ہیں جب کہ افسانے کو تجرید کے بجائے تجسیم اور تنزیل کا پابند بتاتے ہیں۔ علوی لکھتے ہیں:

"افسانہ تجرید نہیں، تنزیل ہے، خیال سے حقیقت کی طرف نزول ہے۔ اسی لیے تو ایک معنی میں وہ تمثیل و تجسیم بھی ہے۔ خیال کی تجسیم محسوس حقیقت میں یہ نزول ہے عالم خیال سے عالم مثال کی طرف غالب کے الفاظ میں کہیں تو لطافت سے کثافت کی طرف، جوہر آئینہ سے زر نگار کی طرف حشو وزوائد جو جزئیات نگاری کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں، افسانوی تخلیق کا اتنا ہی ناگزیر حصہ ہیں جتنا بچے کی پیدائش کے وقت خون اور پانی کا بہنا یہی تو بچے کی تولید کی ضروریات ہیں۔"۲۸

اس نکتہ نظر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ افسانہ محض لطیف پہلوؤں کا بیان نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اشیا کو ملفوف کرنے کے لیے بتاتا ہے بلکہ اس میں دکھانے کا عمل بھی شامل ہوتا ہے اور یہی دکھانے کا عمل واقعہ کو اس کی منظری صورت میں سامنے لاتا ہے اسی لیے اس میں کثافت کا ہونا یقینی ہے۔ تجرید و تجسیم کی بحث بھی خوب ہے اور بظاہر یہ غزل اور افسانے کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے ورنہ اردو کی بیانیہ اصناف میں تجسیم کی صورتیں خوب خوب موجود ہیں۔ غزلیہ اشعار میں بھی تجسیم بالکل عنقا نہیں ہے۔ بہر صورت شعر اور افسانہ میں تجرید و تجسیم کو بطور سوال زیر بحث لانا مناسب ہے کہ افسانہ محض خیال نہیں ہے اس کی بنیاد واقعہ پر قائم ہوتی ہے۔ واقعہ کا تعلق انسان کے عملی تجربے سے ہے اس کے محض تخیلی اور نظری دنیا کا وہ حصہ نہیں ہے اس لیے اس کا تجسیمی ہونا تو معقول بات ہے لیکن افسانے صرف افسانہ نگار کے عملی تجربے سے بنتے ہوں اور اس میں اس کی قصہ گوئی کی مخترعانہ قوت کار فرمانہ ہو، ایسا بھی نہیں ہے۔ ایسے افسانے جو انسان کے باطن یا تخئیل سے معاملہ کرتے ہیں، ان میں بہت سے

نظری مباحث اور تجریدی خیالات بھی شامل ہوتے ہیں، اس لیے علوی کی یہ تفریق حقیقت پسندی پر ہی منطبق ہو سکتی ہے وہ بھی ایک حد تک۔

وارث علوی بیانیہ کی تشکیل و تعمیر میں زبان کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کس طرح ایک خراب بیانیہ افسانے میں صحافتی رنگ راہ دینے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس نوع کے اسقام کو دور کرنے میں زبان کا خلاقانہ استعمال بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ علوی لکھتے ہیں:

> "بیانیہ اگر ناقص ہے تو شہر کا بیان اکثر سفرناموں کی طرح اکتا دینے والا بنتا ہے۔ بیانیہ جب شہر کی تاثراتی تصویروں کو لفظی پیکروں اور استعاروں میں ڈھالتا ہے تو شہر کا بیان تخیلی اور تخلیقی بنتا ہے ورنہ محض صحافتی یا سیاحتی رپورٹنگ کی سطح پر رہتا ہے۔ شہر کی فضاؤں اور کیفیتوں کو لفظی پیکروں میں ڈھالنے کا کام بیانیہ کر ہی نہیں سکتا؛ اگر وہ زبان کی مرقع سازی اور امیج سازی کی مخفی قوتوں سے واقف نہ ہو۔ بیانیہ کے ذریعے ہم شہر میں گم ہو جاتے ہیں اور ہماری یہ گم شدگی ہمیں بیانیہ اور اس کے لسانی حربوں دونوں سے بے خبر کر دیتی ہے۔"۲۹

اس اقتباس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ افسانے میں زبان کا استعمال محض واقعے کی پیش کش کے لیے نہیں ہوتا بلکہ واقعے کی صناعانہ پیش کش کے لیے ہوتا ہے۔ افسانہ نگار زبان کو ایک فن کار کی طرح برتتا ہے، واقعہ کی روایت اور مقام کا بیان، اس کا رویہ صحافی اور سیاح دونوں سے مختلف ہوتا ہے۔ وہ ایسا اسلوب استعمال کرتا ہے جس سے واقعے کی سفاکی، سفاہت، اصابت یا کوئی اور پہلو بالکل ہوتا ہوا دکھے اور اس سے واقعے کی نمود اس طرح سے ہو کہ ہم واقعہ کو اس کی مطلوبہ طرفوں کے ساتھ فن کی سطح پر قائم ہوتا دیکھ سکیں۔ افسانے کی زبان ایسی ہوتی ہے کہ واقعے میں قاری کے شعور کو شامل کرنے اور بسا اوقات تو تحلیل کرنے پر قادر ہوتی ہے۔

علوی افسانہ کی صنفی خصوصیات میں اس وصف کو بھی شامل کرتے ہیں کہ وہ نظری ترغیبات کا شکار ہونے کے بجائے حقیقت پسند بیانیہ کا پابند ہے۔ وہ انقلاب گزرنے کے بعد خاک و خون میں لتھڑی زندگی کا بیانیہ مرتب کرتا ہے۔ افسانہ نگار کے کام نکتہ آغاز ہی وہ مقام ہے جہاں مذہبی ترغیبات، وابستگیاں اور عقائد کام کرنا بند کر دیتے ہیں۔

شمس الرحمان فاروقی اور وارث علوی کا افسانے کے باب میں ہونے والا ادبی معرکہ بہت مشہور ہوا۔ شمس الرحمان فاروقی نے "افسانے کی حمایت میں" کے نام سے اپنے سلسلہ وار مضامین میں افسانے کی صنفی حیثیت

پر سوال اٹھائے۔ یہ مضامین بعد میں اسی نام سے کتابی شکل میں شائع بھی ہوئے۔ وارث علوی نے شمس الرحمان فاروقی پر جو اعتراضات وارد کیے اس پر نہ سہی وارث علوی پر فاروقی کا ردعمل سامنے آیا اور وہ بھی فکشن کی تنقید میں اپنے اور علوی کے تقابل کی صورت میں:

"مثال کے طور پر وارث علوی کو مندرجہ ذیل سوالات سے دلچسپی ہے:

1۔ فکشن میں آفاقی تصورات اور کائناتی حقائق (ذاتی اخلاقیات) کس طرح بیان ہوں؟ ان چیزوں کی اہمیت فکشن کے حوالے سے بیان کرو۔

2۔ کردار نگاری میں باریکی اور پیچیدگی سے کیا مراد ہے؟ ای ایم فوسٹر کے حوالے سے بیان کرو۔ بہت ہمت کرو تو پرسی لباک اور ہنری جیمس سے پوچھ کر آؤ

3۔ ابتدائے آفرینش سے انسان کہانی کہتا رہا ہے۔ لہٰذا فکشن میں قصہ پن ہونا چاہیے۔ اس مضمون پر پچاس صفحات سے زیادہ کا مضمون لکھو۔

4۔ پلاٹ کی خوبی اس میں ہے کہ وہ مربوط ہو اور پڑھنے والا ہر قدم پر پوچھے کہ اب کیا ہوگا؟ اس اصول کو تیرتھ رام فیروزپوری، ابن صفی، سعادت حسن منٹو اور سلام بن رزاق کے حوالے سے مفصل بیان کرو۔

5۔ افسانے میں زندگی کا مشاہدہ اور مطالعہ ہونا چاہیے۔ واضح کرو زندگی وہی ہے جو تم دیکھ رہے ہو اور مشاہدہ وہی درست ہے جو تمھارا ہے۔

6۔ فکشن میں نفسیاتی سچائی، کرداروں کی ذہنی کشمکش کے ذریعے ظاہر ہونا چاہیے، ثابت کرو۔

7۔ افسانے میں واقعیت کا تصور کیا ہے؟ پریم چند اور منٹو کے افسانوں میں عورت کے کردار کی تفصیل بتاتے ہوئے واقعیت کی وضاحت کرو۔

اس کے برخلاف فکشن کی تنقید میں مجھے جن سوالوں سے دلچسپی ہے وہ کچھ اس قسم کے ہیں:

1۔ بیانیہ کی کتنی قسمیں ممکن ہیں ان میں فکشن کا کیا مقام ہے؟

2۔ افسانہ اصل واقعہ ہے یا واقعے کی نقل ہے؟

3۔ افسانے کے مصنف، اس سے راویوں اور اس کے مفروضہ، مخفی مصنف میں کیا فرق ہے؟ ان تینوں کی کشاکش افسانے پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟

4۔ اگر راوی واحد متکلم ہو تو فکشن کس طرح بنتا ہے ؟ اور اگر فکشن میں راوی OMNIPRESENT ہو تو فکشن کس طرح کا بنتا ہے ؟

5۔ افسانے میں واقعہ Event کس چیز کو کہتے ہیں کتنی طرح کے Event ممکن ہیں ؟ کیا مختلف طرح کے Event مختلف قسم کا فکشن بناتے ہیں؟

6۔ کیا پلاٹ کی کلاسیکی تعریف کے علاوہ کوئی اور تعریف ممکن ہے ؟

7۔ کیا مختلف قسم کے بیانیوں میں مختلف قسم کے PATTERN ہوتے ہیں؟ کیا PATTERN کی بنیاد پر مختلف طرح کے افسانوں کو CLASSIFY کر سکتے ہیں؟

8۔ افسانے میں کردار مقدم ہے یا پلاٹ ؟ کیا ان میں سے ایک کو منہا کر کے بھی فکشن بن سکتا ہے ؟

9۔ کیا وہ قاعدے جن کی رو سے فکشن بنتا ہے، ان قاعدوں سے مختلف ہیں جن کی رو سے شاعری بنتی ہے ؟۳۰؎

فاروقی نے وارث علوی کی تنقید کے بارے میں اپنی منشا پر صاد آنے والے نکات مرتب کیے اور اسے علوی کے انتقادِ فکشن کے بنیادی نکات کے طور پر متعارف کرایا۔ علوی نے فاروقی کے نشان زد کردہ نکات سے باہر فکشن کے کئی نئے پہلو پیش کیے۔ صنف کے تقابل اور مطالعہ میں صنفی حدود پر انھوں نے بات کی۔ سب سے پہلے علوی نے ہی اظہار کے طریقوں میں فرق کی وجہ سے زبان میں در آنے والے فرق کو نشان زد کیا۔ شاعری کی زبان بالخصوص غزل کی زبان کی تراش خراش، نزاکت لطافت، خیال بندی، مضمون آفرینی کے سبب اظہار کے جن پیرایوں کی پابند ہوتی ہے فکشن کی زبان ان پیرایوں کی پابندی نہیں کرتی۔ فکشن کی زبان تو اپنے زمان و مکان کا تتبع کرتی اور کرداری و مقامی خصائص پر نظر کرتی ہے کہ ان کی ممکنہ زبان کیا ہو سکتی ہے۔ افسانوں کا دستاویزی پس منظر بھی زبان کی ماہیت کو متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وارث علوی کا ترجیحی فکشن حقیقت پسند بیانیہ پر مبنی فکشن رہا ہے۔ ایسے فکشن میں کردار، واقعہ یا پلاٹ کے مسائل کلیدی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان پہلوؤں پر بحث نہ کرنا گو کہانی کہنے والے کی اس صناعی اور فنکاری کے باب میں خاموش ہونا ہے جو اس نے کہانی تعمیر میں دکھائی ہے۔ جدید افسانہ جس سے پلاٹ اور کردار سے منہا کیا گیا یا برائے نام اس میں شامل رکھا گیا؛ اس فسانے کی تنقید کے مسائل مختلف تھے۔ اب ایسے افسانوں میں پلاٹ یا کردار پر گفتگو کے لیے امکان ہی نہ تھا اور اس طرز کے

افسانوں پر بہت اثر اس تصور فن کا بھی تھا جو دستاویزیت کے عنصر کی تخفیف کرکے افسانوی انسلاکات کو اور زیادہ وسعت دینا چاہتی تھی۔ افسانے کی اس روش نے کہانی پن کو متاثر کیا اور اس کے مفید نتائج سامنے نہیں آئے۔ وارث علوی نے جدید افسانے پر جو کچھ لکھا اس میں اس بات کی نشان دہی کی کہ جدید افسانہ خلیل جبرانیت یا ٹیگوریت کا شکار ہو گیا۔ اب کہیے کہ خلیل جبرانیت اور ٹیگوریت کیا ہے مناجات یا خود کلامی کی وہ صورت جو بسا اوقات اس حد تک شخصی ہوتی ہے کہ اس کی ترسیل مشکل ہو جاتی ہے اور بسا اوقات اس حد تک خطابی لہجہ اختیار کر لیتی ہے کہ کہانی کا گمان جاتا رہتا ہے۔ اس نوع کے جن پہلوؤں کی طرف وارث علوی نے اشارے کیے وہ فکشن کی تنقید میں اہمیت کے حامل ہیں۔ وارث علوی اور شمس الرحمان فاروقی کے تنقیدی مزاج میں بنیادی فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ شمس الرحمان فاروقی عملی نقاد ہیں اور علوی کی تنقید کو تخلیقی کہا جاتا ہے جو تاثراتی ہونے کا شائبہ بھی رکھتی ہے۔ علوی متن کی حرکیات کو زیر بحث لانے کے بجائے اس کی قرأت کے اثرات کو بیان کرتے ہیں کہ متن کے کون سے پہلو قاری کے ذہن پر نقش بن جاتے ہیں۔ اسی بیچ میں افسانے کی کمی یا خوبی پر کوئی نکتہ آفریں بات بھی کہہ جاتے ہیں۔ فاروقی نے علوی فکشن تنقید کی ترجیحات میں آفاقی تصورات اور کائناتی حقائق کو نشان زد کیا ہے حالانکہ علوی نے اسے شاعری کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک افسانہ زندگی کی کثافتوں اور لطافتوں دونوں کو سامنے لاتا ہے اور اس کا یہ کلی مزاج افسانے کی زبان پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ جس طرح راوی کی بدلتی نوعیت کہانی تشکیل پر اثر انداز ہوتی ہے اسی طرح کردار اور زمان ومکان کے دائرے بھی کہانی کی ساخت اور مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے فاروقی کے نشان زد کردہ نکات ایک طرح سے وارث علوی کی تنقید کا نمائندہ پہلو قرار نہیں پاتے۔

فاروقی نے فکشن کی تنقید میں اپنی دلچسپیوں کو سلیقے سے مرتب کیا ہے۔ جس نوع کے سوالات فاروقی نے افسانے کی تنقید کے بارے میں قائم کیے ہیں ظاہر ہے کہ وہ مغرب میں فکشن کی تنقید کے جاری محاورے کا حصہ رہے ہیں۔ اس لیے اس باب میں فاروقی کی اوّلیت اس حد تک ہے کہ انھوں نے ترجمانی کے فرائض انجام دیے۔ یوں بیانیہ کے اقسام، راوی کی قسمیں اور بیانیہ کی بنت میں راوی کردار؛ یہ ایسے مسائل ہیں جو کہ منطقی دائرے سے تعلق رکھتے ہیں۔ وقوعہ کی اہمیت، پلاٹ یا کردار کے بغیر کہانی کی بنت جیسے مسائل اس تجربیت کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں جو روایت کے مقابلے اپنی شناخت قائم کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہے۔

حالی نے شاعری کی تنقید میں شعری بیانیہ کی اصناف کے باب میں جو کچھ کہا ہے شمس الرحمان فاروقی نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ ہمارا جدید فکشن حالی کے انھیں اصولوں کی پیروی کرتا رہا ہے۔ فکشن کی تنقید کا سلسلہ اس

قدر بھی نیا نہیں ہے جس قدر اس تاثر سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں دراصل اس ترقی پسند ادب پر تعریض کا راستہ بناتی ہیں جس نے تعمیری ادب کی بات کی۔ ادب کو سماج میں صالح عناصر کے داخلہ کا راستہ بنایا۔ حالی کے یہاں یہ پہلو موجود ہے بلکہ حالی اسی تصور ادب کو ترقی پسندی کی اساس کہا جاتا ہے۔ فاروقی اس نقطہ نظر کے ذریعے حقیقت پسند بیانیے کی مجبوریوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ ان کا ایک معروضہ یہ بھی ہے کہ اشتراکی پروپیگنڈے کے لیے افسانہ سب سے مفید تھا اسی لیے ترقی پسندوں نے خوب استعمال کیا۔ فاروقی افسانوں پر جب اپنے نظری مباحث کی تطبیق کرتے ہیں تو وہ یا تو وقوعات کی افتراضی صورتوں کو بنیاد بناتے ہیں یا پھر کسی کمزور افسانے کو پٹخنی دیتے ہیں۔ افسانے میں وہ روایت جو بیسویں صدی کے اوائل سے لے کر فاروقی کے زمانے کی آمد قائم رہی، اس میں فن کے نت نئے تجربے ہو چکے تھے اور طرح طرح کی کہانیاں لکھی جا چکی تھیں لیکن فنی تنوع کی نمائندہ کہانیوں کے انتخاب پر فاروقی نے کوئی توجہ نہیں دی کیوں کہ اس سے ان کے اعتراضات کا عمومی انداز متاثر ہوتا ہے۔ فاروقی نے یہ بات بھی بہت دیر میں تسلیم کی کہ انور سجاد کا جد امجد منٹو ہے، منٹو نے انھیں زبان اور علامتی فارم کا راستہ سجھایا ہے۔ فاروقی نے افسانے کی تنقید میں جن مباحث کو مکالمے کا حصہ بنایا اور جس طرح انھوں بیانیہ کی اقسام، وقوعوں کی نوعیت اور دیگر پہلوؤں پر بات کی، اس طرح انھیں عملی تنقید میں برتنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ افتراضی مثالوں کی جگہ وہ افسانوں سے واقعی مثالیں بھی فراہم کر سکتے تھے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ فاروقی اور علوی نے فکشن کے اہم پہلوؤں کو زیر بحث لانے اور ایک دوسرے مختلف راستے پر چلنے میں کامیابی حاصل کی لیکن ان کی دلچسپیاں مختلف تھیں اور ان کے اپنے حدود تھے جن سے آگے وہ نہیں جا سکتے تھے۔

ہم عصر تنقیدی منظر نامے میں "ذہن جدید" نے عملی اور نظری تنقید کے اہم مضامین شائع کیے جس کا کچھ اندازہ اس فہرست سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

امتحاں اور بھی ہیں	گورباچوف	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص6
اشتراکی دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں	بلراج کومل،	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص7
کے پیش نظر ترقی پسندی کی معنویت	شمس الرحمن فاروقی، قمر رئیس، دیوندر اسر، دحید اختر	

تنقید کشمکش حصہ دوم	باقر مہدی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص22
ٹیگور اور وکٹوریہ	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص108
اردو کہانی کا سفر	جوگندر پال	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص11
ادب میں عصریت کا مفہوم	اختر حسین جعفری، وزیر آغا	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص6
شاعری اور افسانہ	وارث علوی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص10
اقبال کا تصور تہذیب	انور معظم	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص22
اردو فکشن کی تنقید و روایت	شمس الرحمن فاروقی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص32
اردو فکشن تنقید اور روایت اور ادب	یوسف سرمست، فضیل جعفری	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص6
میں عصریت کا مفہوم (تسلسل)	شہزاد منظر، علی حیدر ملک	
عربی، عبرانی اور قصہ گو کی قمیص	انطون شماس	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص18
اب غزل میں بڑی شاعری کے امکانات ختم ہو گئے ہیں	بشر نواز، شہزاد احمد	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991 ص7
افسانے کی تنقید: چند مباحث	عابد سہیل	جلد2 شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص13
فکر اقبال میں وحدت و عرفان کا رشتہ	جیلان کامران	جلد2 شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص24
جدید اردو شاعری	بلراج کومل	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص154
عصمت کے فن کے چند پہلو	وارث علوی	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری 1992، ص8
ٹوبہ ٹیک سنگھ	وارث علوی	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992، ص8
منٹو کے فن میں وجودی صورتحال	ضمیر علی بدایونی	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992، ص16
منٹو کے افسانوں میں کلائمکس کی توسیع	شافع قدوائی	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992، ص28
منٹو کا فن اور اس کا جرم	رضی عابدی	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992، ص34
اردو فکشن تنقید اور روایت	آصف فرخی	جلد2، شمارہ8، جون تا اگست 1992، ص6

ناول پلاٹ اور کہانی	وارث علوی	جلد 2، شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 14
پہلا ہندوستانی ناول	شمیم حنفی	جلد 2، شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 26
نیا قانون چند مباحث	عابد حسین	جلد 2، شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 30
راشد اور نئے آدمی تلاش	ضیاء الحسن	جلد 2 شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 35
ادب کی موت	آلون کیرنن / آصف فرخی	جلد 3، شمارہ 10 دسمبر تا فروری 1993 ص 20
چھوکری کی لوٹ - تجزیہ	وارث علوی	جلد 3، شمارہ 10 دسمبر تا فروری 1993 ص 32
علی پور کا ایلی - تجزیہ	شمیم احمد	جلد 3، شمارہ 10 دسمبر تا فروری 1993 ص 38
بیدی کا افسانہ یوکلپٹس	وارث علوی	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 34
منٹو کے افسانوں کے تجزیے	امتیاز احمد	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 49
منٹو اور بیدی کے افسانوں کی عورتیں	شموئل احمد	جلد 3، شمارہ 12، جون تا اگست 1993، ص 28
بیدی کا افسانہ: کوکھ جلی	وارث علوی	جلد 4، شمارہ 13، ستمبر تا نومبر 1993، ص 6
وزیر آغا-نابالغ شاعری کی ایک مثال	ساقی فاروقی	جلد 4، شمارہ 13، ستمبر تا نومبر 1993، ص 12
فسادات اور ہمارے افسانے	ممتاز شیریں	جلد 4، شمارہ 14، دسمبر تا فروری 1994، ص 11
تجریدی افسانے میں ابلاغ کا مسئلہ	ناصر بغدادی	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 7
بیدی اور ان کی عورتیں	سید محمد عقیل	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 19
مجاز کی یاد میں	وارث علوی	جلد 4، شمارہ 16، جون تا اگست 1994، ص 8
اردو افسانے کا ناسٹلجیا	عابد سہیل	جلد 4، شمارہ 16، جون تا اگست 1994، ص 26
خون-ایک تجزیاتی مطالعہ	شافع قدوائی	جلد 4، شمارہ 16، جون تا اگست 1994، ص 36
پہلی موت-ایک تجزیہ	امتیاز احمد	جلد 4 شمارہ 16، جون تا اگست 1994، ص 40
نقاد بطور دشمن	آصف فرخی	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 11
ہتک- تفہیم نو کی ایک کوشش	امتیاز احمد	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 27

ممتاز مفتی کا افسانہ اصغر ندیم سید جلد5، شمارہ18،مارچ تا نومبر1995، ص31

افسانے کلیانی کا تجزیہ وارث علوی جلد5، شمارہ18،مارچ تا نومبر1995، ص55

اختر الایمان اور نظم کا قاری زبیر رضوی جلد6، شمارہ19،دسمبر تا فروری1996، ص12

اردو نظم 1960 کے بعد شمیم حنفی جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص6

انحراف کی شاعری صدیق الرحمن قدوائی، جلد6، شمارہ20، مارچ تا مئی1996، ص31

جدید نظم ہییت اور تجربے عتیق اللہ جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص39

نئی نظم کی زبان فضیل جعفری جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص49

جدید نظم۔ ہیئت اور تشکیل (مباحثہ) اختر لایمان، جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص58

معین احسن جذبی خورشید الاسلام، آل احمد سرور، مجنوں گور کھپوری

نئے نظم نگار خلیل الرحمن اعظمی جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص63

نئی نظم کے تقاضے جیلانی کامران جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص66

سید کام کرتا ہے اجمل کمال جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص77

کامیو کا نیا ناول جمیل جالبی جلد6، شمارہ20،مارچ تا مئی1996، ص170

تخلیقی اظہار کی آزادی (مباحثہ) آر ملکانی، جلد6 شمارہ21، جون تا نومبر1996، ص8

دلیپ پڈپاونگر، مقبول فدا حسین، گریش ساہنی، رومیلا تھاپر، ستیش گجرال، وشوناتھ پرتاپ سنگھ، اجے ساہنی، پاروتی مینن، کلدیپ کمار

سوغات کا اجرا اور اس کے اداریے خلیل مامون، عزیز اللہ بیگ جلد6، شمارہ22،دسمبر تا مئی1997، ص46

پریم چند سے امرت رائے کی پسرانہ نسبت وشنو کھرے جلد6، شمارہ22،دسمبر تا مئی1997، ص57

ادب، عالمی نظام اور قصہ تمام شد ریاض صدیقی جلد6، شمارہ23، جون تا اگست 1997 ص47

افسانے میتھن کا تجزیہ وارث علوی جلد نمبر6، شمارہ23، جون تا اگست 1997، ص74

سایہ شجر (تجزیہ) مہدی جعفر جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری1998 ، ص42

جنگ آزادی اور ناول معین الدین جینابڑے جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری1998، ص111

لکھنے گئے رقعہ لکھا گئے دفتر وارث علوی جلد7، شمارہ25،مارچ تا مئی1998، ص73

سریندر پرکاش کی قصہ جاتی اسطوریت	مہدی جعفر	جلد 7، شمارہ 26، جون تا نومبر 1998 ص 50
حقیقت نگاری اور ساجد رشید کے افسانے	مہدی جعفر	جلد 7، شمارہ 26، جون تا نومبر 1998 ص 56
اسر کی افسانہ طرازی	مہدی جعفر	جلد 7، شمارہ 26، جون تا نومبر 1998 ص 59
انور خاں کے افسانے	سلام بن رزاق	جلد 8، شمارہ 27، دسمبر تا فروری 1998 ص 86
شموئل کے افسانے	وہاب اشرفی	جلد 8، شمارہ 27، دسمبر تا فروری 1998 ص 97
80 کے بعد کی اردو نظم (تعارف)	فضیل جعفری	جلد 8، شمارہ 28، مارچ تا اگست 1999، ص 14
مخدوم-ایک حقیقی شاعر	یعقوب راہی	جلد 8، شمارہ 28، مارچ تا اگست 1999 ص 107
اردو کا ایک بد نصیب افسانہ	وارث علوی	جلد 9، شمارہ 29، ستمبر تا فروری 2000، ص 95
سلام بن رزاق کے افسانے	مہدی جعفر	جلد 10، شمارہ 30، مارچ تا اگست 2000، ص 56
شوکت حیات کے افسانے	مہدی جعفر	جلد 10، شمارہ 30، مارچ تا اگست 2000، ص 64
کشور ناہید کا تخلیقی تجسس	شمیم حنفی	جلد 10، شمارہ 30، مارچ تا اگست 2000 ص 171
مبین مرزا کی شاعری	شمیم حنفی	جلد 10، شمارہ 30، مارچ تا اگست 2000 ص 179
عابد سہیل کی کہانیاں	محمد حسن	جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 114
نئی نظم نے کروٹ بدلی	سید محمد عقیل	جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 119
تخلیق اور تنقید، بالادستی کس کی (مباحثہ)	ن م راشد، سید احتشام حسین، وارث علوی، شمس الرحمن فاروقی	جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001 ص 128
سو برس اور دس افسانے	دیوندر اسر	جلد 11، شمارہ 32، مارچ تا اگست 2001، ص 5
کارل مارکس کی واپسی	پروفیسر رندھیر سنگھ	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 196
پاکستان کا مزاحمتی ادب	ابرار احمد	جلد 13، شمارہ 35 ستمبر تا فروری 2003، ص 79
فضیل جعفری: ایک نقاد شاعر	یعقوب راہی	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003 ص 104
جون ایلیا کے دفاع میں	مبین مرزا	جلد 13، شمارہ 35 ستمبر تا فروری 2003، ص 135

قومی یک جہتی اور زبان وادب کا کردار	ڈاکٹر وقار احمد رضوی	جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003ص54
اسرار گاندھی اور تانیثی زاویہ	مہدی جعفر	جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003،ص59
یاس یگانہ کا مرتبہ بحیثیت غزل گو	ملک اسماعیل حسن خاں	جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003ص155
مستقبل کا معاشرہ اور ادب	قاضی افضال حسین	جلد14،شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003،ص64
پیش لفظ اپنی نگریا	محمد حسن عسکری	جلد14،شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003ص78
پریم چند بڑے کینوس کے کہانی کار	بھیشم ساہنی	جلد14،شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003ص175
پریم چند کے ادب کی معنویت	فیض احمد فیض	جلد14،شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003ص184
پریم چند کو دوبارہ پڑھنے پر	دیوندر اسر	جلد14،شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003ص186
اسلامی ادب (بحث)	فراق گورکھپوری	جلد14،شمارہ38،دسمبر تا مئی2004 ص27
وارث علوی کی فکشن تنقید	فضیل جعفری	جلد14،شمارہ38 دسمبر تا مئی2004،ص43
اقبال مجید کا ناول "کسی دن"	وارث علوی	جلد14،شمارہ38،دسمبر تا مئی2004 ص65
شمس الرحمن فاروقی کی افسانہ نگاری	محمد منصور عالم	جلد14،شمارہ38،دسمبر تا مئی2004 ،ص84
وارث علوی اور فکشن تنقید (منٹو اور بیدی)	فضیل جعفری	جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004،ص47
ایک نامراد نسل کا نوحہ	شمیم حنفی	جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004ص66
کلچر کا دفاع	احمد سلیم	جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004ص69
شفق کا نیا افسانوی مجموعہ 'وراثت'	وارث علوی	جلد15،شمارہ40،دسمبر تا فروری2005،ص89
سیدھی سچی زبان کا شاعر۔جاوید شاہین	انتظار حسین	جلد15،شمارہ40،دسمبر تا فروری2005،ص209
تخلیقی فن: فرزانگی کم دیوانگی زیادہ	خالدہ حسین	جلد15،شمارہ40،دسمبر تا فروری2005،ص107
اہل لاہور کا دل-اقبال	شہرت بخاری	جلد15،شمارہ40،دسمبر تا فروری2005،ص110
ایک لہکتا گلزار-فراق	ڈاکٹر آفتاب احمد	جلد15،شمارہ40،دسمبر تا فروری2005،ص115
احمد ندیم قاسمی کا افسانوی رویہ	فضیل جعفری	جلد15،شمارہ41،مارچ تا اگست2005ص26

قصہ کہانی کا	انور سجاد	جلد15، شمارہ41،مارچ تا اگست2005، ص121
ناصر کاظمی اور پہلی بارش	ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا	جلد15، شمارہ41،مارچ تا اگست2005، ص126
قاضی عبد الستار کے معاشرتی ناول	وارث علوی	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006 ص69
عزیز احمد اور ترقی پسند تحریک	ڈاکٹر ضیاء الحسن	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006 ص97
نئی صدی کے گرد و نواح میں افسانے	مہدی جعفر	جلد15، شمارہ44 جون تا اگست2006، ص57
فراق اور فاروقی	منصور عالم	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص70
افسانے کا فن اور محمد حسن عسکری	ندیم احمد	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص81
کئی چاند تھے سر آسماں	سید ارشاد حیدر	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص72
اختر الایمان کی ایک نظم	محمد آصف زہری	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص81
وارث علوی کا تنقیدی اسلوب	ضیاء الحسن	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص75
تہذیبی ارضیت نگار-قاضی عبد الستار	صغیر افراہیم	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص84
معاصر ہندی اردو کہانی	شموئل احمد	جلد16، شمارہ،46دسمبر تا فروری2007، ص93
1857کی ادبی اہمیت	محمد حسن	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007 ص21
غزل کا تیسرا نام	باقر مہدی	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007 ص70
غالب-ایک پس منظر	انیس ناگی	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007 ص77
ترقی پسند افسانے کی نقیب اول	ابوبکر عباد	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007، ص83
فراق تخلیقات اور شخصیت	فاطمہ حسن	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007 ، ص90
قصہ-احمد مشتاق کی غزل کا	ندیم احمد	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007 ، ص96
مابعد جدید شاعری کی تلاش میں	اشعر نجمی	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007 ، ص102
منٹو	سعادت حسن	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص112
میرا دوست میرا دشمن (منٹو)	عصمت چغتائی	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص116

منٹو میرا دشمن	اوپندر ناتھ اشک	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص133
منٹو کا فن	وقار عظیم	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص149
منٹو کا ادبی شعور	وارث علوی	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص182
منٹو کا مقام	محمد حسن عسکری	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص194
منٹو کی فنی تکمیل	ممتاز شیریں	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص197
منٹو	ابو اللیث صدیقی	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص203
گنجا فرشتہ	عابد علی عابد	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص209
منٹو ایک اخلاقی فن کار	ممتاز شیریں	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست 2007، ص220
مخدوم کی نظم	زبیر رضوی	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007 ص89
جدیدیت اور مخدوم	علی ظہیر	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007، ص95
مخدوم کا تصور عشق	سید بشارت علی	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007 ص100
درد کے خیمے کے آس پاس	حسین الحق	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007 ص181
میرے بعد میری کتابوں کا کیا ہوگا	بیدار بخت	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007 ص188
خلیل الرحمن اعظمی کی نظریاتی آزادہ روی	ڈاکٹر ضیاء الحسن	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری 2008، ص93
اقبال متین کی افسانہ نگاری	عتیق اللہ	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری 2008، ص100
عالمی بیداری اور اردو شاعری	نجمہ رحمانی	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری 2008، ص108
سریندر پرکاش کی افسانہ نگاری	وارث علوی	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008 ص75
شاعر شکست نور و صدا	خالد سعید	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008 ص110
غالب کی شاعری کا علامتی پہلو (باز خوانی)	محمود ہاشمی	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008 ص134
تہذیب ادب کی شعریات و سیاست	قاضی افضال حسین	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008، ص98
پھلسن: تجزیاتی مطالعہ	اظہار خضر	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009 ص55

موذیل: تجزیاتی مطالعہ　امتیاز احمد　جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009 ص61

شرطیں: تجزیاتی مطالعہ　ارجمند آرا　جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009 ص67

مابعد نو آبادیاتی تہذیبی جارحیت　لطف الرحمن　جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص74

مخدوم اور عصر حاضر　سید بشارت علی　جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009 ص97

قرۃ العینیت　سکندر احمد　جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی2009 ، ص94

روح عصر کی جھلکیاں-لیمپ جلانے والے، ظہیر انور　جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی2009، ص115

منیب الرحمان کی شاعری کی کچھ جہات　زاہدہ زیدی　جلد19، شمارہ54، جون تا اگست2009، ص103

راشد کی شخصیت کے مذہبی رنگ　ڈاکٹر محمد فخر الحق نوری جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009 ص97

عالمی زہر اب اور حسین الحق کے افسانے　پروفیسر وہاب اشرفی جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009 ص110

ماٹی کہے کمہار سے　آصف فرخی　جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009 ص126

منٹو کی چار نادر تحریریں　ڈاکٹر اسد فیض　جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009 ص142

تہذیبی عمل اور کہانیاں　انتظار حسین　جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009 ص147

تانیثیت-مغرب کے حوالے سے　سید خالد قادری　جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی2010 ، ص200

کہانی کا شرف　ابوذر ہاشمی　جلد20، شمارہ57، جون تا اگست2010 ص58

خدائے سخن کے کلام میں جنسی پیکر　ابوبکر عباد　جلد20، شمارہ57، جون تا اگست2010 ص71

مخدوم اور جدیدیت　سید بشارت علی　جلد20، شمارہ57، جون تا اگست2010 ص84

خالدہ حسین کا ناول کاغذی گھاٹ　فاطمہ حسن　جلد20، شمارہ57، جون تا اگست2010 ص88

قافیہ پیمائی اور مضمون آفرینی　ڈاکٹر صفدر　جلد20، شمارہ57، جون تا اگست2010 ص99

آن بان والے محمد حسن　زبیر رضوی　جلد20، شمارہ57، جون تا اگست2010 ص104

اردو کی ادبی صحافت اور پت جھڑ کی آواز　شمیم حنفی　جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر2010 ص9

اردو کی ادبی صحافت (۱۹۰۰سے ۱۹۳۵تک) ڈاکٹر قمر الہدی فریدی، جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر2010 ص18

اردو کی ادبی صحافت (۱۹۳۵ سے ۱۹۵۰ تک) قاضی جمال حسین جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010 ص29

اردو کی ادبی صحافت (۱۹۵۰ سے ۱۹۷۰ تک) صفدر امام قادری جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010 ص39

اردو کی ادبی صحافت (۱۹۷۰ سے ۲۰۰۰ تک) خورشید اکرم جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010 ص50

نظم کے تجزیاتی مطالعے زبیر رضوی جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010 ص113

راشد کی سات نظموں اور راشد کے شعری مجموعوں پر صفدر میر جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010 ص153
میراجی، وزیر آغا، محمد حسن عسکری کا اظہار خیال

"لا-انسان" راشد کا تازہ کلام صفدر میر جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص28

ایران میں اجنبی ضیا جالندھری جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص31

راشد کی طنزیہ شاعری صفدر میر جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011 ص35

ماورا کی نئی دریافت صفدر میر جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011 ص38

غلام عباس کے افسانے محمد حسن عسکری جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011 ص137

اپنے دکھ مجھے دے دو (تجزیہ) ڈاکٹر ماجد داغی جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص121

استعارے کا بھید معید رشیدی جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص154

ساجد رشید کی افسانہ نگاری مہدی جعفر جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011 ص187

فیض کی شعری جمالیات عمران شاہد بھنڈر جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست 2011، ص111

میراجی کی تنقید ناصر عباس نیر جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست 2011، ص132

منتخب اردو شاعری کے ہندی انگریزی ترجمے زبیر رضوی جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص9

انھیں کیا خبر کس دھنک سے مرے رنگ آئے تحسین فراقی جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص26

ثقافت استعماریت اور ن م راشد عزیز ابن الحسن جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011 ص45

اردو میں راشد شناسی کی روایت طارق حبیب جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011 ص45

فیض احمد فیض کی شاعری کا امتزاجی اسلوب ضیاء الحسن جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص73

فیض کی نظم "تنہائی"-چند باتیں   علی احمد فاطمی   جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011 ص78

فیض کی فکشن تنقید کا پہلا باب   ابوبکر عباد   جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011 ص87

کچھ اپنے افسانوں کے بارے میں   منشا یاد   جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص106

وقت سمندر تپسیا کا اعجاز   اقبال آفاقی   جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص111

ناقدین اور منشا یاد (منشا یاد کے بارے میں مختلف ناقدین کی آرا جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص118
احمد ندیم قاسمی، ممتاز مفتی، وارث علوی، امرتا پریتم، محمد علی صدیقی، انتظار حسین

ذات کے حجرہ ہفت بلا میں   سلیم اختر   جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011 ص156

نو پاکستانی خواتین کے افسانے   زبیر رضوی   جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011 ص163

تین گمشدہ آوازیں مظہر امام، مغنی تبسم، شہریار ذہن جدید   جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص8

کھڑکی بھر آسمان (اسد محمد خاں کا جہانِ افسانہ) مبین مرزا   جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص14

ایک قابل ذکر انتخاب: برصغیر میں اردو افسانہ ذ۔ج   جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص196

'نارسا' کا شاعر-ضیا جالندھری   زبیر رضوی   جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص12

'پر آشوب لمحہ' کی ایک مثال   وزیر آغا   جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص14

الوداع ہاجرہ آپا   کشور ناہید   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص9

سب میرے افسانے کا پیش لفظ   ہاجرہ مسرور   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص12

ہاجرہ مسرور کے افسانے   ممتاز شیریں   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص14

جو بک نہ سکا (ذکر منٹو)   ہاجرہ مسرور   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص73

منٹو کو کیوں نہ اس طرح دیکھا جائے   عتیق اللہ   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص83

شعر شعری-ایک نظر (ابتدائی کلام کے حوالے سے) فضیل جعفری   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص99

شعری کا وجدان شعر   حمید نسیم   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص106

رنگ غزل کا دیباچہ   شہزاد احمد   جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص130

تکنیک اور ٹریٹمنٹ (چند افسانوں کے حوالے سے)	مہدی جعفر	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013 ص66
پروفیسر محمد حسن (کھرے انسان، بیباک ادیب)	ارجمند آرا	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013 ص72
منٹو شناسی کی گنگوتری ــ بلراج مین را	محمد اسلم پرویز	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013 ص82
ممتاز شیریں کی تنقید نگاری	ندیم احمد	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013 ص95
تعبیر اور کثرت تعبیر	معید رشیدی	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013 ص104
تین انگریزی ناول (دہشت گردی پر)		جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص115
اردو اور انٹلیکچوئل کرپشن	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013 ص9
علی سردار جعفری (گوشہ)	ذ۔ج	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013 ص11
بلراج کومل (گوشہ)	ذ۔ج	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013 ص30
لطف الرحمن (گوشہ)	ذہن ج	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013 ص41
احمد ہمیش (گوشہ)	ذ۔ج	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013 ص51
راجندر یادو (گوشہ)	ذ۔ج	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013 ص60
کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے	وارث علوی	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص97
خطبہ صدارت: ادب اور ابلاغ	انتظار حسین	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص110
منٹو کے سرریلسٹ افسانے	قاضی افضال حسین	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص119
میراجی اور جدید نظم کا فریم ورک	تبسم کاشمیری	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص139
چراغ تہہ داماں کی شعلہ سامانی	مہدی جعفر	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص152
شکیب جلالی کی غزل	اسلم عمادی	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص163
کلاسیکی غزل میں تصور انسان	طارق محمود ہاشمی	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص168
مین را کی کہانی کتنی مختلف	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ،66، جون تا نومبر2013، ص176
ادبی خانقاہ کا کراماتی درویش	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ67، دسمبر تا فروری2014، ص8

وہ اپنے ہی سورج کی روشنی میں جیا	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 16
ادب اور بورژوائی سماج: ہیئت پسندی	وارث علوی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 19
جمالیات اور اخلاقیات: افسانہ اور اسلوب	وارث علوی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 29
قافیہ تنگ اور زمیں سنگلاخ: کنواں، پانی اور ٹنکی	وارث علوی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 52
ادب اور پروپیگنڈہ	وارث علوی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 65
ادب جن کے لیے اسلوب حیات تھا	سید جعفر احمد	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 74
علی سردار جعفری جلال سے جمال تک	محمد علی صدیقی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 80
بکھرتی دنیا	انتظار حسین	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 137
ادب کی ادبیت	سید خالد قادری	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 142
غالب کی غزل کہانی	ابوبکر عباد	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 147
افسانہ 'وہ' ایک مطالعہ	سید قمر صدیقی	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 154
پریم چند کا ادب اور تنقید حیات	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 15
سردار جعفری کا اسلوب شعر	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 22
نظم اور اس کا پس منظر	وزیر آغا	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 111
منٹو کا نظریہ فن	سحر انصاری	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 123
ہمارے اردو فکشن کا قصہ	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 128
حلقہ ارباب ذوق کی شاعری: تعارف	زبیر رضوی	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 21
سمندر کی تہ میں (راشد کی نظم) کا تجزیہ	محمد حسن عسکری	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 47
احمد ندیم قاسمی کے افسانوی مجموعے	سجاد شیخ	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 56
میراجی کے بارے میں (گفتنی ناگفتنی)	اختر الایمان	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 80
تنقید نقاد	ذ۔ج	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 186

اقبال متین کاافسانہ:متضاد تصویروں کا البم عتیق اللہ جلد25، شمارہ70، ستمبر تا فروری2015، ص169

عبد اللہ حسین (اداس نسلوں کے لیے کہانیاں) ڈاکٹر انوار احمد جلد25، شمارہ70، ستمبر تا فروری2015، ص181

زبیر رضوی ّسنگ صداؑ اور ّصادقہٗ سید خالد قادری جلد25، شمارہ70، ستمبر تا فروری2015، ص198

میرے شوہر (اختر الایمان) سلطانہ ایمان جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص10

پیش لفظ (کلیات اختر الایمان) سلطانہ ایمان جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص14

دیباچہ--ورد کی حد سے پرے بیدار بخت جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص18

اختر الایمان (خاکہ) جمیل الدین عالی جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص34

اختر الایمان محمد حسن جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص44

اختر الایمان کی شاعری کے چند پہلو وارث علوی جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص63

اختر الایمان-ایک منفرد نظم گو باقر مہدی جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص78

اختر الایمان- مراجعت کی ایک مثال وزیر آغا جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص92

اختر الایمان بلراج کومل جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص92

اختر الایمان اور نظم کا قاری زبیر رضوی جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص99

نظم ّاپاہج گاڑی کا آدمیٔ (تجزیہ) زاہدہ زیدی جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص108

ادب واعتبار مجتبی حسین جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص180

ادب اور مذہب مجتبی حسین جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص191

ادب کا مستقبل مجتبی حسین جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر 2015 ، ص199

ذہن جدید فورم سمینار

ابتدائیہ شہپر رسول، احمد محفوظ جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص28

کلیدی خطبہ: اردو افسانے کی نصف صدی مہدی جعفر جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص31

تین افسانے-الاؤ، بالکنی، منتھن تجزیہ نگار: عابد سہیل جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص35

تین افسانے-امربیل،انگڑائی،کارمن تجزیہ نگار: معین الدین جینابڑے جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص44

تین افسانے-باز گوئی تجزیہ نگار: خورشید اکرم جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص54

پرندہ پکڑنے والی گاڑی،ریپ

کلیدی خطبہ فضیل جعفری جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص66

نظمیں-چاند تاروں کا بن، تمہارا شہر تجزیہ نگار: عتیق اللہ جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص76

زمستاں سرد مہری کا

نظمیں-رنگ محفل، رستگاری، ابال؛ تجزیہ نگار: آصف زہری جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص81

نظمیں-شب و روز تماشا، گندے دنوں کا قصہ، صادقہ تجزیہ نگار: ارجمند آراء جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص91

منٹو کا افسانہ ''نکی'' تجزیہ نگار: مظہر سلیم جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص101

جوگندر پال کی ناول نگاری مقصود دانش جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست 2012، ص105

نئے افسانے کے معمار

جیلانی بانو فضیل جعفری جلد7، شمارہ25،مارچ تا مئی 1998 ص35

اقبال مجید شمیم حنفی جلد7، شمارہ25،مارچ تا مئی 1998 ص46

سید محمد اشرف شمیم حنفی جلد7، شمارہ25،مارچ تا مئی 1998 ص50

جو ہم سفر تھے کبھی

خدیجہ مستور احمد ندیم قاسمی جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری 2003 ص112

ایک دل جو خاموش ہو گیا خدیجہ عظیم جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری 2003 ص118

پاس گریباں کا شاعر زبیر رضوی جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری 2003 ص125

بیاض شام کا شاعر زبیر رضوی جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری 2003 ص130

اچھی کہانی کا ایک نام-سریندر پرکاش زبیر رضوی جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری 2003 ص139

سریندر پرکاش-ایک یادداشت انور قمر جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری 2003 ص141

برگ نے والا ناصر کاظمی شہرت بخاری جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست 2003 ص64

رگھوپتی	مجنوں گورکھپوری	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست 2003 ص72
میراجی کے مشن	مظہر ممتاز	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست 2003 ص75
بساط رقص کا شاعر	زبیر رضوی	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست 2003 ص79
صدا بہ صحرا کا یوسف ظفر	شہرت بخاری	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص132
راشد۔ چند یادیں	غلام عباس	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص146
ابن انشا	احمد ندیم قاسمی	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص151
علیم صاحب	منظر سلیم	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص155
ایسی چنگاری بھی یارب	عابد سہیل	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص159
سجاد ظہیر: اپنے ناول کا ایک کردار	علی باقر	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص165
رضیہ سجاد ظہیر۔ میری امی	نور ظہیر	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003 ص171
پریم چند	فراق گورکھپوری	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی 2004 ص127
کرشن چندر	رام لعل	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی 2004 ص137
ٹوٹی ہوئی اکائی۔ سلیم احمد	ڈاکٹر اسلم فرخی	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی 2004 ص147
شاعر مزدور: احسان دانش	شہرت بخاری	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر 2004 ص82
داستاں گو: اشفاق احمد	اے حمید	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر 2004 ص93
داستاں گو: اشفاق احمد	مسعود اشعر	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر 2004 ص115
زمین کا بیٹا: حبیب جالب	جاوید شاہین	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر 2004 ص120
غلام عباس	ڈاکٹر آفتاب احمد	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر 2004 ص126
ن۔م۔راشد	ڈاکٹر آفتاب احمد	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری 2006 ص108
محمد حسن عسکری	انتظار حسین	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری 2006 ص125
شہری مزاح کا شاہ خوباں	محسن احسان	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری 2006 ص143

انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں	ذکیہ ظہیر	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری 2006	ص151
خرقہ پوش نیاز حیدر	زبیر رضوی	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006	ص112
شاعرہ امرتا پریتم	فخر زماں	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006	ص116
پیارے دقیانوسی	باقر مہدی	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر 2006	ص37
آل احمد سرور	عابد سہیل	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر 2006	ص49
جو بک نہ سکا	ہاجرہ مسرور	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007	ص106
بڑے پاپا	جاوید صدیقی	جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی 2009	ص137
سچا اور کھرا منٹو	احمد ندیم قاسمی	جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر 2009	ص14
ماہ وصال عندلیب (قرۃ العین حیدر)	لطیف الزماں خان	جلد20، شمارہ57، جون تا اگست 2010	ص109
بڑے بھائی آغا بابر	اعجاز حسین بٹالوی	جلد20، شمارہ57، جون تا اگست 2010	ص124

فلسطینی ادب

ادب انتفاضہ	زبیر احمد فاروقی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص130
پتھر ختم نہیں ہوئے	جمال جنید	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص132
علوان کی گرفتاری	وہیب سرائی الدین	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص137

ہندوستانی ادب

کنڑا ادب اور رجحانات	حمید الماس	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص144
ہندی ادب	وشنو پربھاکر	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص151
پنجابی ادب	ستندر سنگھ نور	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص156
انگریزی ادب	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر	1990	ص160
تلگو شاعری اور ڈگمبر اشاعری کی تحریک	سی نارائن ریڈی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی	1991	ص115
تجربات کا براعظم و یکیوم محمد بشیر	کے۔پی۔ایم۔بشیر	جلد4، شمارہ15، مارچ تا مئی	1994	ص111

بوکر انعام یافتہ ناول کا تجزیہ	وشنو کھرے	جلد7،شمارہ24،ستمبر تا فروری1998	ص101
برطانوی راج کا آخری قصیدہ گو-نراد سی چودھری	ذہن جدید	جلد8،شمارہ28،مارچ تا اگست1999	ص129
نئی مراٹھی شاعری اور عصری حسیت	ڈاکٹر یونس اگاسکر	جلد9،شمارہ29،ستمبر تا فروری2000	ص131
مراٹھی کی نئی شاعری	ترجمہ:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،مارچ تا اگست2008	ص141

عالمی ادب

جدید عربی شاعری(بارودی اور شابی)	زبیر احمد فاروقی	جلد1،شمارہ2،دسمبر تا فروری1991	ص170
لارنس کے تین نقاد	نرمل گوسوامی	جلد2،شمارہ4،جون تا اگست1991	ص94
سموئیل بیکٹ	نرمل گوسوامی	جلد2،شمارہ4،جون تا اگست1991	ص98
آگاتھا کرسٹی	جہاں آرا وصی	جلد2،شمارہ4،جون تا اگست1991	ص101
ٹیگور- بہ حق عوام محفوظ	گیتا پانڈے	جلد2،شمارہ4،جون تا اگست1991	ص116
پربھاکر ماچوے	ذہن جدید	جلد2،شمارہ4،جون تا اگست1991	ص118
گراہم گرین	جگ سرینیا/شموئل احمد	جلد2،شمارہ5،ستمبر تا نومبر1991	ص99
نثری توارد	اشوک چوپڑہ	جلد2،شمارہ5،ستمبر تا نومبر1991	ص101
ہم عصر افریقی شاعری	وجے کمار/چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ستمبر تا نومبر1991	ص114
سیلا کا فن	ناصر بغدادی	جلد2،شمارہ8،جون تا اگست1992	ص122
جاپانی ادیب او کنزا بورو	ذہن جدید	جلد4،شمارہ16،جون تا اگست1994	ص115
کامیو کا نیا سوانحی ناول	ذہن جدید	جلد4،شمارہ16،جون تا اگست1994	ص117
سیموس ہینی-نوبل انعام یافتہ شاعر	احمد سہیل	جلد5،شمارہ18،مارچ تا نومبر1995	ص125
فرانز کافکا کا جہان	مرزا حامد بیگ	جلد5،شمارہ18،مارچ تا نومبر1995	ص130
محبت کا شاعر-او کتاوَپاز	مانش بھٹاچاریہ/سہیل فاروقی	جلد7،شمارہ25،مارچ تا مئی1998	ص171
پوشکن-دوسویں سالگرہ	ذہن جدید	جلد8،شمارہ28،مارچ تا اگست1999	ص131

سیمعون دی بووار کے عشقیہ نامے	زیرن ان کلے ساریہ	جلد8،شمارہ28،مارچ تا اگست1999ص140
جرمنی کے پانچ بڑے ناول نگار	ذہن جدید	جلد9،شمارہ29،ستمبر تا فروری2000ص146
امرؤالقیس	ڈاکٹر عبدالحلیم ندوی	جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003ص191
عالمی ادب کے کچھ ناول	ذہن جدید	جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003ص201
افسانہ نگار موپاساں	ذہن جدید	جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003ص204
قرۃالعین طاہرہ	قرۃالعین طاہرہ	جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004ص140
پابلو نیرودا	ادیب سہیل	جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004ص156
ماچو پچو کی بلندیاں	ڈاکٹر تبسم کاشمیری	جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004ص170
اسپینی ناول کا لافانی کردار	ذہن جدید	جلد15،شمارہ41،مارچ تا اگست2005ص156
مکی ماؤس (مشہور کارٹونی کردار)	ذہن جدید	جلد15،شمارہ41،مارچ تا اگست2005ص157
ڈونالڈ ڈک (ایک اور معروف کارٹونی کردار)	ذہن جدید	جلد15،شمارہ41،مارچ تا اگست2005ص160
گنتراس کا اعتراف گناہ	ذہن جدید	جلد15،شمارہ44،جون تا اگست2006ص106
نجیب محفوظ کا متنازعہ فکشن	ذہن جدید	جلد15،شمارہ44،جون تا اگست2006ص109
شاعر کولرج کا ادبی اثاثہ	ذہن جدید	جلد15،شمارہ44،جون تا اگست2006ص111
ارض فلسطین کا جیالا شاعر (محمود درویش)	ذہن جدید	جلد18،شمارہ51،مارچ تا اگست2008ص219
امریکی متوسط طبقے کا ناول نگار-اپڈائیک	ذہن جدید	جلد19،شمارہ53،مارچ تا مئی2009ص144
ایلس منرو کی افسانہ نگاری	ذہن جدید	جلد19،شمارہ53،مارچ تا مئی2009ص146
اورحان پامک ممبئی آئے	ذہن جدید	جلد19،شمارہ53،مارچ تا مئی2009ص147
ڈیجیٹل ادب	ذہن جدید	جلد19،شمارہ53،مارچ تا مئی2009ص149

☆☆☆☆☆

کلاسیکی ادب کی تنقید اور ''ذہن جدید''

ہر زبان کے ادب میں اس کے کلاسیک کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ بغیر کلاسیک کے ادبی روایت کی معنی خیزی اور ثقافتی ثروت مندی کی جڑیں مضبوط نہیں ہو سکتیں۔ اردو میں کلاسیکی ادب کا بیشتر سرمایہ غزلوں پر مبنی ہے اگر چہ اس میں مثنوی اور قصیدے کی روایت بھی رہی ہے اور روایت کوئی کم ثروت مند اور مختصر نہیں ہے لیکن کلاسیکی سرمایہ ادب میں غزل کو شاہ سخن کا درجہ حاصل رہا ہے۔ اردو میں یہ صنف جب سے شمالی ہند میں رائج ہے اسی وقت سے اسے یہ درجہ نصیب رہا ہے اگر چہ جدید زمانے میں اسے ترقی پسند یورشوں کا سامنا ہوا اور زندگی کے نئے اندازنے اظہار کے نئے شعری پیرایوں کو جنم دیا لیکن غزل اب بھی تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اپنے اس مقام ومنصب سے دستبردار نہیں ہوئی اور مستقبل قریب میں ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ وہ اس منصب سے دست کش ہو۔ کلاسیکی غزل میں ہندستان کی تکثیری روح نے جگہ پائی اور غزل نے اظہار کے ایسے پیرائے ایجاد کیے کہ اس میں کئی تہذیبی دھارے اور نظری وفلسفیانہ روایتیں ضم ہو گئیں۔ ہند ایرانی عناصر کے ساتھ اسلامی اثرات بھی غزل کا حصہ بنے۔ ہندستان کا علم کلام اور یہاں کی فلسفیانہ فضا نے بھی اردو غزل کو متاثر کیا۔ غزل نے زبان اور علائم کی سطح پر مختلف تہذیبوں کا ایسا امتزاج پیدا کیا جو بہت سی ادبی اصناف میں ہمیں نظر آتا ہے۔ ذہن جدید میں تنقید کے خانے جس پہلو پر کم مضامین شائع ہوئے ان میں سے ایک اردو غزل اور کلاسیک بھی ہے۔ فراق کا ایک مضمون "گناہ اور اردو شاعری" اس رسالے میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں انھوں نے بتایا کہ اردو شاعری میں گناہ ایک مثبت اور انقلابی وباغیانہ قدر کے طور پر استعمال میں لایا گیا ہے۔ یہ مذہبی پیشوائیت کے خلاف ایک نوع کا احتجاج بھی ہے۔ فراق لکھتے ہیں:

”.....اردو شاعری میں سیدھے یا ٹیڑھے طور پر گناہ کا بیان اخلاقی اور سیاسی طور پر ایک بغاوت تھی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے کہ روحانی پیشواؤں نے یہ محسوس کیا کہ وہ زاہد خشک کی زندگی کا پرچار کر کے ہی اپنے رتبے اور مذہبی دبدبے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ اسلام کے وفادار عقیدت مندوں کے ذہنوں میں مذہبی خداؤں نے دوزخ کا مسلسل ڈر اور پریشانی پیدا کر کے اپنے وقار اور مفاد کو بچایا۔ انھوں نے عقیدت مندوں کو مسلسل وعظ کے ذریعے اپنی بات ماننے پر مجبور کیا اور نیکی اخلاق و شریعت کو ایک امتحانی دباؤ کے طور پر پیش کیا۔ اس ایک کٹھن زاہدانہ تصور کے خلاف شاعروں کی آزاد روش ایک اخلاقی بغاوت تھی۔[۱۳]

اردو کی کلاسیکی شاعری کے بارے میں فراق کے زاویہ نظر کو سمجھنے کے لیے صرف یہ مضمون کافی نہیں ہے۔ فراق کے تصور عشق کے بارے میں جو خیالات ہیں، ان خیالات کو جاننے کے لیے ہمیں ایک اور مضمون کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس مضمون کا عنوان ہے ”عشقیہ شاعری کی پرکھ“ اس جائزے میں فراق کا تصور عشق زیادہ غالب ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے عشق کا راستہ شہوانی جذبات اور جنسی ترغیبات سے ہو کر گزرتا ہے۔ وہ اس بات کو معکوس انداز میں ظاہر کرتے ہیں کہ جب تک شہوانی جذبہ اپنے اندر عشقیہ عناصر کو جذب نہ کرے؛ عشقیہ نہیں بنتا۔ گو وہ عشق حقیقی اور مجازی کی تفریق نہیں کرتے بلکہ ان کا عشق گوشت پوست کا عشق ہی ہے اور اسی زاویے سے وہ اشعار انتخاب کرتے اور اس کی تفہیم کے لیے کوشاں نظر آتے ہیں۔ فراق لکھتے ہیں:

”اردو شاعری نے ہندوستان میں جنم لیا۔ یہیں پنپی اور پروان چڑھی۔ لیکن کالیداس، بھوبھوتی، بھرتھری اور دوسرے سنسکرت شعرا کی عشقیہ شاعری نے جن کے مذاقوں کو رچایا ہے، ودیا پتی اور ہندوستان کی دیگر زبانوں کے شعرا کی عشقیہ شاعری نے جن کے مذاقوں کو رچایا ہے، ودیاپتی اور ہندوستان کی دیگر زبانوں کے شعرا کی عشقیہ شاعری، ٹیگور کی عشقیہ شاعری نے جن کے وجدان کو متاثر کیا ہے، سیتا، ساوتری، شکنتلا دمینتی، رادھا تارا سلوچنا، پاروتی کے جگمگاتے ہوئے تصورات نے جن کے دل و دماغ کو منور کیا ہے جنھوں نے ہندوستان کی عشقیہ شاعری میں سورگ کے سنگیت گائے ہیں، ان کے سامنے ہم اردو کی بہترین عشقیہ شاعری پیش کرتے ہوئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ یہاں نقاد کا فرض محض ادبیت یا لوازم فن سے گزر کر زندگی کے ان مسلمات سے اپنے آپ کو روشناس کرنا ہوتا ہے جن کے بغیر بنیادی تنقید ممکن نہیں۔

> جنسی کشش اور جنسی رجحانات میں جب تک جذباتی پائندگی، جذباتی سوز و ساز، نرمی، مانوسیت اور معصومیت حیرت و استعجاب سپردگی، وجدانی محویت اور ایک احساس طہارت کے عناصر گھل مل نہیں جائیں گے اس وقت تک تخیل میں وہ حلاوت اور وہ عنصری طہارت پیدا نہیں ہوگی جو بلندپایہ عشقیہ شاعری کو جنم دیتی ہے اور غم و محبت کی کسک میں خیر و برکت کی وہ صفت بھی پیدا نہ ہوگی جس کے بغیر وہ رس جس یا "پرسادگن" پایا جائے گا۔ جہاں غم و نشاط کا اتحاد ہوتا ہے اور جو دنیا کی بلندپایہ عشقیہ شاعری کی روح رواں ہے۔ ۳۲؎

فراق کے عشق کا تصور چونکہ جسم کا زیادہ قائل ہے اور وہ عشق حقیقی کی طرف مائل ہوتا ہوا دکھائی نہیں دیتا اور پھر اردو کے مزاج میں شامل تکثیریت کی جگہ وہ اثر پذیری کی غالب صورت دیکھنے کا متمنی ہے اس لیے انھیں کلاسیکی غزل کا عشقیہ پہلو نظر نہیں آتا ہے۔ فراق میر مومن تک کے یہاں عشقیہ شاعری کا پایہ بہت پاتے ہیں اور غالب کی چند غزلیں انھیں اپنے مطلوبہ معیار تک پہنچتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر غالب نے ایسی بیس تیس غزلیں اور کہی ہوتیں تو ان کے یہاں شاعری کا عشقیہ پہلو مضبوط ہو جاتا۔ سنسکرت کی شعری روایت نے جس تصور عشق کی پرورش کی اس میں نسائی وجود کو بڑی اہمیت حاصل ہے وہ نسائی وجود وہاں ترقی پا کر دیوی کے مقام پر فائز ہوا۔ سناتنی پرنپرا کے مذہبی متون میں ہمیں دیوی کے ساتھ عورت کا نہایت ہی روشن انسانی وجود بھی ملتا ہے جو جنسی جذبے کے رس سے معمور ہے اور زندگی کا پہلو وہاں ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ فراق سنسکرت شاعری کے بالمقابل اس پہلو کا فیضان اردو شاعری میں کم کم پاتے ہیں۔ اس قلت کی وجہ ان کے نزدیک اردو کا مخصوص کلچرل پس منظر ہے وہ اردو کے ہندو شعراء میں اس کمی کو ذرا کم پاتے ہیں لیکن یہ شاعر بھی اردو کلچر کے پروردہ ہیں اس لیے ان کے یہاں پوری طرح یہ وصف کھل کر ظاہر نہیں ہوتا۔ فراق سنسکرت شاعری میں پیش کیے گئے تصور عشق کو صدیوں کی ریاضت کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ اس ریاضت نے عورت کے تصور میں جگمگاہٹ اور ٹھنڈک کا ایسا احساس پیدا کیا جو دنیا بھر کی عشقیہ شاعری میں بے مثل ہے۔ فراق لکھتے ہیں:

> "ہندوستان کی روح لیے صدیوں کی ریاضت کے بعد وہ خلاقانہ نرمی اور تصور کی وہ معصومیت حاصل کی جس نے ہندو کلچر میں عورت کے تصور کو اس کی دیویت کو اور اس کی انسانیت کو جنم دیا۔ ہندوستان کے عشقیہ کلچر کی معراج گھر کے اس تصور میں نظر آتی ہے جہاں عورت گھر کی لکشمی ہے۔ اسی سے عورت کے تصور میں جو ٹھنڈک اور جگمگاہٹ ہے وہ دنیا بھر کی عشقیہ شاعری میں نہیں ملتی۔ محبوب کے ایک معیاری اور عینی تصور سے اردو کی بہترین عشقیہ شاعری

یکسر محروم نہیں لیکن اردو شاعری کے کلچری پس منظر اور کلچری روایات میں وہ نرمی، وہ پاکیزگی، وہ رچاؤ، وہ دوشیزگی اور پختگی نہیں ہے جو سنسکرت ادب کے پس منظر اور کلچری روایتوں میں نظر آتی ہے جو ہندو شعراء اردو غزل یا اردو نظم کہنے کی طرف مائل ہوئے وہ ہندو کلچری روایات اور ان روایات کی معنویت سے بہت کچھ بے بہرہ تھے۔ اور اگرچہ اردو کے ہندو شعراء کے کلام میں باوجود تمام خامیوں اور خرابیوں کے ایک سنجیدگی ہمیں ضرور ملتی ہے۔ لیکن اردو کے یہ ہندو شعراء اردو شاعری ہی کے کلچری پس منظر اور کلچری روایات کو اختیار کر چکے تھے اور اس لیے اردو کی عشقیہ شاعری میں ان ہندو شعراء نے کوئی ایسی خلاقانہ آواز نہیں بھری جو ہزار برس سے سنسکرت ادب میں اور ایک حد تک ہندی شاعری میں گونجی ہوئی تھی۔ اور مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ اگر اردو نظم و غزل میں ہندو شاعر وہ نوائے سرمدی پیدا کر دیتا کہ غالب و میر بھی چونک پڑتے یہاں تو اردو شاعری میں گھر کا تصور اور عورت کا تصور بلکہ کائنات و حیات کا تصور کمزور اور ناقص ہونے کے سبب سے اردو کی عشقیہ شاعری بہت کچھ ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر بہت کچھ کمی رکھتی ہے۔ ایک وجدانی و جمالیاتی احساس کبھی کبھی خوش نصیب لمحوں میں اردو شاعروں کو ضرور ہاتھ آجاتا تھا لیکن مناظر قدرت مادی اور عنصری کائنات، گھریلو اور سماجی زندگی کی جزئیات زندگی کے بھرپور اور ٹھوس حصوں اور پہلوؤں کو یہ وجدانی احساس بہت کم چھو پاتا ہے اور بسا اوقات ایک متصوفانہ حال و قال کی چیز ہو کر رہ جاتا ہے جس نرم معجزہ سے رابندر ناتھ ٹیگور "پنگھٹ" "آنگن" "گھر کے چراغ" اور زندگی کی چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو عشقیہ جذبات سے مملو کر دیتے ہیں۔ جو نرم پنکھڑیاں ان کے ہر مصرع میں کھیلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ یہ باتیں ہندوستان کی عشقیہ شاعری کی پرانی روایتوں کی طرف اور اردو کی عشقیہ شاعری کے نئے امکانات کی طرف اشارے کرتی ہیں۔ گزشتہ دو تین برس کے اندر اگر اردو کی کچھ عشقیہ نظموں اور غزلوں میں ہندوستان کی روح سرایت کرتی ہوئی مجھے نظر آتی ہے اور اگر اردو کی عشقیہ شاعری میں اس کیمیائی عمل کا سلسلہ جاری رہا تو اس کا بہت امکان ہے کہ رچے ہوئے دل و دماغ کے ہندو جو اب تک اردو کی عشقیہ شاعری میں نمایاں حصہ نہیں لے سکے تھے وہ اپنی پوری اکثریت کے ساتھ اپنے مسلمان ہمنواؤں کی آواز پر آوازیں دینے لگیں گے اور اس طرح اردو کی عشقیہ شاعری میں ایک ایسے دور کا آغاز ہو گا جی رحمت کے فرشتے سدا بہار پھول برسائیں۔"۳۳؎

فراق کی اس تنقید سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے انھوں نے اردو کی پوری روایت کا بنظر غائر مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی قلی قطب شاہ، ولی، میر اور نظیر کو ایک کل کے طور دیکھا اور سمجھا ورنہ ان شاعروں کے یہاں وہ ہندستانی روح جس کے نہ ہونے کے وہ شاکی ہیں ان شاعروں کے یہاں ضرور نظر آتی۔ اردو شاعری نے دراصل دیوی اور عورت کو ضم کرنے کا وطیرہ نہیں اختیار کیا اس کے باوجود ایسے اشعار خاصی تعداد میں فراہم کیے جاسکتے ہیں جو بھاشا،اودھی اور برج میں موجود عشقیہ شاعری سے اثر پذیری کی گواہی دیں گے۔ فراق کا یہ نقطۂ نظریہ بھی بتاتا ہے کہ شعری روایت کا ان کا مطالعہ انتخابی تھا اور صنف غزل تک محدود تھا ورنہ ہندو قصوں سے ماخوذ مثنویوں کی فضا پر ان کی نظر جاتی تو اس طرح کی شکایت وہ نہ کرتے۔ کلاسیکی شاعری تصور عشق پر گفتگو میں وہ اردو کے کلچری پس منظر کی طرف بہت دبی زبان میں اشارہ کرتے ہیں۔ وہ اسے مسلم کلچر کہنا ضرور چاہتے ہیں لیکن کہتے نہیں اور یہ بات اس وقت کھلتی ہے جب وہ ہندو شاعروں کا ذکر کرتے ہیں۔ ہندو شاعر سنسکرت میں موجود عشقیہ روایت سے اردو کو ثروت مند بنا سکتا تھا لیکن فراق کے بموجب وہ ایسا کرنے پر اس لیے قادر نہ ہوسکا کہ اس نے اردو کے کلچری پس منظر کو قبول کرلیا۔ واقعہ یہ ہے جس طرح اردو زبان ایک تکثیری کلچر کی نمائندگی کرتی ہے اور مختلف زبانوں کو اپنا کر اپنے یہاں جگہ دیتی ہے اسی طرح اس نے تصور عشق کی مختلف شکلوں کو اپنے یہاں جگہ دی ہے۔ اب فراق اردو کی عشقیہ شاعری میں اپنا طے کیا ہوا ترجیحی رنگ دیکھنا چاہتے ہیں اور وہ اس لیے نظر نہیں آسکتا کہ اردو نے کسی ایک رنگ یا طرز کو اپنا غالب رنگ نہیں بنایا۔ اس نے تکثیریت میں بھی امتزاج کی متوازن صورت کو اختیار کیا۔

فراق کے انتخابی مطالعے کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ اردو میں رامائن وغیرہ کے ترجمے کی طویل روایت موجود ہے اور اس میں عشقیہ مضامین بھی نظم ہوئے ہیں۔ سیتا اور رام جی کے وصل کی صورتیں مذکور ہوئی اور یہ تو بڑی ہی مثالی صورت ہے۔ تعجب ہے کہ اس طرف فراق صاحب کی نظر نہ گئی۔ فراق صاحب مغرب سے کس حد تک مرعوب تھے اور ادب کے سماجی کردار میں عورت کی شمولیت کو ادب کی سطح پر دیکھنے کے کیسے خواہاں تھے اس مضمون سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اردو کے کلاسیکی ادب میں غالب کی شخصیت اور شاعری کو فن کی دنیا میں سب سے زیادہ قدر و منزلت حاصل ہے۔ رقص، موسیقی، مصوری اور تھیٹر کی مختلف دنیاؤں نے غالب کو جس طرح قبول کیا اور اسے مرکز میں رکھ فن کی پرورش کی؛ اس سے غالب کی مقبولیت کے ساتھ اردو کے تہذیبی رابطے کو بھی ترقی ہوئی۔ ذہن جدید نے اس پہلو پر

ایک خصوصی گوشہ شمارہ ۲۸،میں شائع کیا۔ یہ خصوصی گوشہ اس لحاظ بہت اہم ہے کہ اس سے ہمیں غالب کے بین فنونی سرو کار کا اندازہ ہوتا ہے۔

عالمی ادب کے تراجم کی اردو میں ایک طویل روایت ہے۔ شعری اور نثری تخلیقات کے تراجم کے علاوہ دیگر علوم کی بہت سی کتابیں اردو میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ عالمی ادب کے کلاسیکی فکشن پر کئی مضامین ''ذہن جدید'' میں شائع ہوئے۔ کامیو، ارنسٹ ہیمنگوئے، اوکتاوپاز، اروِنگ ویلس، جین آسٹن وغیرہ پر مضامین شائع کیے۔ بہت سے عالمی فنکاروں کی جن میں کلاسیکی اور ہم عصر فنکار شامل ہیں، ان کی تخلیقات کے ترجمے بھی ''ذہن جدید'' میں اہتمام سے شائع ہوتے رہے۔ ''ذہن جدید'' نے تنقید کے باب میں صرف مستند لکھنے والوں کو ہی جگہ نہیں دی جن کے شائع ہونے کے بہت سے وسائل تھے اور وہ ادبی دنیا میں سکہ رائج الوقتی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ زبیر رضوی نے اس رسالے میں قدرے کم معروف یا نئے لکھنے والوں کو بھی جگہ دی۔ ان نئے لکھنے والوں نے شاعری، فکشن اور ادب کے دوسرے سماجی پہلوؤں پر لکھا۔ ان نئے لکھنے والوں کی نمائندگی بہت زیادہ نہیں۔ یا کہیے کہ تنقید کے باب میں نئے لکھنے والوں کی نمائندگی زیادہ نہیں ہے تخلیق کی سطح پر صورت حال قدرے مختلف ہے۔

الغرض ذہن جدید نے اردو تنقید کے ہم عصر مباحث کو جگہ دی۔ صنف کی درجہ بندی کے سوال کو سرگرم بحث کا حصہ بنایا۔ ایک اہم خصوصیت اس رسالے کی تنقید کے باب میں یہ ہے اس نے تنقید میں اپنی کوئی ایسی ترجیح پیدا نہیں کی کہ مخصوص رنگ کی شاعری یا افسانے پر گفتگو کو شائع کرے۔ یا کسی ایک نقطہ نظر کو ہی پیش کرے۔ اس نے مخالف آرا کو شائع کرنے کا بھی خاص اہتمام کیا۔ ہم عصر پختہ اور مستحکم ہو چکے قلم کاروں کے ساتھ قدرے کم معروف یا بالکل نئے لکھنے والوں کو بھی شائع کیا۔ ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانے اور نظریاتی کشمکش کے ساتھ ایک نظریے سے دوسرے کی طرف منتقل ہونے میں جو منزلیں آئیں ان منزلوں کے نظری مدوزجر کو اپنے اندر محفوظ کرنے کا جتن کیا؛ اس لحاظ سے ذہن جدید تنقید کے باب خاص اہمیت کا حامل ہے۔

کلاسیکی ادب کی تنقید کے سلسلے میں جو تنقیدی مشمولات ذہن جدید کا حصہ بنیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

☆☆☆☆☆

ترقی پسندی اور جدیدیت کی کشمکش　باقر مہدی　جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص22

اردو فکشن تنقید اور روایت　مظفر علی سید، انتظار حسین، مسعود اشعر، جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص6

کامیو بشری وجودیت کا امام　زبیر رضوی　جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص140

اجنبی والا۔ کامیو　ولاس نارنگ　جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص144

سر اسٹیفن اسپنڈر سے ایک گفتگو　ترجمہ: خیر النسا مہدی جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص146

اوکتاؤپاز- رنگا رنگ آفاقیت کا شاعر　زبیر رضوی　جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص157

ارنسٹ ہمینگوئے۔ صحافی اور نامہ نگار　کھاگین ڈے سرکار، جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991　ص163

جین آسٹین　جمشید جہاں　جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991　ص165

ارونگ ویلس　سی۔وی۔گوپال کرشنن　جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991　ص167

ساختیات کے مباحث تنقید　ڈاکٹر جمیل جالبی　جلد2، شمارہ9، ستمبر تا نومبر 1992　ص7
کے ڈھکوسلے ہیں

نظریہ اور نظریاتی الجھاؤ　دیوندر اسر　جلد2، شمارہ9، ستمبر تا نومبر 1992، ص15

نثر معلیٰ　ممتاز حسین　جلد2، شمارہ9، ستمبر تا نومبر 1992　ص22

ادب کی موت　جمیل جالبی　جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993　ص22

اردو طنز و مزاح اور زبان و بیان　شمیم حنفی　جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993　ص44
کے مسئلے پر چند باتیں

ادیب کی سوانح کو اس کی تحریروں کی　آصف فرخی　جلد3، شمارہ12 جون تا اگست 1993　ص18
تفہیم پر منطبق کرنا گمراہ کن تنقیدی رویہ ہے

فسادات اور ہمارا ادب　حسن عسکری　جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری 1994، ص6

گناہ اور اردو شاعری　فراق گورکھپوری　جلد نمبر5، شمارہ17، ستمبر تا فروری 1995، ص7

اکیسویں صدی میں اردو کی صورت حال	رضی عابدی	جلد5،شمارہ18مارچ تا نومبر 1995 ص14
ادب اور جمہوریت	انور سجاد	جلد5،شمارہ18 مارچ تا نومبر 1995، ص23
البیر کامو کا باغی	ناصر بغدادی	جلد5،شمارہ18،مارچ تا نومبر 1995 ص139
ساختی کباب میں رد تشکیل کی ہڈی	فضیل جعفری	جلد6،شمارہ22 دسمبر تا مئی 1997، ص8
تھیوری امریکی شوگر اور مابعد جدیدیت	فضیل جعفری	جلد6،شمارہ23، جون تا اگست 1997، ص16
غالب کا دشت امکاں	زبیر رضوی	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص123
غالب رنگ اور کینوس	زبیر رضوی	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص125
غالب اور صادقین	فیض احمد فیض	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص131
غالب کا مجسمہ	کشوری لال	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص132
دیوانہ غالب-برجند رسیال	ابرار رحمانی	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص134
غالب اپنے ناٹک کا اسکرپٹ خود لکھ گئے تھے	ذہن جدید	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص138
کچھ غالب نویسی کے بارے میں	ڈاکٹر محمد حسن	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص148
غالب کو بڑے ڈرامہ نگار کا انتظار ہے	سید محمد مہدی	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص152
کتھک رقص اور غالب کی غزل	اوما شرما	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص154
غالب کی غزل اور گلوکاروں کا امیج	استاد حفیظ احمد خاں	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص159
ٹی وی سیریل غالب	گلزار	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص199
فلم مرزا غالب	محافظ حیدر	جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1998، ص163
غالب پر خصوصی گوشہ		جلد8،شمارہ27،دسمبر تا فروری 1999
کامیو کا نظام فکر	ناصر بغدادی	جلد12،شمارہ33 ستمبر تا فروری 2002، ص118
پریم چند کا اہم دیباچہ		جلد نمبر 15،شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص6

اردو غزل گوئی	فراق گورکھپوری	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست2009 ص119
حلقہ ارباب ذوق اور زبان وادب کے مسائل	ن م راشد	جلد25، شمارہ69 ستمبر تا فروری2015، ص13
'نارس' کا دیباچہ	میراجی	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015 ، ص30

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت (ایک ادبی اور فلسفیانہ مخاطبہ)، ص۳۷۱

۲۔ ایضاً، ص۳۸۰،۳۸۱

۳۔ اشتراکی دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کے پیش نظر ادب میں ترقی پسندی کی معنویت (مباحثہ)، مشمولہ ذہن جدید، جلد نمبر۱، شمارہ نمبر۱، ستمبر نومبر ۱۹۹۰، ص ۷

۴۔ ایضاً، ص۸

۵۔ ایضاً، ص۱۱

۶۔ ایضاً، ص۱۶

۷۔ ایضاً، ۱۷

۸۔ ایضاً، ص۲۰،۲۱

۹۔ ایضاً، ص۲۱

۱۰۔ شمس الرحمان فاروقی، تنقیدی افکار، ص ۵

۱۱۔ گوپی چند نارنگ، اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ، ص ۷۲،۷۳

۱۲۔ فضیل جعفری، ساختی کباب میں رد تشکیل کی ہڈی، مشمولہ ذہن جدید، جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۲۲، دسمبر تا مئی ۱۹۹۷، ص ۱۰

۱۳۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت (ایک ادبی اور فلسفیانہ مخاطبہ)، ص ۳۶۷تا۳۶۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۷۲،۳۷۳

۱۵۔ ایضاً، ص ۳۷۸،۳۷۷

۱۶۔ فضیل جعفری، ساختی کباب میں رد تشکیل کی ہڈی، مشمولہ ذہن جدید، جلد نمبر ۶، شمارہ نمبر ۲۲، دسمبر تا مئی ۱۹۹۷، ص ۳۵،۳۴

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۶

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۲

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۳

۲۰۔ ایضاً، ۴۵

۲۱۔ ایضاً، ص ۴۵

۲۲۔ ضمیر علی بدایونی، جدیدیت اور مابعد جدیدت (ایک ادبی اور فلسفیانہ مخاطبہ)، ص ۳۳۳، ۳۳۴

۲۳۔ فضیل جعفری، تھیوری، امریکی شو گرڈیڈی اور مابعد جدیدیت، مشمولہ ذہن جدید، جلد نمبر ۶، شمارہ ۲۳، جون تا اگست ۱۹۹۷، ص ۱۹

۲۴۔ گوپی چند نارنگ (مرتب) ادب کا بدلتا منظر نامہ: مابعد جدیدیت پر مکالمہ، ص ۸۰

۲۵۔ وارث علوی، شاعری اور افسانہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد نمبر ۲ شمارہ ۳، مارچ تا مئی ۱۹۹۱، ص ۱۰

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۰

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۴

۲۸۔ ایضاً، ۱۵

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۸

۳۰۔ شمس الرحمن فاروقی، افسانے کی حمایت میں، ص ۲۰۳، ۲۰۴

۳۱۔ فراق گورکھپوری، گناہ اردو شاعری، مشمولہ ذہن جدید، جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱۷، ستمبر تا فروری ۱۹۹۵، ص ۸

۳۲۔ فراق گورکھپوری، عشقیہ شاعری کی پرکھ، مشمولہ حاشیے، ص ۸۶

۳۳۔ ایضاً، ص ۸۶ تا ۹۰

باب چہارم

تخلیقی ادب اور ذہن جدید

i. معاصر شعری منظر نامہ (غزل) اور 'ذہن جدید'

ii. معاصر شعری منظر نامہ (نظم) اور 'ذہن جدید'

iii. معاصر فکشن اور 'ذہن جدید'

معاصر شعری منظر نامہ (غزل) اور 'ذہن جدید'

ذہن جدید نے جدید نظم کے طویل سلسلے کو اپنے مشمولات کا حصہ بنایا۔ اس نے جدید نظم کے مختلف ادوار کے ساتھ مختلف نظریوں اور ادبی رویوں کو اپنے یہاں جگہ دی۔ یہاں متوازی ادبی رجحانات کو بھی جگہ ملی۔ آزادی کے بعد کے ابتدائی دس سال ادب پر ترقی پسندی کی حکمرانی کا زمانہ رہا اور پھر وہ دھیرے دھیرے اپنے منزل کی طرف پہنچنے لگی۔ ترقی پسند تحریک اگرچہ عوامی سطح پر زیادہ مقبول رہی اور سیاست سے بھی اس کا رشتہ استوار رہا جس کے فائدے اور نقصانات دونوں اسے حاصل ہوئے۔ ترقی پسند تحریک، ادب میں عوامیت و مقصدیت کی ترجمان تھی، اس کے پروان چڑھانے والوں نے تاریخ کا جو اشتراکی بیانیہ قبول کیا اس میں کلاسیکی متن کی گنجائش اس لیے نہیں تھی کہ وہ جاگیرداری کے عہد کی پیداوار تھا۔ اگرچہ ان کی اس روش میں بعد میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اسی طرح فنی تدبیر کاری سے متن کی تخئیلی اور فکری سطح بلند ہو جاتی تھی اس لیے اس نے خطابیت، سہولت اور راست و سادہ بلکہ اکہرے سریع الفہم اظہار کو ترجیح دی۔ ترقی پسند ادیبوں نے نظم کے سلسلے میں کم از کم یہ ضرور کیا کہ انھوں نے نظم کے نئے سانچے تلاش کیے اور غزل کی لفظیات اور فضا سے باہر ہو کر نظم کی آزاد اور مکتفی دنیا کو قائم کرنے اور مستحکم کرنے میں مدد دی۔ نظم کی پابند ہئیت سے آگے بڑھ کر آزاد ہیئت کو قبولیت دلانے میں ترقی پسند شاعروں نے اہم رول ادا کیا۔ سردار جعفری، مخدوم محی الدین اور دوسرے لکھنے والوں نے جدید نظم کی ہیئت کو قابل بنانے اور ارکان واوزان کے سکہ بند مباحث کو انجام تک پہنچایا۔ سجاد ظہیر نے تو پگھلا نیلم کے ذریعے سب سے زیادہ وسعت نظری کا ثبوت پیش کیا اور نثری نظم کے در وا کیے۔

ترقی پسندی کے متوازی حلقۂ ارباب ذوق نے فن پرستی کو ترجیح دی اور اس حلقے سے وابستہ ادیبوں نے فنی رچاؤ، تخلیقیت اور فکری گہرائی کو اپنی تخلیقی سرگرمی کی ترجیح میں شامل کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ ان تخلیق کاروں کے یہاں ترقی پسند عناصر بالکل ناپید تھے لیکن ان ادیبوں کے سامنے اپنی ترجیح بہت واضح تھیں۔ اسی سلسلے میں آگے کی

کڑی جدیدیت کی شکل میں سامنے آئی جس نے حلقہ کی روایت کو آگے بڑھانے اور اس کے ذریعے تخلیق کیے ادب کو عام اور قابل فہم بنانے کا کام کیا۔ تخلیقی متن کو قابل فہم بنانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کیوں کہ ہمارے شعری وادبی مذاق میں غزل حاوی تھی اور جدید شاعری و نظم کی ہماری طبیعتیں اور ذہن دونوں ہی عادی نہ تھے اس لیے جدید شاعری وادب سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اس کام کو انجام دینا پڑا۔ جدیدیت ترقی پسند شعریات اور فکریات کے متوازی اپنا بیانیہ مرتب کرنے پر کمر بستہ تھی۔ ترقی پسند آمریت کے خلاف تھی اس لیے اس میں اجتماعی مفاد اور اجتماعی آواز کو ترجیح حاصل تھی اور بہت سے شاعروں نے اپنی تخلیقیت کو یکسانیت کا شکار بنا دیا تھا، اس لیے جدیدیت نے اجتماع کے بالمقابل فرد کی اہمیت پر اصرار کیا۔ زبیر رضوی نے جدیدیت میں تنہائی پسندی، لایعنیت، انتشار وغیرہ کی طرف اپنے مضمون میں اشارے کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> ”جدیدیت کے ابتدائی ریلے میں کچھ لوگوں نے موضوع اور مواد کے تعین کی کوشش کی تھی اور یہ کہا گیا تھا کہ فرد تنہا ہے، ساری قدریں ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں، انسانی رشتے خلوص اور دردمندی سے عاری ہو چکے ہیں، مادیت، انسان کی روحانی اور اخلاقی طہارتوں پر حاوی آگئی ہے۔ انسان بے سمتی کا شکار ہے اور لایعنیت زندگی کا فلسفہ بن چکی ہے، ان متعین اور طے شدہ زاویوں پر ان لوگوں نے خاصی توجہ دی جن کی اپنی کوئی سوچ نہیں تھی اور جو فیشن کے طور پر کسی بھی تحریک یا ادبی ہنگامے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ جدیدیت نے ترقی پسندوں کے برخلاف جلد ہی اپنی صفوں کو درست کر لیا، وہی لکھا جو محسوس کیا، جو دیکھا یا جو لکھنے کی تحریک ہوئی، لکھتے ہوئے جو ایک سہولت میسر تھی وہ اسلوب، زبان، لہجہ اور آہنگ کی آزادی تھی، جدید شاعری کے جانے پہچانے موضوع اور مواد کی گونج نظم سے زیادہ نئی غزل میں سنائی دیتی ہے۔ اس لیے کافی عرصے تک یہ بات دہرائی جاتی رہی کہ نئی غزل اپنے مواد اور لفظیات میں بڑی حد تک یکسانیت کا شکار ہے۔“[1]

جدیدیت کے اٹھ جانے کے بعد مابعد جدید عہد میں نظم کا نیا طور اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اس کے موضوعات میں تنوع اور نیرنگی پیدا ہوئی۔ جدید عہد میں نثری نظم اگرچہ رائج ہو چلی تھی لیکن نقادوں و ادیبوں کے تاملات باقی تھے، اس تاملات کے ساتھ نثری نظم کے شاعر اپنی تخلیقی سرگرمی جاری رکھے ہوئے تھے۔ مابعد جدید عہد میں یہ صورت حال بدلی اور آہنگ سے آزاد بلا تامل شائع ہونے لگی۔ افضال سید، ذیشان ساحل، عذرعباس، احمد ہمیش، افتخار جالب، انیس ناگی زاہد ڈار، تنویر انجم، عین رشید، عتیق اللہ، فضل تابش، فاروق نازکی، خلیل مامون، فیاض رفعت اور

سلیم شہزاد وغیرہ نے اس صنف کو دوام بخشا۔ 'ذہن جدید' نے جدید نظم کی اس طویل روایت کو عام کرنے اور پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ذہن جدید نے غزل کے نمائندہ شاعروں کے کلام کو اپنے مشمولات میں شامل کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ اس نے نئی غزل کے اساتذہ کو شامل اشاعت کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے نئے شاعروں کو بھی جگہ دی جن کے کلام میں تازگی اور نئے پن کی خوب بو پائی جاتی ہے۔ ہم یہاں ان نمائندہ شاعروں کا ذکر کریں گے اور ذہن جدید میں شامل ان کی غزلوں سے چیدہ اشعار درج کریں گے جنھوں نے غزل کی توسیع وارتقا میں اہم کردار ادا کیا اور نئی غزل کو نئی عصری حسیت کا ترجمان بنانے کی کوشش کی۔

ناصر کاظمی ان شاعروں میں شمار ہوتے ہیں جنھوں غزل کو ترقی دی، جمالیات کے جبر سے آزادی دلانے اور اس کے اصل سر چشمے سے مربوط کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کام کے ساتھ ناصر نے ہم عصر حسیت کو اپنی آواز میں شامل کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ اس طرح ان کے یہاں نیا پن اور اپنے وقت سے ذہنی اور جذباتی طور پر وابستہ ہونے کا رویہ اس ندرت اور جدت کا پیش خیمہ بنا جس نے نئی اردو غزل کے پیش روؤں کو اعلیٰ مقام عطا کیا۔ ناصر کاظمی نے اپنے شعری سفر کا آغاز اس وقت کیا جب ترقی پسندی اپنے شباب پر تھی۔ غزل کی صنف کی جگہ نظمیہ خطابت نے لے لی تھی جو مقصدیت اور فادی ادب کے تابع تھی۔ ناصر کاظمی نے غزل کی ترقی پسند خطابی فضا میں غزل کے مدھم لہجے کو بازیاب کیا۔ ناصر کاظمی کی غزل گوئی میں اکتساب کی صورتیں ملتی ہیں ہم ان کے یہاں باغ ،چمن، شبنم، پھول، چمن، آشیاں، طیور، برق، ہوا، نہر، طاؤوس، کنج جیسے کلاسیکی غزل کی لفظیات دیکھتے ہیں۔ ہم ناصر کاظمی کے یہاں ان کلیدی الفاظ کو نئی ترکیبوں میں پرویا ہوا دیکھتے ہیں۔ ناصر کے یہاں، شہر، شبنم وگل،اوراق خزانی، موج صبح نشاط، تحریرپائے ناقہ ،بارگاہ شبنم، نکہت رائیگاں، گل منظر، گرد مہتاب، طناب خیمۂ گل جیسے ترکیبیں پائی جاتی ہیں۔

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

سن کے آوازۂ زنجیر صبا
قفس غنچہ کا در وا ہوگا

جرس شوق اگر ساتھ رہی
ہر نفس شہپر عنقا ہو گا

ناصر کاظمی کے بعد احمد مشتاق کا نام نئی غزل کے ان شاعروں میں شمار ہوتا ہے جنھوں نے کلاسیکی غزل کے طور کو جدت واختراع کے ساتھ برتا۔ انھوں نے اپنے شعری متن کی تعمیر میں کثرت معنی کو بروئے کار لانے کے لیے وہی طریقہ اختیار کیا جو ان سے پہلے کلاسیکی شعرا اختیار کر چکے تھے لیکن انھوں نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ ان کی شاعری نئے معنی اور مفاہیم کی حامل ہو۔ احمد مشتاق نے ترکیب، تلازمہ اور لفظیات کی سطح پر نئی ترتیب قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح انھوں نے اپنا منفرد رنگ پانے میں کامیابی پائی۔ احمد مشتاق کی غزلیں ہم عصر عہد کی عکاس ہیں۔ ساتھ ہی اپنے اندر اقدروسعت رکھتی ہیں کہ کسی دوسری صورت حال پر بھی ان کا انطباق ممکن ہے۔ اس طرح وہ کثرت معنی کا جتن کر کے ایک مضبوط متن پیش کرنے میں کامیاب ہیں جو وجودی آشوب کو پیش کرتے ہیں۔ سکوت سینۂ دریا، جلوۂ آب رواں، آوازۂ دریائے خاکستر، رہگزر خندۂ گل، سکوت سخن آشنا، زنجیر عافیت جیسی ترکیبیں ہمیں احمد مشتاق کے یہاں ملتی ہیں۔ ذہن جدید میں احمد مشتاق کی ایسی غزلیں شامل ہیں جو ان کے شعری جوہر کی نمائندگی کے بجائے اپنے ماسبق سے اثر پذیری کی نمائندگی کرتی ہے۔

ترے دیوانے ہر رنگ رہے ترے دھیان کی جوت جگائے ہوئے
کبھی نتھرے ستھرے کپڑوں میں کبھی انگ بھبھوت رمائے ہوئے

کس کی تلاش میں چلے عشق کے خانماخراب
چشم تمام تیرگی زخم تمام ماہتاب

آنکھ اٹھاتا ہوں تو ہٹ جاتے ہیں
دن ترے دھیان میں کٹ جاتے ہیں

نئی غزل کے اہم اور معروف شاعروں میں ایک اہم نام ظفر اقبال کا ہے۔ انھوں نے کلاسیکی غزل کی لفظیات کو اپنے تصرف سے نئے معانی پہنانے میں کامیابی حاصل کی۔ جدید وقدیم کی کشمکش اور نئے پن کی تلاش ظفر اقبال کی اہمیت وخصوصیت ہے۔ ان کے زبان کو الٹنے پلٹنے کا عمل برابر جاری رہتا ہے گویا وہ لسانی ساختیے کی

تقلیب کر کے نئے معانی اور تراکیب کو خلق کرنے کے عادی ہیں۔ ہم عصر زندگی کا تجربہ اور فنی جدت کی کاوش دونوں ہم آہنگ ہو کر غزل کی ایک ایسی دنیا خلق کرتے ہیں جسے ہم نئی غزل کا نام دے سکتے ہیں۔

ظفر اقبال کی غزل گوئی میں موضوع کی سطح پر فرد واجتماع کے مختلف تنوعات یکجا ہو جاتے ہیں۔ ظفر کے یہاں ذات کا آشوب، وقت کی شکایت، شعور زندگی کی اسیری و محرومی کا احساس پایا جاتا ہے۔ بدلتی تہذیبی فضا اور معاشرت کا نیا طور بھی ظفر کے یہاں موجود ہے۔ کلاسیکی غزل کے مقابلے ظفر کی غزل موضوع کے لحاظ سے نئی فضا اور مختلف منظر نامے کو مرتب کرتی ہے۔

اسلوب کی نادرہ کاری، اصوات کا آہنگ اور زبان کا تلازمہ یہ تینوں مل کر ظفر اقبال کی غزل کی شناخت تعمیر کرتے ہیں۔ ان کے صناعی کی کوششیں بھی بہت واضح ہیں۔ نئی ترکیبوں کو وضع کرنے کا طریقہ ظفر نے کلاسیکی غزل سے حاصل کیا ہے۔ زبان کی سطح پر ہمیں ان کے یہاں توڑ پھوڑ کا عمل کبھی کبھی ایک کھیل کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔ ذہن جدید میں ظفر اقبال کی ایک غزل ملتی ہے:

حوصلے تھے اڑان سے باہر
رفعت آسمان سے باہر
تیرگی میں یہ چیخ کیسی ہے
تیر ہیں جب کمان سے باہر
موت خود زندگی سے خائف ہے
واقعہ ہے گمان سے باہر

کربلائی استعارے کے حوالے سے عرفان صدیقی کا نام بطور خاص نئی غزل میں لائق ذکر ہے۔ یہ ان کے یہاں ایک تاریخی تلمیح کے ساتھ ساتھ حق و باطل کے ایک بلیغ استعارے کے طور استعمال ہوا ہے۔ یہ وجودی حوالہ بن کر اجتماعی صورت حال کا غماز بھی بنا ہے۔ عرفان صدیقی کے یہاں کربلا ایک استعارے سے بڑھ کر تاریخی کی حد کو پار کر جاتا ہے۔ ایفاء عہد اور عہد شکنی، خیر و شر، ظالم و مظلوم کے حوالے سے جب کربلا سے مربوط ہوتے ہیں تو واقعہ کربلا ایک مستقل بالذات قدر کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ عرفان صدیقی کے یہاں کربلا انسان دوستی، انقلاب، اصول پرستی اور عدل کا ایک ایسا چشمہ بن جاتا ہے جہاں سے سارے تشنہ لوگ سیراب ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسے

مثالیہ کی شکل اختیار کرلیتا ہے جو کربلائی شعریات کی تشکیل کا کام کرتا ہے۔۔ نیزہ، نوک نیزہ،،ناقہ، خیمہ، معرکہ وغیرہ کی لفظیات معنی آفرینی کی بلیغ شکلوں کو متشکل کرتی ہیں۔ عرفان صدیقی کے اس وصف کو غزل کی دنیا میں ایک بڑی تبدیلی اور جدت کا غماز کہا جاسکتا ہے۔ اردو غزل میں عرفان صدیقی کی شاخت ایسی ہے جس سے ادب کے قارئین واقف ہیں۔ عرفان صدیقی کی شاعری کا ایک پہلو وہ بھی ہے جو کربلائی غزل سے الگ شناخت کیا جاسکتا ہے جہاں وہ عشق اور وجود کے مضامین نظم کرتے ہیں اور ایک غم آگیں فضا باقی رہتی ہے۔

اس کے ہاتھ میں ہے شاخ تعلق کی بہار
چھولیا ہے تونئے برگ وثمر آگئے ہیں

اس شعر میں ہم ایک پیکر اور احساس دونوں کو باہم ممزوج دیکھتے ہیں۔ یہاں لمس کا عمل محض لمس کا عمل نہیں رہتا بلکہ چھونے والے سے تعلق خاطر کی گہرائی اور گیرائی کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ اس شعر کی خوبی یہ بھی ہے کہ اسے فطرت اور خالق سے مربوط کرکے باران رحمت کی آمد پر بھی منطبق کرسکتے ہیں اور عاشق معشوق پر بھی۔

عرفان صدیقی کی جو غزلیں ذہن جدید میں شائع ہوئیں ان میں ایک وجودی خود کلامی، ذات کا اثبات اور فنا کا تصور بھی موجود ہے۔

میں تو ایک حرف مکرر ہوں مجھے کیا معلوم
کس نے لکھا ہے مجھے کس نے مٹایا ہے مجھے
پھر ملادے اسی مٹی میں یہ حق ہے اس کو
اس نے آخر اسی مٹی سے اٹھایا ہے مجھے

ان اشعار میں ہم پہلے ذات کا اثبات دیکھتے ہیں اور اثبات ایک طرح کی بے باکی اور جرأت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اگلا شعر اسلامی روایت کی ترجمانی کرتا ہے اور مٹی سے پیدا ہونے اور مٹی سے ملنے کی آیت کی شخصی تعبیر بن جاتا ہے۔

نئی غزل کے امکانات کو اپنے شعری جہان کا حصہ بنانے والوں میں اسعد بدایونی کا نام سرفہرست ہے۔ وجودی کرب، اجتماعی انتشار، انہدام اور تعمیر سے اسعد بدایونی کا شعری مزاج تشکیل پاتا ہے۔ خواب اور خوف کے

درمیان زندگی میں صبح کا طلوع نہ ہونا اسعد بدایونی کے تخلیقی تحرک کا وسیلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ معنی کی گہرائی اور معنی کی توسیع کے اہتمام کے ساتھ ہم عصر انسان کے حصے میں آئے اضطراب وآشوب کا چہرہ اسعد کی غزلوں میں موجود ہے۔ فریب ذات کا تجربہ، منزل کی گمشدگی کو بھی ان کے شعری تجربے میں دخل ہے۔ وہ سامعہ اور باصرہ دونوں کو متحرک کرتے ہیں۔ اندرونی حزن وملال اور بیرونی ابتری اسعد بدایونی کے تخلیقی وژن سے گزر کر ایسی معنی آفریں لفظی جہان خلق کرتے ہیں جس میں نئی تصویریں اور خیال متحرک دکھائی دیتے ہیں۔

طلسم شوق کے رستوں میں پیچ وخم کم ہیں
مگر نکلنے کی خواہش نہیں عزیزاں میں

صاحب قراں بتلائے لشکر کا عالم کیا ہوا
وہ حرز ہیکل کیا ہوئی وہ اسم اعظم کیا ہوا

جب غبار آلود جاتی ہے صحرا کی جبیں
صاف کرنے موجۂ باد شمال آتا ہے کیوں

منیر نیازی کا نام اس لحاظ سے اہم ہے کہ انھوں نے اپنے مقام، تہذیب اور ماحولیات کو اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ یہ وصف انھیں اپنے ہم عصروں میں ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ طلسمی ماحول اور اسرار سے پر فضا آفرینی کا وصف منیر نیازی کے امتیازی رنگ کو اور زیادہ گہرا کردیتا ہے۔ اٹھتی ہوئی تہذیب اور مٹتے پرانے نقوش ہمیں منیر کے یہاں حرکت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آثار اور نشان سے بے تعلق ہونے کا المیہ ایک حزنیہ لے کی تشکیل کرتا ہے۔ یہ حزنیہ لے ایک غم آگیں آہ وبکا پیدا کرتی ہے جو نوحہ خوانی کے اوصاف کی بھی حامل ہے۔ اجاڑ برجوں کی زرافشانیاں، دروبار کے رنگ، نگر کی خاموشی، ممٹیوں پر بیٹھے پرندے، اجڑی گلیاں، اجڑے خرابے، فن تعمیر کی بدلتی شکلوں سے ہیبت زدہ زمین، گرتے مکان الغرض مکان اور اس سے وابستہ منظر منیر نیازی کے یہاں حزنیہ رنگ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اگا سبزہ درودیوار پر آہستہ آہستہ
ہوا خالی صداؤں سے نگر آہستہ آہستہ

شہر ،پربت ، بحر وبر کو چھوڑتا جاتا ہو ں میں
اک تماشا ہورہا ہے دیکھتا جاتاہوں میں
اک نظر بندی کا عالم تھی نگر کی زندگی
قید میں رہتے تھے جب تک شہر والوں میں رہے

نئے اور ممتاز غزل گوشعرا میں بانی کی غزلیں تذبذب اور تشکیک کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے یہاں یاس،بے یقینی،انا اور آس کے مختلف رنگ ملتے ہیں۔ بانی کے یہاں تاسف تو ہے لیکن شکوہ نہیں ہے۔بے سمتی احساس میں شکستگی کا احساس نہیں ہے۔ بانی کا ذہن متفکر اور تخیل کا متحرک ہے اسی لیے اس بے یقینی کی صورت حال میں بھی ان کے یہاں تعقل اور تفکر سے رشتہ قائم رہتا ہے۔ وہ اپنی غزلوں سے مجہول یا مخبوط الحواس ہونے کا تاثر نہیں دیتے،وہ ایک جہاں دیدہ اور اعصابی لحاظ سے پختہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ وہ لفظ، ترکیب اور تلازمے کا استعمال پوری ہوشمندی اور زیرکی سے کرتے ہیں۔ وہ ایسے بحروں اور قوافی کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کے مطلوب معنی کی کفایت کریں اور توسیع معنی میں مزاحم نہ ہوں۔

چار جانب کھینچ دیں اس نے لکیریں آگ کی
میں کہ چلایا بہت بستی میں گھر میرا بھی ہے
ایک پیلا رنگ باقی رہ گیا ہے آنکھ میں
ڈوبتامنظر اسے دامن میں بھر لے جائے گا
کوئی بھولی ہوئی شے طاق ہر منظر پہ رکھی تھی
ستارے چھت پہ رکھے تھے شکن بستر پہ رکھی تھی

نئی غزل کے نسبتاً نئے شاعروں میں مہتاب حیدر نقوی ایسے شاعر ہیں جن کی انفرادیت مظاہر زندگی سے معاملت کو شعری اظہار میں ڈھالنے سے طے پاتی ہے۔ فن کار کی طبعی سادگی اور دنیا کی کریہہ المنظری جب ایک دوسرے سے متصادم ہوتی ہے تو فنکار اس سے فکری وحیاتی سطح پر مزاحم ہوتا ہے۔ مہتاب حیدر نقوی بطور فن کار اس صورت حال سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے اس سے مزاحم ہوتے ہیں۔ ان کا باصرہ ایک کارگر وسیلے کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔ یہ باصرہ خارج بے چہرگی اور کریہہ منظر کو اس طرح سامنے لاتا ہے کہ بصارت شعور کا زینہ بن

جاتی ہے۔ مہتاب حیدر نقوی کی غزل شناخت کے بحران، یکسانیت کے آشوب سامنے لاتی ہے۔ ان کے یہاں وجودی سطح پر سراسیمگی کا تاثر بھی ملتا ہے۔

سطح زمین پر کھڑا شہر ملال میں ہوں گم
اپنے خداپہ میں نثاراس کے جلال میں ہوں گم
میرا سفر ہے ناتمام میری ہے عمر سب تمام
واہمے پالتا ہوں میں رنج وملال میں ہوں گم
ہمارے سکھ بہت کم اور دکھ ان سے بہت کم ہیں
سوہم بھی آجکل ان کی نگہداری میں رہتے ہیں

ان شاعروں کے علاوہ بھی غزلیات کے ضمن میں ایک بڑی تعداد موجود ہے جن کی نگارشات ذہن جدید میں شائع ہوئیں، جن کا فرداًفرداً جائزہ لینا ممکن نہیں کہ ہر غزل گو کا تجزیہ طوالت کا باعث ہوگا اس لیے ہم نے نمائندہ رجحان ساز شاعروں کے ذکر پر اکتفا کی۔ ذہن جدید میں شامل غزلیات کے تنوع اور اس میں نوواردوں کی پذیرائی کا اندازہ درج ذیل فہرست سے کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حیات کس کے سراغ میں ہے (کالی غزل) (محمد علوی کے نام) باقر مہدی		جلد1، شمارہ2، ص128
ٹوٹا ٹوٹا ہے کوئی اندر سے ک (الی غزل) (محمد علوی کے نام) باقر مہدی		جلد1، شمارہ2، ص128
جسم سے آگے سر رہتے ہیں (کالی غزل) (محمد علوی کے نام) باقر مہدی		جلد1، شمارہ2، ص128
روداد شب ہجر اسے کہہ بھی سکوں گا	شہرت بخاری	جلد1، شمارہ2، ص129
فسانہ شب غم بن کہے رہا نہ گیا	شہرت بخاری	جلد1، شمارہ2، ص129
آغاز اس کتاب کا جس باب سے ہوا	محسن زیدی	جلد1، شمارہ2، ص130
ہمیں تو خیر کوئی دوسرا اچھا نہیں لگتا	محسن زیدی	جلد1، شمارہ2، ص130

بری خبر ہے اسے مشتہر نہیں کرتے	جاوید ناصر	جلد1، شمارہ2، ص131
حوصلوں سے بکھر بھی جاتا ہوں	جاوید ناصر	جلد1، شمارہ2، ص131
سفر کو جب بھی کسی داستان میں رکھنا	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ3، ص40
کان بھرتا رہا جو بھی تھا شناسا اس کا	شہرت بخاری	جلد2، شمارہ3، ص46
کتنا سمجھایا نہ جا دیکھ تو لٹ جائے گا	شہرت بخاری	جلد2، شمارہ3، ص46
سر احاطہ غم رات بھر سنورنا تھا	مظہر امام	جلد2، شمارہ3، ص47
عجیب واقعہ تھا اس کو اپنے گھر لانا	مظہر امام	جلد2، شمارہ3، ص47
کیسے آئے نظر اندھیرے میں	محمد علوی	جلد2، شمارہ3، ص48
اندھیرا جس کے سراغ میں ہے	محمد علوی	جلد2، شمارہ3، ص48
زندگی تازہ و سیال تھی، مرتے کیوں کر	فضیل جعفری	جلد2، شمارہ3، ص49
لہو کی شکل کہاں اب دکھائی دیتی ہے	فضیل جعفری	جلد2، شمارہ3، ص49
شکست شیشہ صد آرزو سے کیا لینا	فضیل جعفری	جلد2، شمارہ3، ص49
اس موسم کی پہلی بارش ہی سیلاب ہوئی	کشور ناہید	جلد2، شمارہ3، ص50
دلوں میں لہجہ عزبت کی پیاس رکھی نہیں	کشور ناہید	جلد2، شمارہ3، ص50
وہ خاک ڈال چلو درد کے خزینوں پر	مخمور سعیدی	جلد2، شمارہ3، ص51
کسی بھی سمت ہو دل کا سفر اکیلا ہے	مخمور سعیدی	جلد2، شمارہ3، ص51
ہم آج اپنی حدوں سے نکل کے دیکھتے ہیں	فاروق شفق	جلد2، شمارہ3، ص52
اندھیرے گھر کی خاطر یاد کے جگنو اٹھا لائے	فاروق شفق	جلد2، شمارہ3، ص52
بام طلب پہ تیرا سراپا دکھائی دے	حسن عباس رضا	جلد2، شمارہ3، ص53
کوئی تو ایسی بات تھی پہیلیوں کے درمیاں	حسن عباس رضا	جلد2، شمارہ3، ص53
کئی دنوں سے ہواؤں کی سرکشی کم ہے	شاہد کلیم	جلد2، شمارہ3، ص54

توڑ دیں میں نے فصیلیں ایک ہونے کے لیے	شاہد کلیم	جلد2، شمارہ3، ص54
سایہ کہیں، نہ کوئی شجر، میرے شہر میں	ایم قمر الدین	جلد2، شمارہ3، ص55
آج نکلا ہے جو پر، کل یہی شہپر ہو گا	ایم قمر الدین	جلد2، شمارہ3، ص55
یہ زادِ راہ ہمیشہ سفر میں رکھ لینا	سید شکیل دسنوی	جلد2، شمارہ3، ص56
سبھی تھے اجنبی، اپنا کوئی لگا ہی نہیں	سید شکیل دسنوی	جلد2، شمارہ3، ص56
ایک بھی حرف نہ تھا خوش خری کا لکھا	حسن نعیم	جلد2، شمارہ3، ص186
موسم سیلاب آیا، ندی نالہ بھر گیا	حسن نعیم	جلد2، شمارہ3، ص186
شام الم کو یاد رکھ، صبح طرب کے بعد بھی	حسن نعیم	جلد2، شمارہ3، ص186
ہر بات پہ یوں اس کا الجھنا بھی وہی ہے	کمار پاشی	جلد2، شمارہ4، ص39
الجھی، ٹوٹی نظر اندھیرے میں	باقر مہدی	جلد2، شمارہ4، ص40
کسے خبر، کہ ہے وہ منزل محال کہاں	فضیل جعفری	جلد2، شمارہ4، ص41
نشاط شب غم نہیں رہ گیا	فضیل جعفری	جلد2، شمارہ4، ص41
احوال اس چراغ کا گھر نے کہا نہیں	عرفان صدیقی	جلد2، شمارہ4، ص42
میرا جسم اور کہیں، میرا خیال اور کہیں	عرفان صدیقی	جلد2، شمارہ4، ص42
کتنے کانٹے چبھو گئی ہے رات	انور سدید	جلد2، شمارہ4، ص43
اندھیرے یاں مسلط ہو گئے ہیں	انور سدید	جلد2، شمارہ4، ص43
جو بھید اصل تھا وہ تو کبھی کھلا ہی نہیں	شاہد جمیل	جلد2، شمارہ4، ص50
نئی اک اور حقیقت بنانے والا ہوں	شاہد جمیل	جلد2، شمارہ4، ص50
ہرے بھرے نئے منظر کی چاہ پہلے تھی	شاہد کلیم	جلد2، شمارہ4، ص51
دھول میں اڑتا ہوا کوئی غبارہ بھی ہے	شاہد کلیم	جلد2، شمارہ4، ص51
دل تو یادوں کے کھلونوں سے بہلتا ہی نہیں	سید شکیل دسنوی	جلد2، شمارہ4، ص52

ریزہ ریزہ جیسے کوئی ٹوٹ گیا ہے میرے اندر	سید شکیل دسنوی	جلد2، شمارہ4، ص52
وہ شخص جو مری آنکھیں بھی میرا خواب بھی ہے	نعمان شوق	جلد2، شمارہ4، ص53
کچھ رحم کر دے میرے بھی اوپر، رحیم تو	نعمان شوق	جلد2، شمارہ4، ص53
جھلستی دھوپ کا وہ سلسلہ بڑھاتا ہے	ملک زادہ جاوید	جلد2، شمارہ4، ص53
کسی کی دھن میں جینا ہے کسی کے ڈر میں رہنا ہے	امجد اسلام امجد	جلد2، شمارہ5، ص36
سو بھیس میں میں آیا بولا ہی نہیں کوئی	شمس الرحمن فاروقی	جلد2، شمارہ5، ص72
اس لو کی چمک دل سے بسر نی تو نہیں تھی	شمس الرحمن فاروقی	جلد2، شمارہ5، ص73
بدل گئی ہے بہار و خزان دل زدگاں	شمس الرحمن فاروقی	جلد2، شمارہ5، ص73
دہان زخم ہے چپ صبح انجمن کی طرح	مظہر امام	جلد2، شمارہ5، ص74
نہ ہم نوا مرے طرز خرام کا نکلا	مظہر امام	جلد2، شمارہ5، ص74
ہو رہی تھی گفتگو آج ممکنات پر	کمار پاشی	جلد2، شمارہ5، ص75
کبھی خود اپنے ہی اندر جو میں نے دیکھے ہیں	کمار پاشی	جلد2، شمارہ5، ص75
اک جھلک اپنی دکھا تو کون ہے	کمار پاشی	جلد2، شمارہ5، ص75
احساس کی لو چھین لے نظروں کو بجھا دے	بشر نواز	جلد2، شمارہ5، ص76
کیوں روح پہ اک بوجھ ہے اب کس کو بتائیں	بشر نواز	جلد2، شمارہ5، ص76
پھر ایک جھونکا وہاں سے لگا کے لائے مجھے	عرفان صدیقی	جلد2، شمارہ5، ص77
سر ہونے دو یہ کار جہاں، عیش کریں گے	عرفان صدیقی	جلد2، شمارہ5، ص77
آدمی کا اب کوئی چہرہ نہیں	ساحل احمد	جلد2، شمارہ5، ص78
ائے ہوا تو پھر ستانے آ گئی	ساحل احمد	جلد2، شمارہ5، ص78
انکار کا عذاب سے رشتہ نیا نہیں	مدحت الاختر	جلد2، شمارہ5، ص79
اپنے درخت، اپنی زمیں، سب بھلا دیے	مدحت الاختر	جلد2، شمارہ5، ص79

نہ جانے ہم پہ پڑا وقت ہے کہ ناؤ پر	شاہد کبیر	جلد2، شمارہ5، ص80
دل تیری چاہ میں یہ سوچ کے رویا بھی نہیں	شاہد کبیر	جلد2، شمارہ5، ص80
اڑتے تھے آسماں میں کبوتر یہاں وہاں	رؤف خیر	جلد2، شمارہ5، ص81
دھواں دھواں ہے مرے جسم و جاں کی تنہائی	ابراہیم اشک	جلد2، شمارہ5، ص81
خلا کی روح کس لیے ہو میرے اختیار میں	ریاض لطیف	جلد2، شمارہ5، ص82
اجڑی صدیوں پر بکھرا ہوں	ریاض لطیف	جلد2، شمارہ5، ص82
بجھے تمدن میں سانس لیتی ہوا نمایاں	ریاض لطیف	جلد2، شمارہ6، ص63
دل میں نہ ہو جرات تو محبت نہیں ملتی	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ6، ص110
دھوپ میں نکلو گھٹاؤں میں نہا کر دیکھو	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ6، ص110
انسان میں حیوان یہاں بھی ہے وہاں بھی	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ6، ص110
آنسوؤں کے دیئے رات بھر	منظر شہاب	جلد2، شمارہ6، ص111
میں نے چکھ کر خود دیکھا تھا	کرشن ادیب	جلد2، شمارہ6، ص112
حفاظت پہ دستہ بدلتا رہوں گا	خالد اقبال یاسر	جلد2، شمارہ6، ص114
ایسے ہی منصب تھے ایسا ہی حشم پہلے بھی تھا	خالد اقبال یاسر	جلد2، شمارہ6، ص114
ساتھ دیتی نہیں پٹاری بھی	اظہر عنایتی	جلد2، شمارہ6، ص115
سفر میں چاہے اپنے گھر میں رہنا	اظہر عنایتی	جلد2، شمارہ6، ص115
مدتوں کا زخم تھا لیکن تر و تازہ لگا	اکبر علی خاں عرشی زادہ	جلد2، شمارہ6، ص116
پھر اسی لہجہ میں تیرا بولنا اچھا لگا	اکبر علی خاں عرشی زادہ	جلد2، شمارہ6، ص116
ترس گئے رنگ و بو کو روشن دماغ سارے	نعمان شوق	جلد2، شمارہ6، ص117
کب سے تیری چاہ میں پاگل ہے آلے جا ہوا	نعمان شوق	جلد2، شمارہ6، ص117
دہان خوں سے سبک سماعت صدا عبث ہے	روشن لال روشن بنارسی	جلد2، شمارہ6، ص118

تہی لباسوں میں مجھ کو یوں برقرار رکھنا	روشن لال روشن بنارسی	جلد2، شمارہ6، ص118
آنسو کی طرح چھت سے ٹپکتی ہوئی اک شئے	رونق شہری	جلد2، شمارہ6، ص119
مہاجروں کے قافلے نشان پر رکے ہوئے	رونق شہری	جلد2، شمارہ6، ص119
نہیں تھی جرات اظہار مجھ میں	سلیم انصاری	جلد2، شمارہ6، ص120
قریہ جاں میں برف باری ہے	سلیم انصاری	جلد2، شمارہ6، ص120
وہ مرادوست محض نام کا تھا	انور ادیب	جلد2، شمارہ6، ص121
اگرچہ اس میں عداوت کی باس لگتی ہے	انور ادیب	جلد2، شمارہ6، ص121
آسماں ساحل سمندر اور میں	عذرا پروین	جلد2، شمارہ6، ص122
دل ڈھونڈتا ہے اپنی ہی آواز گم شدہ	عذرا پروین	جلد2، شمارہ6، ص122
وسائل سب میسر ہیں تو ہر شئے کی کمی کا کیا سبب آخر	عالم خورشید	جلد2، شمارہ6، ص123
زمانے کے لیے راحت ہے اس ہمدرد مٹھی میں	عالم خورشید	جلد2، شمارہ6، ص123
مرادردان سے سوا ہے مری جاں میں جتنے شگاف ہیں	شہپر رسول	جلد2، شمارہ6، ص124
برستی رہتی ہیں صحن جاں میں ہر ایک لمحہ عذاب یادیں	شہپر رسول	جلد2، شمارہ6، ص124
واپسی مشکل ہے لیکن آسرا رکھ جائیو	فصیح اکمل	جلد2، شمارہ7، ص44
مجھے تشنہ یوں ہی نہ چھوڑیو کبھی دیکھنے کو بھی آئیو	فصیح اکمل	جلد2، شمارہ7، ص44
موت سے آگے سوچ کے آنا پھر جی لینا	عبد الاحد ساز	جلد2، شمارہ7، ص45
اک ایما، اک اشارہ مر رہا ہے	عبد الاحد ساز	جلد2، شمارہ7، ص45
کسی کا جبہ و دستار چھین لیتے ہیں	فاروق شفق	جلد2، شمارہ7، ص46
وہ تری ہمسائیگی تھی، میں نہ تھا	مصحف اقبال توصیفی	جلد2، شمارہ7، ص46
یہ مانا ہم نے دشواری بہت تھی	ابراہیم اشک	جلد2، شمارہ7، ص47
سب سے ہنس کر ہاتھ ملانا سیکھ لیا	شبیر احمد قرار	جلد2، شمارہ7، ص47

تم ہو میرے نہ یہ دنیائے دنی میری ہے	آمر صدیقی	جلد2، شمارہ7، ص48
نیم بالغ ساعتو،یہ نخل بے برگ و ثمر بھی کم نہیں ہے	نظام ہاتف	جلد2، شمارہ7، ص48
سناٹا ہے باہر باہر	ارشد نظر	جلد2، شمارہ7، ص49
تمام عمر یہی زندگی،جہان کا ناچ	ایم قمر الدین	جلد2، شمارہ7، ص49
بہت اکیلا ہوں، سوچتا ہوں کسی کو اپنے قریب کر لوں	انور ندیم	جلد2، شمارہ7، ص50
وہ موج خنک شہر شر رتک نہیں آئی	فضیل جعفری	جلد2، شمارہ8، ص61
زمین دی ہے تو تھوڑا آسمان بھی دے	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ8، ص61
سحر لگتی ہے ترے ساتھ گزاری ہوئی شب	شہزاد احمد	جلد2، شمارہ8، ص62
اس کو سینے سے لگانا کہ جدا کرنا ہے	شہزاد احمد	جلد2، شمارہ8، ص62
منزل کا سراغ کھو گیا ہے	مخمور سعیدی	جلد2، شمارہ8، ص63
ہم بھی تھے کبھی اس کے طرف دار مگر اب	مخمور سعیدی	جلد2، شمارہ8، ص63
مال کیاپاس تیرے ہمت عالی بھی نہیں	عرفان صدیقی	جلد2، شمارہ8، ص64
جب یہ عالم ہو تو لکھئے لب ورخسار پہ خاک	عرفان صدیقی	جلد2، شمارہ8، ص64
دعادو ہمیں بھی ٹھکانہ ملے	شاہد کبیر	جلد2، شمارہ8، ص65
پکارتی ہے جو تجھ کو، تیری صدا ہی نہ ہو	شاہد کبیر	جلد2، شمارہ8، ص65
مجھ کو یقیں بہت نہ تھا اس کو گماں بہت ہوا	اسعد بدایونی	جلد2، شمارہ8، ص66
دیار دل کا سفر نا تمام رہ گیا ہے	اسعد بدایونی	جلد2، شمارہ8، ص66
ایک پتہ بھی ٹوٹا نہیں	احتشام اختر	جلد2، شمارہ8، ص67
میں تصور ہوں سخنور کے حوالے کر دے	راشد انور راشد	جلد2، شمارہ8، ص68
پھر سے ریزہ ریزہ ٹوٹے سناٹا	راشد انور راشد	جلد2، شمارہ8، ص68
مہرباں نامہرباں اچھا لگا	سرشار بلند شہری	جلد2، شمارہ8، ص69

زینوں سے میں اتر نہ سکا شام ہو گئی	بدر عالم خلش	جلد2، شمارہ8، ص69
یہ بھی دیکھو کون ہے دشمن، سب سے کہہ دو ٹوٹ گئے ہم	انور قدیم	جلد2، شمارہ8، ص70
خواب و خیال وصل و ہجر، خواب و خیال ہو گئے	کفیل امروہوی	جلد2، شمارہ8، ص70
باہر کے اسرار لہو کے اندر کھلتے ہیں	ساقی فاروقی	جلد2، شمارہ9، ص42
کوئی سنے نہ سنے، عرض حال کرتا جا	مظہر امام	جلد2، شمارہ9، ص43
چپکے چپکے یہ کام کرتا جا	مظہر امام	جلد2، شمارہ9، ص43
شہر کا نقشہ بنانا چاہیے	ساحل احمد	جلد2، شمارہ9، ص44
اشک آنکھوں میں چمکتا اب نہیں	ساحل احمد	جلد2، شمارہ9، ص44
ہم حد ماہ و سال سے آگے نہیں گئے	شبنم شکیل	جلد2، شمارہ9، ص45
دکھانے والے بہت آئینہ دکھاتے رہے	یعقوب راہی	جلد2، شمارہ9، ص45
ورق ورق پہ مشتمل کتاب بن کے رہ گئی	خمار قریشی	جلد2، شمارہ9، ص46
دیدنی تھا، سخن دل، ورق جاں اپنا	خمار قریشی	جلد2، شمارہ9، ص46
سمجھ رہا ہے تیری ہر خطا کا حامی مجھے	راشد آزر	جلد2، شمارہ9، ص47
آسمانوں سے نہ اترے گا صحیفہ کوئی	اندر موہن کیف	جلد2، شمارہ9، ص47
ہاں دھوپ کی یلغار تھی سایہ نہ تھا مجھ میں	نعمان شوق	جلد2، شمارہ9، ص48
ہوائے حرص و ہوس سے مفر بھی کرنا ہے	ارشد عبدالحمید	جلد2، شمارہ9، ص48
منہ کی بات سے ہر کوئی دل کے درد کو جانے کون	ندا فاضلی	جلد3، شمارہ10، ص51
حد سے حد، حد گماں تک کوئی جا سکتا ہے	امجد اسلام امجد	جلد3، شمارہ10، ص52
کوئی سبیل ہو ایسی کہ سب سنبھلتے رہیں	ارشد عبدالحمید	جلد3، شمارہ10، ص57
منزل و سمت سفر سے بے خبر، نا آشنا	محسن زیدی	جلد3، شمارہ10، ص110
یوں سمجھ لو کہ بجز نام خدا کچھ نہ رہا	محسن زیدی	جلد3، شمارہ10، ص110

مکانِ جان کو کہاں خاکداں میں رکھا جائے	صدیق مجیبی	جلد3، شمارہ10، ص111
خود میرا لہو مجھ سے سوالی ہے تو کیا ہے	صدیق مجیبی	جلد3، شمارہ10، ص111
مرے سپرد کہاں وہ خزانہ کرتا تھا	عتیق اللہ	جلد3، شمارہ10، ص112
اس ایک ذرے کو روشن ستارہ کرنا ہے	عتیق اللہ	جلد3، شمارہ10، ص112
ریاکاریوں سے مسلح یہ لشکر مجھے مار دیں گے	حسن عباس رضا	جلد3، شمارہ10، ص113
لب دریا اگر پہرا رہے گا	حسن عباس رضا	جلد3، شمارہ10، ص113
میں چھوڑ آیا تھا، اپنے گھر کو مگر اسی کے خیال میں ہوں	فاروق نازکی	جلد3، شمارہ10، ص114
وہی میں ہوں وہی خالی مکاں ہے	فاروق نازکی	جلد3، شمارہ10، ص114
غلاف میں ہوں مجھے بے غلاف کون کرے	شاہد کلیم	جلد3، شمارہ10، ص115
بچھڑ گئے ہیں تو یہ حادثہ نہیں کچھ بھی	شاہد کلیم	جلد3، شمارہ10، ص115
مجھے خیالات کی زمیں پر نئے نئے آسمان نکلے	ریاض لطیف	جلد3، شمارہ10، ص116
خلا سے خلا کو تراشا کروں	ریاض لطیف	جلد3، شمارہ10، ص116
حیات نارسا کی روشنی ہے	ساجدہ زیدی	جلد3، شمارہ11، ص60
بسے ہوئے تو ہیں لیکن دلیل کوئی نہیں	شبنم شکیل	جلد3، شمارہ11، ص64
جو ہو سکے تو مجھے میرے پاس رہنے دے	جمشید مسرور	جلد3، شمارہ11، ص66
بام و در ٹوٹ گئے بہہ گیا پانی کتنا	شاہد ماہلی	جلد3، شمارہ11، ص130
غم کی تہذیب اذیت کا قرینہ سیکھیں	شاہد ماہلی	جلد3، شمارہ11، ص130
سوچ سے احساس تک پیکر وہی	ظفر گورکھپوری	جلد3، شمارہ11، ص131
ہر شب اس کا کھیل اک تازہ میرے ساتھ	ظفر گورکھپوری	جلد3، شمارہ11، ص131
مہکی ہوئی خوابوں کی فضا کچھ نہیں کہتی	عباس رضوی	جلد3، شمارہ11، ص132
زباں پر آرزو بھی ہے دعا بھی	عباس رضوی	جلد3، شمارہ11، ص132

سہانی دھوپ، محلوں کی چھتوں پر ہی فدا کیوں ہے	عنبر بہرائچی	جلد3، شمارہ11، ص133
باہر زور لگانے سے کیا کھلتا ہے	اشہر ہاشمی	جلد3، شمارہ11، ص133
یہ کیا سوال ہے تو کیوں سفر میں رہتا ہے	رخسانہ جبیں	جلد3، شمارہ11، ص134
ہماری بات کہاں نکتہ داں سمجھتے ہیں	رخسانہ جبیں	جلد3، شمارہ11، ص134
الگ ہی اس نے بھی کچھ اپنے دل میں ٹھانی ہے	رخسانہ جبیں	جلد3، شمارہ11، ص134
خار زار ہجر کا لمبا سفر	رخسانہ جبیں	جلد3، شمارہ11، ص134
مجھ کو لگتا ہے امتحاں ہونا	حفیظ آتش	جلد3، شمارہ11، ص37
شہر کے لوگوں سے باتیں سر کاری کیا کرو	ساقی فاروقی	جلد3، شمارہ12، ص61
کوئی وجہ تو دل کی تباہی کی چاہیئے	فضیل جعفری	جلد3، شمارہ12، ص61
بن کے ہوا در بہ در کوچہ بہ کوچہ سہی	بشر نواز	جلد3، شمارہ12، ص62
عکس ہر روز کسی غم کا پڑا کرتا ہے	بشر نواز	جلد3، شمارہ12، ص62
صداقتوں کا ہے یہ جشن رونمائی دیکھ	محسن زیدی	جلد3، شمارہ12، ص63
آبادیوں کے مٹ گئے آثار سب کے سب	محسن زیدی	جلد3، شمارہ12، ص63
ذہن و دل کا آئینہ صیقل ہوا	ساحل احمد	جلد3، شمارہ12، ص64
کیا چراغوں کا سفر پانی پہ ہے	ساحل احمد	جلد3، شمارہ12، ص64
لبوں پر سرخیاں تھیں اب کہاں ہیں	احتشام اختر	جلد3، شمارہ12، ص65
مکان دل کی اداسی کو یوں چھپا لیں گے	احتشام اختر	جلد3، شمارہ12، ص65
کبھی عذاب کبھی ایک تازیانہ ہے	جاوید ناصر	جلد3، شمارہ12، ص66
پھول ہے چاہے صحرا میں ہو دھیرے دھیرے کِل جاتا ہے	جاوید ناصر	جلد3، شمارہ12، ص66
اک صاحب نسبت کی اسیری کا اثر تھا	شمیم طارق	جلد3، شمارہ12، ص67
اندھیری شب کی ردا بھی گراں گزرتی ہے	شمیم طارق	جلد3، شمارہ12، ص67

من آنگن کا پنجرہ میں	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد3، شمارہ12، ص68
اندر میں ہوں باہر میں	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد3، شمارہ12، ص68
ملبوں میں خاک و خون کی نشانی ہے ایک سی	ارمان نجمی	جلد3، شمارہ12، ص69
نہ صرف یہ کہ ذرا اعتبار بھی کھویا	ارمان نجمی	جلد3، شمارہ12، ص69
تیرگی سے اس طرح لڑتا رہا جیسے کہ میں	ذکی بلگرامی	جلد3، شمارہ12، ص70
ہر ایک زخم، پس پیرہن نہاں رکھنا	ذکی بلگرامی	جلد3، شمارہ12، ص70
خرابِ جوشِ نمو، فصلِ آرزو کیوں ہو	یعقوب راہی	جلد3، شمارہ12، ص71
ندی کے کنارے اترتے چھپے	سرشار بلند شہری	جلد3، شمارہ12، ص71
خود اپنے خون کے لذت کشوں میں میں بھی تھا	رزاق حمید	جلد3، شمارہ12، ص72
حصار امکان میں نہیں ہے، خود اپنے محور سے کٹ گیا ہے	ریاض لطیف	جلد3، شمارہ12، ص72
ہر ایک لمحہ مٹ رہا ہوں میں نشان کی طرح	طارق متین	جلد3، شمارہ12، ص73
غم کی دیوار کو میں زیروزبر کر نہ سکا	طارق متین	جلد3، شمارہ12،، ص73
گرج برس پیاسی دھرتی پر پھر پانی دے مولا	ندا فاضلی	جلد4، شمارہ13، ص49
کیفِ جاں، نور بصر یاد آیا	ساجدہ زیدی	جلد4، شمارہ13، ص51
پورا چاند اور آدھی رات	مغنی تبسم	جلد4، شمارہ13، ص150
کوئی شے دل کو بہلاتی نہیں	بخش لائل پوری	جلد4، شمارہ13، ص150
حقیقتوں سے الجھتا رہا فسانہ مرا	شاہد ماہلی	جلد4، شمارہ13، ص151
جنس گراں تھی، خوبی قسمت، نہیں ملی	شاہد ماہلی	جلد4، شمارہ13، ص151
لفظ مانند لہو میں نے لکھا ہے جب سے	ابراہیم اشک	جلد4، شمارہ13، ص152
تبسم پھول سے سورج سے تھوڑی روشنی لے لو	ابراہیم اشک	جلد4، شمارہ13، ص152
دور تک بام و در کے سناٹے	کامل اختر	جلد4، شمارہ13، ص153

نئے منظروں کے جہاں کھولنا	کامل اختر	جلد 4، شمارہ 13، ص 153
لوٹیں عدو جو امن تو لڑتا نہیں کوئی	ارشد عبد الحمید	جلد 4، شمارہ 13، ص 154
خاموشی تک تو اک صدا لے گئی مجھے	ارشد عبد الحمید	جلد 4، شمارہ 13، ص 154
میں نے اب تک کا سفر	پرواز اختر	جلد 4، شمارہ 13، ص 155
وہی انداز ہے سب میر جی کا	پرویز اختر	جلد 4، شمارہ 13، ص 155
بارہا آئے گی رت جو بھی ہے جانے والی	فاروق انجینئر	جلد 4، شمارہ 13، ص 156
مرے مزاج سے واقف کبھی ہوا ہی نہیں	فاروق انجینئر	جلد 4، شمارہ 13، ص 156
کہیں جو رہنما کا پاؤں اک ذرا پھسل گیا	سہیل اختر	جلد 4، شمارہ 13، ص 157
ضرورت مند ہے اپنی انا کو مار ڈالے گا	سہیل اختر	جلد 4، شمارہ 13، ص 157
راہ جہنم کے راہی ہم، کرب نگر کے باشندے	عبد الاحد ساز	جلد 4، شمارہ 16، ص 54
لفظوں کے بیوپار کی باتیں کرتی ہو	عذرا نقوی	جلد 4، شمارہ 16، ص 57
دل سے ہر نقش مٹا دینے کو جی چاہتا ہے	شہزاد احمد	جلد 4، شمارہ 16، ص 129
شمعِ جاں میرے شب و روز سے کیا چاہتی ہے	شہزاد احمد	جلد 4، شمارہ 16، ص 129
پھیل رہا ہے دشتِ سفر	اکبر حیدر آبادی	جلد 4، شمارہ 16، ص 130
چلو طوفان کو لنگر اٹھا کر دیکھ لیتے ہیں	مظفر حنفی	جلد 4، شمارہ 16، ص 131
زندہ ہے تو بول شگوفے، ہنسنے میں کیا نقصان ہے	مظفر حنفی	جلد 4، شمارہ 16، ص 131
تمام عمر میں آسیب کے اثر میں رہا	شاہد کبیر	جلد 4، شمارہ 16، ص 132
وہ بد گماں ہے کہ کنکر اسے گہر میں ملا	شاہد کبیر	جلد 4، شمارہ 16، ص 132
پتھروں کی چاپ سن، نقشِ صدا محفوظ کرے	نذر بانی	جلد 4، شمارہ 16، ص 133
شہر خاموش ہے سب نیزہ و خنجر چپ ہیں	شاہد ماہلی	جلد 4، شمارہ 16، ص 133
صفا و صدق نہ عجز و نیاز محرومی	اسعد بدایونی	جلد 4، شمارہ 16، ص 134

نہ میرے ہاتھوں میں دم ہے نہ نم ہے تو وہ خاک	اسعد بدایونی	جلد 4، شمارہ 16، ص 134
ذہن و دل کا آئینہ صیقل ہوا	ساحل احمد	جلد 4، شمارہ 16، ص 135
کیا چراغوں کا سفر پانی پہ ہے	ساحل احمد	جلد 4، شمارہ 16، ص 135
عجیب معصومیت ہے ان کے دکھوں میں باقی	خالد اقبال یاسر	جلد 4، شمارہ 16، ص 136
ورق ورق جس کے روز و شب حافظوں میں باقی	خالد اقبال یاسر	جلد 4، شمارہ 16، ص 136
اک فرد ہوں واہمہ نہیں ہوں	عباس رضوی	جلد 4، شمارہ 16، ص 137
تری زمیں پہ فلک کے آبلے میں قید ہوں	عباس رضوی	جلد 4، شمارہ 16، ص 137
دکھ کا منتر پڑھی ہوئی ہوں	شبنم شکیل	جلد 4، شمارہ 16، ص 138
حکم نامے نئے تحریر کیے جاتے ہیں	شبنم شکیل	جلد 4، شمارہ 16، ص 138
آہ و فریاد سے اب کچھ نہیں ہونے والا	میر ہاشم	جلد 4، شمارہ 16، ص 139
مرے خیال سے اس دل کا فاصلہ کب تھا	میر ہاشم	جلد 4، شمارہ 16، ص 139
دریا چاہے سوکھ بھی جائے دریا ہی کہلاتا ہے	پرکاش فکری	جلد 4، شمارہ 16، ص 140
چلو! اب نیند کی بستی میں جائیں	پرکاش فکری	جلد 4، شمارہ 16، ص 140
دفن جو ہو گیا وہ زندہ کیا	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد 4، شمارہ 16، ص 141
پیوست تھے زمین سے ہجرت کے وقت بھی	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد 4، شمارہ 16، ص 141
طلسم کہہ لیجیے اسے، کیا مضائقہ ہے	عطاء الرحمن طارق	جلد 4، شمارہ 16، ص 142
دلوں میں اپنے اتار رکھنا	عطاء الرحمن طارق	جلد 4، شمارہ 16، ص 142
بستی میں چلتے چلتے بہت شام کر گیا	حشمت فاتحہ خوانی	جلد 4، شمارہ 16، ص 143
کبھی خود میں شام و سحر ذرا	اکرم نقاش	جلد 4، شمارہ 16، ص 144
اے ابر التفات ترا اعتبار پھر	اکرم نقاش	جلد 4، شمارہ 16، ص 144
لطف آئے ایسے کچھ فقرے جی کو جلانے والے بول	ظفر گورکھپوری	جلد 4، شمارہ 16، ص 145

پلک جھپکی نہیں اور خون میں تر ہو گیا سب کچھ	ظفر گورکھپوری	جلد4، شمارہ16، ص145
حرف سے بن گئے جبینوں پر	احمد کمال پروازی	جلد4، شمارہ16، ص146
اس کا اتنا نشاں بہت ہو گا	احمد کمال پروازی	جلد4، شمارہ16، ص146
خموشیوں میں نمایاں ہے ایسی شان کا رنگ	شاہد میر	جلد4، شمارہ16، ص147
بہر صورت ضمانت زندگی کی ساتھ لاتے ہیں	شاہد میر	جلد4، شمارہ16، ص147
ویرانیاں ہیں روح میں آنکھوں میں صد عذاب بھی	شمیم طارق	جلد4، شمارہ16، ص148
ریگِ ہستی میں بھی گل چینی کے حیلے ہیں میاں	شمیم طارق	جلد4، شمارہ16، ص148
لمحہ لمحہ مت سوچو	رونق نعیم	جلد4، شمارہ16، ص149
کیا ارادہ ہے میں کیا ہو جاؤں	رونق نعیم	جلد4، شمارہ16، ص149
کون اطمینان دل ٹھہرا، غم جاں کون تھا	خمار قریشی	جلد4، شمارہ16، ص150
حضور یار کبھی غائبانہ ہوتا ہے	خمار قریشی	جلد4، شمارہ16، ص150
نقش قدم تھا، وہم سفر تک	مصحف اقبال توصیفی	جلد4، شمارہ16، ص151
کب ڈوبا تھا ترے غم میں ذرا یاد نہیں	جمال اویسی	جلد4، شمارہ16، ص152
میرے مستقبل کی ضمانت لے گا کون	جمال اویسی	جلد4، شمارہ16، ص152
نکل کے پردہ شب سے یہیں پہ اترے گا	نظام الدین نظام	جلد4، شمارہ16، ص153
دوپہر کی دھوپ، سایہ مختصر	نظام الدین نظام	جلد4، شمارہ16، ص153
نہیں تھا سامنے میرے مگر رہا موجود	کرشن کمار طور	جلد4، شمارہ16، ص154
یہی نہ ہو، کہیں حرف وفا اتر جائے	کرشن کمار طور	جلد4، شمارہ16، ص154
تجھ سے بچھڑ کے سمتِ سفر بھولنے لگے	حسن عباس رضا	جلد4، شمارہ16، ص155
کسی کے ہجر میں یوں ٹوٹ کر رویا نہیں کرتے	حسن عباس رضا	جلد4، شمارہ16، ص155
عبث ہے کس لیے زخموں کو پا لیے صاحب	یوگندر پال طائر	جلد4، شمارہ16، ص156

ابھی روشن کوئی منظر نہ ہو گا	مدحت الاختر	جلد 4، شمارہ 16، ص 156
روح تک گھومتا ہے سناٹا	سوریہ بھانو گپت	جلد 4، شمارہ 16، ص 157
دل میں ایسے اتر گیا کوئی	سوریہ بھانو گپت	جلد 4، شمارہ 16، ص 157
جو گھر تمہاری مصلحتوں نے بنائے ہیں	حسن فرخ	جلد 4، شمارہ 16، ص 158
سکوت شب کے ہاتھوں سونپ کر واپس بلاتا ہے	اشعر نجمی	جلد 4، شمارہ 16، ص 158
کوئی گزرا ہے اس پہ سانحہ انکار کرتا تھا	رونق شہری	جلد 4، شمارہ 16، ص 159
دھول پر قدموں کی ہے تزئین کاری اے ہوا	رونق شہری	جلد 4، شمارہ 16، ص 159
لڑو تو خوب مگر یہ بھی حوصلہ رکھنا	سیفی سرونجی	جلد 4، شمارہ 16، ص 160
کہاں مزاج رہا اب وہ آتشوں والا	سہیل اختر	جلد 4، شمارہ 16، ص 160
کونپلیں شاخ پہ پھوٹی ہیں ڈری سہمی سی	نعمان شوق	جلد 4، شمارہ 16، ص 161
پیاس سے چیختا بچہ وہی پہلے جیسا	نعمان شوق	جلد 4، شمارہ 16، ص 161
سارے اسرار عیاں بات مگر کچھ تو ہے	شاہد کلیم	جلد 4، شمارہ 16، ص 162
نہیں کہ کشتی وحشت میں بادبان نہیں	شاہد جمیل	جلد 4، شمارہ 16، ص 162
قطرہ قطرہ خون کا آندھی کی تیاری میں ہے	مظفر حنفی	جلد 5، شمارہ 17، ص 128
حقیقت ہے مگر اپنی زباں سے کیا بیان کرتے	مظفر حنفی	جلد 5، شمارہ 17، ص 128
کچھ درد بڑھا ہے تو مداوا بھی ہوا ہے	شاہد ماہلی	جلد 5، شمارہ 17، ص 128
رمز و اسرار شب و روز کھلا چاہتا ہے (نذر پروین شاکر)	شاہد ماہلی	جلد 5، شمارہ 17، ص 128
وہ شہزادے جو بے خواب و خور ہیں زنداں میں (داستانی غزل)	اسعد بدایونی	جلد 5، شمارہ 17، ص 130
صاحبِ قِراں بتلائے لشکر کا عالم کیا ہوا (داستانی غزل)	اسعد بدایونی	جلد 5، شمارہ 17، ص 130
شام دروازے پر اک برات آتی جاتی بھی دیکھوں	مصور سبزواری	جلد 5، شمارہ 17، ص 131
ہر چند وقت نے بہم آسائش نہ کہیں	مصور سبزواری	جلد 5، شمارہ 17، ص 131

بہت دھوکا دیا خود کو مگر کیا کر لیا میں نے	فاروق شفق	جلد5، شمارہ17، ص132
رنگین سائے گھر میں مقدر سے آئے ہیں	فاروق شفق	جلد5، شمارہ17، ص132
رات آئی تو تری یاد کے جگنو بولے	صدیقہ شبنم	جلد5، شمارہ17، ص133
آنکھوں کا عہد اور تھا دل کی گواہی اور ہے	صدیقہ شبنم	جلد5، شمارہ17، ص133
ہے مسلط کسی بلا کی طرح	عقیل شاداب	جلد5، شمارہ17، ص134
نفی سے اثبات کی طرف آ	عقیل شاداب	جلد5، شمارہ17، ص134
بے زباں دل کی نوا میں رہنا	ظفر غوری	جلد5، شمارہ17، ص135
حالِ دل لفظوں میں کیا، باچشم نم لکھنا اسے	ظفر غوری	جلد5، شمارہ17، ص135
یہ بات جھوٹ نہیں دوستوں عجب ہے تو کیا	طارق متین	جلد5، شمارہ17، ص136
گری ہیں اتنی عداوت کی بجلیاں اب کے	طارق متین	جلد5، شمارہ17، ص136
پریوں والے دیس کی رانی رہتی ہے	منظور ہاشمی	جلد5، شمارہ17، ص137
ہری بھری تھیں بہت جن سے کھیتیاں میری	منظور ہاشمی	جلد5، شمارہ17، ص137
شہر میں پھر کہیں دیوار گری لکھا تھا	شاہد اختر	جلد5، شمارہ17، ص138
چراغ ہی نہیں تھوڑی ہوا بھی رکھتے ہیں	شاہد اختر	جلد5، شمارہ17، ص138
جال رگوں کا، گونج لہو کی، سانس کے تیور بھول گئے	ریاض لطیف	جلد5، شمارہ17، ص139
بدن کے گنبد خستہ کو صاف کیا کرتا	ریاض لطیف	جلد5، شمارہ17، ص139
ایک لمحہ ڈھونڈتا دریا کوئی	اقبال فہیم	جلد5، شمارہ17، ص140
ایک لمحہ، میں ہوں، میں، دریا رواں	اقبال فہیم	جلد5، شمارہ17، ص140
بساطِ خاک سے باہر نشانِ اول ہوں	زبیر شفائی	جلد5، شمارہ17، ص141
خزاں کی رنگ آمیزی نہیں جادوگری دیکھو	زبیر شفائی	جلد5، شمارہ17، ص141
محیط چاک پہ موج ہنر میں روشن ہوں	خمار احمد رمز	جلد5، شمارہ17، ص142

سرگوشیوں میں حرفِ صداقت سنائی دے	حمید الماس	جلد5، شمارہ17، ص142
خوشبو کا سفر تختِ صبا پہ ہے کہ تم ہو	عباس رضوی	جلد5، شمارہ18، ص67
کیا کسی جشن کا سرنامہ بنایا ہے مجھے	عرفان صدیقی	جلد5، شمارہ18، ص107
خانہ درد، ترے خاک بہ سر آگئے ہیں	عرفان صدیقی	جلد5، شمارہ18، ص107
میں دھوپ دوست کھلا سر پہ آسماں چاہوں	ذکی بلگرامی	جلد5، شمارہ18، ص108
زمیں کا درخت وزار ہوں نہ اب شجر نژاد میں	ذکی بلگرامی	جلد5، شمارہ18، ص108
کس طرح داستاں بنائیں اسے	شاہد کبیر	جلد5، شمارہ18، ص109
شہر کا شہر انتظار میں ہے	شاہد کبیر	جلد5، شمارہ18، ص109
نمو کے ساتھ ہی عکس کمال بھی دیکھا	اعمان نجمی	جلد5، شمارہ18، ص110
ایک دیوار ایک در در پیش	سرشار بلند شہری	جلد5، شمارہ18، ص110
مثل شبنم کبھی جو تھا قصہ	صدف جعفری	جلد5، شمارہ18، ص111
کھیلنے کا وقت تھا، دریا کوئی	اقبال فہیم	جلد5، شمارہ18، ص111
پتیاں، جالیوں سے جھانکتی ہیں	عطاء الرحمن طارق	جلد6، شمارہ21، ص58
پتا میرا ابھی تیرے نام سے جانا نہیں جاتا	اقبال متین	جلد6، شمارہ22، ص99
برق ملتی ہے نہ تنکوں کو شرر ملتا ہے	اقبال متین	جلد6، شمارہ22،، ص99
دلبر ترے کوچے کو حسیں کچھ تو کیا ہے	ظفر گورکھپوری	جلد6، شمارہ22، ص100
کوئی نہ تھا تو ہانک لگاتا کسے رہا	ظفر گورکھپوری	جلد6، شمارہ22، ص100
کسی صدا کا تعلق نہ ہم سے بے شک ہو	من موہن تلخ	جلد6، شمارہ22، ص101
میں جان لیوا مراحل سے بھی گزر آیا	من موہن تلخ	جلد6، شمارہ22، ص101
تمام ہجر اسی کا وصال ہے اس کا	سید ابوالحسنات حقی	جلد6، شمارہ22، ص102
ویسے کہنے کو تو یہ سارا جہاں ہے میرا	میر ہاشم	جلد6، شمارہ22، ص102

یہ سچ ہے میرا روایت پہ انحصار نہیں	عقیل شاداب	جلد6،شمارہ22،ص103
خون کے چھینٹے ہیں ہر دستار پر	عقیل شاداب	جلد6،شمارہ22،ص103
پیڑ سے گر گئے ہیں پتے کئی	صدف جعفری	جلد6،شمارہ22،ص104
چاند کے ساتھ چلنا ہوا تھا کبھی	صدف جعفری	جلد6،شمارہ22،ص104
زمیں سے دور کہیں لامکاں میں کھلتے ہیں	راشد طراز	جلد6،شمارہ22،ص105
بساطِ شوق پہ کچھ باکمال رہنے دے	راشد طراز	جلد6،شمارہ22،ص105
بوجھ الفاظ کا ہونٹوں پہ اٹھاتے کیوں ہو؟	مظہر امام	جلد6،شمارہ23،ص133
آنکھ سے خواب لے گئی دل سے خیال لے گئی	عباس رضوی	جلد6،شمارہ23،ص133
مرے رفیقِ سفر سب ٹھہر گئے شاید	اقبال متین	جلد6،شمارہ23،ص134
ہوائیں سرد تھیں، بارش تھی، جل رہے تھے ہم	اقبال متین	جلد6،شمارہ23،ص134
محسوس جو ہوتا ہے کہ ہم ہیں بھی، نہیں بھی	من موہن تلخ	جلد6،شمارہ23،ص135
تھوڑی دیر کو ہم جو کہیں رک جاتے تو یہ ممکن تھا	من موہن تلخ	جلد6،شمارہ23،ص135
لوگ جب بھی ادھر سے گذریں گے	پرکاش فکری	جلد6،شمارہ23،ص136
بند گلیوں کی ہوا سے واسطہ ہے	پرکاش فکری	جلد6،شمارہ23،ص136
دعوت استغاثہ سحابوں کے نام	ذکی بلگرامی	جلد6،شمارہ23،ص137
ان اتھلے پانیوں سے کب گزرنا چاہتا ہوں میں	ذکی بلگرامی	جلد6،شمارہ23،ص137
نادیدہ مناظر کے ابھرنے کی خبر دے	صدیقہ شبنم	جلد6،شمارہ23،ص138
تمام لوگ سروں پر ہی گھر اٹھائے ہوئے	روشن لال روشن	جلد6،شمارہ23،ص138
وہ ایک سوال ستارہ جو آسمان میں تھا	احمد محفوظ	جلد6،شمارہ23،ص139
میں بند آنکھوں سے کب تلک یہ غبار دیکھوں	احمد محفوظ	جلد6،شمارہ23،ص139
میرے ہاتھوں کو یہ پہنانے لگا زنجیر کون	رخسانہ جبیں	جلد6،شمارہ23،ص140

چڑھتا سورج جس کے پس منظر میں ہو	رکسانہ جبیں	جلد6،شمارہ23،ص140
نخلِ خودرَو کے لیے باغ کی حاجت کیسی	طارق متین	جلد6،شمارہ23،ص141
درد کی شدت میں دستِ مہرباں ہوتا ہوا	طارق متین	جلد6،شمارہ23،ص141
نہ ہوگی پار یہ کاغذ کی ناؤ رہنے دے	سیفی سرونجی	جلد6،شمارہ23،ص142
اس سے بڑھ کر آج تک دیکھی سزا کچھ بھی نہیں	سیفی سرونجی	جلد6،شمارہ23،ص142
لہولہان ہوا میں لہو کہاں بولا	عالم خورشید	جلد6،شمارہ23،ص143
تیر بن کر ضبط کی فتراک سے باہر نکل	عالم خورشید	جلد6،شمارہ23،ص143
یہ رات توقع سے بڑی ہو گئی اب تو	روی ضیا	جلد6،شمارہ23،ص144
اگر راستہ آسمانوں کا ہے	روی	جلد6،شمارہ23،ص144
لفظوں کے صحرا میں کیا معنی کے سراب دکھانا بھی	عبد الاحد ساز	جلد7،شمارہ24،ص104
درخت روح کے جھومے، پرند گانے لگے	عبد الاحد ساز	جلد7،شمارہ24،ص104
سر سلامت تو در ملیں گے بہت	عقیل شاداب	جلد7،شمارہ24،ص105
کہا جو اس نے، ہمارے دلوں میں تھا شاید	عقیل شاداب	جلد7،شمارہ24،ص105
خندہ لب، شعلہ رخسار سے جی بھر گیا	ظہیر غازی پوری	جلد7،شمارہ24،ص106
رنگ دھندلی یاد کا روشن دوبارہ کر گیا	رؤف خلش	جلد7،شمارہ24،ص106
ایک بدن کے سو سو پیچ و تاب کھلے	غلام مرتضیٰ راہی	جلد7،شمارہ24،ص107
اچھلتے، کودتے، لہراتے آبشار ملے	غلام مرتضیٰ راہی	جلد7،شمارہ24،ص107
امرت کی سوغات جیبی، تو کیا جانے	خان ارمان	جلد7،شمارہ24،ص108
ہرا، گلابی، پیلا، کالا، یہ تو ہے	خان ارمان	جلد7،شمارہ24،ص108
یہ خواب خواب سا منظر نیا ہے میرے لیے	راشد انور راشد	جلد7،شمارہ24،ص109
خلاف ساری لکیریں تھیں ہاتھ ملتے کیا	راشد انور راشد	جلد7،شمارہ24،ص109

ہوا کے ساتھ یوں مل کر یہ سازش کون کرتا ہے	محمد شاہد پٹھان	جلد 7، شمارہ 24، ص110
ستم کی گرم بازاری بہت ہے	محمد شاہد پٹھان	جلد 7، شمارہ 24، ص110
بدن چراتے ہوئے روح میں سمایا کر	ساقی فاروقی	جلد 7، شمارہ 25، ص159
عشق میں حاصل و در کار نہیں دیکھتا میں	عرفان صدیقی	جلد 7، شمارہ 25، ص160
ڈوبنا چاہوں تو گرداب میرے سامنے ہے	عرفان صدیقی	جلد 7، شمارہ 25، ص160
اسی غبار سر رہگزر میں ہم بھی ہیں	عباس رضوی	جلد 7، شمارہ 25، ص161
لہو کی موج میں چہرے کی ہر خراش میں تھا	عباس رضوی	جلد 7، شمارہ 25، ص161
پانی یہاں نہیں ہے کسی بھی مکان میں	من موہن تلخ	جلد 7، شمارہ 25، ص162
ہم کو امید تھی بھی نہ دنیا سے داد کی	من موہن تلخ	جلد 7، شمارہ 25، ص162
اس نے ڈالی شراب ساغر میں	صابر دت	جلد 7، شمارہ 25، ص163
ہجر کا رنج تھا پھر بھی دل کو سنبھالا جا سکتا تھا	حسن عباس رضا	جلد 7، شمارہ 25، ص163
جو کچھ بھی ہے لمحہ باقی سے جل جائے	رونق شہری	جلد 7، شمارہ 25، ص164
اس میں بلا کی ہٹ دھرمی ہے کیا کہیے!	رزاق حمید	جلد 7، شمارہ 25، ص164
اب اپنے آپ سے رہتی ہے گفتگو اپنی	ذکی بلگرامی	جلد 7، شمارہ 25، ص165
جب بھی آن براجے تو کمرے میں	ذکی بلگرامی	جلد 7، شمارہ 25، ص165
یہ خواب خواب سا منظر نیا ہے میرے لیے	راشد انور راشد	جلد 7، شمارہ 25، ص166
زمانہ گزرا تصور میں رنگ بھرتے ہوئے	راشد انور راشد	جلد 7، شمارہ 25، ص166
میری آنکھوں کے اندر چھپا کون ہے	عاصم شہنواز شبلی	جلد 7، شمارہ 25، ص167
کیا کہوں کیا حصار تھا مجھ میں	عاصم شہنواز شبلی	جلد 7، شمارہ 25، ص167
مرے سمٹے لہو کا استعارہ لے گیا کوئی	ریاض لطیف	جلد 7، شمارہ 25، ص168
ترے مرے نشان سب سمیٹ لوں	ریاض لطیف	جلد 7، شمارہ 25، ص168

میرے مہتاب کا انداز نرالا نکلا	خالد عبادی	جلد7، شمارہ25، ص169
کوئی مر جائے تو پر موت نہیں آتی ہے	خالد عبادی	جلد7، شمارہ25، ص169
وہ کیا دن تھے کہ دل میں، جان سے پیارے گذرتے تھے	خان ارمان	جلد7، شمارہ25، ص170
ادھوری ہے غزل، نغمہ ادھورا	فاروق انجنئیر	جلد7، شمارہ25، ص170
دل سے اب بھی آرزوئے پیش و پس جاتی نہیں	فضیل جعفری	جلد8، شمارہ27، ص106
ہر سود سے ہر زیاں سے گزرے	مغنی تبسم	جلد8، شمارہ27، ص106
میں راہ گیر بھی تھا، خود ہی اپنا رہبر تھا	اقبال متین	جلد8، شمارہ27، ص107
وہ موج موج لیے پار اتر گیا مجھ کو	اقبال متین	جلد8، شمارہ27، ص107
یہ سب نے کہا بن بلایا ہوں میں	من موہن تلخ	جلد8، شمارہ27، ص108
امنڈتا سمندر جو پیاسا ملا	پرکاش فکری	جلد8، شمارہ27، ص108
خوبیوں پر دوستوں کی خاک ڈال آتا ہے کیوں	اسعد بدایونی	جلد8، شمارہ27، ص109
جو ہوا اب تک مرا اس میں کوئی حصہ نہیں	مدحت الاختر	جلد8، شمارہ27، ص109
میں پہلے سارا دن دنیا کی جولانی میں رہتا ہوں	مبین مرزا	جلد8، شمارہ27، ص110
بہت ہیں جن کے مقدر میں گھر نہیں ہے کوئی	عباس رضوی	جلد8، شمارہ27، ص110
ہنڈولے کی طرح جو چیز ہے لہرانے لگتی ہے	ارتضی نشاط	جلد8، شمارہ27، ص111
رہائی سے انکار کرتا ہوا	غلام مرتضی راہی	جلد8، شمارہ27، ص111
چمن میرا یہ گل یہ خار میرے	اقبال عمر	جلد8، شمارہ27، ص112
تقدیس بڑھا دی ہے شہادت نے لہو کی	شمیم طارق	جلد8، شمارہ27، ص112
شائستگی شوق دے، تہذیب نظر دے	میر ہاشم	جلد8، شمارہ27، ص113
میں حبیب ہوں کسی اور کا مری جانِ جاں کوئی اور ہے	طارق متین	جلد8، شمارہ27، ص113
غم کا تھا جو پہاڑ وہ تنہا اٹھا لیا	رونق شہری	جلد8، شمارہ27، ص114

بدن کی آگ میں اک شام جلنا چاہتا ہوں میں	راشد انور راشد	جلد 8، شمارہ 27، ص 114
روح کے گرد خلاؤں کے سلاسل ہونا	ریاض لطیف	جلد 8، شمارہ 27، ص 115
دوستوں کا خیال رہنے دو	عاصم شاہنواز شبلی	جلد 8، شمارہ 27، ص 115
نہ جو جھاد کھوں سے، نہ چارا کیا	خان ارمان	جلد 8، شمارہ 27، ص 116
خود اپنے نفس کا آئینہ دار بھی میں ہوں	نہال رضوی	جلد 8، شمارہ 27، ص 116
قصہ ہے آرزو کا یا عرضِ حال کا ہے	صدیقہ شبنم	جلد 8، شمارہ 27، ص 117
نہ جانے کیا سمجھ کر سونپ دی کشتی سمندر کو	صدیقہ شبنم	جلد 8، شمارہ 27، ص 117
ہر اجنبی ڈگر کو مری رہ گذر نہ جان	اعتماد صدیقی	جلد 8، شمارہ 27، ص 117
یہ بات راہ روِ نکتہ داں سے دور نہیں	آفتاب حسین	جلد 8، شمارہ 27، ص 118
تمام بھیڑ سے آگے نکل کے دیکھتے ہیں	احمد کمال پروازی	جلد 8، شمارہ 27، ص 118
ہم جو یہ مہلتِ یک موجِ نفس لیتے ہیں	افضال نوید	جلد 8، شمارہ 27، ص 119
نے گل کا تذکرہ ہے، نہ صہبا کی کوئی بات	الطاف احمد اعظمی	جلد 8، شمارہ 27، ص 119
جس گلی س مکان سے گزرے	منیر پرواز	جلد 8، شمارہ 27، ص 120
میں اکیلا تنِ تنہا کیسا	سرشار بلند شہری	جلد 8، شمارہ 27، ص 120
کچھ نہ کچھ تعلق ہے، خواب کا کہانی سے	عطاء الرحمن طارق	جلد 8، شمارہ 27، ص 121
میں کیسے لوٹ کے جاؤں گا اپنے گھر یارو	خواجہ جاوید اختر	جلد 8، شمارہ 27، ص 121
اپنی یادوں سے رہائی نہیں دیتے ہم کو	ساقی فاروقی	جلد 9، شمارہ 29، ص 118
ایک غزل کالی سی (جوش کے نام)	باقر مہدی	جلد 9، شمارہ 29، ص 118
خفا ہوا تو نئی راہ چھوڑ دی میں نے		
تضادِ زندگی کے کچھ قرینے اور ہوتے ہیں	سید امین اشرف	جلد 9، شمارہ 29، ص 119
دل نے پہلی بار پوچھا تھا کوئی پیارا سوال	ظفر گورکھپوری	جلد 9، شمارہ 29، ص 119

الفاظ ہیں کچھ اور تو معنی کے جہاں اور	ظہیر غازی پوری	جلد 9، شمارہ 29، ص 120
ہر گھڑی آپ کے آنے کا یقیں رہتا ہے	مدحت الاختر	جلد 9، شمارہ 29، ص 120
نہ آنکھ اٹھی کسی لفظ بے ضرر کی طرف	شہپر رسول	جلد 9، شمارہ 29، ص 121
فصل طویل اُگی ہوئی لیل و نہار کی	افضال نوید	جلد 9، شمارہ 29، ص 121
شام ہے اور شام کے سائے نہیں	مصحف اقبال توصیفی	جلد 9، شمارہ 29، ص 122
وقت کی ریت پہ ہر دم مجھ کو چھانتا ہے	منیر پرویز	جلد 9، شمارہ 29، ص 122
روک کہاں ہونی کو جو ہے ہونا ہوتا ہے	مصطفی شہاب	جلد 9، شمارہ 29، ص 123
کس لیے جلدی میں تھا سایا بہت	غلام مرتضی راہی	جلد 9، شمارہ 29، ص 123
حوصلے تھے اڑان سے باہر	ظفر اقبال ظفر	جلد 9، شمارہ 29، ص 124
ایک عالم ہے یہ حیرانی کا جینا کیسا	بلقیس ظفیر الحسن	جلد 9، شمارہ 29، ص 124
دکھ کی اس وادی میں غم کا کوئی اندازہ نہیں	سرشار بلند شہری	جلد 9، شمارہ 29، ص 125
وہی جنوں عزم بزداں تک لیے پھرا میں	رونق شہری	جلد 9، شمارہ 29، ص 125
ایک ٹوٹے ہوئے آئینہ کو منظر نہ بنا	اندر سروپ سریواستو	جلد 9، شمارہ 29، ص 126
دھندلے دھندلے پیڑ اُگتی شام کی سرگوشیاں	مرغوب علی	جلد 9، شمارہ 29، ص 126
تیرے بارے میں جو سوچا تو عجب لگتا ہے	خالد عبادی	جلد 9، شمارہ 29، ص 127
ایک گوشے میں پڑا رہتا ہے بوڑھا گھر میں	احمد کمال حشمی	جلد 9، شمارہ 29، ص 127
غفلت کا اعتراف کیے جا رہا ہوں میں	خان ارمان	جلد 9، شمارہ 29، ص 128
جوں جوں وقت گزرتا جائے	شاہد اختر	جلد 9، شمارہ 29، ص 128
کبھی نازک کبھی بے حد کڑا ہے	جعفر ساہنی	جلد 9، شمارہ 29، ص 129
قطرہ قطرہ موج پر یلغار کرتی جائے گی	عارف ہندی	جلد 9، شمارہ 29، ص 129
آج پھر دل پہ کوئی زخم لگا ہے شاید	عزیز احمد عزیز	جلد 9، شمارہ 29، ص 130

شکست خواب کے تیور بدل لے	نصر حمید خشؔ	جلد9، شمارہ29، ص130
ساری طلسم گاہِ نوا بھی چلی گئی	عرفان صدیقی	جلد10، شمارہ30، ص137
کرنوں سے ہار پھولوں سے ابٹن بنایا ہے	عرفان صدیقی	جلد10، شمارہ30، ص137
اپنے جیسا کوئی سادہ ہو تو	من موہن تلخ	جلد10، شمارہ30، ص138
رستہ چلتے چلتے اس کا جی تو بہل جاتا ہوگا	اقبال متین	جلد10، شمارہ30، ص138
مکیں یہیں کا ہے لیکن مکاں سے باہر ہے	حسن عباس رضا	جلد10، شمارہ30، ص139
سیلابِ غم ہجر اتر جائے تو ملنا	حسن عباس رضا	جلد10، شمارہ30، ص139
ہمارے در پہ بھی ڈیرے کسی نے ڈالے تھے	شاہد کبیر	جلد10، شمارہ30، ص140
کھڑکیاں کھول کے دیکھیں کوئی دھوکہ تو نہیں	الطاف اعظمی	جلد10، شمارہ30، ص140
زمیں بدلتے ہوئے آسماں بدلتے ہوئے	صابر وسیم	جلد10، شمارہ30، ص141
میں اسیر ہجر و وصال کا میں فقیر کوئے زوال کا	ارشد عبدالحمید	جلد10، شمارہ30، ص141
جن کے لبوں پہ ذکر محبت زیادہ ہے	محسن زیدی	جلد11، شمارہ31، ص164
سوائے خاکِ جہاں باقی بچا کیا	محسن زیدی	جلد11، شمارہ31، ص164
سنتے ہیں تھا کبھی مٹی سے شجر کا رشتہ	مظہر امام	جلد11، شمارہ31، ص165
یہ تو سچ ہے کہ اسے پیار نہیں تھا یارو!	مظہر امام	جلد11، شمارہ31، ص165
سایہ دینے کو دھوپ سہتا ہوں	من موہن تلخ	جلد11، شمارہ31، ص166
بول کہ آج میں اپنے دو بول	من موہن تلخ	جلد11، شمارہ31، ص166
جو دل پہ نقش ہے اک ایسی لہر چھوڑ گیا	رحمت امروہوی	جلد11، شمارہ31، ص167
زور بارش کا تو سہہ گئے	رحمت امروہوی	جلد11، شمارہ31، ص167
سفرہ بے ارادہ کر رہے ہیں	رحمت امروہوی	جلد11، شمارہ31، ص167
ناچ رہی ہو کیا تم اپنی مرضی سے	عقیل شاداب	جلد11، شمارہ31، ص168

اندھے بل ہیں سانپوں کی ہیں ذاتیں کالی (ایک کالی غزل باقر مہدی کے لیے)	مہدی جعفر	جلد11، شمارہ31، ص168
سطحِ زمین پر کھڑا شہر ملال میں ہوں گم	مہتاب حیدر نقوی	جلد11، شمارہ31 ص169
نہ اس گلی میں نہ اس رہگذر میں دیکھتے ہیں (نذر آشفتہ چنگیزی)	مہتاب حیدر نقوی	جلد11، شمارہ31، ص164
مرحبا صاحبِ فن، اہل نظر ہو جانا	طارق متین	جلد11، شمارہ31، ص170
سن بے کیا سلام جدھر بھی نظر گئی	سیفی سرونجی	جلد11، شمارہ31، ص170
نہ جانے روزنِ دیوار کیا جادو جگاتا ہے	سید امین اشرف	جلد12، شمارہ33، ص134
حلقہ شام و سحر سے نہیں جانے والا	سید امین اشرف	جلد12، شمارہ33، ص134
میرے ہی بدن کے لیے تلوار بھی ہوگی	احتشام اختر	جلد12، شمارہ33، ص135
اندھیری شب ہے کہاں روٹھ کر وہ جائے گا	شمیم فاروقی	جلد12، شمارہ33، ص135
بجا کہ لطف ہے دنیا میں شور کرنے کا	عبد الاحد ساز	جلد12، شمارہ33، ص136
ہر ایک لمحے کی رگ میں درد کا رشتہ دھڑکتا ہے	عبد الاحد ساز	جلد12، شمارہ33، ص136
آنکھ پتھرا گئی نظّارہ کہاں خاک ہوا	عین تابش	جلد12، شمارہ33، ص137
کبھی دنیا نہ ترے کام کی نکلی مرے دل	عین تابش	جلد12، شمارہ33، ص137
وہ ایک حرفِ تسلی جو دلِ وحشی کے نام آیا	شمیم طارق	جلد12، شمارہ33، ص138
جانے کیا کیا کہا سنا نہ گیا	شمیم طارق	جلد12، شمارہ33، ص138
رنگِ سخن کو ہم نے بدلنے نہیں دیا	طارق متین	جلد12، شمارہ33، ص139
کوئی ہے بام پر دیکھا تو جائے	طارق متین	جلد12، شمارہ33، ص139
پہلے ہو جائیں جدا ہم تجھ سے	ظفر گورکھپوری	جلد12، شمارہ34، ص27
اس خرابے میں کئی سال رہے	شاہد اختر	جلد12، شمارہ34، ص27
یہ دل شکستہ! نظر شکستہ	سرشار بلند شہری	جلد12، شمارہ34، ص75
گلے ملا نہ کبھی چاند، بخت ایسا تھا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص91

تیرگی چھوڑ گئے دل میں اجالے کے خطوط	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص92
شفق جو روئے سحر پر گلال ملنے لگی	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص92
وہی جھکی ہوئی بیلیں، وہی دریچہ تھا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص93
وہ دوریوں کا رہِ آب پر نشان کھلا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص93
کنارِ آب کھڑا خود سے کہہ رہا ہے کوئی	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص94
ہم جنس اگر ملے نہ کوئی آسمان پر	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص94
جہاں تلک بھی یہ صحرا دکھائی دیتا ہے	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص95
پھر سن رہا ہوں گزرے زمانے کی چاپ کو	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص95
مرجھا کے کالی جھیل میں گرتے ہوئے بھی دیکھ	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص96
ساحل تمام اشکِ ندامت سے اٹ گیا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص96
جلتے صحراؤں میں پھیلا ہوتا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص97
ملا نہیں اذنِ رقص جن کو، کبھی تو وہ بھی شرار دیکھو	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص97
موجِ غم اس لیے شاید نہیں گزری سر سے	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص98
تونے کیا کیا نہ اے زندگی، دشت و در میں پھرایا مجھے	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص98
اتر گیا تنِ نازک سے پتیوں کا لباس	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص99
اب میسر نہیں فرصت کے وہ دن رات ہمیں	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36،، ص99
سمجھ سکو تو یہ تشنہ لبی سمندر ہے	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص100
اب یہ ویران دن کیسے ہو گا بسر	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص100
پردہ شب کی اوٹ میں زہرہ جمال کھو گئے	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص100
ہوائے شب سے نہ بجھے ہیں اور نہ جلتے ہیں	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص101
مجھ سے ملنے شبِ غم اور تو کون آئے گا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص101

مانندِ صبا جدھر گئے ہم	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص102
ساحل سے دور جب بھی کوئی خواب دیکھتے	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص102
میٹھے چشموں سے، خنک چھاؤں سے دور	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص103
ہر ایک بات ہے منت کشِ زباں لوگو	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص103
دنیا والوں نے چاہت کا مجھ کو صلہ انمول دیا	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص103
دل میں لرزاں ہے ترا شعلہ رخسار اب تک	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص104
دشت و صحرا اگر بسائے ہیں	شکیب جلالی	جلد12، شمارہ36، ص104
گھڑی بھر کے لیے بہلائیگی ہم کو سنبھالے گی	فضیل جعفری	جلد12، شمارہ36، ص188
گدلا، گدلا سا سماں ہے	زاہدہ زیدی	جلد12، شمارہ36، ص189
جنس الفت نیم جاں ہے (سانحہ عراق کے حوالے سے)	زاہدہ زیدی	جلد12، شمارہ36، ص189
کرنا ہے تجھ کو، جو بھی کر کچھ نہ مرا خیال کر	صدیقہ شبنم	جلد12، شمارہ36، ص190
طے کریں گے کس طرح ہم لامکانی فاصلے	عالم پرویز	جلد12، شمارہ36، ص190
شوقِ نفسِ و لولہ جو کون کرے گا	ڈاکٹر سید امین اشرف	جلد14، شمارہ37، ص216
سامانِ فراغ جل رہا ہے	ڈاکٹر سید امین اشرف	جلد14، شمارہ37، ص216
اب کہیں اور چل اے ناقہ سوار دنیا	عرفان صدیقی	جلد14، شمارہ37، ص217
خلاء میں کیا نظر آتے زمین پر نہیں آئے	عرفان صدیقی	جلد14، شمارہ37، ص217
سکوت ذات کا اظہار داستاں میں نہیں	خلیل مامون	جلد14، شمارہ37، ص218
شکستہ دل ہے سوالی کوئی جواب ملے	خلیل مامون	جلد14، شمارہ37، ص219
اُجالے اندھیرے کی گردش نہیں تو زمانہ ہے کیا	خلیل مامون	جلد14، شمارہ37، ص219
سوادِ کرب و بلا میں کوئی بھی ساتھ نہ دے	خلیل مامون	جلد14، شمارہ37، ص220
دل لبھایا نہ کسی کا نہ دکھایا ہم نے	خلیل مامون	جلد14، شمارہ37، ص220

فساد غم ہے کسی خواب کے گزرنے تک	خلیل مامون	جلد 14، شمارہ 37، ص 221
آنکھوں میں شب غم کے ترے خواب بہت تھے	خلیل مامون	جلد 14، شمارہ 37، ص 221
ازل کا کھویا ہوں شاید تجھے کبھی نہ ملوں	خلیل مامون	جلد 14، شمارہ 37، ص 222
پھول باقی نہیں شاخوں پہ شجر زندہ ہے	خلیل مامون	جلد 14، شمارہ 37، ص 222
کھیتیاں دل کی کتنی ہی بنجر سہی، آبجو چشم ویراں سے جاری کرو	عزیز احمد	جلد 14، شمارہ 38، ص 111
آغوشِ مرگ ہم پہ ہوئی تنگ دوستو	عزیز احمد	جلد 14، شمارہ 38، ص 112
ماہِ تاباں نے چھپایا رُخِ انور اس رات	عزیز احمد	جلد 14، شمارہ 38، ص 112
چھلکی جو مے تو بن کے شرر گونجتی رہی	عزیز احمد	جلد 14، شمارہ 38، ص 113
جم تو باقی نہ رہا جام ابھی باقی ہے	عزیز احمد	جلد 14، شمارہ 38، ص 113
ترے دیوانے ہر رنگ رہے ترے دھیان کی جوت جگائے ہوئے	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 114
شفق میں رنگ ہیں بیتے ہوئے زمانے کے	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 115
چاند بھی نکلا ستارے بھی برابر نکلے	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 115
چھٹ گیا ابر، شفق کھل گئی، تارے نکلے	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 116
چھوڑ آتی ہے کہاں ان کو ستم گر چاندنی	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 116
یہ تنہا رات یہ گہری فضائیں	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 117
کس کی تلاش میں چلے عشق کے خانماں خراب	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 117
منظرِ صبح دکھانے اسے لایا نہ گیا	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 118
آنکھیں تو نہ مانیں گی آنکھوں کو تو بہنا ہے	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 118
آنکھ اٹھاتا ہوں تو ہٹ جاتے ہیں	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 119
چاند اس گھر کے دریچوں کے برابر آیا	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 119
مسلسل یاد آتی ہے چمک چشمِ غزالاں کی	احمد مشتاق	جلد 14، شمارہ 38، ص 120

آخر تمام داغ مٹے زخم بھر گئے	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص120
گردشِ شام و سحر دن کوئی ایسا نکلے	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص121
میں لہو کی بوند مژگاں پر لیے پھرتا رہا	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص121
دلوں کی اور دھواں سا دکھائی دیتا ہے	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص122
اب کے اس باغ میں وہ رنگِ خزاں دیکھو گے	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص122
ہر لمحہ ظلمتوں کی خدائی کا وقت ہے	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص123
تم آئے ہو تمہیں بھی آزما کر دیکھ لیتا ہوں	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص123
ورق الٹ رہا ہوں مدتوں پرانی بات کے	احمد مشتاق	جلد14، شمارہ38، ص124
برا مت مان اتنا حوصلہ اچھا نہیں لگتا	آشفتہ چنگیزی	جلد14، شمارہ38، ص126
جرس کہاں، جرسِ انتشار باقی ہے	آشفتہ چنگیزی	جلد14، شمارہ38، ص126
نادیدہ مناظر کے ابھرنے کی خبر دے	صدیقہ شبنم	جلد14، شمارہ38، ص194
مجھے اکثر بچھڑتا دیکھتا ہے	فصیح اکمل	جلد14، شمارہ38، ص195
یا خدا سوچتا ہوں تیرے علاوہ کوئی ہے	شاہد اختر	جلد14، شمارہ38، ص195
بہت ہی دور ہے منزل نظر میں رہ کے بھی	عطا عابدی	جلد14، شمارہ38، ص196
بدن کا مسئلہ ایسا ہی تھا، گوارا ہوا	اکبر حسین اکبر	جلد14، شمارہ38، ص196
کہیں ہو کچھ تو پر کشش اس ایک در کے بعد بھی	نشتر خانقاہی	جلد15، شمارہ39، ص136
کھلے کھلے سے دریچے مکان میں رکھنا	رؤف خلش	جلد15، شمارہ39، ص137
صبح تک ہم رات کا زادِ سفر ہو جائیں گے	فضیل جعفری	جلد15، شمارہ39، ص190
کہاں نجانے چلا گیا انتظار کر کے	عرفان ستّار	جلد15، شمارہ39، ص191
اک اتفاق سے منسوب حادثہ ہو جاؤں	عرفان ستار	جلد15، شمارہ39، ص191
یہ گومگو ہے عجب کچھ کہا نہیں جاتا	سہیل اختر	جلد15، شمارہ39، ص192

ایک دن کاش یہ ہو جائے تو	سہیل اختر	جلد15، شمارہ39، ص192
فضا میں موسمِ گل ہجر کے جب رنگ بھرتا ہے	نفیس غازی پوری	جلد15، شمارہ39، ص193
سحر کی پیاس پھر کیوں بڑھ رہی ہے	نفیس غازی پوری	جلد15، شمارہ39، ص193
ایک پل میں دمِ گفتار زباں تر ہو جائے	مہتاب حیدر نقوی	جلد15، شمارہ39، ص194
اُسی درد آشنا دل کی طرف داری میں رہتے ہیں	مہتاب حیدر نقوی	جلد15، شمارہ39، ص194
خوش گمانی کی فضا زیرِ زمیں ہو گئی ہے	فراغ رَوہوی	جلد15، شمارہ39، ص195
خوب نبھے گی ہم دونوں میں، میرے جیسا تو بھی ہے	فراغ رَوہوی	جلد15، شمارہ39، ص195
وہ ہے کہرام کہ اب امن بھی اک جنگ لگے	ضمیر کاظمی	جلد15، شمارہ39، ص196
بدلے ہوئے لہجے کا ہُنر لے کے چلے ہیں	ملکہ نسیم	جلد15، شمارہ39، ص196
آنکھ بھرلے، یہ نظارہ نہیں رہنے والا	جاوید شاہین	جلد15، شمارہ40، ص213
شہر والوں کا کوئی ڈر نہیں جانے والا	جاوید شاہین	جلد15، شمارہ40، ص213
دیکھا اسے دیگر تو دلگیر ہوا میں	محسن احسان	جلد15، شمارہ40، ص214
ڈر نہ آغاز کا تھا خوف نہ انجام کا تھا	محسن احسان	جلد15، شمارہ40، ص214
برہم خدا کے ساتھ خدائی ہوئی تو ہے	محسن احسان	جلد15، شمارہ40، ص214
عجب اک ذائقہ رکھا ہوا ہے	محسن احسان	جلد15، شمارہ40، ص215
ہوا کہیں کی بھی ہو ہم نوا کسی کی بھی ہو	محسن احسان	جلد15، شمارہ40، ص215
دل نہ کعبے کی طرح ہے نہ کلیسا کی طرح	میر ہاشم	جلد15، شمارہ40، ص216
بات کیا سچ ہے یہ ہر اک کو بتانے سے رہے	میر ہاشم	جلد15، شمارہ40، ص216
وہ تنہا تھا تو پھر تنہائی کا دمساز ہونا تھا	اشفاق حسین	جلد15، شمارہ40، ص217
کٹ ہی جائے گا سفر ساتھ مرے تو بھی تو ہے	اشفاق حسین	جلد15، شمارہ40، ص217
دل اک نئی دنیائے معانی سے ملا ہے	اشفاق حسین	جلد15، شمارہ40، ص218

دیے جو کر دیے گُل، عہدِ شب میں رہتے ہوئے	اشفاق حسین	جلد15، شمارہ40، ص218
کسی گلی کسی چھت پر ضرور نکلے گا	اشفاق حسین	جلد15، شمارہ40، ص219
اُسی زمیں اُسی آسماں کے ساتھ رہے	اشفاق حسین	جلد15، شمارہ40، ص219
عرصہ خواب میں ہوں ہوش سے رخصت ہے مجھے	سرمد صہبائی	جلد15، شمارہ40، ص220
بس کہ بیماریِ جاں میں بھی میں آرام سے ہوں	سرمد صہبائی	جلد15، شمارہ40، ص220
جانِ عالم، ہمارے پاس آئے	عطاء الرحمن طارق	جلد15، شمارہ40، ص221
آیا وہ مرے پاس، ادا مست، بدن مست	عطاء الرحمن طارق	جلد15، شمارہ40، ص221
ہے اتنا اصرار کیوں تمہیں میری ہمرہی پر	سہیل اختر	جلد15، شمارہ40، ص222
نگاہیں تھک چکی ہیں روح کی تنہائیاں ناپوں	تلک راج پارس	جلد15، شمارہ40، ص222
رنگ سنہرا، اودا دھانی چاٹ گیا	عالم پرویز	جلد15، شمارہ40، ص223
اب کسی پار اتر جانے کو جی چاہتا ہے	ندیم احمد	جلد15، شمارہ40، ص223

'پہلی بارش' (ناصر کاظمی) سے منتخب چند ہم زمین غزلیں: پیش کش ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص146
تو جب میرے گھر آیا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص146
میں جب تیرے گھر پہونچا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص146
شام کا شیشہ کانپ رہا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص147
دن کا پھول ابھی جاگا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص147
پتھر کا وہ شہر بھی کیا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص148
پچھلے پہر کا سناٹا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص148
گرد نے خیمہ تان لیا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص148
مجھ کو اور کہیں جانا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص149

تُو جب دوبارہ آیا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص149
تجھ بن گھر کتنا سونا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص150
دھوپ تھی اور بادل چھایا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص150
دم ہونٹوں پر آکے رُکا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص150
چاند ابھی تھک کر سویا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص151
نئے دیس کا رنگ نیا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص151
چھوٹی رات، سفر لمبا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41،، ص151
تھوڑی دیر کو جی بہلا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص152
میں ترے شہر سے پھر گزرا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص152
میں اس شہر میں کیوں آیا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص152
پل پل کانٹا سا چبھتا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص153
روتے روتے کون ہنسا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص153
پون ہری، جنگل بھی ہرا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص153
تنہائی کا دکھ گہرا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص154
تیرا قصور نہیں، میرا تھا	ناصر کاظمی	جلد15، شمارہ41، ص154
بات سنتا ہے سمجھتا ہے اشارا میرا	جاوید شاہین	جلد15، شمارہ41، ص167
ترے خیال پہ بیتے دنوں کی مالا ہے	مظہر امام	جلد15، شمارہ41، ص171
جو اب تک ناؤ یہ ڈوبی نہیں ہے	مظہر امام	جلد15، شمارہ41، ص171
کھلی جب آنکھ تو دیکھا کہ دنیا سر پر رکھی ہے	عبد الاحد ساز	جلد15، شمارہ41، ص172
شکستہ پا سہی سیرِ جہاں کرے گا فقیر	شاہد اختر	جلد15، شمارہ41، ص172
ایک تعبیر تھی جو خواب میں لکھی ہم نے	کشور ناہید	جلد15، شمارہ42، ص167

یاد رکھو گے کہ اس گھر کے مکیں ہم بھی تھے	کشور ناہید	جلد15، شمارہ42، ص167
لہو لہان ہر ایک رہگزر ہے کیا کہیے	محسن احسان	جلد15، شمارہ42، ص168
سرِ برگِ گل نہ دیکھا، لب جو نظر نہ آیا	محسن احسان	جلد15، شمارہ42، ص168
ستارے گردش میں چل رہے ہیں	محمد شاہد پٹھان	جلد15، شمارہ42، ص169
بظاہر کام تھا آسان سارا	ندیم احمد	جلد15، شمارہ42، ص170
چاند تاروں کو سلامت رکھنا	جینت پرمار	جلد15، شمارہ42، ص171
سروں میں سر پھری وحشی ہوا ہے	جینت پرمار	جلد15، شمارہ42، ص171
سمے مکڑی کے جالے بُن رہا ہے	جینت پرمار	جلد15، شمارہ42، ص171
حسین یار کی لفظوں سے میزبانی کیا	مسعود جعفری	جلد15، شمارہ42، ص172
بہت دنوں سے تری یاد میں لکھا بھی نہیں	مسعود جعفری	جلد15، شمارہ42، ص172
پرندہ ہوں کہ اک آوارہ پر ہوں، کیا معلوم؟	رزاق حمید	جلد15، شمارہ42، ص173
رہتا ہوں پتھر کے اندر	فہیم جاوید	جلد15، شمارہ42، ص173
گردشِ آب و ہوا جانتی ہے	ڈاکٹر سید امین اشرف	جلد15، شمارہ44، ص138
قربِ جاناں سے ہوا مجموعہ اضداد بھی	ڈاکٹر سید امین اشرف	جلد15، شمارہ44، ص138
مری ہمسفر مری رہگذر مرا شوق ہے مرا حوصلہ	نفیس غازی پوری	جلد15، شمارہ44، ص139
یہ کیسی روشنی کیسا چراغ روشن ہے	تلک راج پارس	جلد15، شمارہ44، ص139
اس بستی میں کیا رکھا ہے	فہیم جاوید	جلد15، شمارہ44، ص140
صرف کہنے کو زندگی کچھ ہے	خواجہ جاوید اختر	جلد15، شمارہ44، ص140
جسے دیکھو وہی پوچھے ہے کوئے یار کا قصہ	ارشد کمال	جلد15، شمارہ44، ص141
ہر ایک لمحہ غم بحر بے کراں کی طرح	ارشد کمال	جلد15، شمارہ44، ص141
اقرار بدن کے کبھی انکار بدن کے	حفیظ آتش	جلد15، شمارہ44، ص142

دھوپ کی شدت سے جل جانے کا خوف	عالم پرویز	جلد15، شمارہ44، ص142
ہائے وہ دن بھی کتنے اچھے تھے	عالم پرویز	جلد15، شمارہ44، ص142
کیوں غمِ دل کا مداوا چاہیے	شاہین	جلد16، شمارہ45، ص22
تجھے بدنام کرنے پر تلی ہے	مظہر امام	جلد16، شمارہ45، ص98
کوئی متاعِ جاں کا خریدار ہی نہ تھا	مظہر امام	جلد16، شمارہ45، ص98
ہر قدم جسم و جاں کا زیاں اور میں	سلیمان خمارؔ	جلد16، شمارہ45، ص99
صدی ہے کون سی، کیا ڈھونڈتا ہے	سلیمان خمارؔ	جلد16، شمارہ45، ص99
اپنے بازو بیٹھا ہوں	فہیم جاوید	جلد16، شمارہ45، ص100
چاروں جانب ڈر اور میں	فہیم جاوید	جلد16، شمارہ45، ص100
میں کھل نہیں سکا کہ مجھے نم نہیں ملا	ساقی فاروقی	جلد16، شمارہ46، ص147
سنبھل جانے میں رفتارِ جہاں کچھ دیر لگتی ہے	سید امین اشرف	جلد16، شمارہ46، ص148
ابھی ان سے فقط رسمی ملاقاتوں کا عالم ہے	سید امین اشرف	جلد16، شمارہ46، ص148
زمیں کا راستہ دریاؤں کے سفر سے ملا	رؤف خلش	جلد16، شمارہ46، ص149
یوں خود و بدل دینا، آسان اگر ہوتا	رؤف خلش	جلد16، شمارہ46، ص149
اگر کہیں ہے تو میرا خدا نظر بھی آئے	کرشن کمار طورؔ	جلد16، شمارہ46، ص150
ستم مزاج ہے میرے جہان سی کوئی شے	کرشن کمار طورؔ	جلد16، شمارہ46، ص150
ہے جس کے نام یہ رحلِ وصال ہاتھوں میں	ناہید ورک	جلد16، شمارہ46، ص151
مناظر چار سو آنکھوں میں ریگستان والے ہیں	شاہد اختر	جلد16، شمارہ46، ص151
نہ میں دریا نہ کوئی زعم مجھ میں بے کرانی کا	خورشید طلب	جلد16، شمارہ46، ص152
اندیشوں کی تیز ہوا ہے	خورشید طلب	جلد16، شمارہ46، ص152
گھنی برسات میں دریا تماشا	فہیم جاوید	جلد16، شمارہ46، ص153

پرانی حسرتوں کو اس نے زندہ تک نہیں رکھا	رونق شہری	جلد16،شمارہ46،ص153
رات کی سرد نگاہوں کو کہاں تک دیکھوں	راشد طرازؔ	جلد16،شمارہ46،ص154
کتنی خوش لفظ تھی تیری آواز	اوم پربھاکر	جلد16،شمارہ46،ص154
کوئی دیوار نہ محراب نہ در جاتا ہوں	راشد طراز	جلد16،شمارہ46،ص155
ہوا چیختی ہے کہ زخمی ہوئی	اسلم عمادی	جلد16،شمارہ46،ص155
دشمنوں کے شہر میں اب دوستی مت ڈھونڈیے	شان الرحمن	جلد16،شمارہ46،ص156
تری رخصت کا منظر لکھ رہا تھا	احمد کمال پروازی	جلد16،شمارہ46،ص156
یوں میرے ہونے کو مجھ پر آشکار اس نے کیا	امیر امام	جلد16،شمارہ46،ص157
جواب جہان برہنہ کا استعارہ ہوا	امیر امام	جلد16،شمارہ46،ص157
لہو لہو سبھی کردار دھیان میں رہنا	امیر امام	جلد16،شمارہ46،ص157
وہ صبح و شام کی گہری سی کھائی پاٹتے رہنا	امیر امام	جلد16،شمارہ46،ص157
جو پہلے تھا جہاں پر اب نہیں ہے	کرشن کمار	جلد16،شمارہ47،ص197
چُپ گزر جاتا ہوں، حیران بھی ہو جاتا ہوں	شہپر رسول	جلد16،شمارہ47،ص197
ہر چند یہ نہیں مہہ کامل کی روشنی	راشد طراز	جلد16،شمارہ47،ص198
سچ کی خاطر سب کچھ کھویا، کون لکھے گا	ارشد کمال	جلد16،شمارہ47،ص198
درد کی لہر کو آہنگ میں لانا بھی تو ہے	ندیم احمد	جلد16،شمارہ47،ص199
پرانے منظروں کے درمیاں رکھا ہوا ہے	ندیم احمد	جلد16،شمارہ47،ص199
نہ آنکھ میں کوئی منظر نہ خوابِ جاوہ بھی	مختار شمیم	جلد17،شمارہ49،ص131
تہہ بہ تہہ منظرِ شب تاب میں روشن ہے ابھی	سلطان اختر	جلد17،شمارہ49،ص144
رقص کرتا ہے یہ اندازِ جنوں دوڑتا ہے	سلطان اختر	جلد17،شمارہ49،ص144
جسم کا صندل اکیلا	عقیل شاداب	جلد17،شمارہ49،ص145

تلاش کیسے کروں اب میں رہ گذر میری	عقیل شاداب	جلد 17، شمارہ 49، ص 145
میں تتلی کے پروں کو خوشبوؤں میں گھول دوں گا	رونق شہری	جلد 17، شمارہ 49، ص 146
یقین کے ہاتھ عطا کر گمان تھوڑا سا	محسن جلگانوی	جلد 17، شمارہ 49، ص 146
وہ تو اس بار بھی آیا ہی نہیں وادیِ گل	راشد انور راشد	جلد 17، شمارہ 49، ص 147
سفر میں اب کے ہوا اطمینان، ریگستان	راشد انور راشد	جلد 17، شمارہ 49، ص 147
مری شام رات سے ڈر گئی	اکرم نقاش	جلد 17، شمارہ 49، ص 148
کُھلی اور بند آنکھوں سے اسے تکتا رہا میں بھی	اکرم نقاش	جلد 17، شمارہ 49، ص 148
اندر اندر، مت سوچا کر	فہیم جاوید	جلد 17، شمارہ 49، ص 149
لال گلابی پیلی خاک	فہیم جاوید	جلد 17، شمارہ 49، ص 149
پھر رہی تھی ہوا کے گھر میں خاک	شاہد اختر	جلد 17، شمارہ 49، ص 150
یہاں ملا ہی نہیں کوئی غم گسار مجھے	محمد شاہد پٹھان	جلد 17، شمارہ 49، ص 150
شدید جَس میں راحت ہوا سے ہوتی ہے	خورشید طلب	جلد 17، شمارہ 49، ص 151
تم ہو اہل حکم	حارث خلیق	جلد 17، شمارہ 49، ص 151
کہا یہ کس نے کہیں سائباں نہیں ملتا!	ارشد کمال	جلد 17، شمارہ 49، ص 152
امیر شہر ہے کیوں ہم سے برہم	ارشد کمال	جلد 17، شمارہ 49، ص 152
شام کے ساحل سے اٹھ کر چل دیے	اوم پربھاکر	جلد 17، شمارہ 49، ص 153
ابھی سے طاق طلب پر نہ تو سجا مجھ کو	ناہید ورک	جلد 17، شمارہ 50، ص 65
سلسلے درد کے نکلتے ہیں	مغنی تبسم	جلد 17، شمارہ 50، ص 118
جنون عشق میں کارِ محال میرا تھا	سید امین اشرف	جلد 17، شمارہ 50، ص 118
کیا ہوئی اے بتِ بے پیر تری جلّادی	رفیق راز	جلد 17، شمارہ 50، ص 119
کرہ ارض کو تاریک بنا دینا تھا	رفیق راز	جلد 17، شمارہ 50، ص 119

میں کہ ٹھہرا ہوں سدا گردشِ پائندہ پر	شکیب ایاز	جلد 17، شمارہ 50، ص 120
اس سے مل کر اسے خاموش کھڑا چھوڑ دیا	رزاق حمید	جلد 17، شمارہ 50، ص 120
شہر کو چوٹ پہ رکھتی ہے گجر میں کوئی چیز	تفضیل احمد	جلد 17، شمارہ 50، ص 121
زنداں کا حبس ہو تو ہوا کہہ لیا کرو	اشرف عابدی	جلد 17، شمارہ 50، ص 121
اندھیرے گھر میں نئی روشنی عجیب لگی	اسلم عمادی	جلد 18، شمارہ 51، ص 72
جانے کس کے ہاتھ کا طوطا اڑا لائی ہوا	نجیب رامش	جلد 18، شمارہ 51، ص 159
جرم کو سرزنش کا ڈر سال بہ سال کم رہا	نجیب رامش	جلد 18، شمارہ 51، ص 159
زلف میں خوشبو ہاتھ میں مہندی میرے نام کی ہے	سلیمان خمار	جلد 18، شمارہ 51، ص 160
دھوپ اوڑھے ہوئے اس راہگذر میں کب تھے	رؤف خلش	جلد 18، شمارہ 51، ص 160
سرمہ چشم بنایا دل و جاں پر رکھا	خورشید طلب	جلد 18، شمارہ 51، ص 161
سکون تپ کے شراروں کا تھال ہو جائے	اطہر عزیز	جلد 18، شمارہ 51، ص 161
رگِ جاں میں فشار خوں تو ہے	خواجہ جاوید اختر	جلد 18، شمارہ 51، ص 162
اتنے مانوس ہوئے قافلہ سالار سے ہم	شاہد اختر	جلد 18، شمارہ 51، ص 162
اے گھٹا، میری پیاری دمادم برس	عطاء الرحمن طارق	جلد 18، شمارہ 51، ص 163
باندھ حصار دیا ہے اس نے	عطاء الرحمن طارق	جلد 18، شمارہ 51، ص 163
تیرے غم میں ابھی شوریدگی ہے	حنیف ساحل	جلد 18، شمارہ 51، ص 164
قیامتوں کا وہ منظر چھپا نظر سے نہ تھا	اشرف عابدی	جلد 18، شمارہ 51، ص 164
دنیا سے پرے جسم کے اس باب میں آئے	ریاض لطیف	جلد 18، شمارہ 51، ص 165
بدن کے دائروں میں گھر کے اکثر ٹوٹ جاتا ہے	ریاض لطیف	جلد 18، شمارہ 51، ص 165
موسموں کے جنگل میں رنج و غم اٹھائے ہیں	نثار نیپالی	جلد 18، شمارہ 51، ص 166
کانٹے کہیں ملے تو ملے گُل کپاس کے	منان بجنوری	جلد 18، شمارہ 51، ص 166

اتنا چپ چاپ تعلق پہ زوال آیا تھا	لطف الرحمن	جلد19، شمارہ52، ص105
اب اُترتا ہی نہیں بارِ مسافت سر سے	لطف الرحمن	جلد19، شمارہ52، ص105
جب احساس کے پتے پیلے ہوئے	کرامت علی کرامت	جلد19، شمارہ52، ص106
جذبہ شوق گھٹ گیا شاید	راشد آزرؔ	جلد19، شمارہ52، ص106
"علی بن متقی رویا"	مہدی جعفر	جلد19، شمارہ52، ص107
کس نے دل پر کمند ڈالی ہے	مہدی جعفر	جلد19، شمارہ52، ص107
جہاں خراب سہی ہم، بدن دریدہ سہی	غالب ایاز	جلد19، شمارہ52، ص108
قصہ گو سے خوش بیانی مانگ لے	حنیف ساحل	جلد19، شمارہ52، ص108
صبح سے گذر کر ہم دوپہر میں آئے ہیں	اکبر حیدر آبادی	جلد19، شمارہ53، ص131
ہے نقش رنگ فلک گردش زمیں کے بعد	کرشن کمار طور	جلد19، شمارہ53، ص131
جذبوں کو خواب، خواب کو منظر نہ کر سکا	شہپر رسول	جلد19، شمارہ53، ص132
آنکھوں کے آسماں پر اک مہر سا ہے تاباں	رفیق راز	جلد19، شمارہ53، ص132
ہواؤں کی یورشوں سے لرزاں دلوں میں ناگفتہ ڈر سمیٹے	شاہد میر	جلد19، شمارہ53، ص133
چراغ دیدہ تر میں اجالا مختصر آیا	ابراہیم اشک	جلد19، شمارہ53، ص133
اس کی نظروں کی انگلیاں کالی	فہیم جاوید	جلد19، شمارہ53، ص134
دھواں اڑاتے ہوئے، دن کو رات کرتے ہوئے	خورشید طلب	جلد19، شمارہ53، ص134
نوک خنجر پہ جو آشفتہ زباں رکھتے ہیں	راشد طراز	جلد19، شمارہ53، ص135
چیخا تمام رات نہ دریا ہوا خموش	سردار آصف	جلد19، شمارہ53، ص135
یوں تو گل بوٹے وہ کھلائے گا	شان الرحمن	جلد19، شمارہ53، ص136
ماہتاب وجود پڑھتے ہیں	ناہید ورک	جلد19، شمارہ53، ص136
فضا پر خواب طاری اور آنکھیں دھو رہا ہوں میں	سید امین اشرف	جلد19، شمارہ54، ص114

جانے کیوں فقر کے رستے میرے گھر تک آئے	شکیب ایاز	جلد19، شمارہ54، ص114
راستہ آساں ہے تو مشکل بھی نکلتا ہو گا	رونق شہری	جلد19، شمارہ54، ص115
تو سرایت ہے مری روح میں جاناں پھر بھی	طارق متین	جلد19، شمارہ54، ص115
یہ عمر گذری ہے اتنے ستم اٹھانے میں	راشد طراز	جلد19، شمارہ54، ص116
درد جب سے ملا ہے مخمل سا	فہیم جاوید	جلد19، شمارہ54، ص116
کس زباں پر ہے یہاں کون سی تقریر، نہ دیکھ	ارشد کمال	جلد19، شمارہ54، ص117
نگاہیں جس کی تمنائی تھیں نہیں گذرا	شاہد اختر	جلد19، شمارہ54، ص117
ہماری آنکھ کے منظر بدل تو سکتے ہیں	فاطمہ تاج	جلد19، شمارہ54، ص118
کسی صورت مرے بیاں سے نکل	حنیف ساحل	جلد19، شمارہ54، ص118
کدھر چلیں دل و دیوار و در سے باہر بھی	سید امین اشرف	جلد20، شمارہ55، ص90
نگاہوں سے گریزاں روشنی آواز دیتی ہے	ارمان نجمی	جلد20، شمارہ55، ص90
فقیرِ شہر بھی پیراہنِ جلال میں ہے	سلطان اخترؔ	جلد20، شمارہ55، ص91
ہوا کو زیر کرے دھوپ کو کتر کے دکھائے	سلطان اخترؔ	جلد20، شمارہ55، ص91
میں کسی کوئے اذیت سے نہیں آیا ہوں	طارق متین	جلد20، شمارہ55، ص92
میں تو ہوں بدحواس مگر تو تو کچھ بھی کر	شان الرحمن	جلد20، شمارہ55، ص92
سوا تجھ سے میرا دامن تہی ہے	صابرؔ اورنگ آبادی	جلد20، شمارہ55، ص93
میں بکھر جاؤں تو دوبارہ مجھے ترتیب دے	خورشید طلبؔ	جلد20، شمارہ55، ص93
تھا سمندر اور ہوا سے بے رخی کرنے کا فن	ضمیر کاظمی	جلد20، شمارہ55، ص94
تعلقات کو ایسے نبھانا پڑتا ہے	رضوان الرضا رضوان	جلد20، شمارہ55، ص94
حکایتِ دلِ محزوں، نہ قصہ مجنوں	مصحف اقبال توصیفی	جلد20، شمارہ57، ص182
مدت ہوئی راحت بھرا منظر نہیں اترا	سلیمان خمار	جلد20، شمارہ57، ص182

ہوا اڑائے جدھر ابر پارہ جائے گا	رونق شہری	جلد20، شمارہ57، ص183
حمد گویا فکر کے ہونٹوں پہ لہرانے لگی	عبدالاحد ساز	جلد20، شمارہ57، ص183
ہمارے تمہارے مضافات کی	عبید صدیقی	جلد20، شمارہ57، ص184
آپ اپنی آگ میں جلنے لگی ہے دوپہر	راشد انور راشد	جلد20، شمارہ57، ص184
جسے بھی چاہے یہ موسم عذاب میں رکھنا	شکیب ایاز	جلد20، شمارہ57، ص185
ہر ایک ذرہ ستارہ نشان ہاتھ لگا	مضطر مجاز	جلد20، شمارہ57، ص185
پھر برف سے پانی میں بدلتا ہوا پانی	شاہین	جلد20، شمارہ57، ص186
اب تم سے ہمیں کوئی شکایت بھی نہیں ہے	شان الرحمن	جلد20، شمارہ57، ص186
اجالے کی حمایت میں نظارہ آئینہ ہوگا	راشد طراز	جلد20، شمارہ57، ص187
آئے تو کئی لوگ مرے سنگ زمیں پر	خواجہ جاوید اختر	جلد20، شمارہ57، ص187
زہریا نشہ ہو تم	شکیل اعظمی	جلد20، شمارہ57، ص188
قیدی ہے کوئی دن کا کوئی رات کا شکار	شاہد اختر	جلد20، شمارہ57، ص188
اے میرے ہم سفر اے میرے ہم نوا مسکرا مسکرا درد کو بھول جا	خالد عبادی	جلد20، شمارہ57، ص189
لاکھ طوفاں ہو سوتے ہی نہیں	عطا عابدی	جلد20، شمارہ57، ص190
تعلقات کو باغ و بہار کرتے ہوئے	غالب ایاز	جلد20، شمارہ57، ص190
دلوں کی دوریاں ہموار کر چکے ہوں گے	عادل حیات	جلد20، شمارہ57، ص191
ہماری سانس کا جو سلسلہ ہے	حنیف ساحل	جلد20، شمارہ57، ص191
کندھے تو ہیں مری آواز میں بہار کے سُر	عطاء الرحمن طارق	جلد20، شمارہ57، ص192
اک عرصہ ہوا، زمانہ ہوا	فہیم جاوید	جلد20، شمارہ57، ص192
ازل سے اپنے ہی ہونے کے انتظار میں ہوں	نسیم اجمل	جلد20، شمارہ57، ص193
رونقِ ضوفشاں سے پھول گرے	نسیم اجمل	جلد20، شمارہ57، ص193

چلیے سوئے حرم و دیر و کلیسا پھر بھی	امین اشرف	جلد21، شمارہ58، ص158
سناٹا پر تول رہا ہے	فہیم جاوید	جلد21، شمارہ58، ص158
بیٹھا تھا تن کو ڈھانک کے جو گرم شال سے	جعفر ساہنی	جلد21، شمارہ58، ص159
زندگانی کے لیے تھوڑا مناسب ہوا جائے	راجیش ریڈی	جلد21، شمارہ58، ص159
اپنی خاموش طبیعت کو سخن ساز کریں	خورشید طلب	جلد21، شمارہ58، ص160
یہ منظر کب کسی چشم تماشائی سے گزرے ہیں	خوشبیر سنگھ شادؔ	جلد21، شمارہ59، ص132
ایک دن نہ رونے کا فیصلہ کیا میں نے	شہپر رسول	جلد21، شمارہ59، ص133
یارب وہ عکس کیا تھا جس کے شکار ہیں ہم	احمد محفوظ	جلد21، شمارہ59، ص133
درسِ عبرت بے نفس بے روح ایوانوں پہ شام	نجیب رامش	جلد21، شمارہ59، ص134
اس آنکھ سے وحشت کی تاثیر اٹھا لایا	عزم بہزاد	جلد21، شمارہ60، ص103
کبھی اے سپاہ شکست گاں کوئی اہتمام ملال کر	عزم بہزاد	جلد21، شمارہ60، ص103
تھکن کو اوڑھ کے وہ رات بھر نہیں سویا	رونق شہری	جلد21، شمارہ60، ص104
اپنے سائے سے ڈر گیا کوئی	فہیم جاوید	جلد21، شمارہ60، ص104
ہجر کا موسم ہے رنگِ آرزو لیتا چلوں	عبدالرحیم نشترؔ	جلد21، شمارہ60، ص105
کبھی پیڑ پودوں سے باتیں کروں میں	احمد سوز	جلد21، شمارہ60، ص105
نظر سرشار اس کی	نسیم اجمل	جلد21، شمارہ60، ص106
شور سا اٹھا مجھ میں	نسیم اجمل	جلد21، شمارہ60، ص106
دامنِ دل پہ مرے جو داغ رسوائی کے ہیں	شاہد اختر	جلد21، شمارہ60، ص107
سفر بے سمت میرا ہے نہیں بھی	حنیف ساحل	جلد21، شمارہ60، ص107
جذب کر لیتے ہیں ہر دکھ کو سمندر کی طرح	کشور ناہید	جلد22، شمارہ61، ص96
ہم نے کہنے کو تمہیں دل سے بھلایا ہوا ہے	کشور ناہید	جلد22، شمارہ61، ص96

تیری شوریدہ مزاجی کے سبب تیرے نہیں	افتخار عارف	جلد22، شمارہ61، ص97
کہاں سے آئیں گے دام، سوچا ہوا ہے میں نے	سلیم کوثر	جلد22، شمارہ61، ص97
غم سہی غم کی ایک شان تو ہے	اشفاق حسین	جلد22، شمارہ61، ص98
اپنی زمین اپنا سمندر کہاں سے لائیں	اشفاق حسین	جلد22، شمارہ61، ص98
ایک خوش فہمی کے گرداب میں کھوئے ہوئے لوگ	اشفاق حسین	جلد22، شمارہ61، ص99
ہمیشہ کچھ نہیں ہو گا ہمیشہ کچھ نہیں ہوتا	اشفاق حسین	جلد22، شمارہ61، ص99
پہلے ذرا ترنگ میں کارِ زیاں کریں کوئی	مبین مرزا	جلد22، شمارہ61، ص100
جو پوچھنا ہے تجھے خود فہمی سے پوچھ کبھی	مبین مرزا	جلد22، شمارہ61، ص100
یوں تو ہر لمحہ نیا رنگِ ستم دیکھا ہے	مبین مرزا	جلد22، شمارہ61، ص101
بہ اندازِ دگر یہ سب تماشا چل رہا ہے	مبین مرزا	جلد22، شمارہ61، ص101
ہم جو تصویر سرِ خلوتِ ضاں دیکھتے ہیں	مبین مرزا	جلد22، شمارہ61، ص102
یہ تو ہوا کہ اپنے سب بھید بتا گئی مجھے	مبین مرزا	جلد22، شمارہ61، ص102
جل اٹھا آس کا دیا کیسے	عنبریں حسیب عنبر	جلد22، شمارہ61، ص103
کب موسم بہار پکارا نہیں کیا	عنبریں حسیب عنبر	جلد22، شمارہ61، ص103
وہ مسیحا نہ بنا ہم نے بھی خواہش نہیں کی	عنبریں حسیب عنبر	جلد22، شمارہ61، ص104
زندگی بھی ایک ہی کارِ ہنر کرتے رہے	عنبریں حسیب عنبر	جلد22، شمارہ61، ص104
حال اب یہ ہے کہ دروازہ ترا پاؤں تو بس	اسلم عمادی	جلد22، شمارہ61، ص153
ہم تجھے چاہتے ہیں، ہم کو جنوں چاہتا ہے	اسلم عمادی	جلد22، شمارہ61، ص153
رہا ہوں عمر بھر گردش میں ساغر کی طرح تنہا	نجیب رامش	جلد22، شمارہ61، ص154
اداس روح بدن تار تار ہونے لگے	نعمان شوق	جلد22، شمارہ61، ص154
راہ میں رنج کے اسباب بہت سارے ہیں	ابراہیم اشک	جلد22، شمارہ61، ص155

تاب کھو بیٹھا ہر اک جوہرِ ذاتی میرا	امیر حمزہ ثاقب	جلد22، شمارہ61، ص155
بڑھاؤ "فکر" کو ایسا کہ یہ "نظر" ہو جائے	کرامت علی کرامت	جلد22، شمارہ62، ص119
موقعہ ہی کوئی ساتھ نبھانے کا نہیں تھا	مدحت الاختر	جلد22، شمارہ62، ص119
گرفتِ وقت سے صدمہ نہیں نکل رہا ہے	رونق شہری	جلد22، شمارہ62، ص120
جو ہجر کے پیڑ سے اُگی ہے	سلیمان خمار	جلد22، شمارہ62، ص120
سوال چیخ کی صورت، جواب خاموشی	خورشید طلب	جلد22، شمارہ62، ص121
خواب میں کھنڈر چمکے!	نسیم اجمل	جلد22، شمارہ62، ص121
درد کی لہر چمکے!	نسیم اجمل	جلد22، شمارہ62، ص122
بے کراں سفر چمکے!	نسیم اجمل	جلد22، شمارہ62، ص122
جب زندگی نے اپنا ارادہ بدل لیا	خالد عبادی	جلد22، شمارہ62، ص123
کاگا بولے من کے سونے آنگن میں	سید یحییٰ جمیل	جلد22، شمارہ62، ص123
میں آبگینوں کو کب تک سنبھالتا، آخر	محمد شاہد پٹھان	جلد22، شمارہ62، ص124
تصور کو جگا رکھا ہے اُس نے	احمد شناس	جلد22، شمارہ62، ص124
آنکھوں میں نہاں ہے جو مناجات وہ تم ہو	ضیاء جالندھری	جلد22، شمارہ63، ص27
رنگ باتیں کریں اور باتوں سے خوشبو آئے	ضیاء جالندھری	جلد22، شمارہ63، ص27
خرابہ دل و جاں ہے نگار خانہ ترا	سید امین اشرف	جلد22، شمارہ63، ص116
نگاہِ پیش بیں سے بھی یہ عقدہ سر نہیں ہوتا	سید امین اشرف	جلد22، شمارہ63، ص116
لوگ پتھر کے تھے فریاد کہاں تک کرتے	راشد طراز	جلد22، شمارہ63، ص117
دن گزرتے ہیں میری راہوں کو صحرا کر کے	راجیش ریڈی	جلد22، شمارہ63، ص117
مہک آتی نہیں ان سے لہو کی لفظ کیسے ہیں	شہزاد احمد	جلد23، شمارہ64، ص143
میں اکیلا ہوں یہاں میرے سوا کوئی نہیں	شہزاد احمد	جلد23، شمارہ64، ص143

جی میں ہے اک دن جھوم کر اس شوخ کو سجدہ کروں	وارث کرمانی	جلد23، شمارہ64، ص149
رات روشن نہ ہوئی کاہکشاں ہوتے ہوئے	مصطفی کرمانی	جلد23، شمارہ64، ص149
مقیم اپنے بدن میں ہے ڈر لیے ہوئے ہے	رونق شہری	جلد23، شمارہ64، ص150
جو چھن گیا ہمیں اس کا ملال کیوں نہیں ہے	سہیل اختر	جلد23، شمارہ64، ص150
لباسِ جسم کی اک اک شکن سے بولتا ہے	خورشید طلب	جلد23، شمارہ64، ص151
ساتھ جب تیرے وہ آیا ہی نہیں وادی کل	راشد انور راشد	جلد23، شمارہ64، ص151
کہنا تھا جو تجھ سے وہی کہنا نہیں آیا	حبیب کیفی	جلد23، شمارہ64، ص152
غزل میں تھوڑا سا اپنا ہنر دکھاتے ہوئے	محمد شاہد پٹھان	جلد23، شمارہ64، ص152
درد نایاب تک نہیں پہونچا	خواجہ جاوید اختر	جلد23، شمارہ64، ص153
اخیر شب سر دراکھ چولھے کی جھاڑ لائیں	صابرؔ	جلد23، شمارہ64، ص153
کبھی جہاں پہ کچھ نہ تھا، وہاں شرار ہو گئے	نظام ہاتف	جلد23، شمارہ64، ص154
دے رہا ہے صدا برگزیدہ کوئی	محمد یحییٰ جمیل	جلد23، شمارہ64، ص154
تمہاری داستاں گوئی کا وہ دلچسپ حصہ ہے	زبیر رضوی	جلد23، شمارہ64، ص155
غروب شام ہی سے خود کو یوں محسوس کرتا ہوں	زبیر رضوی	جلد23، شمارہ64، ص155
اس کے انداز میں تھا حسن، اثر سے پہلے	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص15
دریدہ دامان و آتیں کے نئے تماشائی آگئے ہیں	سحر انصاری	جلد23، شمارہ65، ص120
غبار راہِ طلسم زمانہ ہو گئے ہیں	مبین مرزا	جلد23، شمارہ65، ص120
میں نظر سے ایک انداز نظر ہوتا ہوا	پریم کمار نظر	جلد23، شمارہ65، ص121
دہن کو زخم، زباں کو لہو لہو کرنا	پریم کمار نظر	جلد23، شمارہ65، ص121
زندہ نہ رہو گے تم اگر خواب نہ دیکھو	مدحت الاختر	جلد23، شمارہ65، ص122
دِوانے ہم یوں سرِ ریگزار ہوتے رہے	ابراہیم اشک	جلد23، شمارہ65، ص122

چراغ لے کے سرِ رہگذر نہیں آتا	راشد طراز	جلد23، شمارہ65، ص123
سانس کی اس رائگانی میں گزر اوروں کا ہے	ریاض لطیف	جلد23، شمارہ65، ص123
میں آفتاب لیے ہاتھ میں گزر گئی ہوں	کشور ناہید	جلد24، شمارہ،66، ص189
تجھ سے وعدہ، عزیز تر رکھا	کشور ناہید	جلد24، شمارہ،66، ص189
سینکڑوں ہی رہنما ہیں، راستہ کوئی نہیں	امجد اسلام امجد	جلد24، شمارہ،66، ص190
اب تک نہ کھل سکا کہ مرے روبرو ہے کون	اجد اسلام امجد	جلد24، شمارہ،66، ص190
نافہموں کی جب چلتی ہے	مدحت الاختر	جلد24، شمارہ،66، ص191
سازش و مکر سے بیزاری لکھے دیتے ہیں	رونق شہری	جلد24، شمارہ،66، ص191
یہاں کسے ہنسنے کی فرصت رکھی ہے	پرویز اختر	جلد24، شمارہ،66، ص192
دھوپ، خوشبو، ہوا اکٹھی کر	سرفراز شاکر	جلد24، شمارہ،66، ص192
اتنی شدت سے مت چاہو دیکھو پھر پچھتاؤ گے	اشرف عابدی	جلد24، شمارہ،66، ص193
حادثہ روز نیا چاہتی ہے	جاوید اکرم	جلد24، شمارہ،66، ص193
اُنھیں اَب جھوٹ اچھا لگ رہا ہے	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ،66، ص194
یہ جیلیں مجرموں کی ہیں پناہیں	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ،66، ص194
غبار ختم ہوا روشنی سے بھر گئی ہے	سلطان اختر	جلد24، شمارہ67، ص130
بُرا ہوا ہے یقیناً بہت برا ہوا ہے	سلطان اختر	جلد24، شمارہ67، ص130
کہیں پڑاؤ ہے اپنا نہ کوئی ڈیرا ہے	خورشید طلب	جلد24، شمارہ67، ص131
یہ خواب منظر، یہ خواب سا کچھ	نظام ہاتف	جلد24، شمارہ67، ص131
جو خواب میرے نہیں تھے میں اُن کو دیکھتا تھا	صابر وسیم	جلد24، شمارہ67، ص132
کرتا ہے کوئی اور بھی گریہ مرے دل میں	صابر وسیم	جلد24، شمارہ67، ص132
یہ میں ہی کیا ہوں اکیلا ہی ٹوٹ جاتا ہوں	راشد طراز	جلد24، شمارہ67، ص133

سیدھے کو الٹا کیا الٹے کو سیدھا کرلیا	راجیش ریڈی	جلد 24، شمارہ 67، ص 134
ایک دکھ کو ہم نے انجانے میں کیا دے دی جگہ	راجیش ریڈی	جلد 24، شمارہ 67، ص 134
قرینے زیست میں تھے سوختہ جانی سے پہلے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 223
لپٹی رہے گی اس طرح قدموں سے دُنیا کب تلک	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 223
رہے گی خواہش مال ومنال بھی کب تک	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 224
سر بسر روشنی بھر دی مرے اندر تُو نے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 224
ہو سوزِ دل بھی۔ غم معتبر ہی کافی نہیں	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 225
مجھے دے رہا ہے مرا پتا جو غمِ نہاں مرے ساتھ ہے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 225
دن رات کے دیکھے ہوئے منظر سے الگ ہے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 226
الگ جب اس نے کیا تھا حصارِ جاں سے مجھے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 226
دل دیا اور دل سے گرم آرزو رکھا ہمیں	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 227
ہم جو تصویر سرِ خلوتِ جاں دیکھتے ہیں	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 227
کبھی خدا کبھی خود سے سوال کرتے ہوئے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 228
اُس ایک پل سے ہوئی زندگی حسیں لیکن	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 228
ہر ایک پل کوئی طوفان سر کیا ہم نے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 229
یہ محبت ہے اسے گرمیِ بازار نہ کر	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 229
یا تو بربادیِ دل کی نہ شکایت کی جائے	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 230
اک خواب کو آنکھیں رہن رکھیں اک شوق میں دل ویران کیا	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 230
دکھ زمانے کا اٹھایا نہیں جاتا ہم سے	فضیل جعفری	جلد 24، شمارہ 68، ص 107
کبھی تو موند لیں آنکھیں، کبھی نظر کھولیں	غضنفر	جلد 24، شمارہ 68، ص 108
یقین جانیے اس میں کوئی کرامت ہے	غضنفر	جلد 24، شمارہ 68، ص 108

رات باقی تھی مگر شورِ اذاں ہونے لگا	عین تابش	جلد24، شمارہ68، ص109
ارادہ کرنا ہے اس بات کا ارادہ کریں	عین تابش	جلد24، شمارہ68، ص109
کہیں بھی نیند کی تاثیر کیوں نہیں آتی	راشد طراز	جلد24، شمارہ68، ص110
تازہ ہوا ہے دھوپ ہے پانی ہے مہرباں	شاہد اختر	جلد24، شمارہ68، ص110
گلے پہ خاک تمہارے سُر اور تال پہ خاک	رفیق راز	جلد25، شمارہ70، ص210
آنکھوں کے لیے خواب شکستہ ہے ضروری	عین تابش	جلد25، شمارہ70، ص211
جو کچھ ہے موسموں کی زبانی ہے داستاں	عین تابش	جلد25، شمارہ70، ص211
نہ یوں کچھ دیر مل کر تم مرا زینہ اتر جانا	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، ص212
کیا کوئی ترے دل کو دکھاتی ہے ہوا	راشد انور راشد	جلد26، شمارہ71، ص210
خوشیوں کو کھول کے دیکھا تو پوشیدہ ہزاروں غم نکلے	راجیش ریڈی	جلد26، شمارہ71، ص210

نئی غزل کی بک ریک سے:

کسی کا یوں تو ہوا کون عمر بھر پھر بھی	فراق گورکھپوری	جلد24، شمارہ68، ص81
آج بھی قافلۂ عشق، رواں ہے کہ جو تھا	فراؔق گورکھپوری	جلد24، شمارہ68، ص81
رکی رکی سی شبِ ہجر ختم پر آئی	فراؔق گورکھپوری	جلد24، شمارہ68، ص82
یہ نکہتوں کی نرم روی یہ ہوا یہ رات	فراؔق گورکھپوری	جلد24، شمارہ68، ص82
راز کو راز ہی رکھا ہوتا	فراؔق گورکھپوری	جلد24، شمارہ68، ص82
دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی	ناصر کاظمی	جلد24، شمارہ68، ص83
سازِ ہستی کی صدا غور سے سن	ناصر کاظمی	جلد24، شمارہ68، ص83
کبھی فرصت ہو تو اسے صبحِ جمال	ناصر کاظمی	جلد24، شمارہ68، ص84
کچھ تو احساسِ زیاں تھا پہلے	ناصر کاظمی	جلد24، شمارہ68، ص84
عشق جب زمزمہ پیرا ہوگا	ناصر کاظمی	جلد24، شمارہ68، ص85

دکھ کی لہر نے چھیڑا ہو گا	ناصر کاظمی	جلد 24، شمارہ 68، ص 86
دیکھ ہمارے ماتھے پر یہ دشت طلب کی دھول میاں	ابن انشا	جلد 24، شمارہ 68، ص 87
سانحہ ہم پہ یہ پہلا ہے مری جاں کوئی؟	ابن انشا	جلد 24، شمارہ 68، ص 87
یارو اس دردِ محبت کی دوا بتلاؤ	ابن انشا	جلد 24، شمارہ 68، ص 88
دل کا تھا چاک مگر پہنچایا، تا بہ گریباں انشاؔ نے	ابن انشا	جلد 24، شمارہ 68، ص 88
چاک در چاک گریباں کو سنوارے ہوئے لوگ!	عزیز حامد مدنی	جلد 24، شمارہ 68، ص 89
کرم کا اور ہے امکاں کھلے تو بات چلے	عزیز حامد مدنی	جلد 24، شمارہ 68، ص 89
دلوں کی عقدہ کشائی کا وقت ہے کہ نہیں	عزیز حامد مدنی	جلد 24، شمارہ 68، ص 89
نرمی ہوا کی موج طرب خیز ابھی سے ہے	عزیز حامد مدنی	جلد 24، شمارہ 68، ص 90
فراق سے بھی گئے ہم وصال سے بھی گئے	عزیز حامد مدنی	جلد 24، شمارہ 68، ص 90
اُگا سبزہ در و دیوار پر آہستہ آہستہ	منیرؔ نیازی	جلد 24، شمارہ 68، ص 91
شہر، پربت، بحر و بر کو چھوڑتا جاتا ہوں میں	منیرؔ نیازی	جلد 24، شمارہ 68، ص 91
چاند نکلا ہے سرِ قریۂ ظلمت دیکھو	منیرؔ نیازی	جلد 24، شمارہ 68، ص 91
اس شہر سنگ دل کو جلا دینا چاہیے	منیرؔ نیازی	جلد 24، شمارہ 68، ص 92
کیسی کیسی بے ثمر یادوں کے ہالوں میں رہے	منیرؔ نیازی	جلد 24، شمارہ 68، ص 92
سلسلہ روشن تجسس کا ادھر میرا بھی ہے	باقیؔ	جلد 24، شمارہ 68، ص 93
کچھ نہ کچھ ساتھ اپنے یہ اندھا سفر لے جائے گا	باقیؔ	جلد 24، شمارہ 68، ص 93
کوئی بھولی ہوئی شے طاق ہر منظر پہ رکھی تھی	باقیؔ	جلد 24، شمارہ 68، ص 93
تم ہمیں ایک دن دشت میں چھوڑ کر چل دیے تھے تمہیں کیا خبر، یا اخی	عرفان صدیقی	جلد 24، شمارہ 68، ص 94
سنو، کہ بول رہا ہے یہ سر اتارا ہوا	عرفان صدیقی	جلد 24، شمارہ 68، ص 94
نرم جھونکے سے یہ اک زخم سا کیا لگتا ہے	عرفان صدیقی	جلد 24، شمارہ 68، ص 95

جھلس رہے ہیں کڑی دھوپ میں شجر میرے	عرفان صدیقی	جلد24، شمارہ68، ص95
سرحدیں اچھی کہ سرحد پہ نہ رُکنا اچھا	عرفان صدیقی	جلد24، شمارہ68، ص95
اب کے اداسیوں کی تب و تاب اور ہے	اسعدؔ بدایونی	جلد24، شمارہ68، ص96
قریۂ ہجر میں خوابوں کے اسباب بہت تھے	اسعدؔ بدایونی	جلد24، شمارہ68، ص96
تلاشِ رزق میں دیوان کرتا رہتا ہوں	اسعدؔ بدایونی	جلد24، شمارہ68، ص96
میری نظر کا مدعا اُس کے سوا کچھ بھی نہیں	شہپر رسول	جلد24، شمارہ68، ص97
چُپ گزر جاتا ہوں حیراں بھی ہو جاتا ہوں	شہپر رسول	جلد24، شمارہ68، ص97
پھر سے وہی حالات ہیں، اِمکاں بھی وہی ہے	شہپر رسول	جلد24، شمارہ68، ص97
ایک دن نہ رونے کا فیصلہ کیا میں نے	شہپر رسول	جلد24، شمارہ68، ص98
بد دعا اس نے مجھے دی تھی دعا دی میں نے	شہپر رسول	جلد24، شمارہ68، ص98
کس سفر پر ہیں رواں ہم لوگو، وقت آہٹ نہ صدا چاہتا ہے	شہپر رسول	جلد24، شمارہ68، ص99
نہیں آسماں تری چال میں نہیں آؤں گا	احمد محفوظ	جلد24، شمارہ68، ص100
وہی دل کو ہے یارِ جانی کے ساتھ	احمد محفوظ	جلد24، شمارہ68، ص100
اس قدر لوگ ڈراتے ہیں جدھر جانے سے	احمد محفوظ	جلد24، شمارہ68، ص101
اُس سے رشتہ ہے ابھی تک میرا	احمد محفوظ	جلد24، شمارہ68، ص101
پھینکتے سنگ صدا دریائے ویرانی میں ہم	احمد محفوظ	جلد24، شمارہ68، ص102
یہ جو دھواں سا ہے دشتِ گماں کے آس پاس	احمد محفوظ	جلد24، شمارہ68، ص102
چال اک ایسی چلی ہر شخص سیدھا ہو گیا	کمار پاشی	جلد25، شمارہ69، ص193
تو اپنے چاروں طرف موت کا اندھیرا لکھ	کمار پاشی	جلد25، شمارہ69، ص193
زیادہ کون ہے دونوں میں میرا خواب کہ میں	فرحت احساس	جلد25، شمارہ69، ص194
وصال کرنا ہے جذبات میں نہیں آنا	فرحت احساس	جلد25، شمارہ69، ص194

معاصر شعری منظر نامہ (نظم) اور 'ذہن جدید'

ذہن جدید نے تخلیقی ادب کے ضمن میں نظم کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا۔ شروع کے شماروں میں ذہن جدید نے ہم عصر شاعروں کی نظمیں شائع کیں۔ بعد کے شمارے ایسے بھی آئے کہ جس میں جدید نظم کے ابتدائی شاعروں کا کلام شائع ہوا۔ 'ذہن جدید' میں نظموں کا خانہ حد درجہ وسیع ہے۔ ذہن جدید نے اپنے مشمولات میں نووارد اور پختہ کار لکھنے والوں کو ساتھ ساتھ جگہ دی، ساتھ ہی ساتھ نسائی شاعری کے بڑے حصے کو بھی شائع کیا۔ ہم ذہن جدید کے نظمیہ حصے کے کم و کیف کا جائزہ لینے کے لیے منتخب شاعروں کا جائزہ لیں گے۔

جدید اردو نظم میں حلقۂ اربابِ ذوق کے شعرا کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اس حلقے کے شاعروں نے جدید نظم کو قائم کرنے اور پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ حلقے سے پہلے اردو نظم کی ایک روایت وجود میں آچکی تھی اور غزل، ومثنوی کے علاوہ پابند نظم اور نظم معریٰ کا ایک طور رواج پا چکا تھا لیکن نظم کی آزاد شکل کو بعد میں رواج ملا۔ حلقے نے شاعری کی تفہیمِ غزل کی شعریات کے متوازی نظم کی شعریات کو متعارف کرایا اور نظم کی قرأت کے اصول بنائے۔ جدید نظم کے شاعروں اور حلقۂ ارباب ذوق کے نمائندہ شاعروں نے جو تخلیقات اردو ادب کو دیں، ذہن جدید نے اس کے جامع انتخاب کو شائع کرکے نظم کی روایت میں خراج تحسین پیش کیا۔ اس انتخاب میں ن م راشد، میراجی، یوسف ظفر، قیوم نظر، ضیا جالندھری، عزیز حامدنی، مختار صدیقی، جیلانی کامران وغیرہ کی نظمیں شائع کی گئیں۔

ن م راشد کی نظمیہ شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مجرد کو محسوس بنانے کی صلاحیت اپنے ہم عصروں سے سوا رکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ لفظی صناعی سے پرے برہنہ لفظوں میں مضمون ادا کرنے کے لیے نظم کے بیانیے کو قائم کرنے پر بھی کل دسترس رکھتے تھے۔ ان کے یہاں فکر کی گہرائی اور لفظ کی قوت یک جان ہو کر اظہار پاتی ہے۔ اس طریقے سے وہ ایک ایسا اسلوب پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں جو انھیں جغرافیائی منطقوں سے نکال

کر ایک عالمی سیاق عطا کرتی ہے۔ راشد کے فن میں پختگی کا مرحلہ یک لخت پیدا نہیں ہوا بلکہ روحانیت، سیاست، معاشرت اور تخلیقیت کے ساتھ جمالیات کی ناپختہ شکلیں بھی ان کی ابتدائی نظموں میں پائی جاتی ہیں۔ ''سوچتا ہوں اسے واقف الفت نہ کروں'' میں یہ صورت دیکھی جا سکتی ہے۔

ن م راشد کی نظم ''مکافات'' کا بیانیہ دیکھنے پر اندازہ ہوتا ہے وہ ایک جبلی انسان کی تلاش میں ہیں اور اپنے مشرقی اخلاقی انسان سے بیزار ہیں کہ انسان کے اس تصور نے انھیں احتراز واجتناب کی ایسی روش پر گامزن کیا جس نے ان کے شباب کی امنگوں اور خواہشوں کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ وہ اس روش پر چیں بہ جبیں ہوتے ہوئے آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ اپنے جبلی انسان کی تسکین کر پاتے۔

''وادی پنہا'' نامی نظم بھی ''مکافات'' کی توسیع معلوم ہوتی ہے لیکن یہاں محض مشرق کی حبس زدہ فضا نہیں ہے بلکہ مشرق و مغرب سے علاحدہ جہان کی تلاش ہے۔ ایک ایسا جہان جو نئے ذہن اور نئی آرزوؤں کی تکمیل کا سامان پیدا کرے۔ یہ دنیا جس کی طلب ن م راشد اس نظم میں ظاہر کرتے ہیں وہ مشرق و مغرب سے پرے ہیں یعنی ایک خیالی اور رومانی دنیا ہے جہاں آرزومندی کو حقیقت میں بدلا جا سکتا ہے۔

''اتفاقات'' نظم اس سلسلے کی آگے کی کڑی ہے۔ یہاں جسم کا تقاضا عود کر آتا ہے اور جسمانی وصال کی آنے والی اقدار اور خدا کا تصور بھی لاشعور کی سطح پر رینگتا دکھائی دیتا ہے، راشد اس امتناعی سماج کی اخلاقیات کی قیود سے اوپر اٹھ کر جسمانی اتصال کی طرف آمادہ ہونے کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں اور ساتھ ہی فطرت کے دیگر مظاہر کے ارتباط کی مثال بھی دیتے ہیں۔ گویا سماجی دائرے میں اپنی جبلت کے تقاضوں کو معقول بنیاد فراہم کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے وہ فطرت کے عمل کی طرف رجوع کرتے اور اس سے تحریک و ترغیب لینے پر آمادہ کرتے نظر آتے ہیں۔

''بیکراں رات کے سناٹے میں'' یہاں جنس کی نفسیات اور جنسی دباؤ کا بیان راشد نے خوبی اور خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ لذت اندوزی اور اس سے اجتناب کی لاشعوریت کو اسلوب کی تازہ کاری کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے خواہش کا بیان لذت کے گدلے پن سے آلودہ ہونے کے بجائے ایک معصوم خواہش اور جبلی داعیے کی نمائندگی کرتا ہے۔

”زنجیر“کو ہم ایک انقلابی نظم کہہ سکتے ہیں کہ جو ذہن جبلت کی تسکین کے مغربی عورت کو رام کر سکتا ہے وہ اپنی آزادی اور حریت کے لیے کوئی ایسی ترکیب کیوں نہیں بنا سکتا جس سے مغرب کے مردہ اذہان کو اپنے لیے مسخر کر سکے اور ان کی اطاعت سے نکل کر اپنی حریت کے امکانات کو روشن کرنے میں کامیاب ہو۔

”نمرود کی خدائی“سیاسی بیانیے پر بنی نظم ہے، جو مشرق و مغرب کے فرق کو واضح کرتی ہے ساتھ ہی مشرق کے علم و فلسفہ کی منزل سیادت سے بے دخلی کو بیان کرتی ہے۔ اس سے پہلے اس دنیا پر بیرونی قوت کی یورش کو اس لیے کم آنکتی ہے کہ وہ طاقت کی یورشیں تھیں جو ذہن و تہذیب سے دوبارہ مفتوح ہو گئیں۔ اب کے جو مقابلہ اہل مشرق کو مغرب سے درپیش ہے وہ ذہن کی پسپائی کا مقابلہ ہے۔

”میرے بھی ہیں کچھ خواب“ یہ نظم راشد کے جدید ذہن کی قدیم ذہن و تہذیب سے کشاکش کو بیان کرتی ہے۔ راشد کم از کم اتنا کرتے ہیں کہ وہ اپنی روایت سے پوری طرح منحرف نہیں ہوتے وہ اپنے فعال جذبے کے لیے عشق کی اساسی علامت کو استعمال کرتے ہیں۔ وہ مغربی روایت جو کسی زمانے میں اہل مغرب کے لیے بڑی کشش رکھتی تھی اس کی کشش ماند پڑ چکی ہے۔ راشد ایک ایسے خواب کی جستجو کرتے ہیں جو روایت کے بوجھ تلے دب گیا اور یہ بوجھ ادبی روایت کا بھی ہے جس میں حافظ و رومی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ شاعر نظم میں پسپا خوابوں کا مقدر ذکر کر کے یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ ایک اجتماعی آواز کا ترجمان ہے۔ اس ترجمانی میں ایک ایسے خواب کی سن گن ملتی جہاں آزادی کامل کا نقارہ بجے گا۔ آزادی کامل کیوں کر ممکن ہے اور جنسی و معاشرتی زندگی میں اس کے بروئے کار لائے جانے سے کیا عواقب رونما ہوں گے اس کی طرف راشد متوجہ نہیں ہوتے۔

”مرگ اسرافیل“ یہ نظم راشد کی فن کارانہ دسترس اور صناعانہ مہارت کی منھ بولتی مثال ہے۔ یہ انسان کی بے بسی اور مظلوم کی بے کسی کا ہیبت ناک اور سفاک بیان ہے کہ اسرافیل دنیا میں عدل کے رخصت ہونے پر اس کے خاتمے کے لیے مامور ہے۔ مظلوم و محکوم کے لیے وہ صورت حال برپا ہو چکی ہے لیکن وہ لمحۂ موعود برپا نہیں ہوتا اس لیے اس الم خلاصی کے طلب گار اور آخری فیصلہ کن صور کے منتظر مظلوموں کے لیے یہ اعلان ہے کہ مرگ اسرافیل واقع ہو چکا ہے۔

حلقے کے دوسرے اہم شاعر میراجی ہیں۔ میراجی کی نظمیں ماضی و حال سے وابستہ دیومالائی طرز اظہار کی نمائندہ ہیں۔ میراجی کی نظموں میں ہندو دیومالا اور اساطیری فکریات کی کارفرمائی ملتی ہے۔ اجتماعی دیومالا کی طرف

میراجی نے اس لیے قدم بڑھایا کیوں کہ انھیں جس نوع کا طرزِ اظہار مطلوب تھا وہ اسلامی روایت سے ہم آہنگ نہیں تھا اسی لیے میراجی نے ہندستانی اساطیر اور فکر و فلسفے سے اپنا رشتہ ہموار کیا۔

میراجی کی نظم یگانگت وقت کے اننت فلسفے کے ساتھ فانی و باقی کے تصور سے بنائی ایسی نظم ہے جس میں ایک واحد حقیقت میں مدغم ہونے یا اس سے بطور مادہ مختلف حالتوں میں متحد ہونے کا فلسفہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ وقت سے بحث کرتی ہے اور وقت کو ایک بڑی قوت اور تسلسل کے ایک لامتناہی سلسلے کے طور پر پیش کرتی ہے۔ یہ بظاہر ہندو فلسفے کی آئینہ داری کرتی ہے لیکن اس میں وقت کے متصوفانہ تصور اور وحدۃ الوجودی فلسفے کی کار فرمائی کو زیریں سطح پر دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ کائنات کے مادی مظاہر کو وقت کے سلسلے سے باندھ کر دیکھنے کی میراجی کی کوشش دراصل زمانے کے اسلامی تصوف اور ہندو فلسفے کے کال سے مربوط و ممزوج کر کے دیکھنے کی کوشش ہے۔

نظم "تنہائی" اس خلوت گزینی سے بحث کرتی ہے جو فرد ذات اور کائنات کے دروں میں پھیلے سکون کا حاصل ہے۔ یہاں تاریکی، روشنی اور شجر و ورق اور ہوا کے بیچ موجودگی کے درمیان ایک ہنگامے اور شور کی تلاش و طلب بہت واضح انداز میں سامنے آتی ہے اس طرح یہ نظم ایک وجودی مراقبے کی منزل کو نشان زد کر ایک مکاشفے کی طلب کا اثبات کرتی دکھائی دیتی ہے۔

"ارتقا" نامی نظم کا اہم کردار جنازہ ہے اور یہاں تجسیم سے تجرید کی طرف ایک سفر دکھائی دیتا ہے۔ یہاں زمین اور زندگی کے رشتے اور لحد کے توسط سے موت کو قبول کرنے اور اپنے آج کو تسلیم کرنے کا تصور سامنے آتا ہے۔ یہ نظم تخصیص کی جگہ ایک تعمیم پیدا کرتی ہے۔ وجودی سیاق کے ساتھ ایک تاریخی سیاق میں نظم کو پڑھنے سے تاریخ و تہذیب کے تعصبات سے پردے اٹھتے جاتے ہیں۔ حمید نسیم لکھتے ہیں:

> "میں اعتراف کرتا ہوں کہ جتنا عمق، جتنی خیال کی گہرائی اور کثیر الجہتی میراجی میں ہے آج تک اردو کے کسی شاعر میں نہیں دیکھی تھی۔............... میراجی جو پرورژن کا شاعر ہے وہ اس کلیات میں بہت کم آیا ہے۔ کبھی کبھار پوری زندگی کا احاطہ کرنے والا میراجی سارے حصے پر محیط نظر آتا ہے۔ اور یہاں اس کا اسلوب بھی ہماری روایت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اس کی توسیع ہے۔ تغیر حالات کے باعث لفظیات میں جتنا تغیر و تبدل اپنی روایت سے منسلک رہ کر کرنا چاہیے تھا اتنا ہی کیا گیا۔ راشد کی اپنی لفظیات ہے۔ فیض کی اپنی اور میراجی کو عمیق باطنی

تجربات کے سطح کمال پر اظہار کے لیے جو لفظیات درکار تھی اس نے نہایت کامیابی سے استعمال کرلی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر وہ تیس برس اور زندہ رہتا تو رلکے، بادلیئر، پشکن۔ والٹ ویٹ مین صائب اور بیدل کے سے ایک آدھ سینٹی میٹر زیادہ قد آور یا ہم سر تخلیق کار تسلیم نہ کیا جاتا؟"۲

حمید نسیم کی اس رائے کے بعد میرا جی کی عظمت اور فنکارانہ قدرو منزلت کا پتہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔

یوسف ظفر نے حلقۂ ارباب ذوق کو تقویت پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ زبیر رضوری نے یوسف ظفر کا جو انتخاب شائع کیا ہے اس میں یوسف ظفر اپنے عہد کے غالب رجحان کو پیش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ن م راشد کی طرح کی فلسفیانہ اساس اور میرا جی کی سی اساطیری دنیا اور وجودی اظہار میں ہندی فلسفہ تو نہیں رکھتے لیکن ان کے یہاں فنا وبقا کا تصور، موت کا سوال، تاریخ کا جبر، مغرب خیرہ کن روشنی کا تجربہ، مشرق کی زبونی، صنعت کی برتری اور انسان کی بے رتبہ ہوتی حیثیت کا اظہار ملتا ہے۔

مجید امجد کی شاعری میں تہذیب وتاریخ، فطرت اور اطراف میں پھیلی دنیا کا حوالہ ملتا ہے۔ مجید امجد کسی نظریے یا ابھرے تخلیقی رویے پر کاربند نظر نہیں آتے۔ وہ وسیع نظر اور کشادہ دل کے ساتھ کائناتی مظاہر، دنیاوی مسائل وتاریخ کے ساتھ مقامی بودوباس اور رنگ وزمین کو اپنا موضوع بناتے ہیں۔ ان کے یہاں صوتی آہنگ کو قائم کرنے کی شعوری کوشش کا انداز بھی ملتا ہے۔ وہ موضوع یا نظریے کو حسب ضرورت استعمال کرتے ہیں اور خارجی دنیا اور مظاہر کے تئیں حسیاتی ردعمل کو الفاظ کے حصار میں لاتے ہیں۔ مجید امجد کی نظم نگاری اس اعتبار سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز کہی جاسکتی کہ ان کے یہاں مختلف رنگ ملتے ہیں۔ وہ تفلسف اور مطلوب فکریات کے موقع پر ایک جہاں دیدہ شخص کی طرح معاملہ کرتے دکھائی دیتے ہیں اور جب ان کی تخلیقی اپج میں عام زندگی کا اظہار پاتی ہے تو اس عام زندگی کا معیار اور اس مظہر کی مقامیت اپنے ارضی اوصاف کے ساتھ ان کے یہاں جلوہ گر ہوتی ہے۔ شب رفتہ کا آغاز نامی کا موڈ سوکھا، تنہا پتہ، کنواں، ریوڑ اور پنواڑی سے بالکل مختلف ہے اسی طرح ہم سفر، نژاد نو، درس ایام وغیرہ کا انداز مختلف ہے۔ مجید امجد کے یہاں نظم کی بنت اس کے بیانیے سے متشکل ہوتی ہے یعنی بیانیے کا موضوع اور زمان ومکان و کردار نظم کے مزاج کو شکل دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ موضوع کو قدرے آزادی دیتے ہیں کہ وہ ان کی تخلیقی افتاد پر خود کو حاوی کرکے اظہار پائے۔ زبیر رضوی نے ذہن جدید میں مجید امجد کا انتخاب شائع کیا، اس کے مطالعے سے بھی ان باتوں کی توثیق کی جاسکتی ہے۔

نظمیہ شاعروں کی فہرست میں سے یہ چند مثالیں اجمالاً جائزے سے گزاری گئیں۔ نظم گو شاعروں کے علاوہ شاعرات کو بھی ذہن جدید نے ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا۔ ہم ان شاعرات کی طویل فہرست میں سے تین شاعرات کی نظموں پر گفتگو کریں گے تاکہ نسائی شاعری کی نمائندگی ہو جائے۔

کشور ناہید کو نئی نظم کے نمائندہ شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ کشور ناہید نے جس نوع کی شاعری کی اس کی نوعیت کو متعین کرنے کے لیے دو خانے بنائے جاسکتے ہیں۔ ایک خانہ وہ جہاں وہ بطور صنف کے مکالمہ کرتی ہیں یعنی نسائی وجود کے طور تخلیق کے عمل کو انجام دیتی ہیں اور اس عمل کی انجام دہی کا بنیادی سبب مرداساس معاشرے سے کشور ناہید کی وابستگی ہے جس میں قدم قدم پر صنفی امتیاز کے اشکال ملتے ہیں۔ اس لیے ان کی نظموں میں مرداساس معاشرے کے امتیازی رویے اور نسائی وجود کی زبونی کا اظہار ایک فطری امر ہے لیکن ان کا یہ اظہار محض صورت حال کی عکاسی تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک مزاحمتی آواز اور نقطۂ نظر کی تبدیلی کے طور پر اپنی تخلیقیت کو بروئے کار لاتی ہیں۔ دوسری قسم ان کی شاعری کی وہ ہے جہاں ہمیں ایک نسائی وجود کے بجائے ایک انسانی وجود مکالمہ قائم کرتا دکھائی دیتا ہے۔

موضوع گفتگو نامی نظم کی راوی ایک ایسے آشنا سے خطاب کرتی ہیں جو انس کا ایسا شناسا معلوم ہوتا ہے جس نے ایفائے عہد کرنے میں کوتاہی کی ہے اور وصل باہم کی مستقل صورت انھیں حاصل نہیں ہوسکی ہے؛ اس لیے وہ ایک دوسرے کے گلے شکوے اور الزام ودشنام رکھتے ہیں۔ یہ نظم دنیاوی اشغال سے فرصت کے چند لمحے چرا کر اپنے رومان کی دنیا میں جینے کا بہانہ کرتی دکھائی دیتی ہے گویا یہ ایک تعلق کو ایسی دیرپا صورت دینے کی کوشش ہے جسے سماجی بندھنوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈنر کا موضوع گفتگو ''آؤ چاند پر چلیں'' طے پاتا ہے۔ گویا کہ ایک نئے رومان کا حیلہ تاسف اور حرماں نصیبی کے دھونے کا وسیلہ ہے۔

''جلے ہوئے گھر سے دریافت شدہ نظم'' میں اظہار نسائی ہے لیکن جس حقیقت یا تجربے کو بیان کیا گیا وہ وجودی اور انسانی ہے۔ محبت کو دستانے کا مماثل بنا کر انسانی وجود چڑھی وفاداری بشرط استواری کی حقیقت کو اجاگر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے انسان اپنا اصل چہرہ دیکھنے کا اہل نہیں ہوسکتا اس لیے اسے زندگی کو گوارہ بنانے کے لیے جھوٹی بات اور جھوٹی مسکان کا سہارا لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی جھوٹ زندگی کو گوارا بناتا ہے۔ یہ جھوٹ اگر نہ رہے تو سچ کی تلخی اس نظم کا محرک بنتی ہے جسے ہم جلے ہوئے گھر سے دریافت شدہ نظم کا عنوان دیتے ہیں۔

انسان کو اس کے کلی وجود کے ساتھ تسلی نہ کرنے کے نقصانات کو کشور ناہید نے "رشتوں کی دلدل" میں بیان کیا ہے۔ مردانہ سائیکی جو عورت سے سامان شوق کی طلب رکھتی اور اپنی منشا کے مطابق اس سے مستفید ہوتی رہتی ہے،اس سائیکی پر استوار تعلق جسم کے تازگی اور لذت کے وفور کی انتہا پر پہنچنے کے بعد جس بیزاری کا باعث بنتا ہے وہ صورت حال اس نظم کا حصہ ہے۔

بلقیس ظفیر الحسن کی ذہن جدید میں شامل نظمیں مختلف شیڈس کی حامل ہیں۔ پہلی نظم بابری مسجد کی شہادت کے سانحے پر مبنی ہے۔ اس سانحے کے ہونے کے بعد ظلم ،جبر ،فساد، خوف اور دہشت کی جو فضا پروان چڑھائی گئی؛ اس فضا کی عکاسی اس نظم میں ملتی ہے۔ نظم "وہیل چیئر پہ بیٹھی زندگی" یہ زندگی کے صحت مند لمحوں کے خاتمے اور معذوری کے ایام کا بیانیہ ہے۔ مآل غنچہَ شاخ تمنا ایک عمر کو جی لینے کے بعد نہ بر آنے والی آرزوؤں کا نوحہ ہے۔ ساتھ ہی یہ ایک خیالی دنیا کی تلاش کا زینہ بھی ہے جہاں لمحے بھر کا نشاط حاصل ہو سکے۔ "عظیم برگد" ماحولیات دوست ،ماضی سے لگاؤ اور مستقبلیت کے درمیان جاری کشمکش کو بیان کرتی ہے۔

عذرا پروین کی نظم "موسم مرے موسم" اپنے آغاز میں ایک تعمیمی اظہار رکھتی ہے اور وہ مناظر فطرت سے مکالمہ کرتے ہوئے اپنے موسم سے اپنی اور یکجہتی اور خوبی وخاصیت کو باقی رکھنے کی التجا کرتی ہے۔ یہ بیان وجود کے فکری اور حسی دونوں پہلوؤں کو حاوی ہے لیکن حسی پہلو فکری پہلو پر فوقیت رکھتا ہے اور آخری بندوں تک پہنچتے پہنچتے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس میں ایک عاشق کا مذکور ہے جس سے تعلق خاطر نے وجود کی ایک نئی دنیا کا اسیر کر دیا اور اس کے بغیر وہ دنیا کو برتنے کی عادت بھول چکی ہے۔

اردو زبان وادب نے انیسویں صدی کے اواخر سے ہی مغربی عالمی ادبیات سے اخذ و اکتساب شروع کر دیا تھا۔ اردو میں نئی اصناف مغرب کے زیر اثر وجود میں آئیں۔ ہمارے یہاں نثر میں صرف داستان، خطوط، تذکرے، سوانح اور دیگر مشرقی علوم وغیرہ ہی ذریعۂ اظہار کے طور پر موجود تھے۔ جدید نثری اصناف ناول،افسانہ،خاکہ وغیرہ عالمی ادب کے اثر سے اردو میں رواج پانے لگے۔ اسی طرح شاعری میں مثنوی، قصیدہ، مرثیہ غزل اور رباعی کی اصناف کے پہلو بہ پہلو نظم بھی چلنے لگی۔ آغاز میں پابند نظموں کا سلسلہ رہا، پھر نظم معرّیٰ، آزاد نظم سے لے کر نثری نظم تک نظم کی صنف نے ایک لمبا سفر عالمی ادبیات کے زیر سایہ طے کیا۔ عالمی ادبیات کی یہ اہمیت اردو میں صنفیاتی اثر پذیری تک محدود نہیں رہی بلکہ عالمی ادبیات کے تراجم کا ایک سلسلہ چل نکلا جس سے شاعری،افسانے،ناول اور

ڈرامے کے ساتھ تنقید کے تراجم میں اردو میں ہوئے اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ عالمی ادبیات کو اردو میں رواج دینے اور عالمی مصنفین کو متعارف کرانے میں ادبی صحافت کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ ادبی رسالوں نے اپنے ہم عصر عالمی ادب کے ساتھ کلاسیکی ادیبوں کو کثرت سے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

عالمی ادبیات کے تراجم نے صنف کے اندر ہو رہے تجربے کے ساتھ ، مختلف جغرافیائی حدود کے استعارے،علامات، تہذیبی نقوش وغیرہ کو متعارف کرانے اور مختلف النوع حیات کو اردو قاری تک پہنچانے کا کام کیا۔ ذہن جدید نے بھی عالمی ادبیات کی مختلف اصناف کو مترجم صورت میں شائع کرنے کا اہتمام کیا،ساتھ ہی اس نے عالمی ادیبوں کے تعارف اور ان کی تخلیقات پر گفتگو کو بھی جگہ دی۔

ذہن جدید نے عالمی ادبیات میں صرف مغرب کی طرف ہی توجہ نہیں کی بلکہ عربی،فارسی،نیپالی اور لاطینی ادب کو بھی اپنی ترجیحات میں شامل کیا۔ ذہن جدید نے فروغ فرخ زاد پر خصوصی گوشہ شائع کیا۔ فروغ فرخ زاد قدامت پرست ایرانی سماج میں بغاوت کی ایک آواز بن کر سامنے آئیں۔ فروغ کی شخصیت میں اپنے عہد کے خلاف،اس کے رسوم، آداب مجلس اور ملبوس وغیرہ کے تئیں ایک باغیانہ رویہ تھا۔ وہ خود بھی اپنی نظموں میں ایسے عنصر کی طرف اشارہ کرتی ہیں جسے سرکشی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ ان کے یہاں وجود کی ٹوٹ پھوٹ، مردان رویے کے خلاف بغاوت اور سچی محبت کی تلاش کا عنصر موجود ہے۔

خستہ افسردہ اور بدحال
میں اپنی ذات کے کھنڈروں کی طرف رواں ہوں
بخدا میں تمھارے شہر سے اپنا
شوریدہ دیوانہ دل واپس لیتی ہوں
اسے لے کر دور جا رہی ہوں تا کہ
اسے دھو سکوں رنگ گناہ سے
داغ محبت سے اور
تمام بے جا اور سری ہوئی خواہشوں سے....

اس نظم میں ذات کی شکست اور نئی کیفیت اور تازہ و شگفتہ جہان کی تلاش کا احساس بہت واضح ہے۔ فروغ فرخ زاد کی شاعرانہ عظمت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کی نظموں کے ترجمے ن م راشد جیسے بلند پایہ نظم گو شاعر نے کیے۔ بیدار بخت جیسے ماہر مترجم وادیب نے بھی فروغ فرخ زاد کی نظموں کے ترجمے کیے۔ فہمیدہ ریاض جو بذات خود ایک باغی شاعرہ تھیں اور جن کے یہاں ترقی پسندی اور تانیثی رویے دونوں ہی ساتھ ساتھ چلتے ہیں ،انھوں نے بھی فروغ کی نظموں کو اپنی ترجماتی سرگرمی کا محور بنایا۔ ان مترجمین کے تراجم کو ذہن جدید نے اپنے شمارے کے خصوصی گوشے میں جگہ دی۔

عالمی نظمیہ ادب کے انتخاب میں ذہن جدید نے تنوع پسندی کا ثبوت دیا اور کئی بڑے شاعروں کی شاعری کو شائع کیا جو موضوع اور فن دونوں ہی لحاظ سے اپنے اندر ندرت اور جدت کے پہلو رکھتی ہے۔ شاعری کے ضمن میں جو نگارشات ذہن جدید کے مشمولات کا حصہ بنیں ان کی فہرست درج ذیل ہے

ہمارے شہر کی ایک نظم	بلراج کومل	جلد1، شمارہ1، ص76
میں ایک اور میں	بلراج کومل	جلد1، شمارہ1، ص77
ساتویں منزل سے دیکھو تو...	محمد علوی	جلد1، شمارہ1، ص78
بند گھر اور چڑیا	محمد علوی	جلد1، شمارہ1، ص79
چلو ان پرندوں سے پوچھیں...	محمد علوی	جلد1، شمارہ1، ص79
قصہ اندھیروں اور اجالے کا	وحید اختر	جلد1، شمارہ1، ص80
برف باری	وحید اختر	جلد1، شمارہ1، ص83
جاگتی آنکھوں کا خواب	مخمور سعیدی	جلد1، شمارہ1، ص85
میں سوچتا ہوں	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ1، ص86
گھر ہونے تک	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ1، ص87
آخری نظم	اختر حسین	جلد1، شمارہ2، ص101
بریل	بلراج کومل	جلد1، شمارہ2، ص102
کل	بلراج کومل	جلد1، شمارہ2، ص102

یہی اپنا ٹھکانہ ہے	وزیر آغا	جلد1، شمارہ2، ص104
شبانِ ہجراں	عزیز قیسی	جلد1، شمارہ2، ص105
ابنِ مریم ہوا کرے کوئی	محمد علوی	جلد1، شمارہ2، ص107
کوئی رشتہ نہ ہو سمندر سے...	محمد علوی	جلد1، شمارہ2، ص107
رہ رہ کے بلاتے ہیں مجھے دور کے منظر...	محمد علوی	جلد1، شمارہ2، ص107
چھوٹا آدمی	ندا فاضلی	جلد1، شمارہ2، ص108
دستکیں	ندا فاضلی	جلد1، شمارہ2، ص108
اکیسویں صدی کے دوراہے پر پتھر شہزادی	کشور ناہید	جلد1، شمارہ2، ص109
24 اکتوبر 1990	کشور ناہید	جلد1، شمارہ2، ص110
بیتا موسم-اگلی رت	بشر نواز	جلد1، شمارہ2، ص111
وقت-زندگی-میں	بشر نواز	جلد1، شمارہ2، ص112
بازیافت	انور معظم	جلد1، شمارہ2، ص113
راہ نما	انور معظم	جلد1، شمارہ2، ص113
عمرِ آشفتہ سر	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ2، ص114
بے سمت	بلراج کومل	جلد2، شمارہ3، ص37
تیزاب کی بارش	بلراج کومل	جلد2، شمارہ3، ص37
نیا سال۔ نئی دعا	وحید اختر	جلد2، شمارہ3، ص38
نئے سال کی پہلی نظم	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ3، ص40
مشورہ	راہی معصوم رضا	جلد2، شمارہ3، ص41
فلسفہ	حمید الیاس	جلد2، شمارہ3، ص42
خود فراموشی	حمید الیاس	جلد2، شمارہ3، ص42

جان جاں کیا کریں	امجد اسلام امجد	جلد2، شمارہ3، ص43
آخرش	ساجد حمید	جلد2، شمارہ3، ص44
خالی پن	ساجد حمید	جلد2، شمارہ3، ص44
تجربہ	شاہد عزیز	جلد2، شمارہ3، ص45
ساعتوں کا سفر	شاہد عزیز	جلد2، شمارہ3، ص45
دھوئیں کا تیزاب (فسادات پر نظم)	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ3، ص126
بھاگلپور	محمد علوی	جلد2، شمارہ3، ص123
سلام شاعر ملیشیا (عثمان اور نگ کے نام ایک نظم)	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص34
ناچنے دو فرش پر رقاصہ کو	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص34
سال نو	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص34
شبد تو مل گیا	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص35
انتظار	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص35
جشن	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص35
صابن کے بلبلے	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص36
نیم شب کو	عمیق حنفی	جلد2، شمارہ4، ص36
مٹھی کھول	کمار پاشی	جلد2، شمارہ4، ص37
اسے تارا کہو	کمار پاشی	جلد2، شمارہ4، ص37
کل یگ	کمار پاشی	جلد2، شمارہ4، ص37
خبر لاؤ اس کی	کمار پاشی	جلد2، شمارہ4، ص39
پرندوں کا نوحہ	سہیل احمد	جلد2، شمارہ4، ص44
صدی کی شام اور پنچھی	سہیل احمد	جلد2، شمارہ4، ص44

زینہ زینہ اترتا قصہ	حسن عباس رضا	جلد2، شمارہ4، ص45
ورثہ	شبنم شکیل	جلد2، شمارہ4، ص47
کیا کہا خضر نے سکندر سے	شبنم شکیل	جلد2، شمارہ4، ص47
عکس در عکس	ساجد حمید	جلد2، شمارہ4، ص48
آساں اے آسماں	ساجد حمید	جلد2، شمارہ4، ص48
اعزاز	حفیظ آتش	جلد2، شمارہ4، ص49
شکایت	حفیظ آتش	جلد2، شمارہ4، ص49
یادبے مدار	شاہد جمیل	جلد2، شمارہ4، ص50
رام راج بجنور میں	اختر الایمان	جلد2، شمارہ5، ص28
ادھر سے گذر	جیلانی کامران	جلد2، شمارہ5، ص29
رشوت خور دہائی	محمد علوی	جلد2، شمارہ5، ص30
خونی سفر	محمد علوی	جلد2، شمارہ5، ص30
بوڑھوں کا گھر	محمد علوی	جلد2، شمارہ5، ص31
گھر سے دور	محمد علوی	جلد2، شمارہ5، ص31
آخری سچ	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ5، ص32
خوابوں کی منزل	حمید الماس	جلد2، شمارہ5، ص33
نت نئی امید	حمید الماس	جلد2، شمارہ5، ص33
طلسم روز و شب میں	انور زاہدی	جلد2، شمارہ5، ص34
چاند مری کھڑکی میں آئے	امجد اسلام امجد	جلد2، شمارہ5، ص36
ایک مردم شمار ٹوٹ گیا	جاوید ناصر	جلد2، شمارہ5، ص37
اعتراف	جاوید ناصر	جلد2، شمارہ5، ص37

شہادتوں کے درمیان	اسلم عمادی	جلد2، شمارہ5، ص38
غنودگی	شاہد کلیم	جلد2، شمارہ5، ص38
مقتل سے مقتل تک (علیگڑھ سے حیدرآباد تک)	وحید اختر	جلد2، شمارہ6، ص54
پرچھائیں	کشور ناہید	جلد2، شمارہ6، ص56
چارج شیٹ1990	کشور ناہید	جلد2، شمارہ6، ص56
خالی ہاتھ کی تپسیا	سلیم شہزاد	جلد2، شمارہ6، ص57
بازیچہ اطفال	سلیم شہزاد	جلد2، شمارہ6، ص57
عالمی تنظیم نو	سلیم شہزاد	جلد2، شمارہ6، ص58
تنہائی	افتخار امام	جلد2، شمارہ6، ص58
ایک نظم	جینت پرمار	جلد2، شمارہ6، ص59
میں امیر لفظوں کا...	جینت پرمار	جلد2، شمارہ6، ص59
کیوں	کرشن موہن	جلد2، شمارہ6، ص60
آخری دن	اختر راہی	جلد2، شمارہ6، ص60
مجھے تم سے شکایت ہے...	مشرف عالم ذوقی	جلد2، شمارہ6، ص61
سہمے اور کچلے چہروں پر...	مشرف عالم ذوقی	جلد2، شمارہ6، ص61
وہ محبت کر بھی سکتے ہیں...	مشرف عالم ذوقی	جلد2، شمارہ6، ص61
کبھی کبھی بہت تھکے...	مشرف عالم ذوقی	جلد2، شمارہ6، ص61
ایک عیاشی یہ بھی ہے...	مشرف عالم ذوقی	جلد2، شمارہ6، ص61
صحرا کا تنہا پیڑ	ساجد حمید	جلد2، شمارہ6، ص62
بے حسی کے موڑ پر	قمر ادیب	جلد2، شمارہ6، ص62
آنے والے بچے کی ماں کے نام	ریاض لطیف	جلد2، شمارہ6، ص62

خواہشوں کا غنیم	بمل کرشن اشک	جلد2، شمارہ7، ص38
اختلاط	بمل کرشن اشک	جلد2، شمارہ7، ص39
ملزم	بمل کرشن اشک	جلد2، شمارہ7، ص39
درد کا منظر	حمید الماس	جلد2، شمارہ7، ص40
انگلیاں بولتی ہی رہیں	حمید الماس	جلد2، شمارہ7، ص40
تو نہ چاہے...	مصحف اقبال توصیفی	جلد2، شمارہ7، ص41
بدن سے گفتگو	چوہدری ابن النصیر	جلد2، شمارہ7، ص42
دکھ سے بدن کی لذت تک	چوہدری ابن النصیر	جلد2، شمارہ7، ص42
نظم (کشور ناہید کے نام)	بلقیس ظفیر الحسن	جلد2، شمارہ7، ص43
سوال	ذاکرہ شبنم	جلد2، شمارہ7، ص50
... ہم غل نہیں کرتے (زبیر رضوی کے نام)	باقر مہدی	جلد2، شمارہ8، ص48
ایک برہنہ نظم	بلراج کومل	جلد2، شمارہ8، ص49
مجھے یاد ہے	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ8، ص50
آکاش کا فاصلہ	ندا فاضلی	جلد2، شمارہ8، ص50
آسیا ایوب سے ونیا حیات تک (ایک ہی فرد جرم)	کشور ناہید	جلد2، شمارہ8، ص51
فلم کا میلہ اور طرح کا میلہ ہے...	گلزار	جلد2، شمارہ8، ص52
میں بھی اس ہال میں بیٹھا تھا...	گلزار	جلد2، شمارہ8، ص52
کچھ تو ہوتا ہے	گلزار	جلد2، شمارہ8، ص53
انقلاب	علی ظہیر	جلد2، شمارہ8، ص53
خواب سی بستی	حفیظ آتش	جلد2، شمارہ8، ص54
آغاز سفر	حفیظ آتش	جلد2، شمارہ8، ص54

جنم جنم سے میں تم سے ایک بات کہنا...	فیاض رفعت	جلد2، شمارہ8، ص55
تم محبت کرنے والی بے حد پیاری عورت ہو...	فیاض رفعت	جلد2، شمارہ8، ص55
یہ ذائقہ جو رہے گا دائم	ساجد حمید	جلد2، شمارہ8، ص56
برجیاں ٹوٹ گئیں	عین تابش	جلد2، شمارہ8، ص56
ویران خواہش	ریاض لطیف	جلد2، شمارہ8، ص57
نظم	ریاض لطیف	جلد2، شمارہ8، ص57
گھٹن سے جکڑی سانسوں کا نروان	کیول سوری	جلد2، شمارہ8، ص58
اماوس	عطاء الرحمن طارق	جلد2، شمارہ8، ص59
خواہش	عطاء الرحمن طارق	جلد2، شمارہ8، ص59
مونتاج	عطاء الرحمن طارق	جلد2، شمارہ8، ص59
آزاد پرندہ	عارف ایوبی	جلد2، شمارہ8، ص60
وہ کھال کے اوپر کپڑے پہنتا ہے	عارف ایوبی	جلد2، شمارہ8، ص59
تکیے پہ ترے سر کا نشاں اب بھی پڑا ہے	گلزار	جلد2، شمارہ8، ص67
اقبال خدا کے حضور میں	علی سردار جعفری	جلد2، شمارہ9، ص29
فرشتوں کا گیت	علی سردار جعفری	جلد2، شمارہ9، ص31
فرمان خدا	علی سردار جعفری	جلد2، شمارہ9، ص31
ایذرا پاؤنڈ کی موت پر	اختر حسین جعفری	جلد2، شمارہ9، ص33
اے میرے غم	اختر حسین جعفری	جلد2، شمارہ9، ص34
امتناع کا مہینہ	اختر حسین جعفری	جلد2، شمارہ9، ص34
مقتل کی بازدید	اختر حسین جعفری	جلد2، شمارہ9، ص35
طلوع وغروب	اختر حسین جعفری	جلد2، شمارہ9، ص35

یہ قرض ہے کونسی سپہ کا	اختر حسین جعفری	جلد2،شمارہ9،ص36
سفر	مخمور سعیدی	جلد2،شمارہ9،ص37
پہچان	مخمور سعیدی	جلد2،شمارہ9،ص37
آمد	شین۔ کاف۔ نظام	جلد2،شمارہ9،ص38
ایک منظر	شین۔ کاف۔ نظام	جلد2،شمارہ9،ص38
تمہاری یاد	شین۔ کاف۔ نظام	جلد2،شمارہ9،ص38
بہار آئے گی...	شین۔ کاف۔ نظام	جلد2،شمارہ9،ص38
نظم	غلام رسول سنتوش	جلد2،شمارہ9،ص39
جانتی ہوں...	شبنم عشائی	جلد2،شمارہ9،ص40
تب بھی تو اندھیرا تھا...	شبنم عشائی	جلد2،شمارہ9،ص40
جسم کی اوڑھنی میں ڈھکی...	شبنم عشائی	جلد2،شمارہ9،ص40
یہ تم نے کیا کیا...	شبنم عشائی	جلد2،شمارہ9،ص40
ہو نہ ہو...	شبنم عشائی	جلد2،شمارہ9،ص41
کن سوچوں میں ڈوبے ہو...	شبنم عشائی	جلد2،شمارہ9،ص41
یہ عالم تنہائی	حمید الماس	جلد2،شمارہ9،ص42
ایک کالا نوحہ	باقر مہدی	جلد3،شمارہ10،ص7
چشم دید گواہ	زبیر رضوی	جلد3،شمارہ10،ص15
بیدی کی یاد میں	باقر مہدی	جلد3،شمارہ10،ص50
ابھی سپنا زندہ	باقر مہدی	جلد3،شمارہ10،ص51
گھر	امجد اسلام امجد	جلد3،شمارہ10،ص52
مسافتوں کی صدا	سید احمد شمیم	جلد3،شمارہ10،ص53

زمین اب بھی سلامت ہے	سید احمد شمیم	جلد3، شمارہ10، ص53
(وہ)عامل کچھ اور دکھاتا ہے...	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد3، شمارہ10، ص54
جو ہیرو ہے وہ بھی ویلن ہے...	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد3، شمارہ10، ص54
کتنی بار میں نے جنم لیا...	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد3، شمارہ10، ص54
میگھاجی...	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد3، شمارہ10، ص54
عافیت اسی میں ہے	ساجد حمید	جلد3، شمارہ10، ص55
کہیں یہ میرا، میں، تونہیں	ساجد حمید	جلد3، شمارہ10، ص55
رات میں نے حویلی کو دیکھا	عین تابش	جلد3، شمارہ10، ص56
ایک منظر	ارشد عبدالحمید	جلد3، شمارہ10، ص57
سانحہ	ارشد عبدالحمید	جلد3، شمارہ10، ص57
ندی یہی- تو پھر وہی...	عطاء الرحمن طارق	جلد3، شمارہ10، ص58
رفت، رفت، سورج نے...	عطاء الرحمن طارق	جلد3، شمارہ10، ص58
جنگل جنگل سایہ...	عطاء الرحمن طارق	جلد3، شمارہ10، ص58
آنے والی تیری یاد...	عطاء الرحمن طارق	جلد3، شمارہ10، ص58
بوسنیا پکارتا ہے	رفیعہ شبنم عابدی	جلد3، شمارہ10، ص59
دوسرا جنم	رفیعہ شبنم عابدی	جلد3، شمارہ10، ص59
پرانے قرض کی ادائیگی کی آخری قسط	کیول سوری	جلد3، شمارہ10، ص60
کوئی تو ہو...	قمر ادیب	جلد3، شمارہ10، ص61
نہ پائیں باغ...	قمر ادیب	جلد3، شمارہ10، ص61
جواز	شاہد عزیز	جلد3، شمارہ10، ص61
حسیں منظر بلاتے ہیں	شاہد عزیز	جلد3، شمارہ10، ص61

ریموٹ کنٹرول	بخش لائل پوری	جلد3، شمارہ11، ص59
بس تماشائے اہل کرم دیکھتے رہ گئے	ساجدہ زیدی	جلد3، شمارہ11، ص60
ماورائے ہنسی	راشد آزر	جلد3، شمارہ11، ص61
آخری زینے	حمید الماس	جلد3، شمارہ11، ص61
چالیسواں در	حمید الماس	جلد3، شمارہ11، ص61
گردش	ریاض لطیف	جلد3، شمارہ11، ص62
ہر آج میرا اگروی ہر کل کے حوالے سے	شبنم شکیل	جلد3، شمارہ11، ص64
زوال سے پہلے	شاہد عزیز	جلد3، شمارہ11، ص65
کربِ آگہی	شاہد عزیز	جلد3، شمارہ11، ص65
بارکے نم، خنک اندھیرے میں...	خالد سعید	جلد3، شمارہ11، ص66
آٹو مسلسل دوڑ رہا ہے...	خالد سعید	جلد3، شمارہ11، ص66
بھوک	کرشن موہن	جلد3، شمارہ11، ص67
اڑیسہ کے فاقہ زدہ آدی واسی قبیلے	کرشن موہن	جلد3، شمارہ11، ص67
ایک نظم	عارف ایوبی	جلد3، شمارہ11، ص67
اپنا کرینا	گلزار	جلد3، شمارہ11، ص68
اگر تمہارے...	شبنم عشائی	جلد3، شمارہ11، ص69
جب سے...	شبنم عشائی	جلد3، شمارہ11، ص69
معلوم نہیں...	آشا پربھات	جلد3، شمارہ11، ص70
نظم	صدف جعفری	جلد3، شمارہ11، ص70
درندے	بلراج کومل	جلد3، شمارہ12، ص33
جو کوڑا اور کچرا تھا	احترام اسلام	جلد3، شمارہ12، ص34

عذاب زندگی	الیاس شوقی	جلد3، شمارہ12، ص35
وہیل چیئر پر بیٹھی زندگی	بلقیس ظفیر الحسن	جلد3، شمارہ12، ص36
پیش گوئی	حفیظ آتش	جلد3، شمارہ12، ص37
وعید	قاضی سلیم	جلد4، شمارہ13، ص48
صورت کا مورت بن جانا	ندا فاضلی	جلد4، شمارہ13، ص49
شہر گم شدہ	مخمور سعیدی	جلد4، شمارہ13، ص50
کہاں روئے سخن لے جائیں	ساجدہ زیدی	جلد4، شمارہ13، ص51
عدلِ دیریاب	شبنم شکیل	جلد4، شمارہ13، ص52
پیش منظر	صادق	جلد4، شمارہ13، ص53
چوراہے پر...	صادق	جلد4، شمارہ13، ص53
بادشاہ کے آدمی...	صادق	جلد4، شمارہ13، ص54
ان کے بیانات	صادق	جلد4، شمارہ13، ص54
محمد علوی کے نام	جینت پرمار	جلد4، شمارہ13، ص55
رات ہونے والی ہے	جینت پرمار	جلد4، شمارہ13، ص55
کمار پاشی کے لیے	جینت پرمار	جلد4، شمارہ13، ص55
سرپ تنتر	عبد بسم اللہ	جلد4، شمارہ15، ص33
ہاں میں مسلمان ہوں	اکرام خاور	جلد4، شمارہ15، ص47
کولاج ۱،۲،۳	پریتم سنگھ راہی	جلد4، شمارہ15، ص51
ناخن کا حساب	حمید الماس	جلد4، شمارہ15، ص87
حقِ رفاقت	حمید الماس	جلد4، شمارہ15، ص87
شناخت	ابراہیم رنگلا	جلد4، شمارہ15، ص88

بڑھیا، تیرے ساتھ۔۔۔	گلزار	جلد 4، شمارہ 15، ص 89
قبرستان ہے۔۔۔	گلزار	جلد 4، شمارہ 15، ص 89
کالی، لمبی سڑک کنارے۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15، ص 90
کچھ بھی۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15، ص 90
تمہارے دوغلے پن نے۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15 ص 91
جب بھی تم مجھے۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15 ص 91
وہ ایک شب تھی۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15، ص 92
تم تو فاصلوں کا خواب تھے۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15، ص 92
میں اب بھی۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 4، شمارہ 15، ص 92
کرفیو جاری ہے	فرحان حنیف	جلد 4، شمارہ 15، ص 93
برتری کا احساس	فرحان حنیف	جلد 4، شمارہ 15، ص 93
گردباد	فرحان حنیف	جلد 4، شمارہ 15، ص 94
تعزیت	فرحان حنیف	جلد 4، شمارہ 15، ص 94
بے حسی	فرحان حنیف	جلد 4، شمارہ 15، ص 94
پلنگ	بلراج کومل	جلد 4، شمارہ 16، ص 45
کربلا! اے کربلا	وحید اختر	جلد 4، شمارہ 16، ص 46
ہمیشہ یوں ہی ہوتا ہے	ندا فاضلی	جلد 4، شمارہ 16، ص 50
کوئی اکیلا کہاں ہے	ندا فاضلی	جلد 4، شمارہ 16، ص 50
ایک مملکت کی خفیہ تاریخ	افضال احمد سید	جلد 4، شمارہ 16، ص 51
گندم کی بالیاں	غضنفر	جلد 4، شمارہ 16، ص 52
زوال	غضنفر	جلد 4، شمارہ 16، ص 52

بجلی کے تاروں کا سلسلہ	غضنفر	جلد 4، شمارہ 16، ص 52
جب میں نے تم سے پوچھا...	فیاض رفعت	جلد 4، شمارہ 16، ص 53
خواہشوں کے بطن پر...	فیاض رفعت	جلد 4، شمارہ 16، ص 53
آئینے میں...	فیاض رفعت	جلد 4، شمارہ 16، ص 53
بصارتوں کی حریری پشوازیں...	فیاض رفعت	جلد 4، شمارہ 16، ص 53
درآمد	عبدالاحد ساز	جلد 4، شمارہ 16، ص 54
زیریں لہر	ساجد حمید	جلد 4، شمارہ 16، ص 55
رفتگاں کے لیے	قمر ادیب	جلد 4، شمارہ 16، ص 55
موسم کا خیال نہیں کرتا...	شہاب اختر شہاب	جلد 4، شمارہ 16، ص 56
اب کے برس چنچل...	شہاب اختر شہاب	جلد 4، شمارہ 16، ص 56
کہانی	حفیظ آتش	جلد 4، شمارہ 16، ص 56
برف باری	حفیظ آتش	جلد 4، شمارہ 16، ص 56
زمین تپتی ہوئی ہے...	شگفتہ طلعت سیما	جلد 4، شمارہ 16، ص 57
کل وہ میرے گھر پر آیا...	شگفتہ طلعت سیما	جلد 4، شمارہ 16، ص 57
اس کو مجھ سے...	شگفتہ طلعت سیما	جلد 4، شمارہ 16، ص 57
ناپائداری	ریاض لطیف	جلد 4، شمارہ 16، ص 58
بارشِ سنگ نہ ہو	زبیر رضوی	جلد 4، شمارہ 16، ص 62
عجیب تھا جسم و جاں کا موسم...	زبیر رضوی	جلد 4، شمارہ 16، ص 62
چلو درختوں میں چھپ کے بیٹھیں...	زبیر رضوی	جلد 4، شمارہ 16، ص 62
اے خدا...	حشمت فاتح خوانی	جلد 4، شمارہ 16، ص 143
شاذؔ کی یاد میں	مصحف اقبال توصیفی	جلد 4، شمارہ 16، ص 151

ماضی استمراری	اختر الایمان	جلد 5، شمارہ 17، ص 32
دشمنی (وحید اختر کے نام)	باقر مہدی	جلد 5، شمارہ 17، ص 33
رات نے جلدی جلدی...	محمد علوی	جلد 5، شمارہ 17، ص 34
رات بھر بارش ہوتی رہی...	محمد علوی	جلد 5، شمارہ 17، ص 34
ایک مسکراہٹ	ندا فاضلی	جلد 5، شمارہ 17، ص 35
جانتا نہیں کوئی	ندا فاضلی	جلد 5، شمارہ 17، ص 35
خواب میرے سب پانی پانی	عتیق اللہ	جلد 5، شمارہ 17، ص 36
ایک سرسبز لمحہ تیرے وصل کا	عتیق اللہ	جلد 5، شمارہ 17، ص 36
جیسے آفاقِ جاں	عتیق اللہ	جلد 5، شمارہ 17، ص 36
شانوں پہ گل کھلتی ساعت	عتیق اللہ	جلد 5، شمارہ 17، ص 36
اے تماشیئو	صادق	جلد 5، شمارہ 17، ص 37
یہ شہنشاہ	صادق	جلد 5، شمارہ 17، ص 37
رات	گلزار	جلد 5، شمارہ 17، ص 38
دن	گلزار	جلد 5، شمارہ 17، ص 38
قسطوں میں خواب	عین تابش	جلد 5، شمارہ 17، ص 39
آخری پہر	حفیظ آتش	جلد 5، شمارہ 17، ص 40
رات	حفیظ آتش	جلد 5، شمارہ 17، ص 40
بساطِ رقص	اکرام خاور	جلد 5، شمارہ 17، ص 41
دیوانگی	اکرام خاور	جلد 5، شمارہ 17، ص 41
دست تہہ سنگ	اکرام خاور	جلد 5، شمارہ 17، ص 43
پاداش	شاہد عزیز	جلد 5، شمارہ 17، ص 45

مدت	شاہد عزیز	جلد5، شمارہ17، ص45
چیخ	شاہد عزیز	جلد5، شمارہ17، ص45
زندگی تجھے جینے کی خاطر...	شبنم عشائی	جلد5، شمارہ17، ص46
وہ برف کے تودے تھے...	شبنم عشائی	جلد5، شمارہ17، ص46
شکار گاہ	شاہد کلیم	جلد5، شمارہ17، ص47
میری آواز	شاہد کلیم	جلد5، شمارہ17، ص47
موسم مرے موسم	عذرا پروین	جلد5، شمارہ17، ص48
سرابوں کا سفر	شمیم قاسمی	جلد5، شمارہ17، ص50
ہوا	رونق نعیم	جلد5، شمارہ17، ص50
تم اگر نہ بولو گے...	عطاء الرحمن طارق	جلد5، شمارہ17، ص51
کون یاد آتا ہے...	عطاء الرحمن طارق	جلد5، شمارہ17، ص51
گھاؤ میرے پہلو میں...	عطاء الرحمن طارق	جلد5، شمارہ17، ص51
مرے دلبرا مرے دلبرا...	عطاء الرحمن طارق	جلد5، شمارہ17، ص51
تری انگلیوں میں کروشیا...	عطاء الرحمن طارق	جلد5، شمارہ17، ص51
مری نیکیوں کا حساب رکھ...	عطاء الرحمن طارق	جلد5، شمارہ17، ص51
بارش بھی کچھ رو لیتی ہے	ظفر امام	جلد5، شمارہ17، ص52
بند آنکھوں کا خواب	ظفر امام	جلد5، شمارہ17، ص52
خدشہ	ارشد کمال	جلد5، شمارہ17، ص53
سعیٔ رائیگاں	ارشد کمال	جلد5، شمارہ17، ص53
میرا گھر	اِبا رَبّی	جلد5، شمارہ17، ص54
بچپن کی کہانی	راشد آزر	جلد5، شمارہ17، ص55

بابا آمٹے کے لیے	باقر مہدی	جلد5، شمارہ18، ص64
شجر کی دعا	حمید الماس	جلد5، شمارہ18، ص64
چھوٹی سی ہنسی	ندا فاضلی	جلد5، شمارہ18، ص65
مجھے تم یاد آتی ہو	ندا فاضلی	جلد5، شمارہ18، ص65
اِمکان کی حدیں	راشد آزر	جلد5، شمارہ18، ص66
خواب نوردوں کے لیے	عباس رضوی	جلد5، شمارہ18، ص67
نیند بہت تنگ کرتی ہے...	ساحل احمد	جلد5، شمارہ18، ص68
برگ گل نے اوس کے...	ساحل احمد	جلد5، شمارہ18، ص68
سرکشی فساد پر آمادہ ہے...	ساحل احمد	جلد5، شمارہ18، ص68
بلبلہ سطح آب پر آتا ڈوب جاتا...	ساحل احمد	جلد5، شمارہ18، ص69
سوال اس کا نہیں کہ تم...	ساحل احمد	جلد5، شمارہ18، ص69
جلاوطن	شاہد عزیز	جلد5، شمارہ18، ص69
عشق کا رزم نامہ	احمد سہیل	جلد5، شمارہ18، ص70
خواب آلود موسموں کی طرح	احمد سہیل	جلد5، شمارہ18، ص70
آخری پہر	حفیظ آتش	جلد5، شمارہ18، ص71
کوکھ کا رشتہ	حفیظ آتش	جلد5، شمارہ18، ص71
جب تک دست ہنر	فیاض رفعت	جلد5، شمارہ18، ص72
خودسپردگی کی وہ اولین رات	فیاض رفعت	جلد5، شمارہ18، ص72
تم موسم ہو	فیاض رفعت	جلد5، شمارہ18، ص72
مشورہ	فیاض رفعت	جلد5، شمارہ18، ص73
تمہاری لاتعلقی کی گرد...	شبنم عشائی	جلد5، شمارہ18، ص74

شاداب لمحوں کا وہ پرندہ...	شبنم عشائی	جلد5، شمارہ18، ص74
ایک چھت کے نیچے اِکٹھے رہنے...	شبنم عشائی	جلد5، شمارہ18، ص74
ایک نظم	اختر الایمان	جلد6، شمارہ19، ص11
تشخیص	اختر الایمان	جلد6، شمارہ19، ص11
میں گوتم نہیں ہوں	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص20
ذاتیات	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص20
نیا عہد نامہ	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص21
وجدان	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص22
بدلتے موسم	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص23
شام	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص23
رفتگاں	خلیل الرحمن اعظمی	جلد6، شمارہ19، ص23
وائرس	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص24
ٹورسٹ	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص24
رستگاری	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص25
بے ثمر	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص25
دردمندی	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص26
راستہ کس طرف جارہا ہے	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص26
اس جہنم میں	قاضی سلیم	جلد6، شمارہ19، ص28
شہر ویراں	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص29
ایمبولنس	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص29
اکیلی	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص30

صبا کے ہاتھ پیلے ہو گئے	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص32
تمہارے نام ایک خط	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص33
آخری شہر جل چکا ہے	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص34
رشتہ دل	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص35
سفر، مدام سفر	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص35
رنگ محفل	بلراج کومل	جلد6، شمارہ19، ص36
ٹوٹے شیشے کی آخری نظم	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص37
ایک کالی نظم	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص38
ایک دوپہر	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص38
ایک خواب	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص39
ہائی بلڈ پریشر کی ایک نظم	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص40
ایک سنہری شام	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص40
تمہارے نام میرا پہلا خط	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص41
ایک طویل بوسے میں	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص42
آخری نظم لکھنے کی ایک ناکام کوشش	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص42
کھجوراہو کی ایک سرد شام	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص43
گوڈو	باقر مہدی	جلد6، شمارہ19، ص44
ایک خواہش	عمیق حنفی	جلد6، شمارہ19، ص45
معمول	عمیق حنفی	جلد6، شمارہ19، ص47
ابال	عمیق حنفی	جلد6، شمارہ19، ص48
شعر سستا ہے	عمیق حنفی	جلد6، شمارہ19، ص49

بے وقوف آندھیاں	عمیق حنفی	جلد6،شمارہ19، ص49
بسنت:ایک لینڈ اسکیپ	عمیق حنفی	جلد6،شمارہ19، ص50
اتر آئی ہے شام	عمیق حنفی	جلد6،شمارہ19، ص51
بمبئی،رات،سمندر	عمیق حنفی	جلد6،شمارہ19، ص51
اندھیرے میں سوچنے کی مشق	عمیق حنفی	جلد6،شمارہ19، ص53
سندباد	عمیق حنفی	جلد6،شمارہ19، ص54
رسولِ کاذب	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص55
درد کے حیلے،غم کے بہانے	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص56
چیخ کی شمع	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص57
ایک منظر،ایک عالم،	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص57
زہریلے پانیوں میں	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص58
چوربازار	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص58
بے مکاں،لامکاں	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19ص59
کاواک	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص60
شب غم	عزیز قیسی	جلد6،شمارہ19، ص61
پتھروں کا مغنی	وحید اختر	جلد6،شمارہ19، ص62
اجنبی	وحید اختر	جلد6،شمارہ19، ص63
پرومیتھیس	وحید اختر	جلد6،شمارہ19، ص64
معراج	وحید اختر	جلد6،شمارہ19، ص64
عمرِ رائیگاں	وحید اختر	جلد6،شمارہ19، ص65
صحرائے سکوت	وحید اختر	جلد6،شمارہ19، ص66

شب و روزِ تماشہ	وحید اختر	جلد 6، شمارہ 19، ص 68
اک اور دن گزر گیا	وحید اختر	جلد 6، شمارہ 19، ص 70
”جاؤ ڈھونڈو کس جگہ کھو آئے ہو“	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 71
نظم	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 71
میں تمہیں کل پھر وہیں ملوں گا	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 72
آگ کی لو	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 73
وہ بھی دن تھے	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 73
جسم کی روشن	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 74
سرنگ	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 74
آزاد روشنیاں	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 75
وہ ایک لڑکی تھی	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 75
زندگی	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 76
پھر ملیں گے	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 76
صبح	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
دوپہر	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
شام	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
رات	بمل کرشن اشک	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
صبح کی نظم	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
ایک نظم	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
انتظار اور ابھی	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 77
آخری دن کی تلاش	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 78

کتبہ	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 78
جنم دن	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 78
تیشے بغیر مر نہ سکا	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 79
ابن مریم ہوا کرے	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 79
مگر میں خدا سے کہوں گا	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 79
تیسری آنکھ	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 80
ویل کم	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 80
سمندر کا بلاوا	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 80
راستے تم سے ناراض ہیں	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 81
علی بن متقی رویا (زبیر رضوی کے لیے)	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 81
نئی نسل	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 81
چیل کا سایہ	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 82
خالی مکان	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 82
شکست	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 82
گھر	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 82
کون	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 83
ہوا کی دستک	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 83
ڈوبنے سے پہلے	محمد علوی	جلد 6، شمارہ 19، ص 83
رتجگا	شاذ تمکنت	جلد 6، شمارہ 19، ص 84
خوں بہا	شاذ تمکنت	جلد 6، شمارہ 19، ص 84
آب و گل	شاذ تمکنت	جلد 6، شمارہ 19، ص 84

برف باری	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص84
بارد گر	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص85
ماورا	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص86
رائیگاں	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص86
پچھلے پہر کی سیڑھیوں سے	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص86
بازدید	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص87
ثالث	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص87
بانس کا جنگل	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص87
چاند پھر نکلے گا	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص87
ظلمت سے پرے	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص87
لوگو	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص88
وعدہ	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص88
خواب زار	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص88
ہم اپنا حساب غم چکالیں	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19، ص89
ایک نظم	شاذ تمکنت	جلد6،شمارہ19ص89
تبدیلی	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19، ص90
پرایا احساس	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19، ص90
شریف زادہ	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19، ص90
میں سوچتا ہوں	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19، ص91
پورے قد کا آئینہ	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19، ص91
دوسرا آدمی	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19، ص92

ردعمل	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص92
بے اماں ساحل	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص92
علی بن متقی رویا	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص93
کتوں کا نوحہ	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص93
بشارت پانی کی	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص94
زوال کا منظر	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص94
نظم	زبیر رضوی	جلد6،شمارہ19،ص95
عہد حاضر کی دلربا	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص96
انوکھی کہانی	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص96
دھند کی حکومت	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص96
ایک نظم	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص97
دھند لکا	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص97
اسٹل لائف	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص97
ایک نظم	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص97
تنبیہہ	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص97
نئے عہد کا نیا سوال	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص97
تلاش حق	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص98
اپنی یاد میں	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص98
بارش	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص98
ٹھہرے جو ہوا	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص98
واماندگی شوق	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص99

تم پاس رہو	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص99
ایک دعا	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص99
اے رات	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص100
خود کلامی کی ایک اور کوشش	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص100
سفر کی شام	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص100
رت جگوں کا زوال	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص100
آخری رات	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص101
باقی ماندہ خواب	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص101
دیکھتے ہم بھی	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص101
کہاں ہو تم	شہریار	جلد6،شمارہ19،ص101
آدمی کی تلاش	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص102
محبت	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص102
راستے کی منتق	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص102
بے خواب نیند	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص103
ایک رات	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص103
دو کھڑکیاں	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص103
لفظوں کا پل	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص103
ستمبر ۱۹۶۵	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص104
پاسپورٹ آفیسر کے نام	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص104
ایک دن	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص104
مشورہ	ندافاضلی	جلد6،شمارہ19،ص105

بھور	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص105
پرائی رگ	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص105
دیوار کے پیچھے	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص105
جب تلک وہ جیا	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص106
ایک لڑکی	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص106
والد کی وفات پر	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص106
پہچان	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص107
جنگ	ندا فاضلی	جلد6، شمارہ19، ص107
کبھی تم جو لوٹو	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص108
گندے دنوں کا قصہ	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص108
بوڑھی کہانی	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص109
دائرہ	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص110
دسمبر جا	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص110
ایودھیا! میں آرہا ہوں	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص110
تمہارے نام لکھتا ہوں	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص112
ساحلوں سے کہو میں نہیں آؤں گا	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص112
میرا جرم	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص113
رات	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص113
یہ منظر میں نے دیکھا ہے	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص114
تیری مخلوق تجھ سے مخاطب ہے	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص114
فصل کوئی نہ کاٹے	کمار پاشی	جلد6، شمارہ19، ص115

دائرہ	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص116
تو ایسا کیوں نہیں کرتے	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19ص116
سچ کی قیمت	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص117
فاصلہ	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص117
پتہ نہیں وہ کون تھا	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص118
اندھیارا کب اتنا گھنا تھا	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص118
وصال	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص118
ایک نظم ہم عصروں کے لیے	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص119
نارسا	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص119
تماشا گاہ کا بے بس تماشائی	بشیر نواز	جلد6،شمارہ19، ص119
خدا کی واپسی	شہاب جعفری	جلد6،شمارہ19، ص120
سورج کا شہر	شہاب جعفری	جلد6،شمارہ19، ص122
بلاوا	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ19، ص124
تاریک جزیرہ	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ19، ص124
شنیدہ	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ19، ص124
جاگتی آنکھوں کا خواب	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ19، ص125
شکست	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ19، ص125
شکستہ تہذیب کے کھنڈر میں	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص126
علم اٹھاؤ	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص126
ایک نظم	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص126
وقت کی پیٹھ پر	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص126

گرو	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص127
لہو سبز سلاب آوا گمن	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص127
زخمی سورج نے جب آنکھ کھولی یہاں	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص128
والد کے انتقال پر	عادل منصوری	جلد6،شمارہ19، ص128
رشتہ گونگے سفر کا	مظہر امام	جلد6،شمارہ19، ص129
اکھڑتے خیموں کا درد	مظہر امام	جلد6،شمارہ19، ص129
دھوپ میں ایک مشورہ	مظہر امام	جلد6،شمارہ19، ص130
صدا بصحرا	شفیق فاطمہ شعری	جلد6،شمارہ19، ص131
یادنگر	شفیق فاطمہ شعری	جلد6،شمارہ19، ص131
سرمایہ بہار	شفیق فاطمہ شعری	جلد6،شمارہ19، ص132
چراغ تہہ داماں	شفیق فاطمہ شعری	جلد6،شمارہ19، ص133
اسیر	شفیق فاطمہ شعری	جلد6،شمارہ19، ص133
شب نامہ	شفیق فاطمہ شعری	جلد6،شمارہ19، ص134
سمندر کے سینے کے خاموش اسرار	ساجدہ زیدی	جلد6،شمارہ19، ص135
دم واپسیں	ساجدہ زیدی	جلد6،شمارہ19، ص135
وہ حرف وصوت، وہ صدا	زاہدہ زیدی	جلد6،شمارہ19، ص136
دریائے اجل	شمس الرحمن فاروقی	جلد6،شمارہ19، ص137
خفیہ کمرے میں نظارہ	شمس الرحمن فاروقی	جلد6،شمارہ19، ص137
شیشہ ساعت کا غبار	شمس الرحمن فاروقی	جلد6،شمارہ19، ص138
سنگ سوال	شمس الرحمن فاروقی	جلد6،شمارہ19، ص138
رشتے	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص139

نارسی سسں	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص138
پہلی کرن کا بوجھ	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص140
واماندگی	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص140
آنکھ ملتے ہوئے	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص140
میرے شہر	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص141
میری انگلیاں تمہیں سوچ رہی ہیں	مغنی تبسم	جلد6،شمارہ19، ص141
نہ ستائش کی تمنا	حمید الماس	جلد6،شمارہ19، ص142
شہر آرزو	حمید الماس	جلد6،شمارہ196، ص142
ہوا کا سفر	حمید الماس	جلد6،شمارہ19، ص142
وقنار بنا	حمید الماس	جلد6،شمارہ19، ص143
دھند لکا	حمید الماس	جلد6،شمارہ19، ص143
برف کی وادی	حمید الماس	جلد6،شمارہ19، ص143
اسیر تمنا	حمید الماس	جلد6،شمارہ19، ص143
عرفان	راج نارائن راز	جلد6،شمارہ19، ص144
کم نگہی	راج نارائن راز	جلد6،شمارہ19، ص144
خود کلامی	راج نارائن راز	جلد6،شمارہ19، ص144
یاد	راج نارائن راز	جلد6،شمارہ19، ص145
ایک نظم	راج نارائن راز	جلد6،شمارہ19، ص145
ایک ان کہی نظم	اجمل اجملی	جلد6،شمارہ19، ص146
نوحہ	محمود ایاز	جلد6،شمارہ19، ص147
اسپتال کا کمرہ	محمود ایاز	جلد6،شمارہ19، ص147

منجمد آنکھیں	محمود ایاز	جلد 6، شمارہ 19، ص 148
شب چراغ	محمود ایاز	جلد 6، شمارہ 19، ص 148
اے جوئے آب!!	محمود ایاز	جلد 6، شمارہ 19، ص 148
ہمارے مابین	عتیق اللہ	جلد 6، شمارہ 19، ص 149
دوسرے درجے کا شہری	عتیق اللہ	جلد 6، شمارہ 19، ص 149
ایک منظر	عتیق اللہ	جلد 6، شمارہ 19، ص 150
میں سن رہا ہوں	عتیق اللہ	جلد 6، شمارہ 19، ص 150
قصہ درد	عزیز تمنائی	جلد 6، شمارہ 19، ص 151
شہر	عین رشید	جلد 6، شمارہ 19، ص 152
نظم	عین رشید	جلد 6، شمارہ 19، ص 153
نظم	عین رشید	جلد 6، شمارہ 19، ص 153
کون ہے تو	عین رشید	جلد 6، شمارہ 19، ص 154
بیمار گڑیا	عین رشید	جلد 6، شمارہ 19، ص 154
اور پھر یوں ہوا	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 155
ہماری بات	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 155
یہ کیسی رت آگئی جنوں کی	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 157
جوئے خون ابھرتی ہے	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 157
عنوان	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 157
مشورہ	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 157
پیرہن	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 158
موت	فاروق نازکی	جلد 6، شمارہ 19، ص 158

ایک اور دعا	فضل تابش	جلد6، شمارہ19، ص159
پہچان	فضل تابش	جلد6، شمارہ19، ص159
ایک نظم	فضل تابش	جلد6، شمارہ19، ص159
سفر	فضل تابش	جلد6، شمارہ19، ص160
آ کے ہو جا بے لباس	فضل تابش	جلد6، شمارہ19، ص160
دو چہرے	فضل تابش	جلد6، شمارہ19، ص160
عجیب لوگ	شاہد ماہلی	جلد6، شمارہ19، ص161
کہیں کچھ نہیں ہوتا	شاہد ماہلی	جلد6، شمارہ19، ص161
مری رات کھو گئی ہے کسی جاگتے بدن میں	صلاح الدین پرویز	جلد6، شمارہ19، ص162
اقراء	صلاح الدین پرویز	جلد6، شمارہ19، ص162
شہر گم شدہ	صلاح الدین پرویز	جلد6، شمارہ19، ص163
گھر	صلاح الدین پرویز	جلد6، شمارہ19، ص164
فرجام	صادق	جلد6، شمارہ19، ص165
الفاظ کی ولادت	صادق	جلد6، شمارہ19، ص165
عذبوں کا شہر	صادق	جلد6، شمارہ19، ص166
تپن	صادق	جلد6، شمارہ19، ص166
جبرئیل کا نیا گیت	خلیل مامون	جلد6، شمارہ19، ص167
کتبے	پرم واد برٹنی	جلد6، شمارہ19، ص168
سوکھی ہو پتیاں	نشتر خانقاہی	جلد6، شمارہ19، ص169
بے سود لمحوں کے لیے	نشتر خانقاہی	جلد6، شمارہ19، ص169
ایک جمع ایک!	نشتر خانقاہی	جلد6، شمارہ19، ص169

لینڈ اسکیپ	گلزار	جلد 6، شمارہ 19، ص 170
خاموشی	گلزار	جلد 6، شمارہ 19، ص 170
خالی ہاتھ	سید عارف	جلد 6، شمارہ 19، ص 171
بتاؤ اس کو	سید عارف	جلد 6، شمارہ 19، ص 171
باہر سے نہیں	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
آسمان کے آنسو	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
عداوت	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
انسانی رشتہ	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
شرمندگی	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
دانہ زر	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
راگ انوراگ	ساحل احمد	جلد 6، شمارہ 19، ص 172
اثبات	مظفر ایرج	جلد 6، شمارہ 19، ص 173
زہر خند	کرشن موہن	جلد 6، شمارہ 19، ص 174
رات کے سائے	راشد آزر	جلد 6، شمارہ 19، ص 174
یہ خلف کا وعدہ ہے	جاوید ناصر	جلد 6، شمارہ 19، ص 175
اکیلی	شبنم عشائی	جلد 6، شمارہ 19، ص 176
جب بھی تو اندھیرا تھا...	شبنم عشائی	جلد 6، شمارہ 19، ص 177
بستر۔۔۔	شبنم عشائی	جلد 6، شمارہ 19، ص 177
بیاضیں کھو گئی ہیں	ش کاف نظام	جلد 6، شمارہ 19، ص 178
چاند سا پیار	ش کاف نظام	جلد 6، شمارہ 19، ص 178
تجربہ اور دھوپ	حسن فرخ	جلد 6، شمارہ 19، ص 179

آئینے اور دیواریں	مصحف اقبال توصیفی	جلد6،شمارہ19، ص179
وقت کو کس نے روکا ہے	مصحف اقبال توصیفی	جلد6،شمارہ19، ص179
کہانیاں تمام شب	عین تابش	جلد6،شمارہ19، ص180
رات	عین تابش	جلد6،شمارہ19، ص180
اکتاہٹ	رؤف خلش	جلد6،شمارہ19، ص181
خوف کہ وہ آئے گا	علی ظہیر	جلد6،شمارہ19 ص،181
تم سے	علی ظہیر	جلد6،شمارہ19، ص181
زلزلے کے بعد	کشور ناہید	جلد6،شمارہ21، ص37
مراجعت	کشور ناہید	جلد6،شمارہ21، ص37
خواب میں سفر	کشور ناہید	جلد6،شمارہ21، ص37
اندھا یگ (ہندی کوی دھرم ویر بھارتی کے نام)	باقر مہدی	جلد6،شمارہ21، ص38
ایک ننھی طوائف کے نام!	باقر مہدی	جلد6،شمارہ21، ص38
احساس	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ21، ص39
تم سے بچھڑ کر...	مخمور سعیدی	جلد6،شمارہ21، ص39
متروکات	منظر سلیم	جلد6،شمارہ21، ص40
میں پرندے پکڑنے والا ہوں...	شاہد میر	جلد6،شمارہ21، ص40
میں کنارے پر کھڑا ہوں اور...	شاہد میر	جلد6،شمارہ21، ص40
کہاں سے ڈھونڈوں...	گلزار	جلد6،شمارہ21، ص41
برا لگا تو ہو گا اے خدا تجھے...	گلزار	جلد6،شمارہ21، ص41
رائگاں	شاہد عزیز	جلد6،شمارہ21، ص42
یہ نہ معلوم تھا	شاہد عزیز	جلد6،شمارہ21، ص42

بھیانک اجالے	عزیز تمنائی	جلد6،شمارہ21،ص43
زندانی	ساجد حمید	جلد6،شمارہ21،ص43
شبہ	ساجد حمید	جلد6،شمارہ21،ص43
لہو کی چیخیں	ظہیر غازی پوری	جلد6،شمارہ21،ص44
تضادِ موسم جاں	ظہیر غازی پوری	جلد6،شمارہ21،ص44
زرد موسم کی نظم	علقمہ شبلی	جلد6،شمارہ21،ص44
مضطرب خواہشوں کے نام	عباس رضوی	جلد6،شمارہ21،ص45
نیمہ شب کی دعا	عباس رضوی	جلد6،شمارہ21،ص45
یہ میرا دل	مصحف اقبال توصیفی	جلد6،شمارہ21،ص46
دکھ کا امرت	مصحف اقبال توصیفی	جلد6،شمارہ21،ص46
بیسویں صدی	حفیظ آتش	جلد6،شمارہ21،ص47
داستاں گو	حفیظ آتش	جلد6،شمارہ21،ص47
ساحل پر ایک رات	شاہد کلیم	جلد6،شمارہ21،ص48
خدشہ	شاہد کلیم	جلد6،شمارہ21،ص48
بے محور سیارہ	شاہد کلیم	جلد6،شمارہ21،ص48
تم یہ کہتے ہو وہ جنگ ہو بھی چکی	اکرام خاور	جلد6،شمارہ21،ص49
میرے کاندھے پہ رکھی ہے ابھی تک گھاس کی چادر	سرشار بلند شہری	جلد6،شمارہ21،ص51
موت	جینت پرمار	جلد6،شمارہ21،ص52
کوولم بیچ کی تصویر	جینت پرمار	جلد6،شمارہ21،ص52
نظم	شیفتہ فرحت	جلد6،شمارہ21،ص53
گزرتے مسافر کے کشکول میں...	شیفتہ فرحت	جلد6،شمارہ21،ص53

میں اکیلی ہوں خدا کی طرح...	شیفتہ فرحت	جلد6،شمارہ21،ص53
میں گھر سے...	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ21،ص54
بر آمدے میں	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ21،ص54
راہ نجات	جمال اویسی	جلد6،شمارہ21،ص55
آج میرے سامنے ایک بھی...	جمال اویسی	جلد6،شمارہ21،ص55
فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہو کر	اندر موہن کیف	جلد6،شمارہ21،ص55
موازنہ	خالد عبادی	جلد6،شمارہ21،ص56
ہر سال	خالد عبادی	جلد6،شمارہ21،ص56
ایک بے نام کیفیت	شمیم قاسمی	جلد6،شمارہ21،ص57
خود سپردگی	شمیم قاسمی	جلد6،شمارہ21،ص57
کاسۂ عصر	شمیم قاسمی	جلد6،شمارہ21،ص57
سرِ مقتل	نگہت حفیظ	جلد6،شمارہ21،ص57
رنگ لا،بسنت رنگ لا	عطاء الرحمن طارق	جلد6،شمارہ21،ص58
اکیسویں صدی-ایک زاویہ	ظفر امام	جلد6،شمارہ21،ص59
اکیسویں صدی کی دلہن	فرحان حنیف	جلد6،شمارہ21،ص59
اداس ہو جاتا ہوں	جعفر ساہنی	جلد6،شمارہ21،ص60
کواڑوں کو نہ کھولو	جعفر ساہنی	جلد6،شمارہ21،ص60
اِندر دھنش کی رنگولی رچا کر...	تسلیم عارف ساحل	جلد6،شمارہ21،ص60
کالا،مٹیالا آسمان...	تسلیم عارف ساحل	جلد6،شمارہ21،ص60
معدوم شناسائی	شہاب اختر شہاب	جلد6،شمارہ21،ص61
ہر خوفناک آواز کے بعد	سیتارام گپتا	جلد6،شمارہ21،ص61

راون---رام لیلا	سیتارام گپتا	جلد6،شمارہ21، ص61
خوف کی دستک	کشور ناہید	جلد6،شمارہ22، ص60
بہت مصروف رہتا ہوں	جاوید شاہین	جلد6،شمارہ22، ص60
شکست خوردہ زمیں	حمید الماس	جلد6،شمارہ22، ص61
میں اپنی پھونس کی اس جھونپڑی...	سرشار بلند شہری	جلد6،شمارہ22، ص61
تجربہ گاہ	مصحف اقبال توصیفی	جلد6،شمارہ22، ص62
درد کا نام پتہ مت پوچھو	مصحف اقبال توصیفی	جلد6،شمارہ22، ص62
اس پار	یعقب راہی	جلد6،شمارہ22، ص63
دعا	یعقوب راہی	جلد6،شمارہ22، ص63
"زیروکس" کرا کے رکھی ہے...	گلزار	جلد6،شمارہ22، ص64
پوسٹ بکس آج بھی خالی ہی ملا...	گلزار	جلد6،شمارہ22، ص64
ایک بستی سمندر کے نام	حفیظ آتش	جلد6،شمارہ22، ص65
اپنائیت	حفیظ آتش	جلد6،شمارہ22، ص65
نظم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا	جینت پرمار	جلد6،شمارہ22، ص66
مجھے سونے نہیں دیتا ہے تارا	جینت پرمار	جلد6،شمارہ22، ص66
مشعل جاں	اکرام خاور	جلد6،شمارہ22، ص67
بحران	اکرام خاور	جلد6،شمارہ22، ص67
تم نے جو روٹی مجھے کھلائی...	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ22، ص68
وہ صرف ویسا کرتا...	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ22، ص68
بہت دنوں سے...	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ22، ص68
شب جائے کہ من بودم	علی ظہیر	جلد6،شمارہ22، ص69

ایک نظم	شکیل اعظمی	جلد6، شمارہ22، ص69
منظر پس منظر	شمیم قاسمی	جلد6، شمارہ22، ص70
بند مٹھی میں سرسراہٹ	شمیم قاسمی	جلد6، شمارہ22، ص70
موسم بہار کی پہلی نظم	نعمان شوق	جلد6، شمارہ22، ص71
تنہائی کے لمحے کی ایک نظم	نعمان شوق	جلد6، شمارہ22، ص71
یہ روشنی جو اتر رہی ہے...	عطاء الرحمن طارق	جلد6، شمارہ22، ص72
سمے پانیوں کے کنارے کنارے...	عطاء الرحمن طارق	جلد6، شمارہ22، ص72
بڑا آنند ملتا ہے...	عطاء الرحمن طارق	جلد6، شمارہ22، ص72
آشرواد	عطاء الرحمن طارق	جلد6، شمارہ22، ص72
بنارس کی بو	ریاض لطیف	جلد6، شمارہ22، ص73
ہم زائد انسان	صدیق عالم	جلد6، شمارہ22، ص74
روز ازل	صدیق عالم	جلد6، شمارہ22، ص74
انحراف	شہناز نبی	جلد6، شمارہ22، ص75
تادیب	شہناز نبی	جلد6، شمارہ22، ص75
فنکار اور سمے کی چاپ	سوہن راہی	جلد6، شمارہ22، ص76
نظم	سرور حسین سرور	جلد6، شمارہ22، ص76
میں جنم میں رات تھی	کشور ناہید	جلد6، شمارہ23، ص104
کوئی خواب تھا	جاوید شاہین	جلد6، شمارہ23، ص104
انسان تھا پہلے کبھی	شہریار	جلد6، شمارہ23، ص105
رینگنے والے یہ لوگ	شہریار	جلد6، شمارہ23، ص105
گونگا جواب	رفعت سروش	جلد6، شمارہ23، ص106

زندگی سے پیار	رفعت سروش	جلد6،شمارہ23،ص106
بڑی نظم کا کفارہ	عتیق اللہ	جلد6،شمارہ23،ص107
آٹوبائیوگرافی آف اے پوئیٹ	نصیر احمد ناصر	جلد6،شمارہ23،ص109
روشنی، تمہارے لیے ایک اداس نظم	نصیر احمد ناصر	جلد6،شمارہ23،ص109
نفرت	احتشام اختر	جلد6،شمارہ23،ص110
لمبی قبریں	احتشام اختر	جلد6،شمارہ23،ص110
اجنبی شہر میں انتظار کی آخری شام	احتشام اختر	جلد6،شمارہ23،ص110
رات نے لمبی سانس لی	ساحل احمد	جلد6،شمارہ23،ص111
خاموشی کیا کچھ کہہ جائے	ساحل احمد	جلد6،شمارہ23،ص111
۴۷ء سے ۹۷ء	گلزار	جلد6،شمارہ23،ص112
نظم	گلزار	جلد6،شمارہ23،ص112
نابینا	شاہد عزیز	جلد6،شمارہ23،ص113
منقطع	شاہد عزیز	جلد6،شمارہ23،ص113
نئی پرواز	عبدالرحیم نشتر	جلد6،شمارہ23،ص114
نئے منظر چمکتے ہیں	عبدالرحیم نشتر	جلد6،شمارہ23،ص114
ہمارا بچپن تمہارے بچپن سے مختلف تھا	رؤف خلش	جلد6،شمارہ23،ص115
حاجتیں تاویل بنتی ہیں	رؤف خلش	جلد6،شمارہ23،ص115
گندھ	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
مورت	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
نادانی	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
دنیا	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116

تاکید	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
ٹھنڈ	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
بارش	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
قیمت	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
ننھے کیڑے	رونق نعیم	جلد6،شمارہ23،ص116
گوری تیرے ہونٹوں نے...	عطاء الرحمن طارق	جلد6،شمارہ23,ص117
نیلے پھول پہنتی ہے...	عطاء الرحمن طارق	جلد6،شمارہ23،ص117
پہروں چھم چھم رونے کا...	عطاء الرحمن طارق	جلد6،شمارہ23،ص117
یہ موسم کی شرارت ہے	سرشار بلند شہری	جلد6،شمارہ23،ص117
وہ پھر بھی لڑتا ہے	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ23،ص118
تم میرے لیے	شبنم عشائی	جلد6،شمارہ23،ص118
کوسانی ۔۱،۔۲،۔۳،۔۴	جینت پرمار	جلد6،شمارہ23،ص119
سچ سچ بتاؤ	حمید سہروردی	جلد6،شمارہ23،ص120
روشنی بجھ گئی	پرویز اختر	جلد6،شمارہ23،ص121
لڑائی جاری ہے	پرویز اختر	جلد6،شمارہ23،ص121
نظم	حبیب حق	جلد6،شمارہ23،ص122
نظم	حبیب حق	جلد6،شمارہ23،ص122
ایشٹرے	شکیل اعظمی	جلد6،شمارہ23،ص123
بازگشت	ثریا رحمن	جلد6،شمارہ23،ص123
ہوا، تم اور غم	فرحان حنیف	جلد6،شمارہ23،ص124
اثر	فرحان حنیف	جلد6،شمارہ23،ص124

چپ کیوں ہو	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
انتقام	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
ترسیل	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
دان	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
میں سوچتا ہوں	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
نیو جنریشن	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
تقدیر	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
اعتقاد	فرحان حنیف	جلد 6، شمارہ 23، ص 124
بند کھڑکی سے پوچھتی ہے ہوا	روی ضیاء	جلد 6، شمارہ 23، ص 144
ایک نظم	ساجدہ زیدی	جلد 7، شمارہ 24، ص 77
گنبدوں کے درمیاں	نصیر احمد ناصر	جلد 7، شمارہ 24، ص 78
بارش	نصیر احمد ناصر	جلد 7، شمارہ 24، ص 78
تیسری دنیا	نصیر احمد ناصر	جلد 7، شمارہ 24، ص 78
بصیرت	راشد آزر	جلد 7، شمارہ 24، ص 79
تلاش سکون	راشد آزر	جلد 7، شمارہ 24، ص 79
تلاش	رونق نعیم	جلد 7، شمارہ 24، ص 80
صفر	رونق نعیم	جلد 7، شمارہ 24، ص 80
اداسی	رونق نعیم	جلد 7، شمارہ 24، ص 80
خواب ریزے	حفیظ آتش	جلد 7، شمارہ 24، ص 81
پس منظر	حفیظ آتش	جلد 7، شمارہ 24، ص 81
گھٹن کے اس حصار میں	رؤف خلش	جلد 7، شمارہ 24، ص 82

شفیق آنکھیں	احتشام اختر	جلد 7، شمارہ 24، ص 82
گواہی	علی ظہیر	جلد 7، شمارہ 24، ص 83
فارم ہاؤز پر ویک اینڈ	علی ظہیر	جلد 7، شمارہ 24، ص 83
عمر خیام کی یاد میں	علی ظہیر	جلد 7، شمارہ 24، ص 83
بے خواب راتوں کے اسیر	حمید سہروردی	جلد 7، شمارہ 24، ص 84
ایسے میں	حمید سہروردی	جلد 7، شمارہ 24، ص 84
نیلے آسمان سے بے خبر	حمید سہروردی	جلد 7، شمارہ 24، ص 84
کہ وعدہ ہی تھا	جعفر ساہنی	جلد 7، شمارہ 24، ص 85
العطش	امیر عارفی	جلد 7، شمارہ 24، ص 86
زبان سے کچھ نہ کہو	امیر عارفی	جلد 7، شمارہ 24، ص 86
دست دعا	شبنم عشائی	جلد 7، شمارہ 24، ص 86
کالی آندھی کا روشن باب	ابراہیم اشک	جلد 7، شمارہ 24، ص 87
جشن آزادی	شہاب اختر	جلد 7، شمارہ 24، ص 87
ہم سفر	رفعت سروش	جلد 7، شمارہ 25، ص 55
شبہ	راحت حسن	جلد 7، شمارہ 25، ص 55
آخری نظم	نصیر احمد ناصر	جلد 7، شمارہ 25، ص 56
موسم بدلتا ہے	مبین مرزا	جلد 7، شمارہ 25، ص 57
طرفہ تماشا	اکرام خاور	جلد 7، شمارہ 25، ص 58
جنگ اور محبت کے درمیان	انیس انصاری	جلد 7، شمارہ 25، ص 59
جہنم سے نکلنے کا صرف ایک دروازہ ہے	علی محمد فرشی	جلد 7، شمارہ 25، ص 60
میں تمہاری قبر میں سونا چاہتا ہوں	علی محمد فرشی	جلد 7، شمارہ 25، ص 60

رام پیاری	سرشار بلند شہری	جلد7،شمارہ25،ص61
ہوا ایک معجزہ ہے	سرشار بلند شہری	جلد7،شمارہ25،ص61
اگر تم مجھے…	شبنم عشائی	جلد7،شمارہ25،ص62
ماں سے…	شبنم عشائی	جلد7،شمارہ25،ص62
نظم	سراج اجملی	جلد7،شمارہ25،ص63
نظم	سراج اجملی	جلد7،شمارہ25،ص63
ایک شبد کی کھوج	مشتاق احمد نوری	جلد7،شمارہ25،ص64
بادام کے پتے لال ہوئے…	عطاء الرحمن طارق	جلد7،شمارہ25،ص66
بارش ہے بے لاگ…	عطاء الرحمن طارق	جلد7،شمارہ25،ص66
روشنی	منیب الرحمن	جلد7،شمارہ26،ص147
رخصت ہوئے	منیب الرحمن	جلد7،شمارہ26،ص148
بند کرو	منیب الرحمن	جلد7،شمارہ26،ص148
مسیحا	منیب الرحمن	جلد7،شمارہ26،ص148
مٹی کے رنگ	حمید الماس	جلد7،شمارہ26،ص149
بہت شور سنتے تھے	حمید الماس	جلد7،شمارہ26،ص149
گھر	حمید الماس	جلد7،شمارہ26،ص149
یہ بھی کیا منظر ہے	عتیق اللہ	جلد7،شمارہ26،ص150
شری کرشن کا بارہ ماسہ (اساڑھ، ساون، بھادوں، کنوار، کاتک، اگھن، پوس، ماگھ، چیت، پھاگن، بیساکھ، بارہ ماسہ اور جیٹھ)	محمد صلاح الدین پرویز	جلد7،شمارہ26،ص151
ادراک	شاہد عزیز	جلد7،شمارہ26،ص159

مگر کتنا اکیلا ہے	شاہد عزیز	جلد 7،شمارہ 26، ص159
دی ڈور آف نوریٹرن	نصیر احمد ناصر	جلد 7،شمارہ 26، ص160
چندھا	نصیر احمد ناصر	جلد 7،شمارہ 26، ص160
شہزادی دل	انیس انصاری	جلد 7،شمارہ 26، ص161
چپابو	انیس انصاری	جلد 7،شمارہ 26، ص161
الاؤ	عقیل شاداب	جلد 7،شمارہ 26، ص162
صدا بہ صحرا	حفیظ آتش	جلد 7،شمارہ 26، ص162
کنارے پر کوئی آیا تھا...	گلزار	جلد 7،شمارہ 26، ص163
شام کا سورج جاتے جاتے...	گلزار	جلد 7،شمارہ 26، ص163
کوٹے یم، قصبے میں پارٹی آفس...	گلزار	جلد 7،شمارہ 26، ص163
گئے موسم...	عطاء الرحمن طارق	جلد 7،شمارہ 26، ص164
بول ''شرد'' کیوں دن تیرے دن...	عطاء الرحمن طارق	جلد 7،شمارہ 26، ص164
اک جنم میں دو جنم ہوئے	جمال اویسی	جلد 7،شمارہ 26، ص164
واہمہ	سید محمد عاقل	جلد 7،شمارہ 26، ص165
سچ سے...	شبنم عشائی	جلد 7،شمارہ 26، ص165
انجام	مختار شمیم	جلد 7،شمارہ 26، ص166
میں سورج نہیں ہوں	شکیل اعظمی	جلد 7،شمارہ 26، ص166
تم سمندر ہو	سیفی سرونجی	جلد 7،شمارہ 26، ص167
زندگی	جاوید ندیم	جلد 7،شمارہ 26، ص167
وہ تنہائی میں	جاوید ندیم	جلد 7،شمارہ 26، ص167
لاعنوان	ہربنس مکھیا	جلد 7،شمارہ 26، ص168

میری پوجاؤں کو کہاں رکھا تم نے	شہاب اختر	جلد 7، شمارہ 26، ص168
لڑکیاں	محمد صلاح الدین پرویز	جلد 8، شمارہ 27، ص72
بیر بہوٹیاں	محمد صلاح الدین پرویز	جلد 8، شمارہ 27، ص72
رات کی رانیاں	محمد صلاح الدین پرویز	جلد 8، شمارہ 27، ص72
چڑیائیں	محمد صلاح الدین پرویز	جلد 8، شمارہ 27، ص73
ماں	محمد صلاح الدین پرویز	جلد 8، شمارہ 27، ص73
دوست تمہاری باتوں کے...	گلزار	جلد 8، شمارہ 27، ص75
Portrait of an Urchin	گلزار	جلد 8، شمارہ 27، ص75
احساس سفر	سید امین اشرف	جلد 8، شمارہ 27، ص76
اس برس کا موسم	سید امین اشرف	جلد 8، شمارہ 27، ص76
نیم تاریکی میں افشائے خواب	نصیر احمد ناصر	جلد 8، شمارہ 27، ص77
خواب تماشہ	حفیظ آتش	جلد 8، شمارہ 27، ص77
اپنے بے پناہ اختیار سے...	شبنم عشائی	جلد 8، شمارہ 27، ص78
لوگ...	شبنم عشائی	جلد 8، شمارہ 27، ص78
شب گزیدہ	ڈاکٹر سخاوت شمیم	جلد 8، شمارہ 27، ص79
تم	ڈاکٹر سخاوت شمیم	جلد 8، شمارہ 27، ص79
خمیازہ	سید بشارت علی	جلد 8، شمارہ 27، ص80
میرے لفظ	شہاب اختر	جلد 8، شمارہ 27، ص80
گمشدہ اسکرین پلے کی تلاش ہے	شہاب اختر	جلد 8، شمارہ 27، ص80
برڈفٹ کا دادا	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد 8، شمارہ 27، ص81
گھوڑا شرم سے مر گیا	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد 8، شمارہ 27، ص82

A Killing	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد8، شمارہ27، ص82
انسان کے اندر درند	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد8، شمارہ27، ص83
خالی کیتلی	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد8، شمارہ27، ص83
دادی اماں کے لیے	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد8، شمارہ27، ص84
پہلا ہرن	افتخار نسیم (امریکن انڈین)	جلد8، شمارہ27، ص84
مینا بازار	وامق جونپوری	جلد8، شمارہ27، ص189
ملاقات	رضی اختر شوق	جلد8، شمارہ27، ص191

۸۰ کے بعد کی نظم کا انتخاب:

روشنی دفنانے سے پہلے	احتشام اختر	جلد8، شمارہ28، ص38
ارادہ	احتشام اختر	جلد8، شمارہ28، ص38
آواز کا زخم	احتشام اختر	جلد8، شمارہ28، ص38
پرکھ	احتشام اختر	جلد8، شمارہ28، ص38
مرگ نشاط	ارتضی نشاط	جلد8، شمارہ28، ص39
شاک(SHOCK)	ارتضی نشاط	جلد8، شمارہ28، ص40
محشر	اکرام خاور	جلد8، شمارہ28، ص40
تاریک سیارہ	اکرام خاور	جلد8، شمارہ28، ص41
عرض حال	اکرام خاور	جلد8، شمارہ28، ص41
پسِ نوشت	اکرم خاور	جلد8، شمارہ28، ص42
اِسکول	ابراہیم اشک	جلد8، شمارہ28، ص43
گلی کوچے	ابراہیم اشک	جلد8، شمارہ28، ص43
تذبذب کی اکیلی شام	انیس انصاری	جلد8، شمارہ28، ص44

ہرے پیڑوں کو مت کاٹو	انیس انصاری	جلد8، شمارہ28، ص44
جنگ اور محبت کے درمیان	انیس انصاری	جلد8، شمارہ28، ص44
اِک پل	الیاس شوقی	جلد8، شمارہ28، ص44
دسمبر ۹۲ء	بلقیس ظفیر الحسن	جلد8، شمارہ28، ص46
وہیل چیئر میں بیٹھی زندگی	بلقیس ظفیر الحسن	جلد8، شمارہ28، ص46
زمین کی بیوفائی	بلقیس ظفیر الحسن	جلد8، شمارہ28، ص47
مآلِ غنچہ شاخِ تمنّا	بلقیس ظفیر الحسن	جلد8، شمارہ28، ص47
عظیم برگد	بدنام نظر	جلد8، شمارہ28، ص48
سانحوں کی گرد	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد8، شمارہ28، ص49
احساس جرم	پرتپال سنگھ بے تاب	جلد8، شمارہ28، ص49
تمہیں کہو	تسلیم عارف	جلد8، شمارہ28، ص50
جسم کانٹے اور رومان	تسلیم عارف	جلد8، شمارہ28، ص50
کوکھ کی نمو کی خواہش	تسلیم عارف	جلد8، شمارہ28، ص50
نائٹ سوٹ کی بے حرمتی	تسلیم عارف	جلد8، شمارہ28، ص50
باڑھ	تسلیم عارف	جلد8، شمارہ28، ص51
صراحی نظم کی ٹوٹی	جینت پرمار	جلد8، شمارہ28، ص51
نظم نے میرا ہاتھ نہیں چھوڑا	جینت پرمار	جلد8، شمارہ28، ص51
منو	جینت پرمار	جلد8، شمارہ28، ص52
نظم	جمال اویسی	جلد8، شمارہ28، ص52
تلاش	جمال اویسی	جلد8، شمارہ28، ص53
ایک نظم	جمال اویسی	جلد8، شمارہ28، ص53

Future Shock	جمال اویسی	جلد8، شمارہ28، ص53
خود کلامی	جمال اویسی	جلد8، شمارہ28، ص53
لوٹ چلیے	چندر بھان خیال	جلد8، شمارہ28، ص54
تپش اور لو کے موسم میں	چندر بھان خیال	جلد8، شمارہ28، ص54
ہاں!وہ مسلمان ہیں	چندر بھان خیال	جلد8، شمارہ28، ص55
ادراک	حسن فرخ	جلد8، شمارہ28، ص57
بسر و چشم	حسن فرخ	جلد8، شمارہ28، ص57
رات	حسن فرخ	جلد8، شمارہ28، ص57
دھوپ کی خزاں	حامد مجاز	جلد8، شمارہ28، ص58
سفر واپسی کا	حامد مجاز	جلد8، شمارہ28، ص58
زخمی رات	حفیظ آتش	جلد8، شمارہ28، ص58
دھوپ' لہو' سفر	حفیظ آتش	جلد8، شمارہ28، ص58
جستجو	حفیظ آتش	جلد8، شمارہ28، ص59
چاند نکلے گا تو ہم پوچھیں گے	خالد سعید	جلد8، شمارہ28، ص59
ڈوبتا نگر	رؤف خلش	جلد8، شمارہ28، ص60
لمحہ فکر	رؤف خلش	جلد8، شمارہ28، ص60
بے حسی کا نوحہ	رؤف خلش	جلد8، شمارہ28، ص60
گھٹن کے اس حصار میں	رؤف خلش	جلد8، شمارہ28، ص61
ابلاغ کی سیڑھیوں سے	رونق نعیم	جلد8، شمارہ28، ص61
روبی ٹھاکر	رونق نعیم	جلد8، شمارہ28، ص62
ایک تہذیب صدیوں پرانی	رفیعہ شبنم عابدی	جلد8، شمارہ28، ص63

جو چپ رہے گی زبان خنجر	رفیعہ شبنم عابدی	جلد8،شمارہ28،ص64
سر بہ زانو زلیخا پریشان ہے	رفیعہ شبنم عابدی	جلد8،شمارہ28،ص65
دوسرا جنم	رفیعہ شبنم عابدی	جلد8،شمارہ28،ص65
آخری بانگ	ریاض لطیف	جلد8،شمارہ28،ص66
بنارس	ریاض لطیف	جلد8،شمارہ28،ص66
لمس	ریاض لطیف	جلد8،شمارہ28،ص67
وہاں کی زمین	صدیق عالم	جلد8،شمارہ28،ص67
خون کے بعد کے واقعات	صدیق عالم	جلد8،شمارہ28،ص68
ذائقہ پہلی کرن	ساجد حمید	جلد8،شمارہ28،ص68
گماں غالب ہے	ساجد حمید	جلد8،شمارہ28،ص69
آسماں اے آسماں	ساجد حمید	جلد8،شمارہ28،ص69
یوں ہوا ایک دن	ساجد حمید	جلد8،شمارہ28،ص70
ماں	سرشار بلند شہری	جلد8،شمارہ28،ص70
میں اپنے گھوڑے پر جا رہا ہوں	سرشار بلند شہری	جلد8،شمارہ28،ص70
میں اپنے خوبصورت عہد کو دفنا...	سرشار بلند شہری	جلد8،شمارہ28،ص70
شکست دعا	سلیم انصاری	جلد8،شمارہ28،ص71
سفر-خدشات کا	سلیم انصاری	جلد8،شمارہ28،ص72
پیپل کی خواہش	سلیم انصاری	جلد8،شمارہ28،ص72
مراقبیلہ	سید بشارت علی	جلد8،شمارہ28،ص72
دو جہانوں کی سیر	سید بشارت علی	جلد8،شمارہ28،ص73
پرندہ کیوں بھٹکتا ہے	شاہد عزیز	جلد8،شمارہ28،ص73

ریت	شاہد عزیز	جلد8،شمارہ28، ص73
بہت دن بعد	شاہد عزیز	جلد8،شمارہ28، ص74
سفر زندگی کی علامت ہے	شاہد عزیز	جلد8،شمارہ28، ص74
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے	شاہد عزیز	جلد8،شمارہ28، ص74
کمرے سے باہر کا خوف	شاہد جمیل	جلد8،شمارہ28، ص74
آوارگی کی حمایت میں ایک خشک نظم	شاہد جمیل	جلد8،شمارہ28، ص75
ساحل پر ایک رات	شاہد کلیم	جلد8،شمارہ28، ص75
شناخت	شاہد کلیم	جلد8،شمارہ28، ص76
ہمالہ کی بلندی پر گیا ہوں...	شاہد کلیم	جلد8،شمارہ28، ص76
مدھم لو	شاہد کلیم	جلد8،شمارہ28، ص76
بستر...	شبنم عشائی	جلد8،شمارہ28، ص76
ہرے پیڑوں کی بانہیں...	شبنم عشائی	جلد8،شمارہ28، ص77
رات ڈھلتی رہی...	شبنم عشائی	جلد8،شمارہ28، ص77
یہ تم نے کیا کیا...	شبنم عشائی	جلد8،شمارہ28، ص77
کٹی	شہناز نبی	جلد8،شمارہ28، ص78
مینوپاز	شہناز نبی	جلد8،شمارہ28، ص78
یوں بھی تھا اک سفر	شمیم قاسمی	جلد8،شمارہ28، ص78
سرابوں کا سفر	شمیم قاسمی	جلد8،شمارہ28، ص79
مہاجر پرندے کا سفر	شمیم قاسمی	جلد8،شمارہ28، ص79
دشت نوا	شمیم قاسمی	جلد8،شمارہ28، ص79
تب تک ذرا آرام سے سو لیں	شاہد لطیف	جلد8،شمارہ28، ص80

پینے کے بعد	شکیل اعظمی	جلد8،شمارہ28،ص81
دوسرے درجے کی پچھلی قطار کا آدمی	شکیل اعظمی	جلد8،شمارہ28،ص81
وہ	شکیل اعظمی	جلد8،شمارہ28،ص81
پانی اور نمک	شہاب اختر	جلد8،شمارہ28،ص82
طوفان	شہاب اختر	جلد8،شمارہ28،ص82
میرے ہونے کی تصدیق	ظہیر غازی پوری	جلد8،شمارہ28،ص82
آدھا ادھورا	ظہیر غازی پوری	جلد8،شمارہ28،ص83
لہو کی چیخیں	ظہیر غازی پوری	جلد8،شمارہ28،ص83
یہ سلسلے ہیں کمالِ فن کے	عنبر بہرائچی	جلد8،شمارہ28،ص83
فردوس گم شدہ	عنبر بہرائچی	جلد8،شمارہ28،ص84
ببول کے درخت سے کہو	عنبر بہرائچی	جلد8،شمارہ28،ص84
نہائی ہوئی ہے پسینے میں لیکن	عنبر بہرائچی	جلد8،شمارہ28،ص85
آخری پیغام	عبدالاحد ساز	جلد8،شمارہ28،ص85
در آمد	عبدالاحد ساز	جلد8،شمارہ28،ص86
جلے ہوئے لہو کا ذائقہ	عبدالاحد ساز	جلد8،شمارہ28،ص86
آوارہ دشائیں	عبداللہ کمال	جلد8،شمارہ28،ص87
جنگل جنگل	عبداللہ کمال	جلد8،شمارہ28،ص87
عروس شہر ویراں	عبداللہ کمال	جلد8،شمارہ28،ص88
آدمی نما	عقیل شاداب	جلد8،شمارہ28،ص89
ایک منظر	عقیل شاداب	جلد8،شمارہ28،ص89
شب جائے کہ من بودم	علی ظہیر	جلد8،شمارہ28،ص90

قافلہ	علی ظہیر	جلد8،شمارہ28،ص90
خوف کہ وہ آئے گا	علی ظہیر	جلد8،شمارہ28،ص90
کچھ تو ہوتا ہے	علی ظہیر	جلد8،شمارہ28،ص91
مونتاج	عطاء الرحمن طارق	جلد8،شمارہ28،ص91
خواہش روپ بھرے	عطاء الرحمن طارق	جلد8،شمارہ28،ص91
سبک،دھانی سی وہ لڑکی	عطاء الرحمن طارق	جلد8،شمارہ28،ص92
نارائینی	عطاء الرحمن طارق	جلد8،شمارہ28،ص92
تبدیلی	عالم خورشید	جلد8،شمارہ28،ص92
منظر پسِ منظر	عالم خورشید	جلد8،شمارہ28،ص92
حادثہ	علی اصغر	جلد8،شمارہ28،ص93
پیاس	علی اصغر	جلد8،شمارہ28،ص93
قیدی	علی اصغر	جلد8،شمارہ28،ص93
ہوا بخیل پانیوں میں	علی اصغر	جلد8،شمارہ28،ص93
بے خوابی کی ایک نظم	علی اصغر	جلد8،شمارہ28،ص93
وہ قاصد مر چکا ہے	غیاث متین	جلد8،شمارہ28،،ص94
پرندو چلو لوٹ آؤ!	غیاث متین	جلد8،شمارہ28،ص94
زمین والوں کے نام	غیاث متین	جلد8،شمارہ28،ص95
لیمپ پوسٹ	فرحان حنیف	جلد8،شمارہ28،ص96
دستک	فرحان حنیف	جلد8،شمارہ28،ص97
برتری کا احساس	فرحان حنیف	جلد8،شمارہ28،ص97
آسمان	فیاض رفعت	جلد8،شمارہ28،ص97

پرندہ	فیاض رفعت	جلد8،شمارہ28،ص97
ٹھنڈے فریزر میں رکھی زندگی	فیاض رفعت	جلد8،شمارہ28،ص98
پانی	فیاض رفعت	جلد8،شمارہ28،ص98
قدیم کھنڈروں میں	قمر ادیب	جلد8،شمارہ28،ص99
دستک	گلزار	جلد8،شمارہ28،ص99
ڈائری	گلزار	جلد8،شمارہ28،ص100
ابھی نہ پردہ گراؤ	گلزار	جلد8،شمارہ28،ص101
ایندھن	گلزار	جلد8،شمارہ28،ص101
فائزا	مصحف اقبال توصیفی	جلد8،شمارہ28،ص102
گیان کے جنگل میں	مصحف اقبال توصیفی	جلد8،شمارہ28،ص102
ایک نظم - تمہارے نام	مصحف اقبال توصیفی	جلد8،شمارہ28،ص102
مجھے صدا دے	مصحف اقبال توصیفی	جلد8،شمارہ28،ص103
یاددہانی	مظہر مہدی	جلد8،شمارہ28،ص103
ارضِ بے پیغمبر	مظہر مہدی	جلد8،شمارہ28،ص103
دوست کے دشمن کے لیے ایک نظم	مظہر مہدی	جلد8،شمارہ28،ص104
میں نے کبھی نہیں کہا	نعمان شوق	جلد8،شمارہ28،ص104
تم ناحق پشیمان ہو	نعمان شوق	جلد8،شمارہ28،ص104
تمہارے نام لکھتا ہوں	نورجہاں ثروت	جلد8،شمارہ28،ص105
ہواؤں کا انتظار	نورجہاں ثروت	جلد8،شمارہ28،ص105
اس پار	یعقوب راہی	جلد8،شمارہ28،ص105
شکایت	یعقوب راہی	جلد8،شمارہ28،ص106

نباؔ کے نام	یعقوب راہی	جلد8،شمارہ28،ص106
دعا	یعقوب راہی	جلد8،شمارہ28،ص106
سچائی	یعقوب راہی	جلد8،شمارہ28،ص106
رقیبوں کی باتیں	وحید اختر	جلد8،شمارہ28،ص120
غالب کے لیے سات نظمیں	محمد صلاح الدین پرویز	جلد8،شمارہ28،ص121
لتا منگیشکر	شاہد میر	جلد8،شمارہ28،ص125
یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے (نذر مہدی حسن)	شاہد میر	جلد8،شمارہ28،ص125
نذر محمد رفیع	شاہد میر	جلد8،شمارہ28،ص126
استاد نصرت فتح علی خاں کی موت پر	شاہد میر	جلد8،شمارہ28،ص126
خدا اور	محمد حسن	جلد9،شمارہ29،ص85
کباڑی	محمد حسن	جلد9،شمارہ29،ص85
تکمیل	رفعت سروش	جلد9،شمارہ29،،ص86
روح کارشتہ	فضل امام نقوی	جلد9،شمارہ29،ص86
دھند اماوس دیدہ	وہاب دانش	جلد9،شمارہ29،ص87
نوک نوک جدا	وہاب دانش	جلد9،شمارہ29،،ص87
عطا آتش کدہ	وہاب دانش	جلد9،شمارہ29،ص87
سمندر گیت گاتا ہے	مبین مرزا	جلد9،شمارہ29،ص88
دنیا چالاک لوگوں کے لیے بنی ہے	نصیر احمد ناصر	جلد9،شمارہ29،ص89
شجر آباد	نصیر احمد ناصر	جلد9،شمارہ29،ص89
یہ خواب ہی تو ہیں...	نصیر احمد ناصر	جلد9،شمارہ29،ص89
ڈاکیا خط پھینک کر چلا جاتا ہے...	نصیر احمد ناصر	جلد9،شمارہ29،ص89

نیند کے موسم بے اعتبار ہوتے ہیں...	نصیر احمد ناصر	جلد 9، شمارہ 29، ص 89
خواب لکھتے ہوئے...	نصیر احمد ناصر	جلد 9، شمارہ 29، ص 89
حرفِ عشق	ابراہیم اشک	جلد 9، شمارہ 29، ص 90
اندھیری ہے دنیا	کاوش عباسی	جلد 9، شمارہ 29، ص 90
ہنسا میری دسترس میں نہیں...	شبنم عشائی	جلد 9، شمارہ 29، ص 91
رات تک کھد جائے گی...	شبنم عشائی	جلد 9، شمارہ 29، ص 91
نوحہ	حبیب حق	جلد 9، شمارہ 29، ص 92
کارِ جمال دراز ہے	شہرام سرمدی	جلد 9، شمارہ 29، ص 92
سفر نامہ	شہرام سرمدی	جلد 9، شمارہ 29، ص 92
ہوا کے حق میں ایک بیان	شاداب رضی	جلد 9، شمارہ 29، ص 93
رات	افسر فاروقی	جلد 9، شمارہ 29، ص 93
پہلا منظر	شاہ حسین نہری	جلد 9، شمارہ 29، ص 94
دوسرا منظر	شاہ حسین نہری	جلد 9، شمارہ 29، ص 94
تیسرا منظر	شاہ حسین نہری	جلد 9، شمارہ 29، ص 94
Lust	سید فیصل ہاشمی	جلد 9، شمارہ 29، ص 94
یہی انجام ہوتا ہے فریب...	سید فیصل ہاشمی	جلد 9، شمارہ 29، ص 94
خیال کی سرحد	سید فیصل ہاشمی	جلد 9، شمارہ 29، ص 94
نیند (اپنے بچے کی پہلی سالگرہ پر)	علی سردار جعفری	جلد 10، شمارہ 30، ص 74
تم نہیں آئے تھے جب	علی سردار جعفری	جلد 10، شمارہ 30، ص 75
یہ لہو	علی سردار جعفری	جلد 10، شمارہ 30، ص 75
ایک پرانی داستان	علی سردار جعفری	جلد 10، شمارہ 30، ص 76

اصلی کھیل	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص83
سر زمین بے نفر	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص83
خاموشی	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص83
دھندلے	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص84
سرسوں کے کھیت	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص84
بیکراں	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص84
بند خانے میں	منیب الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص85
ایک حسینہ کے نام	باقر مہدی	جلد10، شمارہ30، ص85
نظم	باقر مہدی	جلد10، شمارہ30، ص86
اطمینان	جمیل الرحمن	جلد10، شمارہ30، ص86
پیالہ بھر آگ	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص175
موضوع گفتگو	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص175
بگولہ	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص176
جلے ہوئے گھر سے دریافت شدہ نظم	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص176
رشتوں کی دلدل	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص177
خود کلامی	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص177
ساحل پہ کھڑی ایک نظم	کشور ناہید	جلد10، شمارہ30، ص178
ادراک	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30، ص182
محبت رمزِ ہستی ہے	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30، ص183
لمحوں کے اسرار	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30،، ص184
آزار	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30، ص185

اہلِ ہنر بے کار ہوئے	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30، ص185
وہ دل حیراں نہیں ہوتے!	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30،، ص185
اداسی	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30، ص186
راگ گیان	مبین مرزا	جلد10، شمارہ30، ص187
واردات	منیب الرحمن	جلد11، شمارہ31، ص109
ہوا کی موج	منیب الرحمن	جلد11، شمارہ31، ص109
پلِ صراطِ تمنّا	ساجدہ زیدی	جلد11، شمارہ31، ص110
نیکی کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو	ظفر گورکھپوری	جلد11، شمارہ31، ص111
شخصیت کی موسیقی	عبد الاحد ساز	جلد11، شمارہ31، ص112
مجھے شاعری نہیں آتی	مصحف اقبال توصیفی	جلد11، شمارہ31، ص113
بند دروازے	مصحف اقبال توصیفی	جلد11، شمارہ31، ص113
زباں پر رکھی مرچ	کشور ناہید	جلد11، شمارہ32، ص201
زندگی	راشد آزر	جلد11، شمارہ32، ص202
میں جہاں دیکھتا ہوں	جمیل الرحمن	جلد11، شمارہ32، ص203
آسمان خالی ہے	جمیل الرحمن	جلد11، شمارہ32، ص203
رات میں شگاف	جمال اویسی	جلد11، شمارہ32، ص204
دھوپ چھاؤں کے درمیاں	ارشد کمال	جلد11، شمارہ32، ص204
جنگ جاری ہے	فاروق نازکی	جلد12، شمارہ33،، ص66
کاغذی پیرہن	فاروق نازکی	جلد12، شمارہ33، ص67
ایک انتساب اور سوم ناتھ سادھو، تیرے نام	فاروق نازکی	جلد12، شمارہ33، ص68
گردِ یقین	راشد آزر	جلد12، شمارہ33، ص69

خلاء	راشد آزر	جلد12، شمارہ33، ص69
اب سوچتا ہوں	یعقوب راہی	جلد12، شمارہ33، ص70
مسکراہی دو	یعقوب راہی	جلد12، شمارہ33، ص70
موت سر گرداں ہے	حمید الماس	جلد12، شمارہ33، ص71
بزدل پانی	مضطر مجاز	جلد12، شمارہ33، ص71
کیبرے	مضطر مجاز	جلد12، شمارہ33، ص71
خدشہ	شاہد عزیز	جلد12، شمارہ33، ص72
کوئی تو کہیں ہو گا	شاہد عزیز	جلد12، شمارہ33، ص72
آب و دانا	شاہد عزیز	جلد12، شمارہ33، ص72
فضا میں سکوں ہے	شاہد عزیز	جلد12، شمارہ33، ص72
انتباہ	اکرام خاور	جلد12، شمارہ33، ص73
رفتگاں! رفتگاں!	اکرام خاور	جلد12، شمارہ33، ص74
پا بہ گل	اکرام خاور	جلد12، شمارہ33، ص74
مبارک ہو	سرشار بلند شہری	جلد12، شمارہ33، ص75
بہت تاخیر کی جاناں	سرشار بلند شہری	جلد12، شمارہ33، ص75
آ اے شبِ فراق	حفیظ آتش	جلد12، شمارہ33، ص76
بوڑھے لفظ	عقیل شاداب	جلد12، شمارہ33، ص76
تو بہتر یہی ہے	فخر رضوی	جلد12، شمارہ33، ص77
اگر میں آسماں ہوتا	شکیل مظہری	جلد12، شمارہ33، ص77
تم نے روٹی کے بدلے...	فوزیہ فاروقی	جلد12، شمارہ33، ص78
سزا	فوزیہ فاروقی	جلد12، شمارہ33، ص78

جنگ کے قصے	فوزیہ فاروقی	جلد12، شمارہ33،، ص79
مجھے معلوم ہے	فوزیہ فاروقی	جلد12، شمارہ33، ص79
میں وہ پسندیدہ فارم ہاؤس ہوں...	فوزیہ فاروقی	جلد12، شمارہ33، ص80
بم	توقیر چغتائی	جلد12، شمارہ33، ص80

گجرات پر کچھ نظمیں:

کچھ تو ہو	فیض احمد فیض	جلد12، شمارہ34، ص43
لہو کا سراغ	فیض احمد فیض	جلد12، شمارہ34، ص43
بے نواؤں کے نام	زبیر رضوی	جلد12، شمارہ34، ص44
صدائیں آخر شب کی (گجرات کے المناک پس منظر میں)	کیلاش ماہر	جلد12، شمارہ34،، ص45
بہت محفوظ ہیں ہم سب...	اسلم مرزا	جلد12، شمارہ34، ص46
رات وہ گذر گئی...	اسلم مرزا	جلد12، شمارہ34، ص46
شعر کہو یا گیت لکھو...	اسلم مرزا	جلد12، شمارہ34، ص46
جابجا بکھرے بریدہ جسم	اسلم مرزا	جلد12، شمارہ34، ص46
جہاں خاموشی روشن ہے	گلزار	جلد12، شمارہ34، ص74
ہوا کو بس یونہی اٹھکھیلیاں کرنے کی عادت ہے	سرشار بلند شہری	جلد12، شمارہ34، ص75
خدایا	سرشار بلند شہری	جلد12، شمارہ34، ص75
سچ پر مکالمہ	حفیظ آتش	جلد12، شمارہ34، ص76
لمحہ لمحہ رہن	سید فضل امام	جلد12، شمارہ34، ص77
نوحہ	اقبال فہیم	جلد12، شمارہ34، ص78
گیت	عطاء الرحمن طارق	جلد12، شمارہ34، ص79
کرم کی پھانس گڑی ہے نا!	عطاء الرحمن طارق	جلد12، شمارہ34، ص79

وہ رقص میں ہے	رفعت سروش	جلد12، شمارہ34، ص80
فنا کا سودا	راشد آذر	جلد12، شمارہ34، ص81
لڑکیاں	اکرام خاور	جلد12، شمارہ34، ص83
قتل	انور معظم	جلد12، شمارہ36، ص120
ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا	زبیر رضوی	جلد12، شمارہ36، ص130
گھاس پر پاؤں رکھنا	مصحف اقبال توصیفی	جلد12، شمارہ36، ص135
اور اک تم ہو	مصحف اقبال توصیفی	جلد12، شمارہ36، ص135
کتاب	شاہد عزیز	جلد12، شمارہ36، ص136
زندگی	شاہد عزیز	جلد12، شمارہ36، ص136
ان سلگتے ہوئے موسموں سے اُدھر...	عین تابش	جلد12، شمارہ36، ص137
آؤ کچھ دیر ہنسیں...	عین تابش	جلد12، شمارہ36، ص137
تم آزاد ہو	نعمان شوق	جلد12، شمارہ36، ص138
خاموش رہا جا سکتا ہے	نعمان شوق	جلد12، شمارہ36، ص138
گناہ کے ساتھ جاگنے کی ایک مشق	شاہد اختر	جلد12، شمارہ36، ص139
کوئی حرف دعا	شاہد اختر	جلد12، شمارہ36، ص139
زرد پتے	ظفر رضوی	جلد12، شمارہ36، ص140
غروب چہرے	ظفر رضوی	جلد12، شمارہ36، ص140
ایڈورڈ سعید۔ اس نے انقلاب کو امن کا...	کشور ناہید	جلد14، شمارہ37، ص196
اے خدا تیری یہ کائنات حسیں	زاہدہ زیدی	جلد14، شمارہ37، ص197
ناممکن کی جستجو	مرغوب علی	جلد14، شمارہ37 ص199
چکرویو	ضمیر کاظمی	جلد14، شمارہ37، ص199

ترغیب (ایک مونولاگ)	نجیب رامش	جلد 14، شمارہ 37، ص 200
بدزبان کم گو	صدیق عالم	جلد 14، شمارہ 37، ص 201
کالی بلی	صدیق عالم	جلد 14، شمارہ 37، ص 202
جیون کیا ہے	قمر صدیقی	جلد 14، شمارہ 37، ص 203
صبح ہوئی تو	قمر صدیقی	جلد 14، شمارہ 37، ص 203
فرات سے مکالمہ	جبیں نازاں	جلد 14، شمارہ 37، ص 203
میں اور تم	تسلیم منتظر	جلد 14، شمارہ 37، ص 204
نظم	عرفان صدیقی	جلد 14، شمارہ 38، ص 188
یہ صحرائے عرب ہے (حصہ اول)	ساجدہ زیدی	جلد 14، شمارہ 38، ص 189
یہ صحرائے عرب ہے (حصہ دوم)	ساجدہ زیدی	جلد 14، شمارہ 38، ص 190
مشکورن خالہ	حفیظ آتش	جلد 14، شمارہ 38، ص 191
استاد ولایت خاں کی یاد میں	شاہد میر	جلد 14، شمارہ 38، ص 191
ضروری بات	اکرام خاور	جلد 14، شمارہ 38، ص 192
حال بغداد کا	اکرام خاور	جلد 14، شمارہ 38، ص 192
مجھ تنے عشق جگا...	عطاء الرحمن طارق	جلد 14، شمارہ 38، ص 193
دل جاری ہے	عطاء الرحمن طارق	جلد 14، شمارہ 38، ص 193
بے سبب لفظ خرچ مت کیجئے	فرحان حنیف	جلد 14، شمارہ 38، ص 194
حقیقت اور کہانی	نشتر خانقاہی	جلد 15، شمارہ 39، ص 136
زمیں کے خالق سے ایک سوال	رؤف خلش	جلد 15، شمارہ 39، ص 137
شبِ ستارہ ساز کو خبر نہیں	ثمینہ راجہ	جلد 15، شمارہ 39، ص 138
مرا دل گمشدہ ہے	ثمینہ راجہ	جلد 15، شمارہ 39، ص 139

نوحہ	بدنام نظر	جلد15، شمارہ39، ص139
ہم	ضیاء جالندھری	جلد15، شمارہ40، ص201
شامل	شاہد عزیز	جلد15، شمارہ40، ص206
کچھ نہیں بدلا	شاہد عزیز	جلد15، شمارہ40، ص206
ایم۔ایس۔سبّالکشمی	شاہد میر	جلد15، شمارہ40، ص207
استاد اللہ رکھا	شاہد میر	جلد15، شمارہ40، ص207
تین سو تیرہ خیموں میں جب...	شائستہ یوسف	جلد15، شمارہ40، ص208
آخری ڈائری	قاضی سلیم	جلد15، شمارہ41، ص168
بلی ماراں کی شام	مصطفی شہاب	جلد15، شمارہ41، ص168
ایک رات	مصحف اقبال توصیفی	جلد15، شمارہ41، ص169
کالی ہوتی سحر	صدیق عالم	جلد15، شمارہ41، ص169
گھر لوٹنے کا دن	صدیق عالم	جلد15، شمارہ41، ص170
گھٹتے بڑھتے سائے	کشور ناہید	جلد15، شمارہ42، ص158
خودکش حملہ کرنے والے بچے!	کشور ناہید	جلد15، شمارہ42، ص159
اے میرے رب!	کشور ناہید	جلد15، شمارہ42، ص160
دریا	شاہد عزیز	جلد15، شمارہ42، ص161
ضعیف سائے	شاہد عزیز	جلد15، شمارہ42، ص161
نیندوں سے جاگی نمو...	عطاء الرحمن طارق	جلد15، شمارہ42، ص162
مَل بیری کے آس پاس...	عطاء الرحمن طارق	جلد15، شمارہ42، ص162
نظم	فوزیہ فاروقی	جلد15، شمارہ42، ص163
میں تجھے محسوس کرنا چاہتی ہوں	ناہید ورک	جلد15، شمارہ42، ص164

طویل نظم 'صادقہ' کا تازہ حصہ	زبیر رضوی	جلد15، شمارہ42، ص165
آئینہ خالی ہوا	زبیر رضوی	جلد15، شمارہ42، ص165
سری نگر: سری نگر!	زبیر رضوی	جلد15، شمارہ42، ص166
اے کویتا کے ساون امڈ!	آفتاب اقبال شمیم	جلد15، شمارہ44، ص123
نمو	ظفر گورکھپوری	جلد15، شمارہ44، ص123
اُداسی	اکرام خاور	جلد15، شمارہ44، ص124
اگر چاہوں	اکرام خاور	جلد15، شمارہ44، ص124
قیامت	ساجد حمید	جلد15، شمارہ44، ص125
فریب	شاہد عزیز	جلد15، شمارہ44، ص126
سبکدوش	شاہد عزیز	جلد15، شمارہ44، ص126
چھلاوہ	جمال اویسی	جلد15، شمارہ44، ص127
نظم	عطاء الرحمن طارق	جلد15، شمارہ44، ص127
زوال	خلیل مامون	جلد15، شمارہ44، ص128
ایک نظم	مرغوب علی	جلد15، شمارہ44، ص129
اُس دن میں نے آخری سورج دیکھا تھا	جینت پرمار	جلد15، شمارہ44، ص129
نظم	فوزیہ فاروقی	جلد15، شمارہ44، ص130
یہی اک کارنامہ	سید بشارت علی	جلد15، شمارہ44، ص130
تماشہ گروں کا تماشہ	سید بشارت علی	جلد15، شمارہ44، ص130
میرے دل کی بستی...	سخاوت شمیم	جلد15، شمارہ44، ص131
مرے لبوں سے...	سخاوت شمیم	جلد15، شمارہ44، ص131
سیاہ فام عورت...	شیفتہ فرحت	جلد15، شمارہ44، ص131

پتھر گلی میں بچپن چھپا تھا...	شیفتہ فرحت	جلد15، شمارہ44، ص131
یہ قینچی ہے...	شیفتہ فرحت	جلد15، شمارہ44، ص132
فٹ بال ایک کھیل ہے...	شیفتہ فرحت	جلد15، شمارہ44، ص133
خانہ ساز	فاطمہ تاج	جلد15، شمارہ44، ص134
میں تو اپنے آنگن میں...	پروین شیر	جلد15، شمارہ44، ص136
کپکپاتے ہاتھ میرے سر دہیں اب جان جاں...	پروین شیر	جلد15، شمارہ44، ص136
دریچے بند ہیں سارے...	پروین شیر	جلد15، شمارہ44، ص136
یہ میرے ان گنت چہرے ہیں لیکن...	پروین شیر	جلد15، شمارہ44، ص136
سنو انکل	زبیر رضوی	جلد15، شمارہ44، ص137
جہاں پناہ کا آسماں	زبیر رضوی	جلد15، شمارہ44، ص137
کراچی	محمود شام	جلد15، شمارہ44، ص138
وہ بھگوان کا روپ تھی	مصحف اقبال توصیفی	جلد16، شمارہ45، ص91
خوابوں کو سمیٹنے چلے ہیں	شاہین	جلد16، شمارہ45، ص91
فضا میں کالے دھوئیں کی چادر تنی ہوئی ہے	عین تابش	جلد16، شمارہ45، ص92
اک شہر تھا، اک باغ تھا	عین تابش	جلد16، شمارہ45، ص93
فہرست	جینت پرمار	جلد16، شمارہ45، ص93
خواب کے بھیتر اور خواب ہے	جینت پرمار	جلد16، شمارہ45، ص94
دھوپ تنی تھی چھاؤں گھنی تھی...	عطاء الرحمن طارق	جلد16، شمارہ45،، ص94
وہ امر تانند، لطف آرا...	عطاء الرحمن طارق	جلد16، شمارہ45، ص94
اے میری جان	مظہر مہدی	جلد16، شمارہ45، ص95
یہ فریم	مظہر مہدی	جلد16، شمارہ45، ص95

واشنگٹن ڈی سی میں یک شام	علی ظہیر	جلد16، شمارہ45، ص96
کچھ گزرتے لمحے	علی ظہیر	جلد16، شمارہ45، ص96
سچ کی رزم گاہ میں	نجیب رامش	جلد16، شمارہ45،، ص97
دعا	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص102
ربط	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص103
مسافر	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص103
انسان	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص104
عنفوانِ شباب	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص104
وقت	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص105
جبر واختیار	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص106
موضوع	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص107
درانتی	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص108
سفر جاری رہے	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص108
نغمہ انساں	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص109
صحافیوں کے نام	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص110
شام کب آگئی	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص111
فنون لطیفہ	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص111
سوچتا ہوں	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص112
جواز	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص113
ایک منظر	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص113
ریستوراں	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص114

جنگل	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص115
قیامت	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص115
تقاضے	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص116
کرب	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص116
سرمایہ	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص117
سرمایہ	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص117
فردِ جرم	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص118
اعتماد	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص118
مجھے تلاش کرو	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص119
پیش گوئی	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص119
نفی	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص120
بارشوں کے موسموں میں	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص120
چاند	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص121
پت جھڑ کی تنہائی	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص121
خواب	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص121
آدمی بھی عجیب چیز ہے	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص122
طلوع	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص122
فائرنگ	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص123
ابھی چاند نکلا نہیں ہے!	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص123
یہ کیا گونج ہے؟	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص124
حواس	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص124

ہجرت	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص125
ایک نظریے کا نوحہ	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص125
بولنے دو	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص126
ڈیپریشن	احمد ندیم قاسمی	جلد16، شمارہ46، ص126
کوئی اک کام باقی ہے	منیر نیازی	جلد16، شمارہ46، ص127
گوڈو	باقر مہدی	جلد16، شمارہ46، ص127
میرا دکھ	مصحف اقبال توصیفی	جلد16، شمارہ46، ص128
مسافر دل	ناہید ورک	جلد16، شمارہ46، ص128
دستک	فوزیہ فاروقی	جلد16، شمارہ46، ص129
میرے لیے	فوزیہ فاروقی	جلد16، شمارہ46 ص129
تشبیب	اسلم عمادی	جلد16، شمارہ46، ص130

1857 پر اُس وقت کے شاعروں کا ردعمل (شاعری کی صورت میں)

نوحہ غم	بہادر شاہ ظفر	جلد16، شمارہ47، ص36
بیانِ غم	بہادر شاہ ظفر	جلد16، شمارہ47، ص37
فتح افواج شرق	محمد حسین آزاد	جلد16، شمارہ47، ص37
قطعہ	مرزا اسد اللہ خاں غالب	جلد16، شمارہ47، ص38
فُغانِ دہلی	محمد صدر الدین آزردہ	جلد16، شمارہ47، ص38
مرثیہ دلّی	محمد صدر الدین آزردہ	جلد16، شمارہ47، ص39
ہنگامہ دار و گیر	ظہیر دہلوی	جلد16، شمارہ47، ص39
انقلابِ دہلی	مرزا قربان علی بیگ سالک	جلد16، شمارہ47، ص39
نوحہ دہلی	محمد علی تشنہ	جلد16، شمارہ47، ص40

دلّی و لکھنؤ	حکیم آغا جین عیش	جلد16، شمارہ47 ص41
مصائب قید	منیر شکوہ آبادی	جلد16، شمارہ47، ص42
داغِ غم	منیر شکوہ آبادی	جلد16، شمارہ47، ص42
مرثیہ دہلی	مرزا داغ دہلوی	جلد16، شمارہ47، ص43
مرثیہ دہلی	میر مہدی مجروح	جلد16، شمارہ47، ص44
دہلی مرحوم	خواجہ الطاف حسین حالی	جلد16، شمارہ47، ص44
دعا	رحمان راہی	جلد16، شمارہ47، ص116
چشمہ ظلمات	رحمان راہی	جلد16، شمارہ47، ص116
وہ بارِ گراں	زاہدہ زیدی	جلد16، شمارہ47، ص117
چراغوں کے سروں کو لونئی دیں	شکیب ایاز	جلد16، شمارہ47، ص118
نظم	شاہد میر	جلد16، شمارہ47، ص119
راگ رنگ	پنڈت رام نرائن	جلد16، شمارہ47، ص119
آشنا/ آشنا	شاہد عزیز	جلد16، شمارہ47، ص120
کھوئے ہوئے کی جستجو	یعقوب راہی	جلد16، شمارہ47، ص120
ایک یہی تو رستہ ہے	شہپر رسول	جلد16، شمارہ47، ص121
تِلو تما	عطاء الرحمن طارق	جلد16، شمارہ47، ص122
سوگندھی کا جنازہ	جمل اویسی	جلد16، شمارہ47، ص122
نیا گاؤں	فاروق بخشی	جلد16، شمارہ47، ص123
پھینکا گیا ساغر	پروین شیر	جلد16، شمارہ47، ص123
میرا دکھ	نثار نیپالی	جلد16، شمارہ47، ص124
واپسی	فاطمہ تاج	جلد16، شمارہ47، ص124

کوئی چارہ ساز ہوتا	زبیر رضوی	جلد16، شمارہ47، ص125
حرفِ دعا	زبیر رضوی	جلد16، شمارہ47، ص125
قید	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص114
چارہ گر	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص115
آج کی رات نہ جا	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص116
بھاگ متی	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص116
چاند تاروں کا بن	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص117
رقص	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص118
جانِ غزل	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص118
احساس کی رات	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص119
سناٹا	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص120
نیند	مخدوم محی الدین	جلد17، شمارہ49، ص120
ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب	ساجدہ زیدی	جلد17، شمارہ49، ص121
نیا کھیل	شاہین	جلد17، شمارہ49، ص122
Sunny کی ایک دوپہر	احتشام اختر	جلد17، شمارہ49، ص123
وقت باقی ہے	شاہد عزیز	جلد17، شمارہ49، ص124
سمندر	شاہد عزیز	جلد17، شمارہ49، ص124
شش جہات	خلیل مامون	جلد17، شمارہ49، ص125
دشتِ تنہائی	ابراہیم اشک	جلد17، شمارہ49، ص127
گلاب رت	ابراہیم اشک	جلد17، شمارہ49، ص127
"آ دیکھ مجھے"	جمال اویسی	جلد17، شمارہ49، ص128

خلا اپنے جہنم کا	جمال اویسی	جلد 17، شمارہ 49، ص 128
دل آج گائے بدھائیاں...	عطاء الرحمن طارق	جلد 17، شمارہ 49، ص 129
پھر ہوا یوں کہ سارے کنول کھل گئے...	عطاء الرحمن طارق	جلد 17، شمارہ 49، ص 129
بدلتی رتوں کے درمیاں	مرغوب علی	جلد 17، شمارہ 49، ص 130
ریشم کی سالگرہ	مرغوب علی	جلد 17، شمارہ 49، ص 130
نظم	مختار شمیم	جلد 17، شمارہ 49، ص 131
راگ رنگ	شاہد میر	جلد 17، شمارہ 49، ص 132
پولٹری فارم	شاہد میر	جلد 17، شمارہ 49، ص 132
نظم	شاہد میر	جلد 17، شمارہ 49، ص 132
بے نیازانہ	سید بشارت علی	جلد 17، شمارہ 49، ص 133
نظم	فوزیہ فاروقی	جلد 17، شمارہ 49، ص 133
جزیرہ کے نام	ریاضؔ لطیف	جلد 17، شمارہ 49، ص 134
تین نمبر کی گلی میں چڑیا کی قبر	ریاضؔ لطیف	جلد 17، شمارہ 49، ص 134
زندگی کی راہ پر	عادل حیات	جلد 17، شمارہ 49، ص 135
پچھتاوا	فاطمہ تاج	جلد 17، شمارہ 49، ص 135
میں بابو گوپی ناتھ نہیں	مصحف اقبال توصیفی	جلد 17، شمارہ 50، ص 61
پانی کا کھیل	مصحف اقبال توصیفی	جلد 17، شمارہ 50، ص 61
آوارہ مسافر کو	شکیب ایاز	جلد 17، شمارہ 50، ص 62
الاؤ سرد ہو گئے	عقیل شاداب	جلد 17، شمارہ 50، ص 62
چلو اب لوٹ جائیں...!	عبد الاحد ساز	جلد 17، شمارہ 50، ص 63
رفتار	شان الرحمان	جلد 17، شمارہ 50، ص 63

پیچھے مڑ کے دیکھا تو...	نیر جہاں	جلد17، شمارہ50، ص64
ہمیں ان موسموں میں رہنا ہے	ناہید ورک	جلد17، شمارہ50، ص65
استنبول	علی ظہیر	جلد18، شمارہ51، ص71
وہ ایک سایہ	شاہد عزیز	جلد18، شمارہ51، ص71
واردات	اسلم عمادی	جلد18، شمارہ51، ص72
وہ کیا تھا ان کے ہونے میں!	اکرام خاور	جلد18، شمارہ51 ص73
مئے پرستے عجیے	اکرام خاور	جلد18، شمارہ51، ص73
کہاں جاتے ہو	رونق شہری	جلد18، شمارہ51، ص74
جیل سے فرار	نیر جہاں	جلد18، شمارہ51، ص74
محمود درویش میں آرہا ہوں	عین تابش	جلد18، شمارہ51، ص220
آج	شاہین	جلد19، شمارہ52، ص101
پیش خیمہ	شہپر رسول	جلد19، شمارہ52، ص101
کالی داس اور برہا کی راتیں	جمال اُویسی	جلد19، شمارہ52، ص102
بڑی عمر کا دوست	جمال اُویسی	جلد19، شمارہ52، ص102
سورج نہیں نکلا	ابراہیم اشک	جلد19، شمارہ52، ص103
نسیاں	پروین شاکر	جلد19، شمارہ52، ص103
داد خواہ	صابرؔ	جلد19، شمارہ52، ص104
احتجاج زندہ ہے	زبیر رضوی	جلد19، شمارہ52، ص104
زماں سے ابد تک	ساجدہ زیدی	جلد19، شمارہ53، ص125
دائرے بنتے بگڑتے جا رہے ہیں	ساجد حمید	جلد19، شمارہ53، ص126
لڑکی سویٹر بُن رہی ہے	عقیل شاداب	جلد19، شمارہ53، ص126

وقت اور ہم	علی ظہیر	جلد19، شمارہ53، ص127
دنیا	شاہد عزیز	جلد19، شمارہ53، ص127
”لندن“موسم سرما میں	مختار شمیم	جلد19، شمارہ53، ص128
ساتھ میرے چل رہی ہو...	عطاء الرحمن طارق	جلد19، شمارہ53، ص128
سوئی سوئی جھیل کو...	عطاء الرحمن طارق	جلد19، شمارہ53، ص128
ایک ملاقات	نجمہ رحمانی	جلد19، شمارہ53، ص129
محبتیں	نجمہ رحمانی	جلد19، شمارہ53، ص129
کیسی مردہ دلی؟	یعقوب راہی	جلد19، شمارہ53،، ص130
مشاہدہ	یعقوب راہی	جلد19، شمارہ53، ص130
متاع گم گشتہ	اقبال خسرو قادریؔ	جلد19، شمارہ53، ص130
تالی	محمد یحیٰ جمیل	جلد19، شمارہ54، ص110
ایک سوال	محمد یحیٰ جمیل	جلد19، شمارہ54، ص110
طویل نظم ”صادقہ“ کے تازے حصے	زبیر رضوی	جلد19، شمارہ54، ص111
رات بھر	ساجدہ زیدی	جلد20، شمارہ55، ص83
سوات کا نوحہ	کشور ناہید	جلد20، شمارہ55، ص84
دعوت سخن	کشور ناہید	جلد20، شمارہ55، ص84
عید ملہار	کشور ناہید	جلد20، شمارہ55، ص85
بڑانٹوسورس	شاہین	جلد20، شمارہ55، ص86
دھواں	شاہد عزیز	جلد20، شمارہ55، ص86
طویل نظم ”صادقہ“ کے کچھ اور تازہ حصے	زبیر رضوی	جلد20، شمارہ55، ص87
ایک لینڈ اسکیپ	زبیر رضوی	جلد20، شمارہ55، ص89

شناخت نامہ	عقیل شاداب	جلد20، شمارہ57، ص174
آدمی جو میں تھا	جمال اویسی	جلد20، شمارہ57، ص174
دریدہ حقیقت کی آغوش میں	جعفر ساہنی	جلد20، شمارہ57، ص175
چار مینار	ڈاکٹر مسعود جعفری	جلد20، شمارہ57، ص175
کُہرے کی چادر	زویا زیدی	جلد20، شمارہ57، ص176
چراغوں، الجھنوں کا یہ شہر	آفتاب رضوی	جلد20، شمارہ57، ص176
نظم "صادقہ" کے کچھ اور تازہ حصے	زبیر رضوی	جلد20، شمارہ57، ص180
اے میرے ہم سفر پُل	کشور ناہید	جلد21، شمارہ58، ص153
آئینہ	کشور ناہید	جلد21، شمارہ58، ص153
جل پری اور سورج	سرمد صہبائی	جلد21، شمارہ58، ص154
زمانہ کہتے ہیں مختلف ہے...	جمال اویسی	جلد21، شمارہ58، ص155
بے شمول زندگی	ظفر گورکھپوری	جلد21، شمارہ58، ص156
سمندر	شاہد عزیز	جلد21، شمارہ58، ص156
وہ حرف و صوت وہ صدا	زاہدہ زیدی	جلد21، شمارہ59، ص9
جستجو ذات کی	ساجدہ زیدی	جلد21، شمارہ59، ص9
دوسرا پتھر	مصحف اقبال توصیفی	جلد21، شمارہ59، ص128
جب میں اپنے اندر جھانک رہا تھا	مصحف اقبال توصیفی	جلد21، شمارہ59 ص128
زمیں کو ڈھانپ دے	علی ظہیر	جلد21، شمارہ59، ص129
انتخاب	علی ظہیر	جلد21، شمارہ59، ص129
دروپدی ہے غزل	شاہد میر	جلد21، شمارہ59، ص130
وہ گم شدہ دن	مرغوب علی	جلد21، شمارہ59، ص131

چھت	مرغوب علی	جلد21، شمارہ59، ص131
ہجوم گریہ	علی اکبر ناطق	جلد21، شمارہ60، ص108
حصارِ جاں سے باہر	ضیا فاروقی	جلد21، شمارہ60، ص109
یہ جہاں تصادم کا	زبیر رضوی	جلد21، شمارہ60، ص109
اے میرے آدمی زاد	آفتاب اقبال شمیم	جلد22، شمارہ61، ص65
کنویں کے کنارے	آفتاب اقبال شمیم	جلد22، شمارہ61، ص67
یاد رکھنا	آفتاب اقبال شمیم	جلد22، شمارہ61، ص67
مگر میرا سوال ہے!	آفتاب اقبال شمیم	جلد22، شمارہ61، ص68
بچت بازار	جاوید صبا	جلد22، شمارہ61، ص69
ایک ہتھیلی آدھی دستک	زماں حبیب	جلد22، شمارہ61 ص70
یہ سچ ہے تو	زماں حبیب	جلد22، شمارہ61، ص70
زیست کرنے کے نئے روز و شب	زبیر رضوی	جلد22، شمارہ61، ص71
جب سمت سفر بدلی	زبیر رضوی	جلد22، شمارہ61، ص71
بڑی لمبی کہانی ہے	ساجدہ زیدی	جلد22، شمارہ62، ص113
رات بھر	ساجدہ زیدی	جلد22، شمارہ62، ص113
نشانِ راہ زندگی	ساجدہ زیدی	جلد22، شمارہ62، ص114
اختتام سفر ہے	ساجدہ زیدی	جلد22، شمارہ62، ص114
ٹھہرے موسم کی ایک نظم	اصغر ندیم	جلد22، شمارہ62، ص115
سمت کی تلاش	ظفر گورکھپوری	جلد22، شمارہ62، ص115
مجھ کو کب تک جینا ہے	جمال اویسی	جلد22، شمارہ62، ص116
ٹوٹنا تو فیصلہ کن ہوتا ہے	اوم پربھاکر	جلد22، شمارہ62، ص116

تو کیا کرو گے	ضیاء فاروقی	جلد22، شمارہ62، ص117
دعا	زبیر رضوی	جلد22، شمارہ62، ص118
لاہور چالیس کی دہائی کا شہر	ضیاء جالندھری	جلد22، شمارہ63، ص21
کچرا	ضیاء جالندھری	جلد22، شمارہ63، ص22
بگولے	ضیاء جالندھری	جلد22، شمارہ63، ص23
بخیہ گری کے مرحلے	عبدالاحد ساز	جلد22، شمارہ63، ص112
پنگھٹ کے اوپر تھے...	عطاء الرحمن طارق	جلد22، شمارہ63، ص113
تاریکیاں کیوں ہیں	شاہد عزیز	جلد22، شمارہ63، ص114
خواب اور ہوا	مرغوب علی	جلد22، شمارہ63، ص114
دیارِ فروزاں کے منظر بدل دو	زبیر رضوی	جلد22، شمارہ63، ص115
بام پر نظر چمکے !	نسیم اجمل	جلد22، شمارہ63، ص118
کوئی بھی نقش، تہِ آسماں کسی کا نہیں	شاہد اختر	جلد22، شمارہ63، ص118
کیا کہا جائے	گنتر اس/ت: علی ظہیر	جلد22، شمارہ63، ص157
شب نامہ	شفیق فاطمہ شعری	جلد23، شمارہ64، ص123
یاد نگر	شفیق فاطمہ شعری	جلد23، شمارہ64، ص124
ارض نغمہ	شفیق فاطمہ شعری	جلد23، شمارہ64، ص125
فصیل اورنگ آباد	شفیق فاطمہ شعری	جلد23، شمارہ64، ص126
ایلورہ	شفیق فاطمہ شعری	جلد23، شمارہ64، ص129
جاتے جاتے	اوم پر بھا کر	جلد23، شمارہ64، ص147
'آمد میں رخصت تعذیر'	جمال اویسی	جلد23، شمارہ64، ص147
نشانِ امتیاز	زبیر رضوی	جلد23، شمارہ64، ص148

سمندر اُداس ہے	ثمینہ راجہ	جلد23، شمارہ65، ص11
عدن	ثمینہ راجہ	جلد23، شمارہ65، ص13
خوف کہ وہ آئے گا	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص14
تمہارا ساتھ	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص14
تم سمجھتے ہو...	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص14
روح اتنی لطیف ہو گئی...	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص15
تمہاری پھولی ہوئی انا...	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص15
شہ مات	علی ظہیر	جلد23، شمارہ65، ص15
آنکھیں پتھرا گئیں کان بنجر ہوئے	احفاظ الرحمن	جلد23، شمارہ65، ص117
بے اماں زمین	شاہد عزیز	جلد23، شمارہ65، ص118
یاد اور دھند	محمد یحیٰی جمیل	جلد23، شمارہ65، ص118
کھڑیاں	محمد یحیٰی جمیل	جلد23، شمارہ65، ص119
صد غنچہ بشگفت اِلّادلِ من (پاکستانی نظم)	حارث خلیق	جلد23، شمارہ65، ص124
نصرت فتح علی خاں کے لیے ایک نظم	امجد اسلام امجد	جلد24، شمارہ66، ص183
تیسرا درجہ	امجد اسلام امجد	جلد24، شمارہ66، ص184
بکھرتی کہانیاں	اَحفاظ الرحمن	جلد24، شمارہ66، ص184
کئی بار گزرا ہوں اِن راستوں پر	عین تابش	جلد24، شمارہ66، ص185
بدلنے ک کوئی موسم نہیں ہوتا	عین تابش	جلد24، شمارہ66، ص185
سنو بندگانِ تکلم	عین تابش	جلد24، شمارہ66، ص186
ہمہ وقت اظہار رائے کو	خواجہ رضی حیدر	جلد24، شمارہ66، ص186
'ایک مخاطبہ'	جمال اویسی	جلد24، شمارہ66، ص187

'دعا'	جمال اویسی	جلد 24، شمارہ 66، ص 187
'نئے نویلے کرشن'	جمال اویسی	جلد 24، شمارہ 66، ص 187
'افسون ملاقات'	جمال اویسی	جلد 24، شمارہ 66، ص 187
برابر والی کرسی	مصطفی شہاب	جلد 24، شمارہ 66، ص 188
محبت زندگی ہے	امجد اسلام امجد	جلد 24، شمارہ 67، ص 120
ایک دوست کے گھر میں انجیر کا پیڑ دیکھ کر	فاطمہ حسن	جلد 24، شمارہ 67، ص 121
عجب مشغلہ ہے مرا	جمال اویسی	جلد 24، شمارہ 67، ص 122
میں طلب گار اپنی موت کا ہوں...	جمال اویسی	جلد 24، شمارہ 67، ص 122
قلم جاگتا ہے	عتیق اللہ	جلد 24، شمارہ 67، ص 123
کوئی نہیں اس کا رونے والا	عتیق اللہ	جلد 24، شمارہ 67، ص 124
وہ اور گھوڑے	عتیق اللہ	جلد 24، شمارہ 67، ص 125
میں نے کچھ نہیں مانگا تھا	عتیق اللہ	جلد 24، شمارہ 67، ص 126
حمد، و ثنائی	عتیق اللہ	جلد 24، شمارہ 67، ص 126
امی کی جائے نماز	راشد جمال فاروقی	جلد 24، شمارہ 67، ص 127
میری بالیاں کتر دو	عطاء الرحمن طارق	جلد 24، شمارہ 67، ص 127
اِمکاں بھری صبح کی آہٹیں	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 67، ص 128
اگر تم....	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 67، ص 129
بچے اور بدبو	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 67، ص 129
کولاژ سٹی (پاکستانی نظم)	سحر انصاری	جلد 24، شمارہ 67، ص 135
یہی سوچ کر....	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 218
ہر خواب کو اک دن ٹوٹنا ہے!	مبین مرزا	جلد 24، شمارہ 67، ص 219

پیاس	مبین مرزا	جلد24، شمارہ67، ص220
احساس	مبین مرزا	جلد24، شمارہ67، ص220
اُلٹازینہ	مبین مرزا	جلد24، شمارہ67، ص221
معجزہ	مبین مرزا	جلد24، شمارہ67، ص222
میری کہانی کون سنے گا؟	عین تابش	جلد24، شمارہ68، ص103
تمہارے لیے	خورشید اکرم	جلد24، شمارہ68، ص104
آنا ہے تو ایسے آؤ	خورشید اکرم	جلد24، شمارہ68، ص105
ناجادو	خورشید اکرم	جلد24، شمارہ68، ص105
ہم کہاں آگئے	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ68، ص106
مُژدہ	زبیر رضوی	جلد24، شمارہ68، ص106
آخری امید	خواجہ رضی حیدر	جلد25، شمارہ69، ص189
آمدورفت	پروین شیر	جلد25، شمارہ69، ص189
عجیب موسم	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ69، ص190
شعلہ بیانی	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ69، ص190
اے میرے گمشدہ شہر (نئے شعری مجموعے سے)	صدیق عالم	جلد25، شمارہ69، ص191
صحیح دروازہ	صدیق عالم	جلد25، شمارہ69، ص192
نئے افق کی مداحی میں	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، ص212
صبح گھر لوٹے	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، ص212
نقاب پوش	صدیق عالم	جلد26، شمارہ71، ص207
تابوت نگر	صدیق عالم	جلد26، شمارہ71، ص207
ایک بادل کے ہاتھ میں	فرحان حنیف وارثی	جلد26، شمارہ71، ص208

اے شہروں کی دلہن...	فرحان حنیف وارثی	جلد26، شمارہ71، ص208
میں عہد رفتہ کا استعارہ	زبیر رضوی	جلد26، شمارہ71، ص209
کہرا	زبیر رضوی	جلد26، شمارہ71، ص209

حلقہ ارباب ذوق کی نظمیہ شاعری کا انتخاب:

مکافات	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص33
وادیِ پنہاں	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص33
اتفاقات	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص34
بیکراں رات کے سناٹے میں	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص35
اجنبی عورت	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص35
زنجیر	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص36
نمرود کی خدائی	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص36
درویش	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص37
سباویراں	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص38
تعارف	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص39
یہ دروازہ کیسے کھلا؟	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص39
میرے بھی ہیں کچھ خواب	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص40
اسرافیل کی موت	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص41
اے سمندر	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص43
حَسَن کُوزہ گر	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص44
سمندر کی تہ میں	ن۔م۔راشد	جلد25، شمارہ69، ص46
یگانگت	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص49

تنہائی	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص49
اِرتقا	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص50
جسم کے اُس پار	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص51
عدم کی خلاء	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص52
طائرِ شب	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص53
طالب علم	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص53
سمندر کا بلاوا	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص55
دیوداسی اور پجاری	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص56
دُکھ-دل کا دارو	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص56
بعد کی اُڑان	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص57
آبگینے کے اس پار کی ایک شام	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص58
دوسری عورت	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص60
نادار	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص61
گیت	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص62
میں جنسی کھیل کو صرف ایک تن آسانی سمجھتا ہوں	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص62
گیت	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص63
گیت	میراجی	جلد25، شمارہ69، ص64
'شب رفتہ' کا آغاز-حرف اول	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص66
سوکھا، تنہا پتا	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص67
کنواں	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص67
پنواڑی	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص69

ہم سفر	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص70
نژادِ نو	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص70
درس ایام	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص71
آٹو گراف	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص71
ریوڑ	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص72
رفتگاں	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص73
مرے خدا مرے دل!	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص73
مقبرہ جہانگیر	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص75
منٹو	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص76
زندگی، اے زندگی!	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص76
ایک نظم	مجید امجد	جلد25، شمارہ69، ص77
صدا البحرا	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69،، ص78
یہاں سب اندھے ہیں، تم نہ اندھے بنو...	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص78
مسرت لازوال، پھولوں کے پیچھے، چاند کا ترنم...	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص78
ارماں	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص78
مرے خدا!...	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص79
بقا	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص80
اِنکار	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص81
خرابہ	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص82
بُتانِ وہم و گماں	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص82
وادی نیل	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص83

ہوس کار	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص85
قیامت	یوسف ظفر	جلد25، شمارہ69، ص86
بحران	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص87
میں دریا ہوں	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص87
محنت کش	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص88
نوشتۂ دیوار	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص89
ایک بات	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص89
کسے نصیب ہوا مردہ ساعتوں سے فرار	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص90
ہجر کے ہمالہ پر	ظہور نظر	جلد25، شمارہ69، ص91
طوفان کے بعد	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص92
رات وہ رات خزاں کی...	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص92
کس نے چاہا تھا کہ دکھ ڈھل جائیں...	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص93
دل سے بچھڑے ہوئے ارمان کہاں سے لاؤں... ضیاء جالندھری		جلد25، شمارہ69، ص94
تجھ کو ہے اپنے ہی دکھ درد کے درماں کی تلاش... ضیاء جالندھری		جلد25، شمارہ69، ص94
وقت کاتب ہے	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص95
بڑا شہر	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص96
راہیں	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص97
شہر آشوب	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص97
بہار آفرینا	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص98
جادۂ جاوداں (۱،۲،۳،۴،۵)	ضیاء جالندھری	جلد25، شمارہ69، ص98
پچھلے پہر کا چاند	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص100

انتظار	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص100
صلیبوں کی اوٹ میں	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص101
سرما کی ایک رات	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص103
آپریشن تھیٹر	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص104
سمندر کا بوڑھا خدا	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص105
شہر کی صبح	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص106
اے گھومتے لمحوں کے چاک	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص107
وداع	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص108
کتاب کا کیڑا	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص109
زمیں	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص110
شہیدانِ بیروت	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص110
اے سمندر کی ہوا	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص111
رات اندھیری تھی	عزیز حامد مدنی	جلد25، شمارہ69، ص111
رات کی بات	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص112
سکھ میں دکھ	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص112
رسوائی	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص113
ہرجائی	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص114
زوال	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص114
اناؤنسر	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص115
ایک تمثیل	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص115
منزل شب	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص116

اے اسیرانِ قفس	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص117
برف باری کی ایک رات1، ۲، ۳، ۴	مختار صدیقی	جلد25، شمارہ69، ص118
اگر کبھی تم	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص119
مرے دل نے پوچھا یہ دن خوشنما دن۔۔۔	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص119
بہار میں وہ گلاب کے معجزے سے خوش تھی۔۔۔	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص120
تماشہ	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص120
پرندے پرندے	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص121
کافر	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص122
لڑکی اور کبوتر	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص122
روشنی کی تلاش میں لڑکی	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص123
تم اگر چلتے	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص123
فٹ پاتھ	جیلانی کامران	جلد25، شمارہ69، ص124

اختر الایمان کی نظمیہ شاعری کا انتخاب: پیش کش: زبیر رضوی

گرداب(۱۹۴۳) سے:

نیند سے پہلے	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص121
نقش پا	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص121
مسجد	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص121
قلوبطرہ	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص122
تنہائی میں	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص123
جواری	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص124
پگڈنڈی	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص125

تاریک سیارہ (۱۹۴۳) سے:

اتفاق	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص126
عہد وفا	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص126
تبدیلی	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص126
ریت کے محل	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص127
پندرہ اگست	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص128
سرِ راہ گذارے	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص128

آب جو (۱۹۵۹)، یادیں (۱۹۶۱) سے:

ایک لڑکا	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص129
یادیں	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص131
عمر گریزاں کے نام	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص135
میر ناصر حسین	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص136

بنت لمحات (۱۹۶۹) سے:

لوگو اے لوگو	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص141
بنت لمحات	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص141
باز آمد-ایک منتاج	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص142
کوزہ گر	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص143
اذیت پرست	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص145
سبزۂ بیگانہ	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص147
درد کی حد سے پرے	اختر الایمان	جلد26، شمارہ71، ص148

زندگی کا وقفہ	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص148
شیشہ آدمی کا	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص149

نیا آہنگ(۱۹۷۷)سے:

میں-ایک سیارہ	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص149
نظم کی تلاش	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص150
آثار قدیمہ	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص151
راہِ فرار	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص152
کالے سفید پروں والا ایک پرندہ اور میری ایک شام	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص155

سروساماں(۱۹۸۳)سے:

حمامِ باد گرد	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص159
ڈاسنہ اسٹیشن کا مسافر	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص161
راستہ کا سوال	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص163
نشاۃ ثانیہ	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص164

زمین زمین(۱۹۹۰)سے:

کربلا	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص165
گریز پا	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص166
اپاہج گاڑی کا آدمی	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص166
رویائے صادقہ	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص169

زمستاں سرد مہری کا(۱۹۹۷)سے:

زمستاں سرد مہری کا	اختر الایمان	جلد26،شمارہ71،ص173

ذکر مغفور	اختر الایمان	جلد 26، شمارہ 71، ص 175
خدا	اختر الایمان	جلد 26، شمارہ 71، ص 175

ہندی نظمیں:

اگر۔۔۔ (فسادات پر نظم)	سویشور دیال سکسینہ	جلد 2، شمارہ 3، ص 126
چاند کی باتیں	رگھوویر سہائے	جلد 2، شمارہ 3، ص 187
کویتا	رگھوویر سہائے	جلد 2، شمارہ 3، ص 187
ایشور	رگھوویر سہائے	جلد 2، شمارہ 3، ص 187
نیتا معاف کریں	رگھوویر سہائے	جلد 2، شمارہ 3، ص 187
ایک کھڑکی	اشوک باجپئی	جلد 2، شمارہ 4، ص 111
امید	کیدار ناتھ سنگھ	جلد 2، شمارہ 4، ص 111
استری تم کہاں ہو	ہیمنت شوش	جلد 2، شمارہ 4، ص 112
پتا کی تصویر	منگلیش ڈمبرال	جلد 2، شمارہ 4، ص 112
دوار	چندر پربا سر سوت	جلد 2، شمارہ 4، ص 113
بچے کام پر جا رہے ہیں	راجیش جوشی	جلد 2، شمارہ 4، ص 113
میں اس عورت کو سلام کرتا ہوں	ومل کمار	جلد 2، شمارہ 4، ص 114
یہ منظر رہنے دو	سدیپ بنرجی	جلد 2، شمارہ 4 ص 114
دودھ	ایچ۔ ایس۔ شوپرکاش	جلد 2، شمارہ 4 ص 115
پتھر	ایچ۔ ایس۔ شوپرکاش	جلد 2، شمارہ 4 ص 115
موضوع سخن	نریندر جین/ت: اکرام خاور	جلد 2، شمارہ 8، ص 131
جیسے	ارون کمل/ت: اکرام خاور	جلد 2، شمارہ 8، ص 131
ماچس	ستیندر کمار مشر/ت: محمد کلام آزاد	جلد 3، شمارہ 10، ص 7

طوطوں سے بچی پر تھوی	اشوک باجپئی	جلد3، شمارہ10، ص143
(اجودھیا پر مختلف نظمیں)	دنودداس/ت: شکیل صدیقی	جلد3، شمارہ11،، ص9
لوٹائی ہوئی کتاب کا بیان	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص88
میرے آقا	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24،، ص88
ان کے پھولوں میں...	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص89
وہ ماضی جو سب کا ہوا...	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص89
اکیلا...	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص89
وہ آنکھیں کبھی روتی نہیں...	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص89
یہاں اس زمین کو چھوتا ہوں...	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص89
سال یاد کرتے...	گردھر راٹھی	جلد7، شمارہ24، ص89
معمولی آدمی	رگھونندن ترویدی	جلد15، شمارہ41، ص120
آپ نے نہیں پہنی	سدیپ بنرجی	جلد21، شمارہ58، ص157
یہ ناٹک نہیں۔۔۔	گوبند پرشاد	جلد21، شمارہ59، ص129
پنڈت بھیم سین جوشی کی یاد میں	گوبند پرشاد	جلد21، شمارہ59، ص130
ہارنے والوں کے درمیان	لیلادھر منڈلوئی	جلد24، شمارہ67، ص166
اب بھی	لیلادھر منڈلوئی	جلد24، شمارہ67، ص167
شَبد بچوں کی طرح	لیلادھر منڈلوئی	جلد24، شمارہ67، ص167

سندھی نظمیں:

اجنبی	کرشن راہی	جلد2، شمارہ4، ص109
آخری بس	کرشن راہی	جلد2، شمارہ4، ص109
آدرش	جان ضیخلی/ت: شاہ محمد پیرزادہ، انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص75

پانی کی بھیک	ولی رام ولبھ/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص75
مرنے کے بعد	مصطفےٰ ارباب/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص75
پاگل لڑکی کا خواب	امر سندھو/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص76
عنوان کے بغیر ایک نظم	امر سندھو/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18 ص76
خاموشی	شبنم گل/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص76
آئی بینک	ارشاد کاظمی/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص76
ملکہ	ارشاد کاظمی/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص77
میرے دیس میں...	فیض پیر زادہ/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18 ص77
حویلی	فیض پیر زادہ/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص77
میں نے سمجھا تھا...	پشپا ولبھ/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص78
زندگی پاؤں میں پہنے...	پشپا ولبھ/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص78
محبت	ارشاد کاظمی/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص79
ہم شاعر ہیں	ارشاد کاظمی/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص79
وصیت نامہ	امتیاز ابڑو/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص80
نذیر عباس کے جنم دن پر	جان خاصخیلی/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص80
قید	منور سلطانہ/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص81
رَت جگا آنکھیں ہی نہیں...	وسیم سمرو/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص81
اس نے کہا تھا...	سحر امداد/ت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص81
محبوس نقشہ	امتیاز ابڑوت:شاہ محمد پیر زادہ،انتخاب آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص82
دوپہر کا ایک منظر	ارشاد شیخ	جلد6، شمارہ23، ص125
لڑکی کے خواب	ارشاد شیخ	جلد6، شمارہ23، ص125

ایک لڑکی کا اتہ پتہ	ارشاد شیخ	جلد6، شمارہ23، ص125

مراٹھی نظمیں:

موسم بہار اختتام پر...	انورادھا پاٹل /ت: ارتکاز افضل	جلد2، شمارہ8، ص132
تو نہ تھا...	انورادھا پاٹل/ت: ارتکاز افضل	جلد2، شمارہ8، ص132
ندی کے...	انورادھا پاٹل/ت: ارتکاز افضل	جلد2، شمارہ8، ص132
تم نے میرے واسطے...	انورادھا پاٹل/ت: ارتکاز افضل	جلد2، شمارہ8، ص132
چل رہے ہیں ساتھ جب ہے...	انورادھا پاٹل/ت: ارتکاز افضل	جلد2، شمارہ8، ص132
غلام	ناراین سُروے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص136
نہرو چل بسے تب کی بات	ناراین سُروے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص136
سوانح عمری	ارن کولٹکر/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص136
دادی کی موت	دلیپ پرشوتم چترے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص138
گروپ فوٹو	دلیپ پرشوتم چترے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص139
قصہ گلابوں کا	آرتی پربھوات: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص142
معنی	گریس/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص142
کل کا طوفاں	نرملا دیش پانڈے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص142
خار پشت	سری دھر شنوارے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص142
آسیب	گروناتھ منت/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص143
تعریف اس خدا کی	گروناتھ منت/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص143
سحر	ناراین کلکرنی کوٹھیکر/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص143
گڑھی	ناراین کلکرنی کوٹھیکر/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص144
ہم	اشوک باگوے/ت: یونس اگاسکر	جلد9، شمارہ29، ص144

نظم ایسی ہو!	نتین تنڈولکر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص142
مداری	پرلھاد لہتکر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص142
سندیش ڈھگے	پرلھاد لہتکر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص144
نیا گھر	پرلھاد لہتکر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص144
ایک نظم	سچن کیتکر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص145
چھوٹی سی آشا	پرشانت اُسنا پورے/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص145
ڈونٹ ڈِسٹرب می	گروناتھ سامنت/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص146
ابھی ابھی تمہارے سر سے...	گروناتھ سامنت/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص146
یوں نہ گھبراؤ...	گروناتھ سامنت/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص146
ایک نظم	داسو ویدیہ/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص147
میں نے کہا	راجیش کولمبکر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص147
تبدیلی مذہب	جگدیش دیوپور کر/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص148
لڑائی	چدارام بلہارے/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص148
ساودھان	لیلادھر کسارے/ت:وقار قادری	جلد18،شمارہ51،ص148

عالمی ادب کے خانے سے:

عزت کا لمحہ	اکرم مسوح	جلد1،شمارہ1،ص140
چاند کا مجھ سے ہو گا نہ سودا کبھی	میخائیل عید	جلد1،شمارہ1،ص141
آواز۔شکل اور خوشبو	توفیق زیاد/ت:زبیر احمد فاروقی	جلد2،شمارہ3،ص106
کبھی کبھی	محمد الاسعد/ت:زبیر احمد فاروقی	جلد2،شمارہ3ص107
بے خوابی	یوسف عبد العزیز/ت:زبیر احمد فاروقی	جلد2،شمارہ3،ص107
سڑک	اکتاؤپاز/ت:ونود شرما	جلد2،شمارہ3،ص114

پیدل	اکتاؤپاز/ات:ونود شرما	جلد2،شمارہ3،ص114
تفسیر	مدیرالبرق غوثی/ات:زبیر احمد فاروقی	جلد2،شمارہ4،ص108
دو عورتیں	مدیرالبرق غوثی/ات:زبیر احمد فاروقی	جلد2،شمارہ4،ص108
قلب میں...	مدیرالبرق غوثی/ات:زبیر احمد فاروقی	جلد2،شمارہ4،ص108
یاد(نیپالی)	من پرشاد سبا	جلد2،شمارہ4،ص110
میں نے سیکھا(روسی)	گری گورے ویری	جلد2،شمارہ4ص110
سچ اور جھوٹ کے بیچ(چینی)	لوہ سوں(لہسوں)/ات:سازینہ	جلد2،شمارہ5،ص103
چیتوں سے بھری وہ پتی(چینی)	لوہ سوں(لہسوں)/ات:سازینہ	جلد2،شمارہ5،ص103
بھکاری(چینی)	لوہ سوں(لہسوں)/ات:سازینہ	جلد2،شمارہ5،ص103
قتل در قتل(افریقی)	لیوپالڈ سیڈار سنگھور/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص119
تمہاری موجودگی(افریقی)	ڈیوڈ ڈیوپ/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص119
تم وہاں ہو	ریی ریویلو/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص120
میرے دن...	جوزف میجان بو گنی/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص120
موت-علی الصبح	دولے شوئینکا/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص121
بہت پہلے کی بات ہے...	گبریل اوکارا/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص122
اب جبکہ فاتح فوج...	کرسٹوفر اوکگبو/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص123
میرے خواب	کوفی اوور/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص123
قیدی کا گیت	آکوٹ تیبیک/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص124
ایک نظم	جارج ریبیلو/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص125
اگر تم جانا چاہتے ہو	ٹوئے می آرڈے سوزا/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص125
ساعت وداع	اگنتھو نیٹو/ات:وجے کمار،چندر بھان خیال	جلد2،شمارہ5،ص126

انتقام	ماتسی کیونے نے/ت:وجے کمار، چندر بھان خیال	جلد2، شمارہ5، ص127
یوم فیصل	سفوسیپا ملا/ت:وجے کمار، چندر بھان خیال	جلد2، شمارہ5، ص127
میری موت بنی ہے سکّوں... ایش فریڈت:رفیق احمد نقش		جلد2، شمارہ9، ص125
جب آنسو خشک ہوجاتے ہیں... شیخ ایازت:رفیق احمد نقش		جلد2، شمارہ9، ص125
ہو سکتا ہے رات کو سونے کے بعد... اشو تھامات:رفیق احمد نقش		جلد2، شمارہ9، ص125
کھلے آسمان کے نیچے (فلسطینی) کمال فوزی الشرابی/ت:زبیر احمد فاروقی		جلد3، شمارہ10، ص134
گڈبائی !اے بمبئی!!!(انگریزی)	اِون کوسٹکا/ت:باقر مہدی	جلد3، شمارہ11، ص21
ایک محب وطن دوسرے وطن پرستوں سے ڈیرک وال کاٹ/ت:ضمیر احمد		جلد3، شمارہ11، ص147
جبر	ڈیرک وال کاٹ/ت:ضمیر احمد	جلد3، شمارہ11، ص148
جلاوطن شاعر	برتولت بریخت	جلد4، شمارہ16، ص45
ہم (نیپالی)	بھوپی شیر چرن/ت:آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص83
گملے میں بڑ کا پودا (نیپالی)	بھوپی شیر چرن/ت:آصف فرخی	جلد5، شمارہ18، ص87
گھومتی کرسی میں اندھا آدمی (نیپالی) بھوپی شیر چرن/ت:باقر مہدی		جلد5، شمارہ18، ص88
پہاڑی پر ایک مکان (امریکی) اڈون آرلنٹن رابنس/ت:انیس الرحمن		جلد7، شمارہ26، ص99
رچرڈ کوری (امریکی)	اڈون آرلنٹن رابنس/ت:انیس الرحمن	جلد7، شمارہ26، ص99
وہ شخص (امریکی)	اڈون آرلنٹن رابنس/ت:انیس الرحمن	جلد7، شمارہ26، ص100
جادہ حسرت (امریکی)	رابرٹ فراسٹ/ت:انیس الرحمن	جلد7، شمارہ26، ص100
برف کی گرد (امریکی)	رابرٹ فراسٹ/ت:انیس الرحمن	جلد7، شمارہ26، ص101
برف اور آگ (امریکی)	رابرٹ فراسٹ/ت:انیس الرحمن	جلد7، شمارہ26، ص101
برف باری کی ایک....(امریکی) رابرٹ فراسٹ/ت:انیس الرحمن		جلد7، شمارہ26، ص101
ارض رحمت (امریکی)	کارل سینڈ برگ/ت:انیس الرحمن	جلد7، شمارہ26، ص102

خوشی(امریکی) کارل سینڈ برگ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص103

سیاہ رنگ کا تسلط(امریکی) والس اسٹیونس/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص103

ایک کالی چڑیا کو دیکھنے...(امریکی)والس اسٹیونس/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص104

میں یہاں ہوں(امریکی) ولیم کارلاس ولیمز/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص105

ایک سرخ باربردار(امریکی) ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص106

دیواروں کے درمیان(امریکی) ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26ص106

کہنا صرف یہ ہے(امریکی) ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص106

مسٹر ہاؤس مین کا پیغام(امریکی) ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص106

مراجعت(امریکی) ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص107

ایک سمجھوتا(امریکی) ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص107

زمین دوز ریل کے ایک اسٹیشن پر(امریکی)ازراپاؤنڈ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص107

شاعری(امریکی) میریئن مور/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص108

یہاں ایک خاتون دفن ہیں(امریکی)جان کرورینسم/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص109

علم کی طالب لڑکیو(امریکی) جان کرورینسم/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص109

جے الفریڈ پرو...(امریکی) ٹی۔ایس۔ایلیٹ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص110

فلک کا پر شگاف اعلان(امریکی)ٹی۔ایس۔ایلیٹ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص113

غیر حقیقی(امریکی) ٹی۔ایس۔ایلیٹ/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص114

جب خدا میرے...(امریکی)ای۔ای۔کمنگس/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص116

تمہاری انگلیاں(امریکی) ای۔ای۔کمنگس/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص116

خدا کے بعد(امریکی) ای۔ای۔کمنگس/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص117

انڈیانا(امریکی) ہارٹ کرین/ت:انیس الرحمن جلد7،شمارہ26،ص117

ایک سیاہ فام دریاؤں کی...(امریکی) لینگسٹن ہیوز/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص119
کمرشئیل تھیئٹر پر ایک نوٹ (امریکی) کاونٹی مکن/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص120
ایک شناسا خوتون کے لیے (امریکی) کاونٹی مکن/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26،، ص120
ایک سیاہ فام لڑکی کی موت (امریکی) کاونٹی مکن/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26،، ص120
کھلا مکان (امریکی) تھیوڈور رودکی/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص121
بے خوابی (امریکی) تھیوڈور رودکی/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص121
آرماڈیلو (امریکی) ایلیزابتھ بیشاپ/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26 ص122
ویٹنگ روم میں (امریکی) ایلیزابتھ بیشاپ/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص123
زیاں (امریکی) رینڈل جیرل/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص125
خواب نغمہ (۱۶) (امریکی) جان بیری مین/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص126
خواب نغمہ (۵۳) (امریکی) جان بیری مین/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص126
دو لڑکیاں (امریکی) گوونڈولن بروکس/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص127
ایک عوامی باغ (امریکی) رابرٹ لاول/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص128
وہ واپس نہیں آئیں گے (امریکی) رابرٹ لاول/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26 ص129
بالکل جیسا میں کہتا تھا (امریکی) لارنس فرلنگیٹی/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص129
پاگل گیت (امریکی) ڈینس لیورٹووا/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26 ص130
بھوک (امریکی) ڈینس لیورٹووا/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26،، ص130
کیلیفورنیا میں ایک سپر بازار (امریکی) ایلن گنزبرگ/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص131
امریکا (امریکی) ایلن گنزبرگ/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص132
میرے سرد... (امریکی) ولیم ڈیوٹ سناڈ گراس/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص135
ادھورا گھن (امریکی) ولیم ڈیوٹ سناڈ گراس/ت: انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص135

ایک چٹان کے پیچھے میں...(امریکی) جیمز رائٹ جلد/ت:انیس الرحمن		جلد 7، شمارہ 26، ص 136
شہر سے رہائی کے لیے...	(امریکی) جیمز رائٹ/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 137
میں اکیلا یہ رنج...	(امریکی) جیمز رائٹ/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 137
سفید رداؤں والے فرشتے(امریکی)	این سیکسٹن/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 138
لیکن میں ویسی ہی عورت ہوں(امریکی)	این سیکسٹن/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 139
یہ درخت(امریکی)	اڈرئین رچ/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 140
وہ ناگواری سے اسے جنس کہتے ہیں(امریکی)	اڈرئین رچ/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 140
لیڈی لیزارس(امریکی)	سلوپا پلاتھ/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 141
ڈیڈی(امریکی)	سلوپا پلاتھ/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 142
ایک نظم جیسے...(امریکی)	اماموامیری براکا/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 144
سوانح(امریکی)	اماموامیری براکا/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 145
ایک متمول معذور	(امریکی) رینڈ جیرل/ت:انیس الرحمن	جلد 7، شمارہ 26، ص 145
جب ظلم بارش کی طرح آتا ہے	برتولت بریخت/ت:ارون کمل	جلد 10، شمارہ 30، ص 143

فارسی شاعرہ فروغ فرخ کے بنیادی متن کے ساتھ ترجمہ

تولدی دیگر	فروغ فرخ	جلد 11، شمارہ 31، ص 140
دوسرا جنم	ترجمہ:ن م راشد	جلد 11، شمارہ 31، ص 140
وہم سبز	فروغ فرخ	جلد 11، شمارہ 31، ص 142
سبز وہم	ترجمہ:ن م راشد	جلد 11، شمارہ 31، ص 142
آیہ ہای زمینی	فروغ فرخ	جلد 11، شمارہ 31، ص 144
زمین کی نشانیاں	ترجمہ:ن م راشد	جلد 11، شمارہ 31، ص 144
دریافت	فروغ فرخ	جلد 11، شمارہ 31، ص 146

انکشاف	ترجمہ: ن م راشد	جلد11، شمارہ31 ص146
تنہائی ماہ	فروغ فرخ	جلد11، شمارہ31، ص147
چاند کی تنہائی	ترجمہ: ن م راشد	جلد11، شمارہ31، ص147
بوسہ	فروغ فرخ/ات: بیدار بخت	جلد11، شمارہ31، ص148
گناہ	فروغ فرخ/ات: بیدار بخت	جلد11، شمارہ31، ص148
ہدیہ	فروغ فرخ/ات: بیدار بخت	جلد11، شمارہ31، ص149
سرخ گلاب	فروغ فرخ/ات: بیدار بخت	جلد11، شمارہ31، ص149
کھڑکی	فروغ فرخ/ات: بیدار بخت	جلد11، شمارہ31، ص150
گم شدہ	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص152
چُھوٹا ہوا گھر	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص152
سپیدہ عشق	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص153
وہ دن	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص154
وصل	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص156
عاشقانہ	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص157
چابی کی گڑیا	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31، ص158
میں آفتاب کو دوبارہ سلام...	فروغ فرخ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد11، شمارہ31 ص159
گیارہ ستمبر	ایما نویل اور ٹڑات: راحت سعید	جلد13، شمارہ35، ص14
ایک بے وقعت عورت کی موت	نازک الملائکہ/ات: فہمیدہ ریاض	جلد14، شمارہ38، ص167
نظم	نازک الملائکہ/ات: شاہدہ حسن	جلد14، شمارہ38، ص168
ایک چھپی ہوئی جنت خیالی	نازک الملائکہ/ات: شاہدہ حسن	جلد14، شمارہ38، ص168
نظم	نازک الملائکہ/ات: شاہدہ حسن	جلد14، شمارہ38، ص170

نظم	نازک الملائکہ/ت:شاہدہ حسن	جلد14،شمارہ38،ص170
نظم	نازک الملائکہ/ت:شاہدہ حسن	جلد14،شمارہ38،ص172
کون ہوں میں	نازک الملائکہ/ت:شاہدہ حسن	جلد14،شمارہ38،ص173
سالِ نو	نازک الملائکہ/ت:انور زاہدی	جلد14،شمارہ38،ص175
ایک مہمان جو آیا نہیں	نازک الملائکہ/ت: آصف فرخی	جلد14،شمارہ38،ص176
آدم ذات نے ایجاد کی لڑائی	برتولت بریخت/ت:فووپے شرما	جلد14،شمارہ38،ص187
ایک ادھوری نظم	برتولت بریخت/ت:فووپے شرما	جلد14،شمارہ38،ص187
عورت کا بدن	پابلو نیرودا	جلد15،شمارہ39،ص164
صنوبر کی وسعتیں	پابلو نیرودا	جلد15،شمارہ39،ص164
ماچو پچو کی بلندیاں	پابلو نیرودا/ت: تبسم کاشمیری	جلد15،شمارہ39،ص180
ایک یادگار حرکت میں ہے	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص164
جاڑے کا منظر	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص164
میں ایک اک پتی اُتارتا رہا	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص165
کسے معلوم ہے	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص165
بلوغت	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص165
میں میں نہیں ہوں	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص165
پہلے پہل	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص166
سمندر	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص166
میں بیٹھا ہوا تھا	یو آں رامون ہمینیز/ت:جاوید شاہین	جلد15،شمارہ41،ص166
پردہ گرتا ہے	محمود درویش/ت:امجد اسلام امجد	جلد18،شمارہ51،ص221
چہرہ محبوب کی تحریر	محمود درویش/ت:امجد اسلام امجد	جلد18،شمارہ51،ص222

ڈینیوب نیلا نہیں ہے	محمود درویش/ت: امجد اسلام امجد	جلد18، شمارہ51، ص222
شہر سدوم کی حسینہ	محمود درویش/ت: امجد اسلام امجد	جلد18، شمارہ51، ص223
باغیچہ کے لیے میرا دل کڑھتا ہے	فروغ فرخ زاد/ت: محمد یحیی جمیل	جلد20، شمارہ57، ص177
پرانا سینما	اسماعیل کادرے/ت: احمد مشتاق	جلد24، شمارہ68، ص156
بچپن	اسماعیل کادرے/ت: احمد مشتاق	جلد24، شمارہ68، ص157
جب میری یاد	اسماعیل کادرے/ت: احمد مشتاق	جلد24، شمارہ68، ص157
شاعری	اسماعیل کادرے/ت: احمد مشتاق	جلد24، شمارہ68، ص157
مایاکووسکی کا نوحہ	اسماعیل کادرے/ت: احمد مشتاق	جلد24، شمارہ68، ص158
نرم ڈور	نیومی شہاب نائے/ت: تنویر انجم	جلد24، شمارہ68، ص177
مٹھی بنانا	نیومی شہاب نائے/ت: تنویر انجم	جلد24، شمارہ68، ص177
ہماری عبادتیں	نیومی شہاب نائے/ت: تنویر انجم	جلد24، شمارہ68، ص178
گزرے سال کا الاؤ	نیومی شہاب نائے/ت: تنویر انجم	جلد24، شمارہ68، ص179
مشہور	نیومی شہاب نائے/ت: تنویر انجم	جلد24، شمارہ68، ص179
پوشیدہ	نیومی شہاب نائے/ت: تنویر انجم	جلد24، شمارہ68، ص180

☆☆☆☆☆

معاصر فکشن اور 'ذہن جدید'

ادبی رسالہ بالعموم ایسی تخلیقات کو جگہ دیتا ہے جو ہم عصر تخلیقات کے زمرے میں آتی ہوں۔ فکشن کے باب میں ادبی صحافت بالعموم یہی کرتی ہے کہ کہانی لکھنے والے ہم عصروں کو ترجیحی بنیاد پر شائع کرتی ہے۔ ہاں انتخاب میں آزادانہ عمل ضرور ہوتا ہے کہ ہر مدیر اپنی پسند کی تخلیقات کو جگہ دیتا ہے۔ تخلیق کار کے انتخاب میں نظریاتی ترجیح کو بھی دخل ہوتا ہے۔ رسالہ کا مدیر اگر عوامی ادبی نظریے کا علم بردار ہے تو اس کے رسالے میں ایسی کہانیاں جگہ پائیں گی جو تجرباتی پیچیدگی اور علامت پسندی وغیرہ سے خالی ہوں اور حقیقت پسند سیدھے سادے بیانیے کی پیروی کرتی ہوں۔ اگر مدیر تنوع پسند ہے، ادبی تجربے کو اہمیت دیتا ہے، علامت وغیرہ کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہو تو ایسی صورت میں اس کا انتخاب مختلف ہو گا۔ جب ہم اس زاویے سے ذہن جدید کے افسانوی مشمولات پر نظر ڈالتے ہیں تو ثانی الذکر صورت ملتی ہے۔ ابتدائی رسالوں میں ہمیں ہم عصر فکشن دیکھنے کو ملتا ہے لیکن بعد کے شماروں میں اردو افسانے کی روایت کے اہم نشانات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ذہن جدید میں جگہ پانے والے فکشن کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اردو افسانے کی ارتقائی تاریخ پر ایک نظر ڈال لیں اور یہ دیکھ لیں کہ کن اردو فکشن لکھنے والوں نے اردو افسانے کو نئے طرز اظہار اور بیانیے کے نئے انداز سے روشناس کیا۔

اردو افسانہ اپنی عمر کے لحاظ سے بطور ادبی صنف سخن کے بہت زیادہ پرانا نہیں ہے؛ اس صنف سخن کی عالمی روایت بھی بہت زیادہ قدیم نہیں ہے۔ اردو افسانے کی عمر ایک صدی سے کچھ زائد ہے۔ کسی بھی ادبی صنف کے لیے یہ عمر بہت زیادہ نہیں ہے لیکن یہ عمر اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس مدت میں تہذیبی اور اجتماعی سطح پر جو تبدیلیاں آئیں انھیں اردو فکشن نے زیادہ کامیابی سے انگیز بھی کیا اور قبول بھی۔ اردو افسانے کا نقطۂ آغاز راشد الخیری ہیں۔ راشد الخیری کے افسانے مسلم معاشرت اور دہلی کے ویران شاہی خانوادے کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں نوحہ اور درمندی کا عنصر رواں دواں نظر آتا ہے۔ راشد الخیری نے جس فکشن نگار سے زیادہ سے زیادہ کسب فیض کیا وہ نذیر احمد ہیں۔ نذیر احمد کا فکشن اصلاحی اور مقصدی ہے انھوں نے کہانیاں ضرور لکھیں لیکن ان کا اسلوب تمثیلی اور مواد و موضوع اصلاحی اور افادی تھا۔ انھوں نے بیانیے کو اگرچہ اپنی اصلاحی منشا کے تابع رکھا اور

اخلاقی پہلو کو بھی پیش نظر رکھا لیکن ان کے یہاں دردمندی اور سوز کی کیفیت ایسے دلکش اور دلنشیں اسلوب میں پیش کی گئی کہ اس میں کہانی پن کے ساتھ اثرانگیزی کی صفت خوب خوب پیدا ہوئی اور اسی وصف نے ان کی کہانیوں کو کامیاب بھی کیا۔ راشد الخیری کے بعد جو نام ہمارے سامنے ایک بڑے تجربے کی صورت میں آتا ہے وہ پریم چند کا ہے۔ پریم چند نے کہانی کا رخ شہر سے موڑ کر دیہات کی طرف کیا۔ پریم چند کی کہانیاں اگرچہ اصلاحی اور مقصدی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں لیکن انھوں نے اپنی کہانیوں میں کمال ہوشیاری سے کام لیا اور باریک بینی کے ساتھ اپنے اصلاحی عندیے کو اپنی کہانیوں میں شامل کیا۔ ہم پریم چند کی کہانیوں میں نوآبادیاتی تاریخی بیانیے کے اثرات بھی دیکھتے ہیں۔ انگریزوں کی تاریخ نویسی نے عہد وسطیٰ کی تاریخ کو اقتدار کی تاریخ کے بجائے مسلم تاریخ کے طور پر پیش کیا جس میں یہاں کی مقامی آبادی پر انھیں ظلم و ستم کرنے والا بتایا گیا۔ اس طرح انھوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان منافرت پیدا کرنے اور فرقہ پرستی کو بڑھانے کا کام کیا۔ انگریزوں نے مسلم بادشاہوں اور نوابوں کی ایسی تصویر پیش کی جس میں وہ عیش پرست اور کام و دہن کے رسیا دکھائے گئے۔ یہ دکھایا گیا کہ انھیں اپنے عوام کی بالکل فکر نہ تھی، وہ بس عوام پر ٹیکس لادنے اور اس ٹیکس سے عیش کرنے اور اپنے درباریوں اور نائبین کو اسی عیش پسندی کا عادی بنانے کے مرتکب ہوئے، جس کے نتیجے میں وہ سب ناکارہ اور مقاومت اور مزاحمت کے جذبے سے عاری اور بزدل ہو گئے۔ یہ کام انگریز مؤرخین نے ایک تدبیر اور پالیسی کے تحت کیا تاکہ وہ کمزور ہونے کے بعد نوتعلیم یافتگان کی نظر میں بالکل بے وقعت ہو جائیں اور جب انھیں ان کے منصب سے بے دخل کیا جائے تو کوئی عوامی مزاحمت نہ ہو۔ پریم چند نے اس بیانیے کو ہو بہو قبول کیا اور اپنے افسانے شطرنج کی بازی میں پیش کیا۔ پریم چند کے افسانوں کا ایک پہلو یہ بھی ہے لیکن ان کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے کسانوں کی زندگی کو اپنی توجہ کا مرکز بنا کر اپنی کہانیوں کے کردار ان کے یہاں تلاش کیے اور کسانی پس منظر میں اپنی کہانیوں کا مزاج اور مذاق بنایا۔ اس طرح ان کی کہانیاں عوامی زندگی کی تصویر نظر آنے لگیں۔ اس منزل پر پہنچ کر کہانی کی موضوعاتی جہت زیادہ وسیع اور عوامی ہو گئی۔ ایک بات ضرور ہے کہ پریم چند نے کہانی کو منشائے مصنف کا پابند رکھا۔

پریم چند کے بعد "انگارے" کی اشاعت نے روایت پرستی اور مذہب سے مصالحت کر کے ادب میں روا رکھی جانے والی اصلاح پسندی کو زک پہنچائی۔ اس مجموعے کی اشاعت نے ادبی دنیا میں ایک ہنگامہ برپا کیا لیکن اس سے فائدہ یہ ہوا کہ اظہار کی سطح پر ممنوعات کا خاتمہ ہوا اور تخلیق کار کی بے باکی سرگرم عمل ہوئی اور بہت سے ایسے موضوعات افسانے میں بلاتامل برتے جانے لگے جو پہلے نہ برتے جاتے تھے۔

ترقی پسند عہد میں دو نابغہ کہانی کے افق پر نمودار ہوئے؛ منٹو اور بیدی۔ منٹو اور بیدی نے افسانے کو وقوعے کے تابع کیا اور وقوعے کی امکانی جہت کو بروئے کار لاتے ہوئے کہانیاں لکھیں۔ منٹو نے اپنے افسانے ایسے کرداروں پر استوار کیے جو حاشیائی کردار تھے، ایسے طبقے سے آتے تھے جن کا موضوع گفتگو ہونا سماج میں ممنوع تھا۔ منٹو کا موضوعاتی سطح پر کارنامہ یہ ہے کہ اس نے طوائف اور طوائف کے عادی لوگوں کو اپنے کلیدی کرداروں میں شامل کیا۔ یہ دونوں ہی طبقے ایسے تھے جو سماج میں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ ان میں خیر کا ہونا متصور ہی نہ تھا۔ منٹو نے ان کرداروں کے باطن میں موجود انسان اور اس کے مسائل کو بڑی چابکدستی سے اپنی کہانیوں میں قید کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ انھوں نے اس حوالے سے اردو افسانے کو ایسے کردار دیے جو لازوال ہو گئے۔ منٹو کے فن کا یہ پہلو اس لیے زیادہ مشہور ہوا کہ اس پر چہ مہ گوئیاں زیادہ ہوئیں اور مقدمہ بازی وغیرہ کے سلسلے نے ان افسانوں پر عام قاری کی نگاہیں گاڑ دیں۔ منٹو کے یہاں جنسی پرورژن کے افسانے نام کو بھی نہیں ہیں اس نے طوائف کو موضوع ضرور بنایا لیکن اس نے طوائف کی جنسی سرگرمی سے زیادہ سروکار نہ رکھا بلکہ اس نے اس پیشے میں رہنے والی عورت کے وجودی مسائل کو اپنا موضوع بنایا اور انسانی رویے اور ذہن کو اس طبقے کے بارے میں نئے رخ اور زاویے سے سوچنے اور سمجھنے کی دعوت دی۔ اس کے علاوہ منٹو نے اپنے افسانوں میں جنسی نفسیات کو موضوع بنایا، بالخصوص لڑکے لڑکی کی نفسیات کو جب وہ ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس نے ایک مابعد نوآبادیاتی بیانیہ مرتب کرنے اور اپنی کہانی میں اسے پیش کرنے میں کامیاب حاصل کی۔ اس سلسلے میں ٹوبہ ٹیک سنگھ اور نیا قانون کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اردو افسانے کو منٹو کی عطا یہ ہے اس نے افسانے کو کہانی کے بنیادی تقاضے سے آگاہ کیا کہ کہانی کی بنیاد واقعہ ہے اور واقعے کا مزاج ہی کہانی کو ترتیب و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

راجندر سنگھ بیدی نے کہانی کی فنی بنت کو منٹو کی اس خوبی سے سنوارا سجایا لیکن ان کا کارنامہ یہ ہے انھوں نے سماج کے خارجی ظاہرے سے آگے بڑھ کر اجتماعی تہذیب کے بطون میں اترنے کی کوشش کی۔ اساطیر، صنمیات، دیومالا اور مذہب کی عام زندگی میں کارکردگی کو افسانے کی روح میں شامل کیا۔ اس نے ایک حاضراتی اسلوب کے ذریعے چیزوں کو دکھانے اور بتانے کا کام کیا۔ بیدی نے پریم چند کی روایت کو بھی آگے بڑھایا، اس نے دیہی پس منظر کو باقی رکھتے ہوئے واقعہ کو اساس بنانے کا کام کیا۔ ہم بیدی کی عورت کو مزاحمت کرتے تو نہیں دیکھتے لیکن ہم اس عورت کو ایک فعال روپ میں ضرور دیکھتے ہیں۔ یہ فعال روپ مرد کا تکملہ بنتا ہے اور عورت

گھریلو زندگی میں فنا ہو کر ایک ایسے مرکزی شکل اختیار کرلیتی ہے جو قربانی، ایثار نفس اور سیوا کے جذبے کی انتہا کو چھو کر عورت کے منصب سے اٹھ کر ایک عظیم المرتبت ہستی کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ یہ صورت بیدی کے یہاں کسی مثالیت پسندی کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس نے حقیقت نگاری کے راستے اس وصف کو حاصل کیا۔ بیدی نے اپنے افسانوں میں زندگی کا اثبات کیا ہے۔ اس کے یہاں زندگی کی خوشی اور مسرت، رنج وغم کو ایک جشن کی صورت دینے اور ان میں زندگی کی حرکت کو روادواں رکھنے کا رویہ گردش کرتا دکھائی دیتا ہے۔ منٹو کی طرح بیدی کا بنیادی وصف بشر دوستی ہے۔ بیدی اپنے کرداروں کو انسانی سطح پر پرکھنے اور دیکھنے کی کوشش کرتا ہے اس کے یہاں ہمدردانہ رویے کی نفی اور انسانی رویے کی طلب بہت واضح انداز میں حرکت کرتی نظر آتی ہے۔

بیدی اور منٹو کے بعد قرۃ العین حیدر کا نام افسانے کے اجتہادی فنکاروں میں قابل ذکر ہے۔ قرۃ العین حیدر نے حقیقت نگاری کے عام رویے سے منحرف ہو کر نو آبادیاتی ہندستان کی اشرافیہ زندگی کو ترجیحی طور پر پیش کیا اور اس طبقے سے وابستہ خادموں، نوکروں، مالیوں اور خانساماں وغیرہ سب کو انھوں نے یکساں توجہ دی۔ قرۃ العین حیدر کی یہ تخلیقی روش اس لحاظ سے بہت زیادہ اہم ہے کہ انھوں نے کہانی کے کینوس کو پہلے کی بنسبت اور زیادہ وسیع اور کشادہ کیا۔ ایک افسانے میں زندگی کے مختلف شیڈس کس کس طرح آسانی سے پیش کیے جاسکتے ہیں اور کیسے مختصر افسانے کو وسعت دے کر طویل افسانے کی شکل پیدا کی جاسکتی ہے، یہ کام قرۃ العین حیدر نے کر کے دکھایا۔ انھوں نے زبان کی سطح پر کئی خطوں اور طبقوں کو اردو بیانیہ کا حصہ بنایا اور یہ کام انھوں نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ قرۃ العین حیدر نے اعلیٰ طبقے کی بے کیف پیروی مغربی اور جھوٹی شان ووجاہت کو جوں کا توں دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ہم عینی کے یہاں تخلیق کار کے عندیے کی شمولیت نہیں پاتے، جو کچھ ملتا ہے وہ متن کی زیریں سطح پر ملتا ہے۔ تخلیق کار کی بشر دوستی بھی عینی کے یہاں ہمیں جابجا نظر آتی ہے جو کسی ہمدردی اور جذباتی زاویے سے عاری، منطقی بنیاد پر قائم اور فنی اصول پر استوار نظر آتی ہے۔

انتظار حسین اردو افسانے میں جدید نقطۂ انحراف کا مقام رکھتے ہیں۔ انتظار حسین نے افسانے لکھ کر کہانی کا رخ ہی موڑ دیا۔ انتظار حسین پہلے فنکار ہیں جنھوں نے بڑی شدت سے کہانی کی برآمد کردہ شکل وصورت سے انکار کیا۔ انھوں نے اس کی جڑیں دنت کتھاؤں اور قدیم ہندستانی قصوں کہانیوں میں تلاش کیں۔ اسی طرح انھوں نے کہانی کے اجتماعی رخ کو بازیاب کیا۔ دادیوں نانیوں کے ذریعے سنائی جانے والی کہانی کو انھوں نے بطور مثال قائم کر کے کہانی کے بیرونی اثر اور مزاج کے بے جا دخل سے اردو افسانے کو آزاد کرانے کی سعی کی۔ انتظار حسین

کی خصوصیت یہ بھی ہے انھوں نے اردو افسانے کو ایک نیا اسلوب اور نیا آہنگ دیا۔ ہندستان کی سلوک اور مراقبے کی پرانی روایت کو ہم عصر حسیت سے مملو کر کے پیش کیا، اس طرح کہانی کے پاس تعمیمیت کی قوت بھی آئی کہ وہ دستاویزیت اور وقت کی بندش سے قدرے خلاصی پانے میں کامیاب ہوا۔

انتظار حسین کے یہاں اسلوب کی رنگا رنگی ہے۔ وہ قرآن و حدیث، حکایات، ملفوظ، جاتک کتھا، اساطیر سب کو کارآمد بنانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے ان کی افسانہ نگاری مشرق کے کئی گوشوں زمانوں تک ہمارے شعور کی آنکھ کو رسائی دیتی ہے۔ اس طرح ہمارے افسانے کی مقامی بنیاد اٹھتی دکھائی دیتی ہے۔ انتظار حسین کے یہاں موجود نیا پن ان کی اپنی روایت کا زائیدہ ہے اسے ہند ایرانی ادبیات کا حسین امتزاج کہا جاسکتا ہے۔

اردو افسانے کا اہم تجربہ نیر مسعود کے افسانوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ نیر مسعود اردو افسانے کی دنیا میں ایک فنکار کی صورت میں سامنے آتے ہیں جس کے یہاں زبان کی ایسی بنا اٹھتی نظر آتی ہے جو نظم کے فنی آلات سے یکسر اجتناب کرتی ہے اور نثر کی مستقل بالذات خصوصیات پر اصرار کرتی ہے۔ نیر مسعود کی کہانی کا موڈ بھی پر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ ان کے یہاں طلسمی حقیقت نگاری کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی ان کی کہانیاں نو آبادیاتی بیانیے سے اودھ کی تاریخ کو رہائی دلاتی ہیں اور اس کے اجتماعی شعور میں موجود توانائی، احساس جمال اور دانشوری کو روشن کرتی معلوم ہوتی ہیں۔ انوار احمد لکھتے ہیں:

> ”وہ تخلیقی نہ لکھنے کا سلیقہ رکھتے ہیں، ایک فضا بنانا جانتے ہیں، تاثر کو گہرا اور دیرپا بھی کر دیتے ہیں لیکن بعض مقامات پر تکرار بھی محسوس ہوتی ہے اور کہیں کہیں لگتا ہے کہ افسانہ نگار یا اس کا متکلم لذت کلام میں کھو کر اس بات سے بے نیاز ہو جاتا ہے کہ اس کے تخلیقی تجربے میں بے ساختہ شرکت کے لیے کتنے لوگ رہ گئے ہیں جو سمجھتے ہیں۔ نیر مسعود کبھی کبھار افسانہ نگار سے زیادہ ایک مضطرب معلم ہو جاتے ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان کے شاگرد نہ صرف مشکل الفاظ اور اصطلاحوں کے معانی سے واقف ہو جائیں بلکہ کچھ کتابوں اور اعلیٰ حوالوں سے بھی آشنا ہو جائیں اور کبھی نہ بھولیں کہ اس مردم خیز خطے کا کوئی مثیل نہیں۔“[۳۱]

انوار احمد نے جس پہلو کو نیر مسعود کے اسقام میں شمار کیا ہے دراصل وہ لکھنؤ کی فضا سے ان کے بعد کے سبب ہے کہ نیر مسعود جس لکھنؤ کے مشاہد تھے اس کے وہ تہذیبی محافظ بھی تھے۔ نیر مسعود نو آبادیاتی بیانیے کی رد تشکیل کے ساتھ ہی اس تہذیب کی بازآفرینی کا کام بھی انجام دیتے ہیں اس لیے اس تہذیب کو بازیاب کرنے کے

لیے وہ مخصوص لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔ نیر مسعود نے جس نوع کے افسانے لکھے ان کی وجہ سے انھیں اردو کا کافکا بھی کہا جاتا ہے جسے نیر مسعود کی تحسین ناشناس ہی کہنا چاہیے۔

نیر مسعود کے بعد سریندر پرکاش کی افسانہ نگاری اپنی بنت اور بناوٹ کی وجہ سے ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کراتی ہے۔ سریندر پرکاش نے اسطور اور علامت کے نئے امکانات کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے حزن اور طنز کے درمیان التباس کو بروئے کار لا کر ایک پردہ سا اپنی کہانیوں پر ڈالا۔ سریندر پرکاش کی کہانیاں سریت اور خواب کی علامت سے ہم رشتہ ہو کر آگے بڑھیں، وہ قدر آگے بڑھے، انھوں نے اپنے یہاں التباس کو کم کر دیا جس سے ان کے افسانوں کی قرأت قدرے آسان ہو گئی۔ شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

> ''پچھلی نسل کے بڑے افسانہ نگاروں میں بیدی کو سریندر پرکاش کا پیش رو کہا جا سکتا ہے، اس معنی میں کہ دونوں نہایت ٹھنڈے دماغ کے افسانہ نگار ہیں اور دونوں اپنی برہمی کو طنز اور اسطور میں بدل دینے کی قوت رکھتے ہیں۔ بیدی تو کبھی کبھی جذباتیت کے شکار بھی ہو جاتے ہیں، لیکن سریندر پرکاش پر جذباتیت بہت کم حاوی ہو پاتی ہے۔ پھر بیدی کے یہاں MYSTERY اور TERROR دونوں کا عنصر سریندر پرکاش سے کم ہے۔ یہ اسی اسراری احساس کا کرشمہ ہے کہ سریندر پرکاش نے پریم چند کے ہوری اور بیدی کے بھولا کو اٹھا کر اپنے افسانوں میں نیا روپ دے دیا۔ ممکن ہے سریندر پرکاش یہ کہنا چاہتے ہوں کہ کائنات میں ایک واحد اسرار ہے جو ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی چیز ویسی نہیں جیسی نظر آتی ہے، لیکن وہ جیسی بھی ہے، کسی ایسے نظام کا حصہ ہے جہاں خیالی مخلوق بھی اصلی ہے اور اصلی مخلوق بھی خیالی ہے۔''[۲۹]

اس اجمالی جائزے کی وجہ یہ ہے کہ ذہن جدید نے ان میں سے راشد الخیری کو چھوڑ کر تمام افسانہ نگاروں کو شائع کیا یعنی اس میں افسانے کے تقریباً تمام تجربات سمٹ آئے۔ اس کی ارتقائی شکل تخلیقی متن کی صورت میں قارئین کے سامنے آئی۔ ذہن جدید نے نئی نسل کے لکھنے والوں میں حسین الحق، عبدالصمد، سید محمد اشرف، رضوان الحق، صدیق عالم وغیرہ کو شائع کیا۔

کہانی کے باب میں ہم دیکھتے ہیں کہ ذہن جدید نے ہندستان کی مقامی زبانوں سے بطور خاص مس کیا اور تلگو، کنڑ، ڈوگری، مراٹھی، اڑیا، تامل کہانیاں خاص اہتمام کے ساتھ شائع کیں۔ عالمی کہانیوں میں فلسطین، مصر،

روس، امریکہ، لاطینی امریکہ وغیرہ کی کہانیاں شائع کیں۔ افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد ذہن جدید کے مشمولات کا حصہ بنی جس کا اندازہ درج ذیل فہرست سے کیا جاسکتا ہے۔

دربدر	بانو قدسیہ	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص29
بس ویسے ہی	انور عظیم	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص34
خیال صورت	سریندر پرکاش	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص38
حاضر حال جاری	سریندر پرکاش	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص45
ابن مریم	جیلانی بانو	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص57
دعا	عوض سعید	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص63
سلامت علی کی واپسی	عبداللہ حسین	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص69
دیکھن دکھن	ممتاز مفتی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص102
سونے جاگنے کی کہانی	انتظار حسین	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص16
مقبرہ	رضیہ فصیح الدین	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص23
جھونکے کے تعاقب میں	رشید امجد	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص28
ورق ورق لڑکی	مظہر الاسلام	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص31
ریزہ ریزہ مہک	غلام جیلانی	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص34
گوڈوں کا جنگل	انتظار حسین	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص57
جڑیں	احمد داؤد	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص66
پرندہ اس کی آنکھوں سے	مظہر الاسلام	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص75
تکون	بلراج ورما	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص78
بلارا	منشا یاد	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991 ص54
دشت کے ساتھ دشت ہونے کی لذت	رشید امجد	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991 ص62

کوئی نہیں جانتا	انور عظیم	جلد2،شمارہ5،ستمبر تا نومبر1991ص39
مجرم	جیلانی بانو	جلد2،شمارہ5،ستمبر تا نومبر1991ص41
تلاش جو ختم نہیں ہوئی	دیوندر اسر	جلد2،شمارہ5،ستمبر تا نومبر1991ص46
تھوڑی سی پاگل	عصمت چغتائی	جلد2،شمارہ6،دسمبر تا فروری1992ص45
شناخت	بانو قدسیہ	جلد2،شمارہ6،دسمبر تا فروری1992ص67
انعام گھر کی تسخیر۔۔۔	سریندر پرکاش	جلد2،شمارہ6،دسمبر تا فروری1992ص86
گردش زدہ	انور قمر	جلد2،شمارہ6،دسمبر تا فروری1992ص98
اکھڑے ہوئے لوگ	غلام جیلانی	جلد2،شمارہ6،دسمبر تا فروری1992ص102
نامحرم	مسعود اشعر	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص52
رونے کا حق	رتن سنگھ	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص71
لکیر	کنور سین	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص73
پیغام	انور خاں	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص78
کالی زبان	مرزا حامد بیگ	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص81
بنگالی ہاؤس کی منی	علی امام نقوی	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص85
مردہ لوتھڑے کی حرکت	حسین الحق	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص90
برف میں آگ	شموئل احمد	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص93
وہی رات	اختر یوسف	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص97
مذبح کی بھیڑیں	خورشید اکرم	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص102
زمین	سہیل وحید	جلد2،شمارہ7،مارچ تا مئی1992ص107
کیکٹس	انور عظیم	جلد2،شمارہ8،جون تا اگست1992ص72
بغیر آسمان کی زمین	الیاس احمد گدی	جلد2،شمارہ8،جون تا اگست1992ص75

سن سیٹ بولیوارڈ	گلزار	جلد2،شمارہ8،جون تا اگست1992ص83
غلام بخش	مشرف عالم زوقی	جلد2،شمارہ8،جون تا اگست1992ص86
السباس	عارف خورشید	جلد2،شمارہ8،جون تا اگست1992ص96
طوطامینا کی کہانی	انتظار حسین	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص51
بلیک ہول	خالدہ حسین	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص58
بغیر آسمان کی زمین(۲)	الیاس احمد گدی	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص64
بے گھری	شوکت حیات	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص74
وراثت	شفق	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص80
خوشبو کی کوئی منزل نہیں	دیویندر ستیارتھی	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص104
پیرس کا آدمی	دیویندر ستیارتھی	جلد2،شمارہ9،ستمبر تا نومبر1992ص114
موتری	سعادت حسن منٹو	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص14
سنگھاردان	شموئل احمد	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص11
راستہ نہیں ملتا	مسعود اشعر	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص63
آگھوری	سریندر پرکاش	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص73
میوزیکل چیئیر	عبد الصمد	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص82
دل والی	بنت مسعود	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص93
نجات	معین الدین جینابڑے	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص102
دشانن	مجیب صدیقی	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص105
بے سبب	اقبال حسن آزاد	جلد3،شمارہ10،دسمبر تا فروری1993ص107
دور کی آوز	منشایاد	جلد3،شمارہ11،مارچ تا مئی1993،ص71
بیتے موسم کا المیہ	دیوندر اِسرّ	جلد3،شمارہ11،مارچ تا مئی1993،ص76

ہم سفر	احمد داؤد	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993، ص87
بغیر آسمان کی زمین	الیاس احمد گدی	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993، ص14
کالے سفید پروں والے کبوتر	ساجد رشید	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993، ص97
یاد گلی	مقدر حمید	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993، ص106
رفتہ رفتہ	فرحت جہاں	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993، ص114
آن۔ آف	ممتاز مفتی	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست 1993، ص39
شہر بد نصیب	اقبال مجید	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست 1993، ص45
بھگوان داس درکھان	شوکت صدیقی	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص57
کعبہ میرے پیچھے...	بانو قدسیہ	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص71
کٹم کاٹا	منشا یاد	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص91
وہ وقت وہ آدمی	وید راہی	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص101
کنواں، آدمی، سمندر	عوض سعید	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص109
چھوٹے فریم کی ایک تصویر	علی امام نقوی	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص114
میزبان پانی	انیس رفیع	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص119
الٹی سیدھی	خورشید اکرم	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص123
گونگی گواہی	سہیل وحید	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص133
مونا	صغیر رحمانی	جلد4، شمارہ13، ستمبر تا نومبر 1993، ص139
کھول دو	سعادت حسن منٹو	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری 1994، ص25
کالی رات	عزیز احمد	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری 1994، ص27
شکر گذار آنکھیں	حیات اللہ انصاری	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری 1994، ص41
پشاور ایکسپریس	کرشن چندر	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری 1994، ص47

جڑیں	عصمت چغتائی	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص55
پرمیشر سنگھ	احمد ندیم قاسمی	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص62
اندھیارے میں ایک کرن	سہیل عظیم آبادی	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص75
بھاگ ان بردہ فروشوں سے	رامانند ساگر	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص88
ٹیبل لینڈ	اپندر ناتھ اشک	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص95
لاجونتی	راجندر سنگھ بیدی	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص107
زندہ در گور	ساجد رشید	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص137
نیو کی اینٹ	حسین الحق	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص146
نیلا خوف	بلراج کومل	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص153
یہ فیصلہ کس کا تھا	حسن جمال	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص160
کالی رات	شکیل صدیقی	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص166
سندباد جہازی کا سفر نامہ	مجتبیٰ حسین	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری94، ص176
بٹیر باز	اشفاق احمد	جلد4، شمارہ15، مارچ تا مئی94، ص54
دوسری مخلوق	محمود ایوبی	جلد4، شمارہ15، مارچ تا مئی94، ص65
سات جنم	ہنسراج رہبر	جلد4، شمارہ15، مارچ تا مئی94، ص82
سدھارتھ	دیوندر اِسّر	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست94ص64
لوڈ شیڈنگ	نجم الحسن رضوی	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست94ص80
مٹی کا زنگ	مرزا حامد بیگ	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست94ص83
سپاہی واپس آتے ہیں	مرزا حامد بیگ	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست94ص88
ناتمام	رشید امجد	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست94ص90
لوہے کا آدمی	محمود قاضی	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست94ص94

قصاص	اشفاق احمد	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص57
موسم سرما میں نیلی چڑیا کی موت	بانو قدسیہ	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص63
اندھی سیڑھیاں	ساجد رشید	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص80
رین بسیرا	شفق	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص91
آنگن کا پیڑ	شموئل احمد	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص95
زمین اے زمین	مظہر الزماں	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص102
شاہزادے کی پریم کہانی	صغیر رحمانی	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری95، ص105
کلیانی	راجندر سنگھ بیدی	جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر95، ص46
کاتک کا ادھار	مرزا حامد بیگ	جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر95، ص91
مہمان	حسن جمال	جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر95، ص104
سنگ پشت	اقبال متین	جلد6، شمارہ20، مارچ تا مئی96، ص100
دستک	مرزا حامد بیگ	جلد6، شمارہ20، مارچ تا مئی96، ص104
چھے چھکا بتیس	اشفاق احمد	جلد6، شمارہ21، جون تا نومبر96، ص63
خاکستری بوڑھا	بانو قدسیہ	جلد6، شمارہ21، جون تا نومبر96، ص70
بھیدوں بھری حویلی	حسین الحق	جلد6، شمارہ21، جون تا نومبر96، ص77
فصیلوں پہ لہو	مظہر الزماں خاں	جلد6، شمارہ21، جون تا نومبر96، ص84
بس ڈرائیور	نضیرہ اعظم	جلد6، شمارہ21، جون تا نومبر96، ص88
من سراج کا بین	بانو قدسیہ	جلد6، شمارہ22، دسمبر تا مئی97، ص77
شویا ترا	وید راہی	جلد6، شمارہ22، دسمبر تا مئی97، ص89
برف میں چنگاری	عشرت بے تاب	جلد6، شمارہ22، دسمبر تا مئی97، ص95
میتھن	راجندر سنگھ بیدی	جلد6، شمارہ23، جون تا اگست97، ص64

نجات	سید محمد اشرف	جلد6، شمارہ23، جون تا اگست 97، ص85
بھائی جان	حسن جمال	جلد6، شمارہ23، جون تا اگست 97، ص95
سایہ شجر	اقبال مجید	جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری98، ص34
دائرہ	انتظار حسین	جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری98، ص46
برزخ	مسعود اشعر	جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری98، ص59
ایک جھوٹی کہانی کا سچ	اسرار گاندھی	جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری98، ص65
اچھا خاصا چیروا	صدیق عالم	جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری98، ص70
نظر نہ آنے والے لوگ	جیلانی بانو	جلد7، شمارہ25، مارچ تا مئی 1998، ص9
سروں کے رنگ	اقبال مجید	جلد7، شمارہ25، مارچ تا مئی 1998، ص16
دعا	سید محمد اشرف	جلد7، شمارہ25، مارچ تا مئی 1998، ص29
آزادی	سریندر پرکاش	جلد7، شمارہ26، جون تا نومبر 1998، ص6
مسٹر روشو	دیوندر اسر	جلد7، شمارہ26، جون تا نومبر 98، ص21
چادر والا آدمی اور میں	ساجد رشید	جلد7، شمارہ26، جون تا نومبر 98، ص35
ایک دو اور تیسرا کون "وہ"	بانو قدسیہ	جلد8، شمارہ27، دسمبر تا فروری98، ص23
مرلی	انور عظیم	جلد8، شمارہ27، دسمبر تا فروری98، ص36
وبال	انور خاں	جلد8، شمارہ27، دسمبر تا فروری98، ص39
عارضی جنگ بندی	عبد الصمد	جلد8، شمارہ27، دسمبر تا فروری98، ص45
مصری کی ڈلی	شموئل احمد	جلد8، شمارہ27، دسمبر تا فروری98، ص52
تدبیر لطیف	بانو قدسیہ	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص8
را بن ہڈ اا لفا کا بیٹا	سریندر پرکاش	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص21
آواز گریہ	سلام بن رزاق	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص28

ہونی انہونی	علی امام نقوی	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص41
چھگمانس	شموئل احمد	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص48
اللہ چاہے تو	مقدر حمید	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص53
لمحے رشتے اور گمشدگی	فرحت جہاں	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص66
علی بن متقی رویا	سہیل اعجاز صدیقی	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص74
شوکیس	عبدالعزیز خاں	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص80
پیاسی دھرتی کا آخری سُر	مسعود اشعر	جلد10، شمارہ30،مارچ تا اگست2000، ص8
جلیبی کارس	حسین الحق	جلد10، شمارہ30،مارچ تا اگست۲۰۰۰، ص21
تفتیش	شوکت حیات	جلد10، شمارہ30،مارچ تا اگست۲۰۰۰، ص31
ابے چوس	شفق	جلد10، شمارہ30،مارچ تا اگست۲۰۰۰، ص43
رہائی	اسرار گاندھی	جلد10، شمارہ30،مارچ تا اگست۲۰۰۰، ص49
غلام اور بیٹا	نیر مسعود	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص10
بولتے ہوئے بت	رتن سنگھ	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص22
نہ کہی جانے والی بات	رتن سنگھ	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص24
یاش	صغیر ادیب	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص27
چھوتی تی تی تاتا	صغیر رحمانی	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص36
آسودگی	عشرت بے تاب	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص48
موہن دھیر	اظہار الاسلام	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص52
گرداب	شمس ندیم	جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص58
کفن	پریم چند	جلد11، شمارہ32،مارچ تا اگست2001، ص11
آنندی	غلام عباس	جلد11، شمارہ32،مارچ تا اگست2001، ص17

ٹوبہ ٹیک سنگھ	سعادت حسن منٹو	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص28
گڈریا	اشفاق احمد	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص34
لاجونتی	راجندر سنگھ بیدی	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص65
اپنے دکھ مجھے دے دو	راجندر سنگھ بیدی	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص75
چوتھی کا جوڑا	عصمت چغتائی	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص95
ہاؤسنگ سوسائٹی	قرۃالعین حیدر	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص105
زرد کتّا	انتظار حسین	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص172
ہتک	سعادت حسن منٹو	جلد11، شمارہ32، مارچ تا اگست ۲۰۰۱، ص184
مانوس اجنبی	انتظار حسین	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص26
اپ ہرن	عبدالصمد	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص32
پَری کتھا	محمود ایوبی	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص55
خواب میں ہارا ہوا آدمی	مبین مرزا	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص93
خالی ہوا یہ دل	فردوس حیدر	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص107

باز خواں: بلراج مین را کا کچھ پچھلا لکھا ہوا

گنی پگ	بلراج مین را	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص142
بیزاری	بلراج مین را	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص147
غم کا موسم	بلراج مین را	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص155
ہوس کی اولاد	بلراج مین را	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری ۲۰۰۲، ص163
پارٹ ڈپارٹ	حسین الحق	جلد12، شمارہ34، مارچ تا اگست ۲۰۰۲، ص47
نیلی نیلی آنکھوں والی	سلطان جمیل نسیم	جلد12، شمارہ34، مارچ تا اگست ۲۰۰۲، ص51
تلاش سچ میں جھوٹ کی	فرحت جہاں	جلد12، شمارہ34، مارچ تا اگست ۲۰۰۲، ص64

الیکشن کیپسول	اختر آزاد	جلد12، شمارہ34، مارچ تا اگست ۲۰۰۲، ص70
آگاہی	عبد الصمد	جلد12، شمارہ34، مارچ تا اگست ۲۰۰۲، ص206
سراغ	جوگندر پال	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص19
تم سن رہے ہو	جیلانی بانو	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص24
ہم گریہ سر کریں گے	اقبال مجید	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص31
دستِ شفا	نیّر مسعود	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص43
کاغذ کی ناؤ	شفیع جاوید	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص62
خدا حافظ	شفق	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص68
لچھمی پور کی شریفن	سلیم فراز	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری ۲۰۰۳، ص72
آخری بیان	عبد الصمد	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست ۲۰۰۳، ص12
پنجرہ	غلام جیلانی	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست ۲۰۰۳، ص18
چرچ سے لگی فوٹو گرافر کی دکان	عبد العزیز خاں	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست ۲۰۰۳، ص26
واپسی	قیصر اقبال	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست ۲۰۰۳، ص29
ایک ٹیلی فلم کا خاکہ	اسلم خاں	جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست ۲۰۰۳، ص32
گل مراد	اقبال مجید	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص7
ایک سی صورتیں	عابد سہیل	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص17
بے مہار اونٹ	شموئل احمد	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص34
کچھوا چال	نعیم کوثر	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص44
تیس بچوں کی ماں	ایم مبین	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص50
ایک ٹیلی فلم کا خاکہ۔۔۔ محبت ۲۰۰۱	اسلم خان	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص54
آئینہ	ممتاز شیریں	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر 2003، ص81

انگڑائی	ممتاز شیریں	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003، ص97
گھنیری بدلیوں میں	ممتاز شیریں	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003، ص111
ٹھاکر کا کنواں	پریم چند	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003، ص193
مور کا پاؤں	حسین الحق	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی2004، ص6
پیرا سائٹ	صدیق عالم	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی2004، ص16
مکتی داتا	یسین احمد	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی2004، ص23
دھمکی	بانو قدسیہ	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص20
نہیں، رحمان بابو	جوگندر پال	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص25
ڈراپ سین	ناصر بغدادی	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص26
بٹوارہ	اصغر ندیم سید	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص32
کھجور کا درخت	آصف فرخی	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص39
عینی شاہد	فرحت جہاں	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص44
کرموں والی	منشا یاد	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص162
واپسی	خالدہ حسین	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص170
کتا گاڑی	صدیق عالم	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص176
پرندے	اظہار الاسلام	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص185
بین	احمد ندیم قاسمی	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص6
گنڈاسا	احمد ندیم قاسمی	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص14
شرطیں	عابد سہیل	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص41
سگ گزیدہ مردم گزیدہ	عابد سہیل	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص60
نیا اسلوب	عبدالصمد	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص77

کنڈیاں لائین	مرزاحامد بیگ	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص84
یہ فاصلے یہ قربتیں	انور قمر	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص91
پورٹریٹ	اقبال حسین آزاد	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص96
کفن دفن	احمد ندیم قاسمی	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص9
آتشِ گل	احمد ندیم قاسمی	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص21
رشی اور چڑیا	انتظار حسین	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص34
آزاریاں	نیر مسعود	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص39
سپاہی واپس آتے ہیں	مرزاحامد بیگ	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص46
سونے کا ہرن	شفق	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص48
ایک دن کا سلطان	نعیم کوثر	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص52
احتجاج	جبیں نازاں	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص61
بھرت راج	انیس النبی	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص63
بڑے گھر کی بیٹی	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص12
نمک کا داروغہ	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص19
پنچایت	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص27
حجِ اکبر	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص35
سوجان بھگت	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص43
بوڑھی کاکی	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص51
راہِ نجات	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص58
شطرنج کی بازی	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص67
سوا سیر گیہوں	پریم چند	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص76

مندر اور مسجد	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص81
جلوس	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص91
پوس کی رات	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص99
طلوع محبت	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص104
دو بیل	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص113
زادِ راہ	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص123
ٹھاکر کا کنواں	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص139
نئی بیوی	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص142
عید گاہ	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص154
دودھ کی قیمت	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص164
بڑے بھائی	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص170
کفن	پریم چند	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی 2006، ص176
خالق آباد	نیر مسعود	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006، ص6
سبحان اللہ	حسین الحق	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006، ص16
عنکبوت	شموئل احمد	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006، ص29
آخری پینٹنگ	محمد مظہر الزماں خاں	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006، ص42
شاور کا شور	اسرار گاندھی	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006، ص46
الاؤ	اظہار الاسلام	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست 2006، ص54
مراتھن	عبد الصمد	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر 2006، ص7
نادر سکوں کا بکس	صدیق عالم	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر 2006، ص16
خواب گواہ ہے	فرحت جہاں	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر 2006، ص26

گم شدہ گھر	یوسف عارفی	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص32
آخری دم تک	حسن جمال	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص6
چہکار	اظہار الاسلام	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص10
ہزاروں خواہشیں ایسی	رتن سنگھ	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی2007، ص126
چندا کی سرائے	طارق چھتاری	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی2007، ص130
اب یہاں گدھ نہیں اترتے	انیس رفیع	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی2007، ص166
نورنگی	نعیم کوثر	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی2007، ص170
بابو گوپی ناتھ	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص7
ہتک	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص19
کالی شلوار	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص35
کھول دو	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص46
ممی	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص49
موذیل	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص78
نیا قانون	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص97
ٹوبہ ٹیک سنگھ	سعادت حسن منٹو	جلد16، شمارہ48، جون تا اگست2007، ص106

بدن بازار (کچھ الگ سے جنسی افسانے)

گلاب دین چٹھی رساں	آغا بابر	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص8
کنجری	احمد ندیم قاسمی	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص26
پتلی جان	رحمان مذنب	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص42
مٹھی پالش	عصمت چغتائی	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص59
بھنور	غلام عباس	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص67

تلاش	قدرت اللہ شہاب	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص76
سمے کا بندھن	ممتاز مفتی	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص81

وہ چیز	عبد الصمد	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص154
عزاداریاں	حسین الحق	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص158
بولتا بدن	جیتیندر بلو	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص162
کارڈ بورڈ کے انسان	صدیق عالم	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص173
ورثہ	یوسف عارفی	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص176
خبر۔ حقیقت اور افسانہ	رتن سنگھ	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری2008، ص66
ایک گمشدہ روم پارٹنر	عبد الصمد	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری2008، ص71
زندگی ایک قالب دو	حسن جمال	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری2008، ص86
بگولا	نیر مسعود	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص33
کنڈا کا محراب ساز	مرزا حامد بیگ	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص44
نگوڑی	اقبال حسین آزاد	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص49
بسر جن	شبیر احمد	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص56
چھتری	مسعود اشعر	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص7
بلی کی گھنٹی	نعیم کوثر	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص12
پژمردہ پودے	مجیر احمد آزاد	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص19
چارہ گری	ایم۔ مبین	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص22
جویا	عاقل زیاد	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص28
دیوار پر جڑی تختیاں	اقبال مجید	جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی2009، ص6

ذائقہ	شوکت حیات	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی 2009، ص17
کبوتر بازی	مدن مراری لال	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی 2009، ص24
زوال جسم سے پہلے	رضوان الحق	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی 2009، ص44
بھوت	فیاض احمد وجیہہ	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی 2009، ص68
آشیانہ	انیس النبی	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی 2009، ص72
باپ کی ممتا	رتن سنگھ	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی 2009، ص76
بھوت	عبد الصمد	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست 2009، ص71
سوفوکلس	شبیر احمد	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست 2009، ص85
نون غنہ	حسین الحق	جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر 2009، ص42
بین	صدیق عالم	جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر 2009، ص48
جان پیاری جان	احمد رضوی	جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر 2009، ص63
انترھوت اداسی	بانو قدسیہ	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص12
امر بیل	جمیلہ ہاشمی	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص30
تیسری منزل	ہاجرہ مسرور	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص73
خرمن	خدیجہ مستور	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص96
نیا عاق نامہ ہجرت	الطاف فاطمہ	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص118
جینے کی پابندی	خالدہ حسین	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص143
تتلیاں ڈھونے والی	زاہدہ حنا	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص155
میگی	فرخندہ لودھی	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص166
گھنٹی	نیلوفر اقبال	جلد20، شمارہ56، دسمبر تا مئی 2010، ص184
زلزلے	اقبال مجید	جلد20، شمارہ57، جون تا اگست 2010، ص7

گلاب گھر میں ایک دن	منشایاد	جلد20، شمارہ57، جون تا اگست 2010، ص18
زندگی اے زندگی	شفیع جاوید	جلد20، شمارہ57، جون تا اگست 2010، ص28
اٹھو مومنو	نعیم کوثر	جلد20، شمارہ57، جون تا اگست 2010، ص37
فرش بازار	طارق چھتاری	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010، ص63
اوپر گوری کا مکان	آغا بابر	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010، ص88
ہاری ہوئی جیت	منشایاد	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010، ص91
کہانی کار اور بجوکا	اشتیاق سعید	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010، ص97
دھار	یٰسین احمد	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010، ص102
شانتی شانتی شانتی	انتظار حسین	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص82
پھول بن	نیر مسعود	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص88
چڑیا خانہ	شوکت حیات	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص109
آب گزیدہ	مشتاق انجم	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص115
بیوٹی اسنیک	فیاض الدین وجیہ	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص124
کھوکھلے پیڑوں کی چپ	صدیق عالم	جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست 2011، ص10
چیلیں	نعیم کوثر	جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست 2011، ص28
ہیلپ لائن	عاقل زیاد	جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست 2011، ص34
کڑوا سچ	سکینہ وسیم عباس	جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست 2011، ص38
تیرہواں کھمبا	منشایاد	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص129
ماس اور مٹی	منشایاد	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص134
دنیا کا آخری بھوکا آدمی	منشایاد	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص137
وقت سمندر	منشایاد	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص141

سارنگی	منشایاد	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص148
کہانی کی تلاش	اصغر ندیم سید	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص69
ہوا پھر سے حکم صادر	زاہدہ حنا	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص74
کمپیوٹر	م۔ناگ	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص101
نربدا	اسد محمد خاں	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص29
منی دادا	اسد محمد خاں	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص51
مردہ گھر میں مکاشفہ	اسد محمد خاں	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص62
آسیب مبرم	نگہت سلیم	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص119
آپریشن مائیں	نیلوفر اقبال	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص147
چوری چھپے	ہاجرہ سرور	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص30
ہائے اللہ	ہاجرہ مسرور	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص36
اندھیرے اجالے	ہاجرہ مسرور	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص42
سجدۂ شکر	ہاجرہ مسرور	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص55
حوازادی	نیلم احمد بشیر	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص65
ایک اپاہج-میراتھن ریس میں	حسین الحق	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص25
ہول	صدیق عالم	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص40
میں،وہ اور جہانوی	صغیر رحمانی	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص45
محفوظ فاصلہ	مشتاق انجم	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص52
زندہ انسانوں کا عجائب گھر (پاکستانی افسانہ)	طاہرہ اقبال	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص57
شب خون	طاہرہ اقبال	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص175
کالی بلی	دیوندر اسر	جلد24، شمارہ66، جون تا نومبر2013 ص65

باسی خبر	عبدالصمد	جلد24، شمارہ66، جون تانومبر2013 ص70
سنو ثریا	زاہدہ حنا	جلد24، شمارہ66، جون تانومبر2013 ص79
ماں دھرتی ماں بولی	طاہرہ اقبال	جلد24، شمارہ66، جون تانومبر2013 ص84
اَفواہ	ابرار مجیب	جلد24، شمارہ66، جون تانومبر2013 ص90
خواب آشوب	حسین الحق	جلد24، شمارہ67، دسمبر تافروری2014، ص88
امرود کا پیڑ	گیان رنجن	جلد24، شمارہ67، دسمبر تافروری2014، ص168
مینوں لے چلے بابلا، لے چلے وے	خدیجہ مستور	جلد24، شمارہ68، مارچ تااگست2014، ص29
زخمی زخمہ	حسین الحق	جلد24، شمارہ68، مارچ تااگست2014، ص34
ڈھونڈ پھری میں چاروں دھام	زاہدہ حنا	جلد24، شمارہ68، مارچ تااگست2014، ص42
خواب دریچہ	مشتاق انجم	جلد24، شمارہ68، مارچ تااگست2014، ص62
لحن	کمال احمد	جلد25، شمارہ69، ستمبر تافروری2015، ص125
اندھیرا	شبیر احمد	جلد25، شمارہ69، ستمبر تافروری2015، ص129
مردہ جسم	رضوان الحق	جلد25، شمارہ69، ستمبر تافروری2015، ص138
بے اعتنائی	حمید سہروردی	جلد25، شمارہ70، مارچ تااگست2015، ص150
شعلہ پوش	اقبال متین	جلد25، شمارہ70، مارچ تااگست2015، ص174

ہندی کہانی:

چالاک لومڑیوں کے بیچ	موہن تھپلیان	جلد1، شمارہ2، دسمبر تافروری1991 ص37
مشکل کام	اصغر وجاہت	جلد2، شمارہ3، مارچ تامئی1991 ص127
آدھا پھول آدھا کانٹا (فسادات پر کہانی) عبد بسم اللہ		جلد2، شمارہ3، مارچ تامئی1991 ص130
رسی جل گئی	شانی	جلد2، شمارہ4، جون تااگست1991 ص64

لسٹ	نریندر ناگ دیو	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست1991 ص68
سمبندھ	ستیش کمار رہرو	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست1991 ص73
دھواں	موہن درپن	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر1991 ص69
بند آدمی	رگھونندن ترویدی	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری1992 ص137
مقبرہ شیر شاہ علی	بیشم ساہنی	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی1992 ص130
باؤلی	نرمل ورما	جلد2، شمارہ8، جون تا اگست1992 ص132
سنگسار	ناصرہ شرما	جلد2، شمارہ8، جون تا اگست1992 ص137
جے شری بھگوان	کامتاناتھ/ت: حیدر جعفری سید جلد3، شمارہ10، دسمبر تا فروری1993 ص8	
گانٹھ	وکیش نجھاون/ت: جمشید جہاں جلد3، شمارہ10، دسمبر تا فروری1993 ص144	
جمیل احمد کی بیوی	حسن جمال	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی1993، ص118
جنگل کی آواز	سریش سیٹھ	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی1993، ص126
اے لڑکی	کرشنا سوبتی/ت: حیدر جعفری سید	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست1993، ص101
قدریں	بھیشم ساہنی/ت: حسن جمال	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست1993، ص132
کسی الگ روشنی میں	نرمل ورما/ت: حیدر جعفری سید	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست1993، ص148
پون کماری کا پہلا سانپ	کرشن بلدیو دید/ت: حیدر جعفری سید	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست1993، ص149
اپنا راستہ لو بابا	کاشی ناتھ سنگھ/ت: حیدر جعفری سید	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست1994 ص104
پینٹ کی کہانی	وشونا گر/ت: حیدر جعفری سید	جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر1995، ص121
اور آخر میں پرارتھنا	اودے پرکاش/ت: حیدر جعفری سید	جلد6، شمارہ20، مارچ تا مئی1996، ص109
ترشول	شیو مورتی/ت: حیدر جعفری سید	جلد6، شمارہ21، جون تا نومبر1996، ص99
کنجروا	پنکج بشٹ/ت: حیدر جعفری سید	جلد6، شمارہ22، دسمبر تا مئی1997، ص106
مٹی	رمیش اپادھیائے/ت: حیدر جعفری سید جلد6، شمارہ23، جون تا اگست1997، ص129	

ابھی ہم زندہ ہیں	پنی سنگھ/ت: حیدر جعفری سید	جلد8، شمارہ27، دسمبر تا فروری1998، ص64
مر گیا دیپ ناتھ	چندر کشور جیسوال/ت: حیدر جعفری سید	جلد10، شمارہ30، مارچ تا اگست2000، ص137
پیلی چھتری والی لڑکی	اودے پر کاش/ت: حیدر جعفری سید	جلد12، شمارہ34، مارچ تا اگست2002، ص84
ایک دن رام بابو جھاڑی لانگھ جائیں گے	رگھونندن ترویدی	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص117
مینگوسل	اودے پر کاش/ت: حیدر جعفری سید	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص13

سندھی کہانی:

مشین کا ایک پرزہ	لال پشپ/ت جمشید جہاں	جلد3، شمارہ10، دسمبر تا فروری1993 ص147
جھولا	رحمت اللہ مانجھوٹی	جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص113

نیپالی کہانی:

خواب کے حوالے سے	پورن رائی	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست1991 ص76

انگریزی کہانی:

دو شریف آدمی	گراہم گرین	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست1991 ص80

پنجابی کہانی:

کلہاڑیوں کا موسم (فسادات پر کہانی)	مہندر سنگھ سرنہ	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی1991 ص135
چلے کہاں سے پہونچے کہاں	کرتار سنگھ دگل	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر1991 ص53
... میرا انتظار کر	اجیت کور/ت: حیدر جعفری سید	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر1991 ص57
نہیں، ہمیں کوئی شکایت نہیں	اجیت کور/ت: افضل توصیف	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص192
۱۰×۷ کا کمرہ	کرتار سنگھ دگل	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص124

ملیالم کہانی:

مونگ پھلی والا (فسادات پر کہانی)	کملاداس	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی1991 ص140
دار السلام	ایم ٹی واسو دیون نائر	جلد7، شمارہ25، مارچ تا مئی1998، ص144

بلو پنسل	این ایس مادھون/ت: معین اعجاز	جلد7، شمارہ25، مارچ تا مئی 1998، ص153

تلگو کہانی:

پس چہرہ (فسادات پر کہانی)	چندر مول	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص144
سنگم	وولگا/ت: بلقیس ظفیر الحسن	جلد20، شمارہ55، ستمبر تا نومبر 2009، ص75

کنڑ کہانی:

ریزہ ریزہ واقعہ	بی پرکاش	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991 ص46

ڈوگری کہانی:

پیڑھی در پیڑھی	چھترپال	
غیر حاضری	وید راہی	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری 1992 ص141

مراٹھی کہانی:

سات سمندر پار	وجے راجادھاکش/ت: معین الدین عثمانی	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست 1994 ص96
آرفی یس	جے اے کلکرنی/ت: سلام بن رزاق	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست 2005، ص102

اڑیہ کہانی:

سیڑھی پہ سیڑھی	آبھادیال/ت: سہیل اختر	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری 1995، ص110

تامل کہانی:

پنوتھئی	باما/ت: بلقیس ظفیر الحسن	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست 2009، ص96

عالمی ادب کی ریک سے:

پتھر ختم نہیں ہوئے (فلسطینی)	جمال جنید	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص132
علوان کی گرفتاری (فلسطینی)	وہیب سرائی الدین	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990 ص137
باز (فلسطینی)	غسان کنفانی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991 ص100

جب زندہ درگور لڑکی سے سوال کیا جائے گا قمر کیلانی/ت: زبیر احمد فاروقی جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991 ص103

مالے کیمپ میں ایک واقعہ (جنوبی افریقی کہانی) پیٹر ابراہیم جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991 ص128

ایک فلسطینی بوڑھے کا المیہ (فلسطینی) لیلیٰ عطوش /ت: زبیر احمد فاروقی جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991 ص133

روشنی اور آگ کا راستہ (فلسطینی) حسن حمید /ت: زبیر احمد فاروقی جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991 ص135

جرم و سزا (فلسطینی) مسونہ المصباحی /ت: زبیر رحمد فاروقی جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992 ص114

مشاہدہ گراہم گرین جلد2، شمارہ8، جون تا اگست 1992 ص127

قبرستان (فلسطینی) حمدی مخلف الحدیثی /ت: زبیر احمد فاروقی جلد2، شمارہ8، جون تا اگست 1992 ص126

اور قبرستان جاگ اٹھا جمال عبود /ت: زبیر احمد فاروقی جلد3، شمارہ10، دسمبر تا فروری 1993 ص136

کہانی گھنٹہ بھر کی کیٹ شوپیں /ت: خالد جمال صدیقی جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی 1993، ص145

کھانا لوئیس برنارڈو ہونوانا /ت: اجمل کمال جلد3، شمارہ12، جون تا اگست 1993، ص7

کافکا کا دوست آئزک سنگر /ت: ناصر بغدادی جلد4، شمارہ16، جون تا اگست 1994 ص118

ڈولچی سوار کافکا جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر 1995، ص136

ایک پاگل عورت موپاساں جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری 2002، ص87

ڈرکی ماری عورتیں انعام کشاشی /ت: راؤ شاداب احمد جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست 2003، ص44

میں صرف جانوروں کی دیکھ بھال کرتا تھا ارنسٹ ہمینگوے /ت: انور قمر جلد12، شمارہ36، مارچ تا اگست 2003، ص51

منگل کے دن کا قیلولہ گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص6

ایک نہ ایک دن گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص12

اس قصبے میں کوئی چور نہیں گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص15

بالتازار کی حیرت انگیز سہ پہر گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص40

مونٹئیل کی بیوہ گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص47

سنیچر کے بعد کے دن گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص53

کاغذی گلاب گبریل گارسیا مارکیز /ت: فاروق حسن جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری 2005، ص71

بڑی ماما کا جنازہ	گبریل گارسیا مارکیز/ت: فاروق حسن	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص76
مردوں کی مختصر تاریخ	کیون راک می اِیر/ت: رفیق انجم	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص44
بوالعجمی ہی بوالعجمی	لیگزنڈر سولزے نیتس/ت: محمد عمر میمن	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص202
خوابوں کی انجیل	سلویہ پلاتھ/ت: صغیر ملال	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص45

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱ زبیر رضوی، اردو فنون اور ادب ص ۵۲

۲ حمید نسیم، پانچ جدید شاعر، ص۲۰۶،۲۰۵

۳ انور احمد، اک صدی کا قصہ، ص۴۴۱،۴۴۲

۴ شمس الرحمن فاروقی، مقدمہ، مشمولہ باز گوئی، سریندر پرکاش، ص۱۰او۱۱

باب پنجم

فنون لطیفہ اور ’ذہن جدید‘

i. فلم

ii. تھیٹر

iii. دیگر

تھیٹر اور 'ذہن جدید'

"ذہن جدید" نے فنون لطیفہ اور دیگر ایسی اصناف پر بھی توجہ مرکوز کی جن میں زبان کی حیثیت ادبی اصناف کی بہ نسبت کم درجے پر ہوتی ہے اور کسی میں تو ہوتی ہی نہیں جیسے موسیقی، رقص اور مصوری لیکن ترسیل کا عنصر سب میں موجود ہوتا ہے۔ تھیٹر اور فلم کے میڈیم ایسے ہیں جہاں زبان کا عمل دخل حسب ضرورت مکالے کی صورت میں ہوتا ہے۔ "ذہن جدید" نے فنون لطیفہ کو ترجیحی بنیاد پر جگہ دیکر ادبی صحافت میں ایک نیا طرز پیدا کیا۔ "ذہن جدید" میں مصوری، موسیقی اور رقص سے متعلق مضامین کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ تھیٹر اور فلم کا خانہ زیادہ متمول ہے۔

"ذہن جدید" نے ہم عصر تھیٹر پر زیادہ توجہ کی۔ اس نے صرف اردو تھیٹر تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ ہندستان کے علاقائی تھیٹر تک اپنے دائرے کو وسعت دی۔ بیسویں صدی میں پارسی تھیٹر کے بعد جن دو تھیٹر گروپ نے سب سے زیادہ تحرک اور اختراع کا ثبوت دیا وہ اپٹا اور پرتھوی تھیٹر ہیں۔ اپٹا ترقی پسند تحریک کی ایک ثقافتی شاخ کی شکل میں ظہور میں آیا جس نے عوام سے رابطے کی سبیل پیدا کرنے اور اسٹیج کے ذریعے ترقی پسند نظریے کی نمائندگی کرنے کا کام کیا۔ اپٹا کا وجود اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس نے ہندستان میں موجود اسٹیج کی مقامی شکلوں کو اپنا کر انھیں وسیع قومی سیاق میں استعمال کرنے کی کوشش کی۔

اپٹا سے پہلے تھیٹر کی جو روایت موجود تھی؛ وہ پارسی تھیٹر کے زیر سایہ چلی آرہی تھی۔ پارسی تھیٹر کے ڈرامے اپنے وقت کی ادبی فضا سے اس حد تک متاثر اور اپنے شائقین کی طلب کے اتنے پابند تھے کہ اس کے ڈرامے میوزکل ڈرامے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس زمانہ میں پارسی تھیٹر کا ظہور ہوا، وہ زمین داری کا زمانہ تھا اور قصہ کہانی کی اصناف زیادہ تر شعر ہی میں بروئے کار لائی جاتی تھیں۔ جدید فکشن کا اگرچہ آغاز ہو چکا تھا اور داستانوں کا بھی چلن تھا لیکن غالب صنف سخن غزل تھی اور قصے بھی مثنوی کی شکل میں نظم کیے جاتے تھے۔ شعر اس زمانہ میں اپنی بلند آہنگی اور اختصار کی وجہ سے عوام میں زیادہ مقبول تھا، ان وجوہ سے تھیٹر میں ایک طرف نظمیہ متن کی کثرت ہوتی تھی اور وقت چوں

کہ شائقین کے پاس وافر ہوتا تھا اس لیے ڈرامے خاصے طویل ہوتے تھے اور دو تین گھنٹے کے ڈرامے تو عام معمول کا حصہ تھے۔ سیاسی صورت حال ایسی تھی کہ سماجی اور انقلابی مسائل کو ڈرامے میں پیش کرنے کی گنجائش کم تھی اس لیے پارسی تھیٹر کے بیشتر ڈرامے یا تاریخی شخصیات پر مبنی ہوتے یا پھر مذہبی داستانوں پر استوار کیے جاتے۔ مقبول عام رزمیہ قصوں پر بھی ڈرامے ترتیب دیے جاتے اور کھیلے جاتے۔ اپٹا نے آ کر اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کی۔ اپٹا جب ظہور میں آیا تو اس وقت فلم کا میڈیم ترقی پا چکا تھا۔ خاموش فلموں کا طویل سلسلہ شروع ہو کر اپنی انتہا کو پہنچ رہا تھا اور بولتی فلمیں عام وخاص میں مقبول ہو رہی تھیں۔ پارسی تھیٹر کو ایک طرح سے وجودی مسئلہ لاحق تھا۔ تھیٹر کے بڑے کلاکار ڈرامے کی دنیا سے اٹھ کر فلم کی نگری میں منتقل ہو رہے تھے۔ ان حالات میں اپٹا نے اسٹیج کو نئی شکل وصورت دینے کی کوشش کی۔ اپٹا نے تھیٹر کی زبان کو عوامی شکل دی۔ اس کے اندر مکالموں کی کثرت کو ترجیح دی اور نظم کے عنصر کو برائے نام رکھا۔ اس طرح اردو تھیٹر اپٹا کے توسط سے اپنی قلب ماہیت کرنے پر آمادہ ہوا۔ اپٹا جس زمانے میں وجود میں آیا وہ زمانہ تحریک آزادی کے عروج کا زمانہ تھا۔ دوسری عالمی جنگ نے دنیا کا نقشہ بڑی حد تک تبدیل کر دیا تھا۔ ہندستان کے برطانوی استعمار سے چھوٹنے کے دن قریب آ رہے تھے ساتھ ہی ہندستانی سیاست اور ماحول میں فرقہ واریت کی جڑیں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ اپٹا نے اسٹیج پر سماجی موضوعات کو بڑے زور و شور کے ساتھ پیش کیا، ساتھ ہی ساتھ استعمار مخالف اور عوام دوست نقطۂ نظر کی تبلیغ بھی اسٹیج کے توسط سے کی۔ اس سلسلے میں اپٹا نے خواجہ احمد عباس، علی سردار جعفری اور عصمت چغتائی کے جو ڈرامے کھیلے وہ بطور مثال پیش کیے جا سکتے ہیں۔ ''ذہن جدید'' نے اپٹا کے اس کردار پر نظر کی اور اس کی ساٹھ سالہ تاریخ کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے لکھا کہ:

> ''ملک کی آزادی سے قبل کی دہائی اور اس کے بعد کی دہائیوں میں بھی انڈین پیپلز تھیٹر ایسوسیشن IPTA نے ہندستانی رنگ منچ کو اپنے ناٹکوں سے آباد رکھا۔ آزادی کی جد وجہد کے دنوں میں نو آبادیات کے خلاف عوامی رائے کو بیدار کرنے میں اپٹا کے منچ پر کھیلے گئے ناٹکوں کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ اپٹا کے تصور کو عملی شکل ملنے سے قبل ہمارا تھیٹر انگریزی تھیٹر کا خوشہ چیں رہا تھا۔ انگریزی ناٹک منڈلیوں نے ہمارے حافظے سے یہ بات بھی مٹا دی تھی کہ ہندوستان میں ناٹک کی پرمپرا قدیم ترین ہے اور یہ بھی کہ ہمارا رنگ منچ ہماری لوک شیلیوں جیسے جاترا، تماشا، کتھا، براکتھا، جارن اور نوٹنکی کی مقبول شیلیوں کو عوام تک اپنی بات پہنچانے کے لیے استعمال کرنے اور ان شیلیوں کو زندہ رکھنے میں بڑا پیش پیش رہا ہے۔ اپٹا نے اپنے رنگ منچ کو اشتراکی

سوچ اور فکر کے حامل ناٹکوں کے لیے ایک زمانے تک مخصوص بھی رکھا اور محدود بھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ اگر PWA (انجمن ترقی پسند مصنفین) ادبی محاذ پر تو IPTA ثقافتی محافظ پر کمیونسٹ پارٹی اور اس کے نظریات کی مبلغ تھی۔ IPTA کے ابتدائی دور کے ناٹک جیسے دادا، یہ کس کا خون ہے، نبانا، سوریہ است اسی ذیل میں آتے ہیں۔ آزادی کے بعد سیاسی صورتحال بڑی بدل گئی نئی وچار دھارئیں قومی زندگی کا حصہ بننے لگیں کمیونسٹ دنیا کے ساتھ ساتھ عالمی سیاست میں ابھرنے والی نئی عوامی تحریکیں اور نعرے پرانے سیاسی نظریات میں دراڑیں ڈال رہے تھے۔ اس سب کا اثر رنگ منچ پر بھی پڑنا تھا۔ مگر IPTA نے بڑی حد تک ناٹک کے جانے پہچانے اسالیب اور موضوعات کو جن پر روسی اشتراکیت کی گہری چھاپ تھی نہیں بدلا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ IPTA اپنی بے حد طاقت ور آواز کا اثر کھو بیٹھا۔ نیشنل اسکول آف ڈرامہ اور اس سے قبل ایک خاص مقصدیت کے حامل پرتھوی تھیٹر، مرہٹی گجراتی، کنڑا اور بنگلہ تھیٹر نے سارا منظر نامہ ہی بدل دیا۔"[1]

اپٹا کے بعد اردو تھیٹر کی دنیا میں پرتھوی تھیٹر کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس تھیٹر کی روح راج کپور تھے۔ وہ اپنے وقت کے ماہر فنکار تھے۔ فلم کی دنیا میں وہ ستارے کی حیثیت حاصل کر چکے تھے لیکن تھیٹر ان کا ایسا جنون تھا کہ اس سے اپنے آپ کو روک نہ سکے۔ پہلے شیکسپیئر کے تھیٹر کھیلنے والے ایک گروپ میں اپنے اس شوق کی تسکین کی اور بعد میں پرتھوی تھیٹر کی داغ بیل ڈال کر تھیٹر کی پرورش میں لگ گئے۔ ان کے تشکیل کردہ اس گروپ نے اپنے وقت کی ضرورت کی طرف خاص توجہ کی۔ جو ملکی اور قومی مسائل اپٹا کے سامنے تھے وہی مسائل پرتھوی تھیٹر کے سامنے بھی تھے۔ فرقہ واریت، ہندو مسلم منافرت، علاحدگی پسندگی اور تہذیبی بُعد جیسے مسائل تقویت پا رہے تھے۔ فسادات کا بھی ایک سلسلہ چل پڑا تھا۔ پرتھوی تھیٹر نے ڈراما شکنتلا کو چھوڑ کر اسی تھیم پر اپنے ڈرامے ترتیب دیے۔ ان ڈراموں کے ذریعہ انگریز مخالف جذبات کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ نیز ملک میں انگریزوں کی طرف سے کی گئی تفریقی سازشوں کو سامنے لانے کی کوشش کی گئی۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ علی سردار جعفری کے ڈرامے "یہ کس کا خون ہے" کا پس منظر جاگیردارانہ تھا اور کسان وعوام کی جاگیرداری اور انگریز مخالف جدوجہد غالب عنصر کے طور پر ڈرامے میں موجود تھی۔ پرتھوی تھیٹر کے ڈرامے دیوار میں بھی قصباتی زندگی اور زمین دارانہ ماحول کی عکاسی کی گئی لیکن دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پرتھوی راج کپور نے جاگیردار طبقے کو ظالم وجابر

دکھانے کے بجائے عوام پرور دکھایا۔ اس طبقے میں جو خرابی پیدا ہوئی یا جس عوام دشمنی نے جنم لیا اس کی وجہ انگریزوں کی سازشیں تھیں۔ پرتھوی راج کپور کے توسط سے ''ذہن جدید'' نے پرتھوی تھیٹر کو متعارف کرانے کی کوشش کی۔ یوگ راج لکھتے ہیں:

> ''پرتھوی تھیٹر کا دوسرا ڈراما دیوار نو اگست انیس سو پینتالیس کو بمبئ کے اوپرا ہاؤس کے اسٹیج پر کھیلا گیا۔ ٹھیک تین سال پہلے اسی شہر میں کانگریس کے نیتاؤں نے حلف لیا تھا۔ انگریز ہندستان چھوڑو......
>
> اس ڈرامے کو عوام، فلمی دنیا اور تھیٹر کرنے والوں نے تو سراہا ہی ساتھ ہی سیاسی لوگوں نے اسے آنے والے دور کی آواز مانا۔ ملک تقسیم تو انیس سو سینتالیس میں ہوا تھا لیکن اسے ڈرامے میں تو اگست انیس سو پینتالیس میں ہی دکھایا تھا کہ بنٹوراہ ہو گا۔ بنٹوارہ ہوا پھر دونوں جانب کے لوگ بیدار ہوئے اور ایک ہو کر اس نفرت کی دیوار کو گرادیا۔ دیکھنے والے امید کرنے لگے کہ ڈرامہ نگار کی باقی پیشین گوئی کب صحیح ثابت ہوگی۔ دیش کے لوگ اکٹھے ہوں دونوں جانب کے لوگ ایک ساتھ مل کر ایک آواز ہو کر اس نفرت کی دیوار کو گرادیں۔ اس وقت کانگریس کے بہت بڑے لیڈر اور آزاد ہندوستان کے پہلے نائب وزیر اعظم سردار پٹیل نے جب یہ ڈرامہ دیکھا تو شو کے بعد اسٹیج پر آکر تماشائیوں سے بولے ''ہم سیاستدان جو پچھلے چالیس پچاس سالوں سے کام کر رہے ہیں اور اس میں کامیاب نہیں ہو رہے ہیں وہ ہی کام پرتھوی راج کپور نے اس ناٹک کے ذریعہ کر دیا ہے۔ اور پوری کامیابی اور خوش اسلوبی سے کیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان کی آگے کی پیشین گوئی بھی سچ ثابت ہو دوسرے لفظوں میں یہ تقسیم نہ ہو، ملک نہ بنٹے اگر بنٹے بھی تو عوام اپنی سوجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے مل کر جلد سے جلد اس نفرت کی دیوار کو گرادیں۔ آخر کار سب کچھ یہاں کے عوام کے ہاتھ میں ہے، لوگوں کے ہاتھ میں، جیسا کہ اس ڈرامے میں کہا گیا ہے۔ ''او بھوکی پرجا کے راجہ، او ننگی پرجہ کے راجہ کیسا ترا راج۔ ''[۲]

''ذہن جدید'' میں ہم عصر تھیٹر پر خاص توجہ دی گئی۔ تھیٹر کی دنیا فلمی صنعت کے زیر اثر ایسی غالب سرگرمی نہ رہی جس کا چرچا شہر میں ہو، یہ مہانگروں تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ علاقائی تھیٹر کی بنیادیں مستحکم ہیں لیکن اسے ہندی اردو دنیا میں متعارف نہیں کرایا گیا۔ اپٹا نے علاقائی تھیٹر کی مختلف شکلوں کو آزمانے کی جو شروعات کی تھی وہ سلسلہ بھی مین اسٹریم میں مقبول نہ بنایا جاسکا۔ علاقائی تھیٹر کے نمائندے این ایس ڈی جیسے اداروں کی طرف کھیلے

جانے والے تھیٹر کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ اس ادارے کی تھیٹریکل سرگرمی ہندی بھاشی دنیا کو پیش نظر رکھتی ہے،علاقائی تھیٹر کے تقاضے کچھ اور ہیں جو اس ادارے کی طرف سے کھیلے جانے والے ڈرامے پورے نہیں کرتے۔

ملک کی آزادی اور تقسیم کے بعد تھیٹر کی دنیا بہت بدلی۔ القاضی اور شمبھومترا کی اختراعی طبیعتوں نے اسٹیج ڈرامے کی صنف کو نئے آفاق سے روشناس کیا۔ مقامی کلچر اور اظہار کی صنفیں اسٹیج کا حصہ بننے لگیں۔ ٹیگور اور نظیر جیسے شاعروں کے کلام کو ڈراموں میں شامل کیا جانے لگا اور ہم عصر حسیت کے ساتھ مقامی بودوباس کو ڈرامے میں ممزوج کرنے کی طرف توجہ ہونے لگی۔

”ذہن جدید“ نے تھیٹر کی ملک گیر صورت حال پر نظر کی اور ملک کے مختلف اشخاص جو تھیٹر کی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں اور رموز و اصول سے کما حقہ آگاہ ہیں ان کے خیالات کو اپنے شماروں میں جگہ دی۔ تھیٹر شناسی کے اسی سلسلے کا ایک مضمون ”دلی تھیٹر کا منظر نامہ“ ہے۔ یہ مضمون دہلی میں تھیٹر کی نئی کروٹ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح تھیٹر کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور ملک کے مختلف حصوں میں ہدایت کاروں نے کامیاب تھیٹر کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ دہلی میں منعقد ہونے والے ڈراما فیسٹول کی صورت حال پر بھی اس مضمون سے روشنی پڑتی ہے۔ یہ مضمون جو کہ ایک مصاحبہ پر مبنی ہے یہ انٹرویو جس زمانے میں کیا گیا اس وقت دہلی میں لال کرشن اڈوانی کی رتھ یاترا کا بڑا شور تھا۔ اس کے بالمقابل اسٹریٹ تھیٹر کے ذریعے فرقہ واریت کا مقابلہ کرنے کی سعی کی گئی اور انسان دوست کہانی پر مبنی اسٹریٹ تھیٹر کا اہتمام کیا گیا جس سے اصل صورت حال کا اندازہ ہوا کہ کس طرح عوام میں انسان دوستی اور فرقہ وارانہ منافرت کے خلاف جذبہ موجود ہے۔ سبودھ لال نے اس مصاحبے میں تھیٹر کے سلسلے میں دہلی کی مرکزیت سے گریز کیا اور اس رائے کا اظہار کیا کہ دہلی میں بیٹھ کر پورے ملک کے تھیٹر پر رائے دینا آسان نہیں ہے۔ تھیٹر کی دنیا بیسویں صدی کے اخیر تک انسانیت دوست رہی۔ اس کا غالب حصہ فرقہ واریت مخالف رہا۔ فرقہ واریت مخالف طبقے نے ہمیشہ ایسے عناصر کی نفی کی ہے جو بنیاد پرستی اور طبقاتی تعصب کو جواز فراہم کرتے ہیں۔

اسٹریٹ تھیٹر عوامی جدوجہد کا اہم وسیلہ ہے۔ تھیٹر کی یہ صنف مختصر دورانیہ کی حامل ہے اور کسی گلی کے نکڑ پر محلے میں ہر جگہ بآسانی کھیلا جاسکتا ہے۔ یہ سیاسی تھیٹر کا ایک پہلو رکھتا ہے کہ اسے سیاسی شعور نے جنم دیا اور بالغ سیاسی سماجی شعور کی ترسیل و تبلیغ کے لیے اسے بروئے کار لایا جاتا رہا۔ اسٹریٹ کا گہرا تعلق روسی انقلاب سے بھی

ہے اس لیے اسے اشتراکی فلسفے سے بھی جوڑ کر دیکھا جاتا رہا ہے۔ ہندستان میں اسٹریٹ تھیٹر کی مقامی شکلیں موجود ہیں یہاں یہ بہار و بنگال سے لے کر پنجاب تک اور کیرلا و ممبئی وغیرہ میں ایک مقبول عام صنف اظہار ہے جسے مختلف گروپ اور ناٹک منڈلیاں کھیلتی آئی ہیں۔ اسٹریٹ تھیٹر کو اول اول پروان چڑھانے میں اپٹا کا کردار رہا اور اس کے بعد جن ناٹیہ منچ نے اسے فروغ دیا۔ رمیش چند کے مضمون ''اسٹریٹ تھیٹر عوام سے اپنے آپ کو جوڑ لیتا ہے'' میں صفدر ہاشمی میموریل ٹرسٹ کے حوالے سے بتایا ہے کہ ہندستان میں سرگرم رہنے والے اسٹریٹ تھیٹر گروپ کی تعداد تین ہزار سے زائد ہے۔ رمیش چند لکھتے ہیں:

> ''آزادی کے بعد دراصل بنگال میں اسٹریٹ تھیٹر کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس فروغ میں بنگالی تھیٹر کی ممتاز شخصیت اتپل دت کی خدمت اہم ہے۔ اتپل دت کے خیال میں اسٹریٹ تھیٹر ایک ایپک کی صورت میں محنت کش طبقے تک پہونچنا چاہیے۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر میں اس میں کمرشیل تھیٹر کے عناصر بھی ملا دیتا ہوں تاکہ عوام کی انقلابی جد و جہد زیادہ موثر بن سکے اتپل دت نے ڈرامے کے پیغام کو ناظرین تک موثر انداز میں پہونچانے کے خیال سے گیت، موسیقی، لطائف غرض تھیٹر کے ہر ممکن ہیئت کا سہارا لیا ہے۔ اتپل دت کے مطابق تھیٹر کو سماجی ناانصافیوں اور ہر طرح کے استحصال کو بے نقاب کرنا چاہیئے اور وہ بھی اس طرح کہ ان برائیوں کے ذمہ دار نظام کو ختم کرنا عوام کے لیے لازمی اور ممکن بن جائے۔ ۳۳

''بنگال تھیٹر کی روایت'' (شمارہ 5، ص۱۸۶ تا ۱۸۸) میں شیامل بسواس نے بنگال میں اپٹا کی سرگرمی کے ماند پڑنے کے بعد کی صورت حال کا جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اتپل دت کے لٹل تھیٹر گروپ اور شمبھو مترا کے بہروپی گروپ نے کس طرح تھیٹر کو زندہ اور متحرک رکھنے میں اہم کردار ادا کیا اور بنگالی و یورپی شہ پاروں کو بنیاد بنا کر تھیٹر کی پرورش کی۔

''ذہن جدید'' نے تھیٹر کی نامور شخصیات پر مضمون شائع کیے۔ یہ شخصیتیں تھیٹر کی دنیا میں اداکاری کے نت نئے تجربے کرنے کے لیے جانی جاتی ہیں۔ تھیٹر کی عالمی روایت میں اداکاری کے مختلف دبستانوں سے کسب فیض کے علاوہ اپنے ملک کی روح اور اپنے مقامی ناٹک سے ہم آہنگ اسلوب کی تلاش ان شخصیات کی ترجیحات میں شامل رہی ہے۔ شمبھو مترا انھیں شخصیات میں شامل ہیں۔ شمبھو مترا پر بھارت رتن بھارگو (ذہن جدید شمارہ نمبر، ص145) کا مضمون اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مضمون اگرچہ تاثراتی ہے لیکن اسٹیج وابستہ ایک جینوئن فنکار

کی پیچیدگیوں کو سمجھنے اور اس کے تفکرات اور تاملات کو جاننے میں معاون ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ بھارتیندو ہریش چند اور ٹھاکر رابیندر ناتھ ٹیگور کا بنیادی فرق کیا ہے۔ اول الذکر سہل زبان میں سماجی سروکاروں کی پیش کش کو اولیت دیتا ہے اور فن کے پیچھے نہیں پڑتا اور دوسرے کو سماجی سروکار کے ساتھ ڈرامے کے فنی پہلو بھی عزیز ہیں۔ اور یہی وصف شمبھومترا کو رابیندر ناتھ ٹھاکر کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ یہ مضمون شمبھومترا کو ایک ایسے فنکار کی صورت میں پیش کرتا ہے جو ہمہ وقت ایسے رنگ اور ادا کی تلاش میں رہتا ہے جس سے اس کے تخلیقی اضطراب کو سکون ملے اور اس کے اندر اپنی اداکاری یا اسلوب اداکاری کے سلسلے میں جو بے اطمینانی رہ جاتی رہے، اسے دور کرنے کا موقع ملے۔

"ذہن جدید" نے تھیٹر کے تمام بڑے لکھنے والوں اور تھیٹر سے کسی سطح پر وابستہ اپنے فن کے ماہرین کو جگہ دی۔ تھیٹر کے باب میں ان کی حصولیابیوں کو نشان زد کیا۔ اس رسالے کے توسط سے وجے تندولکر، بادل سرکار، دھرم ویر بھارتی، موہن راکیش، آدیہ رنگاچاریہ اور گریش کرناڈ جیسے تھیٹر کے ماہر فنکاروں کو اردو دنیا تک پہنچایا۔ ان فنکاروں کی اہمیت کا اندازہ کیرتی جین کے اس اقتباس سے کیا جاسکتا ہے:

> "وجے تندولکر، بادل سرکار، دھرم ویر بھارتی، موہن راکیش، آدتیہ رنگاچاریہ اور گریش کرناڈ جیسے ناٹک کا۔ قومی ناٹک لکھنے ولے اگلی صف میں آگئے۔ یہ سب ہی ناٹک لکھنے والے ہندوستانی سماج کے مختلف مسائل و معاشرے کے تضاد، تصادم، امید اور ناامیدی، انسانی رشتوں کی شکست وریخت اور استحصالی قوتوں سے معاشرے کی نجات کے موضوع پر لکھ رہے تھے۔ ان کے تخلیقی رویے الگ الگ تھے۔ اسٹبلشمنٹ، طبقاتی رشتے اور ان کے خلاف پرزور احتجاج کی لے حاوی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ ناٹک کار اپنی ایک سیاسی سوجھ بوجھ اور آگہی رکھتے تھے اور ایک بامعنی اور بامقصد تھیٹر کے تصور میں یقین رکھتے تھے۔[۴]

حبیب تنویر کا نام اسٹیج کی دنیا سے آزادی سے پہلے ہی جڑ چکا تھا۔ انھوں نے بمبئی اپٹا یونٹ کے لیے ہدایت کاری کے فرائض انجام دیے تھے۔ حبیب کی خصوصیت یہ ہے انھوں نے ہدایت کاری، اداکاری اور ڈراما نگاری تینوں پر ہی کامل دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے نوٹنکی اور مقامی ناٹک کی خوبیوں کو ملکی تھیٹر میں بڑی خوبی اور سلیقے سے کھپانے میں کامیابی پائی تھی۔ آغاز میں ہی حبیب تنویر کے دو ڈرامے شہرت پاچکے تھے اور اس شہرت کی بنیادی وجہ حبیب تنویر کی خلاقانہ طبیعت تھی۔ "شطرنج کے مہرے" نامی ڈرامے کو انھوں نے پریم چند کی

کہانی "شطرنج کی بازی" کو بنیاد بنا کر لکھا۔ اس ڈرامے میں انھوں نے کرداروں کی طبقاتی درجہ بندی کے لیے تین طرح کی زبان استعمال کی۔ خادمہ اور کسان کی زبان اودھی رکھی۔ عورتوں کے مکالمے بیگماتی محاورے میں لکھے اور مردوں کی زبان لکھنوی اردو میں لکھی۔ اس طرح انھوں نے زبان کے ذریعے کرداروں کو مستحکم کرنے کا کام کیا۔ واجد شاہی زمانے میں جو اخلاقی زوال اور ابتری پھیلی ہوئی تھی اس کے اثرات دربار سے وابستہ تابعداروں میں پھیل گئے تھے۔ اس پوری صورت حال کو حبیب تنویر نے بڑی خوبی اور خوش اسلوبی سے اس ڈرامے میں پیش کیا ہے۔

حبیب تنویر کو شہرت جس ڈرامے سے ملی وہ آگرا بازار ہے۔ حبیب تنویر نے اس ڈرامے کو لکھنے اور کھیلنے میں اپنی جودت طبع کا مظاہرہ کیا۔ اس ڈرامے میں ادبی نظریہ سازی اور عوام پرست ادب کی طلب اور ضرورت کے ساتھ ساتھ نوآبادیاتی عہد کی دھمک صاف سنی جاسکتی ہے۔ "ذہن جدید" نے اس فنکار کے لیے ایک شمارے میں گوشہ مختص کرا نھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

> "یہ ۱۹۵۴ کی دلی تھی اردو تھیٹر کے لیے خود کو سازگار بناتی اس دلی میں اس وقت ایک بڑی پیش رفت ہوئی جب حبیب تنویر کو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ایک کھلے میدان میں اٹھارہویں صدی کے مقبول عوامی شاعر نظیر اکبر آبادی کی زندگی پر اپنے ہی لکھے اسکرپٹ کو بطور ہدایت کار اسٹیج کرنے کی تحریک ملی ایک لمبے ہاف سرکل میں آگرہ بازار، لگایا گیا طرح طرح دو کانیں لگائی گئیں۔ خوانچہ فروشوں اور پھیری والوں کی آوازیں، کتابوں کی دوکانیں، چائے خانے اور ٹولیاں بنا کر اور گا کر سنانے والوں کے حوالوں سے اس زمانے کی عوامی زندگی میں مقبولیت پانے والے اردو کے پہلے عوامی شاعر میاں نظیر کی اس شاعری کو ایسی شاعری کے طور پر پیش کیا گیا تھا جو اپنے زمانے کی اردو شاعری سے قطعی مختلف تھی جو میر اور غالب کے حوالے سے اردو کی کلاسیکی شاعری کی شناخت پا رہی تھی۔ اس پس منظر میں اس عہد نے نظیر کی شاعری کو عوامی اور میلے ٹھیلوں کے لیے موزوں کی جانے والی سطحی اور غیر تخلیقی شاعری کہہ کر رد کر دیا تھا لیکن اس شاعری کو بیسویں صدی کی ترقی پسندانہ عوامی تحریک نے ایک انمول ادبی ورثے کے طور پر اس کی "بازیافت" کی تھی آگرہ بازار نے ایک فل لینتھ اسٹیج ڈرامے کی صورت میں تھیٹر کی دنیا میں اپنی آمد اور پذیرائی کا ماحول بنایا۔"۵

الغرض ذہن جدید نے تھیٹر کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا اور اس ضمن میں ایسے موضوعات کو شامل کیا جو اردو میں اس سے قبل دیکھنے کو نہیں ملتے۔ روایتی تھیٹر کے موضوع پر اردو میں مواد وافر مقدار میں موجود ہے لیکن

ذہن جدید نے اس روش سے قدرے مختلف تھیٹر سے متعلق ایسی شخصیات کو ذہن جدید کے ذریعہ متعارف کرایا جن سے اردو کے قارئین نا آشنا تھے۔ تھیٹر سے متعلق جو نگارشات ذہن جدید میں شائع ہوئیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔ اس فہرست سے ذہن جدید کی ترجیحات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اچھے اسکرپٹ نہیں ملتے	سبودھ لال	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص174
ترسیل کی تیسری زبان	جمشید جہاں	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص177
تیجن بائی	دیپا گہلوٹ	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص219
دلی تھیٹر کا منظر نامہ	سبودھ لال	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص222
گریش کرناڈ سے انٹرویو	نکہت کاظمی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص181
آج کا تھیٹر (کیرتی جین، راجندر سنگھ) انٹرویو	جیارماناتھن	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص134
انٹرویو ہدایت کار رنجیت کپور (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص138
اشکرافٹ اس صدی کی مقبول جولیٹ	سائبل چٹرجی	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص143
ایلیٹ اور وولف کے خطوں کی ڈرامائی پیش کش	ذ۔ج	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص144
اس سہ ماہی کے ڈرامے	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص147
وجے تندولکر سے انٹرویو	دیپا گہلوٹ	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص184
بنگالی تھیٹر کی روایت	شیامل بسواس	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص186
چپ تماشا	ریحانہ سین	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص189
اس سہ ماہی کے ڈرامے	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص191
القاضی کی واپسی	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری 1992، ص186
اس سہ ماہی کے ڈرامے	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری 1992، ص188
القاضی کی واپسی (۲)	ذ۔ج	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992، ص147
اس سہ ماہی کے ڈرامے	ذ۔ج	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی 1992، ص156

تھیٹر کا سفر	بادل سرکار	جلد 2، شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 164
آج کا مراٹھی تھیٹر (انٹرویو)	سری رام لاگو	جلد 2، شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 166
اسٹیج۔منظر نگاری کے نئے زاویے	جے۔این۔کوشل	جلد 2، شمارہ 9، ستمبر تا نومبر 1992، ص 165
بنگالی تھیٹر کا دوسرا نام شمبھو متر ا ہے	اشیش چکرورتی	جلد 2، شمارہ 9، ستمبر تا نومبر 1992، ص 168
دس برس میں تھیٹر	جے این کوشل	جلد 3، شمارہ 10، دسمبر تا فروری 1993، ص 163
موہن راکیش ناٹک سماروہ	زبیر رضوی	جلد 3، شمارہ 10، دسمبر تا فروری 1993، ص 166
بادل سرکار سے باتیں (انٹرویو)	شمس الاسلام	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 162
اسٹریٹ تھیٹر	رمیش چندر	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 164
اس سہ ماہی کے ڈرامے	زبیر رضوی	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 166
مراٹھی تھیٹر، پریمانند گجوی سے ایک گفتگو	آتمارام	جلد 3، شمارہ 12، جون تا اگست 1993، ص 160
گھاسی رام کوتوال۔ایک تجزیہ	رمیش چندر	جلد 3، شمارہ 12، جون تا اگست 1993، ص 164
زہرہ سہگل سے انٹرویو	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 13، ستمبر تا نومبر 1993، ص 172
تندولکر کے ناٹک	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 14، دسمبر تا فروری 1994، ص 187
امراؤجان اور نٹی بودھنی	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 14، دسمبر تا فروری 1994، ص 189
امراؤجان۔ایک مطالعہ (انورادھا کپور،	زبیر رضوی	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 114
اتراؤباؤکر، بنواری تنیجہ، جے این کوشل (انٹرویو)		
اسکرپٹ: امراؤجان	گیتانجلی سرکار	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 126
اس سہ ماہی کے ڈرامے	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 16، جون تا اگست 1994، ص 167
اس سہ ماہی کے ڈرامے	ذ۔ج	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 153
یوجین آئنسکو	کے وینکٹ ریڈی	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 154
بریخت کی بت شکنی	روی ویاس	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 157

راستے ۔ نظریاتی کش مکش کا ڈرامہ زبیر رضوی جلد 5، شمارہ 18، مارچ تا نومبر 1995، ص 149

ڈانس لائک اے مین ۔ کامیاب پیش کش جے این کوشل جلد 5، شمارہ 18، مارچ تا نومبر 1995، ص 152

لفظ کے ساتھ اداکار کا سُر ملانا ضروری زبیر رضوی جلد 6، شمارہ 20، مارچ تا مئی 1996، ص 174

آلوک کی پیش کش ذ۔ج جلد 6، شمارہ 20، مارچ تا مئی 1996، ص 177

ناٹک عبادت ہے دھرم ویر بھارتی/ت: ذ۔ج جلد 6، شمارہ 21، جون تا نومبر 1996، ص 169

عکس تماشا۔ اس سہ ماہی کا ڈرامہ زبیر رضوی جلد 6، شمارہ 22، دسمبر تا مئی 1997، ص 150

تھیٹر (آزادی کے بعد پچاس برسوں میں: جائزہ) کیرتی جین جلد 6، شمارہ 23، جون تا اگست 1997، ص 151

داریو فو کے ناٹک (ہدایت کار: اروند گوڑ) (انٹرویو) ذ۔ج جلد 7، شمارہ 24، ستمبر تا فروری 1998، ص 128

داریو فو کے ناٹک (ترجمہ: امیتابھ سری واستو) (انٹرویو) ذ۔ج جلد 7، شمارہ 24، ستمبر تا فروری 1998، ص 129

ناٹک ”ایک اور درگھٹنا“ ہندوستانی روپ: امیتابھ سری واستو جلد 7، شمارہ 24، ستمبر تا فروری 1998، ص 131

نوبیل انعام یافتہ داریو فو (تعارف) ذ۔ج جلد 7، شمارہ 24، ستمبر تا فروری 1998، ص 124

منجولا پدمانابھن کا انعام یافتہ ناٹک ”ہاروسٹ“ ذ۔ج جلد 7، شمارہ 24، ستمبر تا فروری 1998، ص 175

اس سہ ماہی کے ڈرامے ذ۔ج جلد 7، شمارہ 25، مارچ تا مئی 1998، ص 176

بریخت کے نکتہ چیں ذ۔ج جلد، 7، شمارہ 26، جون تا نومبر 1998، ص 169

رنگ منچ کے شمبھو ترا بھارت رتن بھارگو/ت: حیدر جعفری سید جلد 8، شمارہ 28، مارچ تا اگست 1999، ص 145

ایک لڑکی (تجزیہ) ذ۔ج جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 174

رتن تھیم (انٹرویو) ذ۔ج جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 175

فیروز خاں (تجزیہ) ذ۔ج جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 178

شمع زیدی سے گفتگو ذ۔ج جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 180

تم سعادت حسن منٹو ہو ذ۔ج جلد 11، شمارہ 32، مارچ تا اگست 2001، ص 209

پرتھوی راج کپور۔ ایک سچا کلاکار یوگ راج جلد 12، شمارہ 33، ستمبر تا فروری 2002، ص 180

نہرو سینٹر کا ڈرامہ فیسٹیول	عرفان عثمانی	جلد 12، شمارہ 33، ستمبر تا فروری 2002، ص 190
دیوندر اسر کی کہانیاں رنگ منچ پر	ذ۔ج	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 173
منٹو کے کردار رنگ منچ پر	ذ۔ج	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 175
گریش کرناڈ کا تازہ ناٹک "بلی" (انٹرویو)		جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 177
اپٹا کے ساٹھ برس	ذ۔ج	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 176
'پوروا' ایشیائی تھیٹر۔ نیا منظر نامہ	ذ۔ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 165
جانِ من۔ ہجڑا زندگی کا دکھ بھرا سچ	ذ۔ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 170
بیسویں صدی کا ناٹک کار۔ آرتھر ملر	ذ۔ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 173
'پوتل یاترا' فیسٹول	ذ۔ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 174
رنگ مہوتسو	ذ۔ج	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 205
سیاست کی سائنس پڑھانے والا ناٹک	ذ۔ج	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 206
بہت رات ہو چکی	رمیش چندر	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 208
پھول کافی نہیں	ذ۔ج	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 209
ظل سبحانی دلچسپ ناٹک	ذ۔ج	جلد 14، شمارہ 37، ستمبر تا نومبر 2003، ص 223
اعتراف غالب۔ ہدایت کار عزیز قریشی	ذ۔ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 197
نیشنل اسکول آف ڈرامہ ریپٹری ۴۰ سال	ذ۔ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 199
بھوپال دی پلے (ٹورنٹو)	ذ۔ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 200
گئو دان	ذ۔ج	جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 197
اشاروں کی زبان میں ناٹک	ذ۔ج	جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 199
جی جیسے آپ کی مرضی	ذ۔ج	جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 201
نصیر الدین شاہ کا ناٹک	ذ۔ج	جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 203

مارکیز اکی ایرندیرا	ذ۔ج	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص207
آغا حشر کاشمیری	ذ۔ج	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص209
بھارت رنگ مہوتسو۲۰۰۵	ذ۔ج	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص226
'سیلز مین کی موت' کا ڈرامہ نگار	ذ۔ج	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص232
نیشنل اسکول آف ڈرامہ (امل ملانا)(انٹرویو)	انو بھا ساہنی	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص173
تین کہانیوں کا کولاج	نصیر الدین شاہ	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص175
کلکتے میں اردو تھیٹر۔لٹل تھیسپین	ذ۔ج	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص176
عراق پر پہلا ٹی وی سیریل	ذ۔ج	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص178
ورجینا وولف سے کون ڈرتا ہے	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص185
کرشن چندر کے گدھے کی واپسی	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص188
اردو ڈرامہ فیسٹول	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص189
این ایس ڈی کی ریپٹری کا ناٹک فیسٹول	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص198
بھو بھوتی کے 'اُتر رام چرت' نے دل جیتے	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص138
میم صاحب پرتھوی	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص140
رام نام ستیہ ہے	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص142
دلی چھ	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص143
رام کٹھ پتلیوں کے حوالے سے	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص144
جشنِ بچپن	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص145
تھیٹر اُتسو۲۰۰۷	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص158
پرفارمنگ وومن	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص161
مراٹھی ڈرامہ 'تو'	وقار قادری	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص164

ڈرامہ 'فائنل ڈرافٹ'	وقار قادری	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری 2007، ص165
'تیجی برار' لمبے دن کا سفر رات تک کا تجزیہ	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی 2007، ص205
دسواں تھیٹر اتسو	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007، ص197
ڈراموں کا تعارف	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر 2007، ص198
شاہد انور کی ڈرامہ نگاری	حبیب تنویر	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری، ص133
1857 کا سفر نامہ	ذ۔ج	جلد17، شمارہ50، دسمبر تا فروری، ص140
تندولکر کے ناٹکوں کا اینٹ گارا	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008، ص178
ہاتھوں میں بولتی کٹھ پتلیاں	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008، ص182
شیلا بھاٹیہ نے نئے تھیٹر کی نیو رکھی	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008، ص184
اردو کے اسٹیج ڈرامے	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست 2008، ص187
بریخت اور آج	انور سجاد	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص145
غالب پر میوزیکل ڈرامہ	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص159
میں اسنبول ہوں	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص160
تھیٹر کی قومی دھارا میں اردو	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص162
وقفۂ سکوت کا ڈرامہ نگار ہیرولڈ پنٹر	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص165
ایسن کے ڈراموں کے ڈراموں	رمیش چندر	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص167
سیریلوں کی دادی سریکھا سیکری	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص169
وہ دن وہ لوگ	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی 2009، ص161
ہوٹل مہنجوڈارو	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی 2009، ص162
لیٹر آف سفرنگ	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی 2009، ص163
اسپینی کٹی پتلی فیسٹول	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53، مارچ تا مئی 2009، ص165

ساحر کی اسٹیج بیاگرافی	ذ۔ج	جلد20شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009، ص163
انارکلی۔اکبر۔سلیم	ذ۔ج	جلد20شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009، ص164
انکھیاں والیو	ذ۔ج	جلد20شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009، ص165
بارہواں بھارت رنگ مہوا تسو	ذ۔ج	جلد20شمارہ56،دسمبر تا مئی2010، ص214
سیکس، مورالٹی اینڈ سنسر شپ	ذ۔ج	جلد20شمارہ56،دسمبر تا مئی2010، ص218
زویا خان جواب دو	ذ۔ج	جلد20شمارہ56،دسمبر تا مئی2010، ص219
جنوب ایشیائی خواتین کا ڈرامہ فیسٹول	ذ۔ج	جلد20شمارہ56،دسمبر تا مئی2010، ص221
بیگم کا تکیہ پھر اسٹیج ہوا	ذ۔ج	جلد20شمارہ57،جون تا اگست2010، ص194
ایرانی بہنوں کے کٹھ پتلی شو	ذ۔ج	جلد20شمارہ57،جون تا اگست2010، ص195
برطانوی ڈرامہ 'ماؤس ٹریپ' تاریخ کا حصہ بن گیا	ذ۔ج	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر2010، ص195
قومی اکادمیوں کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں	ذ۔ج	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر2010، ص196
عصری ہندی تھیٹر (مباحثہ)	دیوراج انگر، موہن مہارشی آر کے رینا، اوشا گنگولی	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص188
مراٹھی ناٹک کا الکینچور	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص203
موہن راکیش تھیٹر سماروہ	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص205
فائنل ایئر گریجویشن پروڈکشن	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص206
نارتھ ایسٹ فیسٹول	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص208
ابسن کے ڈراموں کی افادیت	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص210
مکھوٹے اور کٹھ پتلیاں	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59،دسمبر تا فروری2011، ص212
نیشنل اسکول آف ڈرامہ کا سمر فیسٹول	ذ۔ج	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص197
مغربی بنگال میں اردو ڈرامہ آزادی کے بعد	ظہیر انور	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص202

داراشکوہ اور تھیٹر	زبیر رضوی	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص213
ڈرامہ نگار باد سرکار(خراج عقیدت)	ذ۔ج	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص219
'اندھا یگ' ہمارا شہر اس برس،جانِ کلکتہ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص187
رابندر ناتھ ٹیگور اور چودھواں تھیٹر اتسو2012	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص153
غالب پر دو ڈرامے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص15
اردو ڈرامہ فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص158
تمہاری امرتا کے تین سو شو	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص160
بھیل ٹرائبل شو	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص161
عالمی کٹھ پتلی فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص162
ستیہ دیو دوبے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص165
ہاویل کا آخری ڈرامہ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص162
'ایک جٹ' دلی ڈرامہ فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص163
سمر تھیٹر فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص165
ہمارا شہر اس برس	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص167
بیگم کا تکیہ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص168
سوال اپنا اپنا	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص170
سرحد کے اس طرف تھیٹر	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص170
کٹھ پتلیاں،عوامی ترسیل کا موثر ذریعہ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص172
پردے پر پرچھائیں، چمڑے کے پیٹ، زہرہ سہگل	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص173
جشن بچپن	ذ۔ج	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص188
تغلق نئی پیش کش	ذ۔ج	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص190

اردو اکادمی منٹو فیسٹول	ذ۔ ج	جلد 23، شمارہ 64، ستمبر تا جنوری 2013، ص 193
لونڈا بدنام ہوا	ذ۔ ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 128
سنگیت، ناٹک اور رقص	ذ۔ ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 130
بے لگام منٹو (لٹل تھسپین تھیٹر، کلکتہ)	ایس ایم اظہر عالم	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 132
چوتھا اردو ڈرامہ فیسٹول (کردار آرٹ اکیڈمی ممبئی)	ذ۔ ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 135
بال کلاکاروں کا بال سنگم	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 200
اردو اکادمی کا ڈرامہ فیسٹول	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 203
ایک کامیاب تجرباتی پیش کش	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 204
دس منٹ کا تھیٹر	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 206
سولہواں رنگ مہوتسو	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 174
نچنی اور رنگن ڈرامے	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 175
مہا بھوج	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 177
گاندھی جی اور تھیٹر	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 178
آکار پپٹ تھیٹر	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 180
مغل بھارت	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 182
خالد کی خالہ	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 184
مسٹر اینڈ مسز	وقار قادری	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 185
زہرہ سہگل (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 72
ڈراموں کے فیسٹول	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 192
قبائلی تھیٹر، میوزک اور ڈانس فیسٹول	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 193
موہن راکیش سمان اور ناٹیہ سماروہ	ذ۔ ج	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 194

سنئے ڈراموں کی پیش کش چھ بیگھ زمین	ذ۔ج	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص195
مہر نامہ	ذ۔ج	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص196
شاہجہاں اور ممتاز	ذ۔ج	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص198
سلیمہ رضا کی ہدایت میں منٹو کی تین کہانیاں	ذ۔ج	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص200
غضب تیری ادا	ذ۔ج	جلد25، شمارہ69، ستمبر تا فروری2015، ص195
بارہواں جشنِ بچپن	ذ۔ج	جلد25، شمارہ69، ستمبر تا فروری2015، ص197
سنئے اردو ڈراموں کا فقدان	ذ۔ج	جلد25، شمارہ69، ستمبر تا فروری2015، ص200
ابراہیم القاضی (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص29
سری رام لاگو (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص37
زہرہ سہگل (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص48
حبیب تنویر (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص53
رتن تھیم (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص56
گریش کرناڈ (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص58
رنجیت کپور (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص60
اردو ڈرامہ فیسٹول	ذ۔ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص213
اجو کا ڈرامہ فیسٹول اور پوتل یاترا	ذ۔ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص215

گوشہ حبیب تنویر:

حبیب تنویر کا پورا وجود تھیٹر تھا	زبیر رضوی	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص167
عوامی فنکار۔ حبیب تنویر	دیوان سنگھ	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص170
حبیب تنویر نے آؤٹ سائڈر...	بی ایما	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص218
بادل سرکار کا تھیٹر	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص172

فلم اور 'ذہن جدید'

"ذہن جدید" نے فنون لطیفہ کے میدان میں فلموں پر بھی خاص توجہ صرف کی۔ اس نے فلم کے تکنیکی ارتقا، ملکی تناظر اور عالمی صورت حال کو اپنے مشمولات میں جگہ دی۔ اس رسالے نے ہندستانی سنیما کی اہم شخصیات پر بھی مضامین شائع کیے۔ بالی ووڈ اور ہالی ووڈ کے تقابل پر مبنی مضامین بھی اس رسالے کی زینت بنے۔ اسی طرح سنیما کی زبان اور تکنیک پر بھی تحریریں شامل ذہن جدید کے صفحات میں شامل رہی ہیں۔

ہندستانی فلم کے آغاز سے پہلے تفریح کے میڈیم پر تھیٹر کی حکمرانی تھی۔ وہاں مقبول عام قصے اور رزمیے بطور استعمال میں لائے جاتے تھے۔ عوام کے مذاق کا خاص رکھا جاتا تھا۔ پارسی تھیٹر نے بمبئی، شمالی ہند کے شائقین کے اسی خطے کے ڈراما نگاروں سے ڈرامے لکھوائے جو اس وقت تو عام بول چال کی اردو میں تھے لیکن فی زمانہ اچھی خاصی مشکل زبان کے سمجھے جائیں گے۔ پارسی تھیٹر نے شائقین کی ایک بڑی تعداد تیار کر دی تھی۔ پیسہ دے کر تفریحی کھیل دیکھنے کی بنا ڈال دی تھی۔ ہندستان میں جب سنیما آیا تو تجارتی بنیاد لے کر آیا۔ اداکاری اور زبان وغیرہ کا مقبول عام پیٹرن تھیٹر تھا جو اس نے اخذ کرلیا۔ اسٹیج کے فنکار، لکھنے والے، گانے والے سب فلموں کا رخ کرنے لگے، اس طرح پارسی تھیٹر کے رواج کردہ مذاق پر فلمیں بننے لگیں۔ ہندستانی سنیما کا مطالعہ کرتے وقت اس پس منظر کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اس رسالے میں لکھنے والوں نے جب ہندستانی سنیما کا مطالعہ ہالی ووڈ بنام بالی ووڈ کے زاویے سے کیا تو اس پس منظر کو ذہن میں نہیں رکھا۔ "ہالی ووڈ بمقابل بالی ووڈ" نامی سلسلہ مضامین میں یہ صورت ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔

کمرشل سنیما اور سماجی ترسیل کے موضوع پر دویندر اسر کا مضمون ہمیں بالی ووڈ میں بننے والی نمائندہ فلموں "بابی"، "شعلے" اور "پرتی گھات" کے دوررس تجزیے ملتے ہیں۔ یہ فلمیں ایک تغیر پذیر سماج کی نمائندہ ہیں۔ یہاں دیوداس کے عشقیہ تجربے سے مختلف تجربہ ملتا ہے جو وصل سے زندگی کی مسرتوں کو نچوڑنے کا تجربہ

ہے۔ منظم ظلم کے خلاف اٹھنے والی آواز کی جگہ ایک مجرم کی زندگی قابل رشک بنتی ہے اور شائقین اس نوع کے کردار پر اپنی شیفتگی کو ظاہر کرتے ہیں تو ہمیں اجتماعی سائیکی کا احتساب کرنا ہو گا کہ کون سے ایسے نئے دروازے ہمارے سماجی ساختیے میں کھولے گئے اور کون سے نئے روشن دان ہمارے اجتماعی شعور میں بنائے گئے کہ اس نوع کے کردار مقبول عام کردار میں بدلنے لگے۔ یہ مضمون اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ شعلے جیسے ٹائپ سماج اس وقت سرخرو ہوتے ہیں جب حکومتی نظام اپنے عوام کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تب عوام ایسے اینٹی ہیرو کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس ظلم کا سدباب کرتا ہے۔ سماج میں امن وامان کے قیام کی ذمہ داری حکومتی اور سماجی و تعلیمی اداروں کی ہے۔ جب یہ ادارے کامیاب نہیں ہوتے تو ایسی صورت میں ایک تفریحی میڈیم سے سماجی تبدیلی کی توقع بے سود ہو جاتی ہے۔ دیویندر اسر لکھتے ہیں:

> ”کمرشیل سینما حقیقت اور فنتاسی کے تناؤ کو قائم رکھتا ہے اگر وہ اس تناؤ اور فاصلے کو ختم کر دیتا ہے تو اس کی یقین آمیزی ختم ہو جائے گی۔ اس کا اشتیاق اور تفریحی وسیلہ صدیوں سے سماج میں جاری تشدد، جبر، محرومی اور فرسودہ اقدار کو ”شعلے“”بابی“اور”پرتی گھات“ جیسی فلمیں ایک نئی تمثیل، ایک نئے محاورے، ایک نئے فنی طرز کے روپ میں مقبول ہو رہی ہیں۔ یہ کہنا درست ہے کہ جس میڈیم نے حقیقت میں عوام سے کوئی رشتہ قایم کیا ہے وہ کمرشیل سینما ہے اگر ہم چاہتے ہیں کہ کمرشیل سینما فن کے دائرے سے خارج کر دینے کے باعث ایک تہذیبی مسئلہ نہ بن جائے تو ہمیں کمرشیل سینما سے Empathy کے ساتھ بامعنی رشتہ استوار کرنا ہو گا۔ بریخت نے ایک بار کہا تھا کہ ہم سینما میں تبدیلی لا کر لوگوں (کی زندگی) میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ سینما اس وقت بدل جائے گا جب لوگوں کے حالات زندگی بدل جائیں گے۔“[۲]

”ذہن جدید“ میں فلمی مکالمہ نویسی پر راہی معصوم رضا کا مضمون قابل قدر ہے۔ مکالمے کی نوعیت فلم اور ڈرامے میں مختلف ہوتی ہے۔ ڈراما پرفارمنگ آرٹ ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ بصری پیکر نہیں رکھ سکتا، اس لیے اسے بہت سے مطلوب بصری پیکر کو مکالمے کے توسط سے ہی دکھانا ہوتا ہے لیکن ادبی اصناف کے مقابلے میں اس کے پاس کردار اور منظر وروشنی اور آواز وغیرہ کے ایسے ذرائع ہوتے ہیں کہ وہ ادبی اصناف کے مقابلے میں کم سے کم مکالموں پر انحصار کر سکتا ہے۔ ڈرامے میں مکالمے تین بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں۔ مکالمے کردار کے کسی پہلو روشن کرتے ہیں۔ کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں یا پھر حرکات وسکنات سے ادا نہ ہو پانے والے مافی الضمیر کو ادا کرتے ہیں۔ فلم میں مکالمے کا مقصود بصری پیکروں کو تقویت پہنچانا ہوتا ہے۔ راہی

معصوم رضانے اپنے مضمون یہ بتایا ہے مغربی سینما میں مکالمہ نویس کی مستقل جگہ نہیں ہے کیوں کہ مکالمہ اسکرین پلے کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ ہمارے سنیما میں مکالمہ نویس ایک مستقل مقام رکھتا ہے اور اس کی کچھ وجہ تو اخذ وا کتساب ہے کہ ایسی صورت میں کسی علاقائی زبان کی مقامی فضا کو ہندی فضا اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس ہدف کے لیے پوری کہانی کو نئے سرے سے ڈھالنا ہوتا ہے۔ دوسری اس کی وجہ اور ہے وہ یہ کہ ہمارے یہاں مکالمے بصری پیکر کو تقویت دینے کے لیے نہیں لکھے جاتے بلکہ بصری پیکر مکالموں کو مد نظر رکھ ترتیب دیے جاتے ہیں۔ راہی معصوم رضا یہ بتاتے ہیں کہ ہندی سنیما میں وہی مکالمہ نویس کامیاب ہوئے ہیں جو اردو پس منظر سے آئے ہیں وہ ایک دو مستثنیات کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مکالمہ نگاری کا اصول یہ ہے کہ نثر اور مکالمہ کے درمیان امتیاز کیا جائے۔ مکالمے کی ایک زمینی حیثیت ہے اور وہ مخاطب اور جگہ کے بدلنے سے اپنی قلب ماہیت کرلیتا ہے یعنی مکالمے میں حفظ مراتب کو بھی دخل ہے۔ فلم کا موڈ مکالمے کی بلند آہنگی یا نرم آہنگی کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر فلم میں غیض و غضب، غم و غصہ ہے تو لامحالہ اس کا اثر فلم کے مکالمے پر پڑے گا اور اگر فلم مدھم جذبے اور سر سے آراستہ ہے تو اس صورت میں مکالمے پر اثر ہوگا۔ مکالمہ نویسی کے باب میں وہ قادر خان، جاوید اختر کی تعریف کرتے ہیں کہ دونوں الگ الگ موڈ کی فلموں کے اچھے مکالمہ نویس ہیں۔

کیا مکالمہ شائقین سے تالی سمیٹ لے یا انھیں آہ و بکا کرنے پر آمادہ کردے تو اسے مکالمہ نویس کی کامیابی خیال کرنا چاہیے؟ اس سوال کا جواب ہمیں راہی معصوم رضا کے یہاں نہیں میں ملتا ہے۔ اگر مکالمے پر ناظرین رونے یا قہقہہ مارنے لگیں تو اس سے فلم کا مجموعی تاثر متاثر ہوگا۔ شائقین رونے یا قہقہہ لگانے والے کی طرف متوجہ ہوں گے اور فلم کے اندر جاری کرداروں کی کشمکش سے غافل ہوجائیں گے۔ اس لیے فلم کے مکالمے بس اتنے ہی غم آگیں ہوں کہ ان سے آنکھیں نم ہوجائیں یا مزاح اس قدر تبسم زیر لب سے ہی ناظر کو محدود رکھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ فلم ملی کا ایک مکالمہ لکھ رہے تھے جو جیہ بھادری اور اشوک کمار پر فلمایا جانا تھا۔ وہ اسے لکھ چکے تو نم ناک ہوگئے اور اسے اپنی یونٹ کو لے جا کر سنایا تو وہ لوگ بھی رو پڑے۔ یہ منظر ایسی غمناکی سے لبریز تھا لوگوں کے دلوں پر جالگا۔ راہی معصوم رضا کو یہ توقع تھی کہ ان کے اس منظر کی داد انھیں ضرور ملے گی لیکن خلاف توقع انھیں داد نہ مل سکی۔ بلکہ ہدایتکار رشی کیش ان سے بولے:

> ”راہی یہ سین ہلکا کرو، ابھی تو یہ سی ہم تم سے سن رہے ہیں لیکن جب اس سین کو اشوک کمار، جیا بہادری کے ساتھ پورے بیک گراؤنڈ میں فلمایا جائے گا تو یہ اور غمگین ہوجائے گا اور اگر سنیما

ہال میں اس سین کو دیکھتے ہوئے کوئی زور سے رویا اور باقی لوگ اس رونے پر ہنس پڑے تو سمجھو فلم تباہ ہو جائے گی۔ اس لیے اس کے تاثر کو کم کرو۔ میں نے رشی کیش کی طرف داد دینے والی نظروں سے دیکھا کہ یہ نکتہ صرف رشی کیش جیسا ہدایت کار ہی اٹھا سکتا تھا تو تب سے میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی کہ فلم میں مکالمہ آنکھیں نم کر دے مگر رلائے نہیں۔ ؎

ہمیں ذہن جدید میں فلمی شخصیات پر بھی مضامین ملتے ہیں خصوصاً ایسی شخصیات جو بطور فنکار مقبول بھی ہیں اور اپنی فن پرستی کی وجہ سے فلم کے میڈیم میں ممتاز مقام رکھتی ہیں۔ ستیہ جیت رے انھیں ممتاز لوگوں میں سے ایک ہیں۔ ستیہ جیت رے بچپن سے ہی فلم کی طرف مائل تھے۔ ٹیگور کی درسگاہ شانتی نکیتن میں وہ زیر تعلیم تھے۔ ٹیگور کی رحلت کے بعد ہی بغیر سند لیے اس ادارے کو خیر آباد کہا۔ برطانیہ کی ایک فرم جو اشتہار کے کاروبار سے وابستہ تھی نوکری کر لی۔ فلم سے جو لگاؤ ان کے دل میں پیدا ہوا تھا وہ باقی رہا اور آگے جا کر اس لگاؤ نے ایک جنون کی شکل اختیار کر لی اور اسی جنون نے ستیہ جیت رے کو فلمی دنیا کا نابغہ بنا دیا۔ انھوں نے پہلے پہل اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر ایک ایسی فلم سوسائٹی بنائی جس نے لوگوں میں فلم بینی کا ذوق پیدا کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان کی اس سعی سے یہ فائدہ ہوا کہ بنگال میں ایک باذوق اور باشعور فلم بیں طبقہ پیدا ہو گیا۔ ستیہ جیت ایک مختلف الابعاد شخصیت کے مالک تھے وہ کہانی کار، موسیقار، مصور اور اسکیچ بنانے والے تھے۔ فلمی دنیا میں ستیہ جیت رے کی شہرت کا آغاز ان کی پہلی فلم پتھر پنچالی سے ہوا یہ فلم ۱۹۵۴ میں آئی اور انھیں فلمی دنیا میں ایک ہدایت کار کی حیثیت سے ثابت اور قائم کر دیا۔

ذہن جدید نے دلیپ کمار پر خصوصی گوشہ شائع کرنے کا اہتمام کیا۔ دلیپ کمار نے فلم جوار بھاٹا سے فلمی دنیا میں اپنا اندراج کروایا۔ فلم انداز کی کامیابی نے انھیں شہرت دی اور اس طرح وہ ایک مقبول عام اداکار بننے کے سفر پر روانہ ہوئے۔ دیوداس اور دیدار جیسی المیہ تاثر کی حامل فلمیں کرنے کی وجہ سے وہ شہنشاہ جذبات کے خطاب سے نوازے جانے لگے۔ مغل اعظم، محبت، قربانی اور المیے کی کہانی کے طور پر دیکھی جاتی ہے۔ اس فلم میں بطور کردار دلیپ کمار کی تعریف فلم کے بیشتر ناقدین کرتے ہیں۔ یہ مغلیہ عہد کے پس منظر میں اکبر اور سلیم کے درمیان ایک کشمکش پر مبنی فلم ہے جو سراسر فسانے پر مبنی ہے اور اس کے سچ ہونے کے شواہد نہیں ملتے لیکن کہانی میں جو کشمکش، تصادم اور ابتدا، ارتقا و انجام کی جیسی خوبیاں ہیں، ان خوبیوں کی وجہ سے یہ فلم ایک لازوال یادگار کے طور پر جانی جاتی ہے۔ فلم میں دلیپ کمار نے اگرچہ شہزادے کا کردار ادا کیا ہے لیکن وہ شہزادہ ہونے

کے ساتھ ساتھ ایک راج کمار بھی ہیں اور راج کمار فتح حاصل کر کے ہی لوٹتا ہے۔ سو فلم میں جنگی سطح پر سلیم جنگ کو اپنے حق میں کرنے میں کامیاب رہتا ہے لیکن محبت میں اس کی ناکامی ایک عمیق المیہ تاثر پیدا کرتی ہے۔ دلیپ کمار نے اس کردار کو پورے تاثر، جذبے کی شدت اور عہدہ کے جلال کے ساتھ نبھایا ہے۔ دلیپ کمار نے الگ الگ قسم کی فلمیں کی ہیں۔ انھوں نے شہزادے کا کردار ادا کیا۔ راج کمار بنے، کسان اور مزدور کا رول بھی انھوں نے ادا کیا۔ دلیپ کمار کی بڑی خوبی ان کا وہ لہجہ ہے جو کرداروں کے لہجے اور بولی ٹھولی کو بڑی دراکی سے قید کر لیتا ہے۔ وہ جب گاؤں کے فرد کا کردار ادا کرتے ہیں تو اس کے ملبوس، حرکات و سکنات، زبان و محاورہ وغیرہ کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ باقاعدہ اس خطے کے باسی معلوم ہوتے ہیں۔

دلیپ کمار اداکاری کا ایک جامع تصور رکھتے تھے۔ ان کے نزدیک اداکاری کا عمل یک طرفہ عمل نہ تھا کہ وہ بس اپنے خارج کی دنیا تک محدود رہتے اور نہ ہی وہ باطن تک خود کو محدود کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ واقعہ جذبے سے اثر پذیر ہو اور جذبہ صورت حال پر اپنا رنگ ڈالنے میں کامیاب ہو، ایسی صورت ہی میں بات بنتی ہے۔ دلیپ کمار اس عمل کو آسان عمل خیال نہیں کرتے کہ اسے میکانیکی سطح پر انجام دیا جائے۔ بلکہ وہ حسی انتقال کو مشکل امر خیال کرتے ہیں۔ وہ اداکاری کے حدود سے بھی واقف تھے۔ کردار کے منطقے اور دائرے کا بھی انھیں بہت استحضار تھا۔ زبیر رضوی کے ساتھ ہوئے مصاحبے پر دلیپ کمار نے کہا:

> ”آرٹسٹ جو ہے وہ اپنے کردار بھر تک کام کر سکتا ہے یعنی اگر آپ ایک فقیر کا کردار ادا کر رہے ہیں تو آپ خود کو اس کے فقر اور فقیری تک ہی محدود رکھیں گے کردار کے حدود سے تجاوز کر کے انسان کام نہیں کر سکتا اور اس دائرے میں بھی جذبات کو واقعات اور صورت حال کو اپنے احساسات کا حصہ بنانا، اس سب کو اپنانے میں دیر لگتی ہے۔“[۸]

راہی معصوم رضا کے حوالے سے مکالمے کے سلسلے میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مکالمے کا بنیادی کام بصری پیکر کو اجالنا اور زیادہ روشن کرنا ہوتا ہے۔ لیکن ہندی سینما میں اس کے برعکس بصری پیکر مکالمے کو تقویت دیتے ہیں۔ اس کے وجوہ بھی راہی معصوم رضا نے بیان کیے ہیں۔ دلیپ کمار مکالمے کی نارسائی کے پہلو کو روشنی میں لاتے ہیں۔ ان کا ماننا یہ ہے کہ مکالمے میں بہت سی باتیں نہیں سموئی جا سکتیں، وہ چہرے کے ہاؤ بھاؤ سے ادا کی جاتی ہیں۔ وہ بالکل تخلیقی منطقے پر آ کر کہتے ہیں کہ سکوت کی اپنی ایک زبان ہے۔ یعنی خاموشی بولتی اور ترسیل کرتی ہے۔ اس کے ذریعے احساس کی شدت کو نمایاں کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ خاموشی مکالمے کا بدل دیتی ہے۔ کہانی کے اندر رہ

جانے والا خلا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ زبان اس کے لیے کفایت نہیں کرتی۔ اس مقام پر دلیپ کمار نے زبان اور جسچر کے حدود کا تعین کیا ہے۔9

امیتابھ بچن سے ہوئے ایک مصاحبہ کو ذہن جدید نے بہ تکرار شائع کیا۔ اس مصاحبے سے امیتابھ بچن کی زندگی اور پیشہ ورانہ زندگی کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ امیتابھ بچن ایک علمی خانوادے کے فرد ہیں۔ ان کے والد انگریزی کے استاد تھے، الہ آباد یونیورسٹی میں درس و تدریس کا کام کرتے تھے۔ ادب ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ ہری ونش رائے بچن ہندی کے جدید شاعروں میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں انھوں نے خیام کا ہندی ترجمہ کرکے جو استحکام حاصل کیا اور انھیں جس نوع کی شہرت حاصل ہوئی، اس نے انھیں ہندی ادب میں لازوال کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ امیتابھ بچن ایسی اکادمک اور ادبی شخصیت کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ امیتابھ کی والدہ ڈرامے اور اسٹیج سے شغف رکھتی تھیں، اس طرح امیتا بچن کو بیک وقت شاعری اور اسٹیج دونوں سے متعارف اور مانوس ہونے کا موقع ملا۔ امتابھ بچن نے شاعری کی طرف کچھ توجہ کی اور اپنے والد سے اصلاح بھی لی لیکن وہ مستقل مزاجی سے یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ امیتابھ بچن کو اپنے اندر کی اداکارانہ صلاحیتوں کا کلی ادراک نہ تھا، انھیں اداکاری کی طرف ان کے بھائی نے متوجہ کیا۔ خواجہ احمد عباس نے انھیں "سات ہندستانی" میں پہلا موقع دیا۔ اس فلم کو کرنے کے بعد ان کا خیال تھا کہ وہ اچھی فلمیں کریں گے یعنی وہ آرٹ فلموں کی طرف راغب تھے اور اسی طرح کے رول کرنا چاہتے تھے، اسٹار بننے کا ان کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کمرشیل سنیما کے فرق سے وہ آہستہ آہستہ واقف ہوئے۔ امیتابھ بچن کا یہ مصاحبہ شعلے فلم کی ریلیز سے پہلے کا ہے۔ اس فلم سے پہلے ہی وہ اسٹار کی شبیہ پا چکے تھے اور بیک وقت کئی فلمیں کر رہے تھے۔ انھوں نے اس انٹرویو میں اپنی ازدواجی زندگی کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے۔

نصیر الدین شاہ کا ایک مصاحبہ "ذہن جدید" میں نقل ہوا ہے۔ اس مصاحبے میں نصیر نے اپنے معاصر، بزرگ اور جونیئر اداکاروں کی فنی استعداد کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ نصیر کے مطابق خاموش عہد کی فلمیں پارسی تھیٹر کے اثر میں ڈوبی ہوئی تھیں اور یہ سلسلہ متکلم فلم کے شروع ہونے کے بعد تک جاری رہا۔ پہاڑی سانیال اور مولی لال نے پہلے پہل بلا جھجک اداکاری کی۔ دلیپ کمار نے محبوب کی فلم انداز میں اپنی اداکارانہ پختگی کا اظہار کیا۔ راج کپور نصیر الدین شاہ کے نزدیک محدود صلاحیتوں کے مالک تھے جس کا انھیں خوب اندازہ تھا۔ بلراج ساہنی کو وہ خدا کا عطیہ مانتے تھے لیکن انھوں نے اپنے آپ کو مخصوص خول میں قید کرلیا۔ نصیر کے نزدیک شمی کپور میں بلا کی صلاحیت تھی لیکن ان کی ادکارانہ لیاقت کا فلمی دنیا نے خاطر خواہ استعمال نہیں کیا۔ نصیر شمی کپور میں طربیہ انداز

کارچاؤ دیکھنے کے ساتھ تحرک اور جذباتیت کو نشان زد کرتے ہیں۔ سنجیو کمار کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ ان میں بلا کی صلاحیت تھی لیکن عمر نے ان سے وفا نہ کی۔ اداکاراؤں میں نصیر کی نگاہ میں مینا کماری، نوتن، وحیدہ رحمان، سمیتا پاٹل اور شبانہ اعظمی بڑے نام ہیں۔ نووارد وں میں وہ منوج واجپائی، تبو اور عرفان کا نام لیتے ہیں۔

سنیما کی زبان وقت کے ساتھ بدلتی رہی ہے۔ آغاز میں پارسی تھیٹر کے زیر اثر سنیما کی زبان اردو رہی اور فلموں کا غالب عنصر مکالموں پر منحصر رہا۔ آہستہ آہستہ زبان کا طور بدلا۔ گیتوں کی مقدار میں کمی آئی اور مکالمے سچویشن کے حساب سے لکھے جانے شروع ہوئے۔ اسی کی دہائی تک فلم کی زبان ایک معیار کی پابند رہی اور فلم کے بیشتر لکھنے والے اردو پس منظر سے آئے اور انھیں ہی کامیابی بھی ملی۔ اس کی طرف راہی معصوم رضا نے محولہ بالا مضمون میں اشارہ کیا ہے۔ زبیر رضوی نے اپنے مضمون فلمی صنعت کی نامور ہستیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ فلمساز اپنے سرمایہ دارانہ تجارتی مقاصد کے پیش نظر اردو پس منظر کے لکھنے والے کو ترجیح دیتے ہیں۔ رضوان الحق نے فلموں کی زبان کو موضوع بحث بناتے ہوئے ۱۹۹۰ کے بعد کی فلموں کا جائزہ لیا ہے۔ ۱۹۹۰ کے بعد حکومتی پالیسی کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر نجی ملکی اور غیر ملکی کمپنیوں کا سیلاب آیا اور ان میں لیاقت کا معیار انگریزی دانی پر ٹکا تھا اس لیے روزمرہ میں انگریزی زبان کا استعمال دن بہ دن بڑھتا گیا۔ اس طرح ہمارے روزمرہ کا کینڈا بدل گیا اور بہت سے انگریزی الفاظ ہماری زبان میں دخیل ہو گئے۔ اب اس طبقے کی زبان اور محاورے کو فلمی زبان میں باریابی ملی تو یہاں بھی انگریزی کے دخیل الفاظ بڑھتے ہی گئے۔ اس پوری صورت حال پر رضوان الحق نے اپنے مضمون میں بڑی دیدہ ریزی سے جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون کے حاصل کلام میں بتایا ہے:

> ”اس مطالعے سے جو نمایاں نتائج حاصل ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ہندستانی فلموں میں انگریزی کا استعمال بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے لیکن اس کے باوجود دلی جذبات کے اظہار کے لیے اردو کا کوئی بدل نہیں ہے لیکن اردو تلفظ اور روزمرہ کافی تیزی سے تبدیل یا مسخ ہو رہا ہے۔ ہندی سرکاری زبان کی وجہ سے کہیں کہیں جگہ پا جاتی ہے اور پنجابی زبان بھی اس ہندستانی زبان میں جگہ پا رہی ہے۔“[10]

سنیما سے متعلق جو مضامین اور انٹرویوز 'ذہن جدید' کے صفحات کی زینت بنے ان کی فہرست درج ذیل ہے۔ اس فہرست کے ذریعہ ذہن جدید کی ترجیحات اور زبیر رضوی کی اس میدان سے وابستگی اور موضوعی گرفت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لتا منگیشکر سے انٹرویو	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص162
تنہائی پسند گاربو		جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص170
سری لیکھا	انل ساری	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص172
انورادھا پوڈوال	انل ساری	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص173
کمرشیل سنیما اور سماجی ترسیل	دیوندر اسّر	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص206
نوشاد۔ داستانوی حیثیت	گرجا راجندرن	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص211
بدلتے ہارمونیم	سبھاش کے جھا	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص214
پراسرار فلمیں	ذ۔ج	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص216
سنیما ہال	پنکج بٹالیہ	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص217
سمیتا پاٹل سے انٹرویو	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص159
فلم اور مکالمہ نگاری	راہی معصوم رضا	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص163
نیو ویو سنیما (مباحثہ)	شبانہ اعظمی، پاروتی مینن، سدھیر مشرا، اقبال مسعود، روی گپتا	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص167
کلاسیکی سنگیت کا رچاؤ	اے ٹی جینتی	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص175
اچھی اور بری فلم	اے ایس رمن	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص178
ہم سب میں ایک تھیٹر موجود ہے	ژاں کلاد کریئر	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص152
سنیما ترسیل اور اظہار دونوں کا میڈیا ہے (مباحثہ)	شیام بینیگل، گووند نہلانی	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص155
فلم پر اچھے مواد کا فقدان ہے	ذ۔ج	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص159
نوخیزوں کا عشق	ذ۔ج	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص161
فلم میلے	باسو بھٹاچاریہ	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص195
رِتوک گھٹک کا فن	ذ۔ج	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر 1991، ص198

فلم کے اسسٹنٹ آرٹسٹ	گن ونتی بلرام	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر1991، ص200
معذور اداکار (بنیل شعبان)	ابھیجیت سین	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر1991، ص203
ملیالم سنیما	ٹی۔کے عبد الحمید	جلد2، شمارہ5، ستمبر تا نومبر1991، ص206
امیتابھ بچن سے انٹرویو	خالد محمد	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری1992، ص198
ستیہ جیت رے	ذ۔ج	جلد2، شمارہ6، دسمبر تا فروری1992، ص205
مرنال سین سے انٹرویو	راج شری داس گپتا	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی1992، ص162
دھرمیندر سے انٹرویو	زبیر رضوی	جلد2، شمارہ7، مارچ تا مئی1992، ص165
فلم کے قومی انعامات	اڈور گوپال کرشنن	جلد2، شمارہ8، جون تا اگست1992، ص178
میری فلمیں	ستیہ جیت رے	جلد2، شمارہ8، جون تا اگست1992، ص187
امجد خاں ایک فینامنا تھا	رمیش پپی	جلد2، شمارہ9، ستمبر تا نومبر1992، ص171
ستیہ جیت رے کے بعد کون؟	گوتم کول	جلد2، شمارہ9، ستمبر تا نومبر1992، ص175
اوم پوری	ذ۔ج	جلد3، شمارہ10، دسمبر تا فروری1993، ص174
آڈرے ہیپ برن	ادارہ	جلد3، شمارہ11، مارچ تا مئی1993، ص172
مرنال سین۔ایک مثالی ہدایت کار	ذ۔ج	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست1993، ص166
ستیہ جیت رے ایک ذاتی سے تاثر	محافظ حیدر	جلد3، شمارہ12، جون تا اگست1993، ص168
میرا فلم بیں طبقہ	اڈور گوپال کرشنن	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص191
کچھ اپنے بارے میں	اے کے سہگل	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست1994، ص173
راج کپور۔ایک فطری اداکار	سریندر کمار	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست1994، ص176
فلم ساز راج کپور	بھارت بھوشن	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست1994، ص179
سنیما ایک الیکٹرک آرٹ ہے (مباحثہ)	ذ۔ج	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری1995، ص166
دلیپ کمار بنام یوسف خاں	ویر سنگھوی	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری1995، ص170
میں ایوارڈ کی خاطر فلم نہیں بناتا	منی رتنم	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری1995، ص176
سنیما۔سو برس کا سفر	ذ۔ج	جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر1995، ص171

ہندوستانی سنیما ایم شمیم جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر1995، ص175

ہچ کاک ایک تعارف ذ۔ج جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر1995، ص178

نیا سنیما۔ نئی فلمیں (مباحثہ) ذ۔ج جلد6، شمارہ22، دسمبر تا مئی1997، ص161

کیا فلم کی بہترین صلاحیتوں کے مرکز... ذ۔ج جلد6، شمارہ23، جون تا اگست1997، ص173

ہندوستانی سنیما اور نئی تکنیک گوتم کول جلد7، شمارہ24، ستمبر تا فروری1998، ص181

ہالی ووڈ بمقابلہ بالی ووڈ محافظ حیدر جلد7، شمارہ25، مارچ تا مئی1998، ص180

اکیرا کروسووا کی فلمیں اور جاپانی عوام ذ۔ج جلد،7، شمارہ26، جون تا نومبر1998، ص173

ہالی ووڈ بمقابلہ بالی ووڈ محافظ حیدر جلد،7، شمارہ26، جون تا نومبر1998، ص176

غالب کا مجسمہ (انٹرویو) کشوری لال جلد،8، شمارہ27، دسمبر تا فروری1998، ص132

کتھک رقص اور غالب کی غزل (انٹرویو) اوما شرما جلد،8، شمارہ27، دسمبر تا فروری1998، ص154

ہالی ووڈ بمقابلہ بالی ووڈ محافظ حیدر جلد،8، شمارہ27، دسمبر تا فروری1998، ص177

ہندوستانی ثقافت فلم فائر کے حوالے سے (مباحثہ) سدھارتھ بھاٹیہ، جلد،8، شمارہ27، دسمبر تا فروری1998، ص170
ڈی آر چودھری، شوربوری گنگولی

فلم اور سنسر شپ حسن سرور اور انل دھارکر جلد8، شمارہ28، مارچ تا اگست1999، ص170

دلیپ کمار اور بال ٹھاکرے (رد عمل) اخبار ٹائمز آف انڈیا، جلد8، شمارہ28، مارچ تا اگست1999، ص176
ہندو، پائنیر

ہچ کاک کی فلمیں (ایک سویں سالگرہ) ذ۔ج جلد8، شمارہ28، مارچ تا اگست1999، ص179

ہالی ووڈ بمقابلہ بالی ووڈ محافظ حیدر جلد8، شمارہ28، مارچ تا اگست1999، ص184

ہالی ووڈ بمقابلہ بالی ووڈ محافظ حیدر جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص159

فلاپ فلمیں (۲۰۰۰) ذ۔ج جلد11، شمارہ31، ستمبر تا فروری2001، ص189

ٹریننگ دھار کا کام کرتی ہے (انٹرویو دلیپ کمار) انوپم کھیر جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص203

آرٹسٹ اپنے ایتھوس کے ساتھ جیتا ہے نکہت کاظمی جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص212

(انٹرویو دلیپ کمار)

معاصر ایرانی سنیما (انٹرویو: ایرج کریمی) گوری رام نرائن		جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 180
۱۹۴۷ کا بٹوارہ: ذرائع ابلاغ کی آنکھوں سے	ذ۔ ج	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 183
ستیہ جیت رے کی تصویر سے مکالمہ	ذ۔ ج	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 185
ہندوستانی سنیما: باکس آفس کے لیے دشمن کی کھوج ذ۔ ج		جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 186
لگان کے مقابلے "نومین لینڈ"	ذ۔ ج	جلد 12، شمارہ 34، مارچ تا اگست 2002، ص 188
سزائے موت پر فلم	ذ۔ ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 182
گجرات کے پس منظر کی ایک فلم	ذ۔ ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 184
فلم پوسٹر ایک شوق	ذ۔ ج	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 186
پھالکے ایوارڈ اختلافی ہونے لگا	امیتا ملک	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 186
سنیما میں عورت کے کئی چہرے	ذ۔ ج	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 217
مسلم تہذیب پر بنیں فلمیں	سید سعید اختر	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 220
ایرانی فلم ساز	ذ۔ ج	جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 223
سچ دکھانے والی فلمیں	کلپنا شرما	جلد 14، شمارہ 37، ستمبر تا نومبر 2003، ص 226
کراچی فلم فیسٹول	آنند پٹوردھن	جلد 14، شمارہ 37، ستمبر تا نومبر 2003، ص 229
دلیپ کمار پر لکھنے کا موسم	ذ۔ ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 220
لارنس آف عربیہ کا عمر شریف	ذ۔ ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 224
انوکھے موضوع انوکھی فلمیں	ذ۔ ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 227
یاسمین	شیراز سدھوا	جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 210
کایا ترن	ذ۔ ج	جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 214
سنیما اسکرین کا ایک شریف بدمعاش۔ پران		عطاء اللہ خاں، جلد 15، شمارہ 39، جون تا نومبر 2004، ص 218

پندرہ منٹ کی ایک دلچسپ فلم	ذ۔ج	جلد15، شمارہ40، دسمبر تا فروری2005، ص234
شاہ رخ خان۔ سپر اسٹار بھی اداکار بھی	ذ۔ج	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص191
تین سینما تین عظیم فلمیں	ذ۔ج	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص195
اڈور گوپال کرشنن کا سینما	ذ۔ج	جلد15، شمارہ41، مارچ تا اگست2005، ص199
فلمی صنعت کے تین خاں	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص202
خودکش حملے پر فلم	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص207
کامیڈی دلوں کو جوڑتی ہے	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص208
پیرس فلم فیسٹول	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص214
جنگ اور عراق کان فیسٹول میں	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص216
سینسر۔ سینسر۔ سینسر	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص219
جنوبی ہند اور سنسر شپ	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص227
نوشاد کا لافانی سنگیت	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص228
منوہر شیام جوشی	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43، مارچ تا مئی2006، ص229
فلم ساز شانتارام	رشید انجم	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص150
اپنی دھوپ ساتھ لائے تھے رشی دا	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص151
فلموں کی زبان	رضوان الحق	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص160
فلم منافع کا بہترین سال	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص165
فلم کے فیسٹول ہی فیسٹول	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص157
فلم 'لگے رہو منا بھائی'	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص160
کرن جوہر نے...	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص163
ہماری فلموں کی حقیقت پسندی	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص165

لیک سے ہٹ کر ملیالی فلم	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص168
۲۰۰۶اور بالی ووڈ	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص170
بالی ووڈ اور آسکر ایوارڈ	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص175
پرزانیہ ایک ٹریجڈی کا بیان	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص179
بلیک فرائڈے...	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص181
تقسیم وطن پر جوش کی فلم	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص183
کچھ اچھی سچی فلمیں	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی2007، ص213

(واٹر، 1971، سرحد پار، نیم سیک، نمستے لندن، میٹرو، یاترا، چینی کم، شوٹ آؤٹ ایٹ لو کھنڈوالا)

کرکٹ کا بخار فلموں تک	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی2007، ص221
اس سہ ماہی کی فلمیں	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص203
آرٹ اور غارت گری	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص207
عالمی فیسٹول انڈیا	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص209
سنیما اور آپ بیتیاں	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص213
خدا کے لیے ایک پاکستانی فلم	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص215
حضرت عیسیٰ کی زندگی پر ایرانی فلم	ذ۔ج	جلد17، شمارہ49، ستمبر تا نومبر2007، ص216
دلیپ بولینگے اور سائرہ لکھینگی	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص190
نندیتا داس پاکستانی فلم میں	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص191
پتن سنہا کو پھالکے ایوارڈ	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص192
فلمی صنعت کا نفع نقصان	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص194
چھوٹے پردے پر فلمی گلیمر	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51، مارچ تا اگست2008، ص197
دہشت گردی اور نئی فلمیں	زبیر رضوی	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص175

معذوروں کے سنیما اور تھیٹر	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 52، ستمبر تا فروری 2009، ص 180
نئی فلمیں پرموشن اور منافع	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 52، ستمبر تا فروری 2009، ص 183
بڑے پردے کی حقیقت پسندی	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 52، ستمبر تا فروری 2009، ص 187
محبوب خان کی فلم انداز (ایک ناسٹلجیا)	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 180
پرکاش مہرا کی یاد میں	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 182
ایرانی اداکارہ۔ نکی کریمی	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 184
شاہ رخ خان کی کہانی	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 185
نشاطیہ سُروں والی۔ شمشاد بیگم	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 186
مسٹر اور مسز دت	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 187
ہندوستانی سنیما اور اداکاری	نصیر الدین شاہ	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 188
نیرا کوٹہ کی عالمی نمائش	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 53، مارچ تا مئی 2009، ص 191
لتا جی کی ۸۰ ویں سالگرہ	زبیر رضوی	جلد 19، شمارہ 54، جون تا اگست 2009، ص 204
مناڈے کو پھالکے ایوارڈ	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 54، جون تا اگست 2009، ص 214
فلم ناسٹلجیا۔ دیوداس	ذ۔ج	جلد 19، شمارہ 54، جون تا اگست 2009، ص 216
فلم داغ (فلم ناسٹلجیا)	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 55، ستمبر تا نومبر 2009، ص 176
بین الاقوامی ہندوستانی فلم فیسٹول	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 55، ستمبر تا نومبر 2009، ص 178
میں گورودت کی دریافت ہوں (وحیدہ رحمن)	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 55، ستمبر تا نومبر 2009، ص 180
ثریا۔ گلوکاری سے اداکاری تک	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 57، جون تا اگست 2010، ص 203
سروج خان کا بالی ووڈ گھرانہ	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 57، جون تا اگست 2010، ص 206
رفیع کی آواز اک خزانہ	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 57، جون تا اگست 2010، ص 208
گلوبل بالی ووڈ	ذ۔ج	جلد 20 شمارہ 57، جون تا اگست 2010، ص 210

بالی ووڈ اور ہیروشیما	ذ۔ج	جلد20 شمارہ57، جون تا اگست2010، ص211
فلمی اداکار اور سیاست	ذ۔ج	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر2010، ص203
فلم آرکائیوز آف انڈیا کی فلم پوسٹروں کی نمائش	ذ۔ج	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر2010، ص206
آغاز سفر میرا	راجیش کھنہ	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص223
میں فلم بنانے میں جلد باز ہوں	فرح خان	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص224
ایک انوکھا فلم ساز چیتن آنند	ذ۔ج	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص227
ہیر رانجھا(۱۹۷۰)	ذ۔ج	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص229
شمی کپور ابسرڈ اور باغی اداکار	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص206
فلم اور جوڑیاں	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص208
فلمی سنگیت کا مثلث	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص210
سدابہار دیو آنند	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص171
موسیقار روی	شفیق احمد	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص174
آشا بھونسلے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص176
منی بدنام ہوئی	عنبر حسیب عنبر	جلد22، شمارہ62،دسمبر تا فروری2012، ص209
مرنال سین نوّے برس کے ہوئے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص188
'وقت' کی زہرہ جبیں	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص189
اس سہ ماہی کی فلمیں	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص189
بنگلہ دیش کی فلم فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص194
اسٹوڈیو سے راجیہ سبھا تک	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص195
سُپر اسٹار یا میجک ہیرو	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص196
وحیدہ رحمن	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63،مارچ تا اگست2012، ص199

سنیما میرے لیے عالم حیرت رہا (دلیپ کمار)	زبیر رضوی	جلد 23، شمارہ 64، ستمبر تا جنوری 2013، ص 200
یش چوپڑا	ذ۔ج	جلد 23، شمارہ 64، ستمبر تا جنوری 2013، ص 212
عوامی اداکار بلراج ساہنی	ذ۔ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 160
ریتو پرنو گھوش کی فلم سازی	ذ۔ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 162
عرفان خان کی اداکاری	ذ۔ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 163
ویلن۔ پران	ذ۔ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 165
ایک نہ بھولنے والی آواز۔ شمشاد بیگم	ذ۔ج	جلد 23، شمارہ 65، مارچ تا مئی 2013، ص 167
مناڈے کی منفرد گائیکی	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 217
پربھو دیوا	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 219
اچھے اور برے کا فیصلہ اور فلمیں	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 221
محمد رفیع۔ سدابہار آواز	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 205
وحیدہ رحمن	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 210
نندا جو 'گھر' لوٹ کر نہیں آسکی	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 214
سنیما اور سنسر شپ	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 205
چین میں ہندوستانی فلمیں	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 207
خواجہ احمد عباس: ادب، صحافت اور سنیما	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 68، مارچ تا اگست 2014، ص 208
میری کوم	ذ۔ج	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 207
فلم کا کتابی منظر نامہ	ذ۔ج	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 210
دلیپ کمار	ذ۔ج	جلد 25، شمارہ 69، ستمبر تا فروری 2015، ص 212
دلیپ کمار (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 25، شمارہ 70، مارچ تا اگست 2015، ص 65
لتا منگیشکر (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 25، شمارہ 70، مارچ تا اگست 2015، ص 77

دھرمیندر(انٹرویو) زبیر رضوی جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص86

امیتابھ بچن(انٹرویو) زبیر رضوی جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص91

سمیتا پاٹل(انٹرویو) زبیر رضوی جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص95

راہی معصوم رضا(انٹرویو) زبیر رضوی جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص99

میتھیلی اور سمیتا پاٹل ذ۔ج جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص229

سو برسوں میں وطن پرستی اور سماجی مسائل والی فلمیں ذ۔ج جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص230

خصوصی گوشہ: بالی ووڈ کا داستانوی کردار دلیپ:

ایک عہد آفریں جینئس ہریش کمار مہرا جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص197

یونہی نہیں بن جاتا کوئی زندہ مثال برجیش مدان جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص201

ٹریننگ دھار کا کام کرتی ہے(انٹرویو) انوپم کھیر جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص203

دلیپ ٹریجڈی کے بادشاہ؟ سنجیو ورما جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص208

آرٹسٹ اپنے ایتھوس کے ساتھ جیتا ہے(انٹرویو) نکہت کاظمی جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص212

نئی نسل اور دلیپ کمار ذ۔ج جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص215

قومی پریس اور دلیپ ذ۔ج جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص217

دلیپ اور اردو ادب شکیلہ رفیق جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص219

فلم۔ کالی شلوار الیاس عشقی جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص224

لکشمن کا عام آدمی ذ۔ج جلد12، شمارہ33، ستمبر تا فروری2002، ص225

فنون لطیفہ کی دیگر اصناف اور 'ذہن جدید'

مصوری: زبان کے علاوہ اظہار کے طریقوں میں مصوری کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مصوری اظہار کا قدیم ترین ذریعہ اظہار ہے۔ کینوس پر کلچر اور زندگی کو اتارنے کی یہ روایت ہندستان میں بہت قدیم ہے۔ اس سرزمین پر قدیم زمانے سے ہی مصوری کے ماہرین پیدا ہوتے رہے ہیں۔ تصویر اور مجسمہ سازی کے قدیم آثار بتاتے ہیں کہ ہندستان عہد قدیم میں اپنی ہم عصر اقلیموں میں احساس اور رنگ و تصویر کے میدان میں ترقی یافتہ ملک تھا۔ "ذہن جدید" نے مصوری کے فن اور اس کے عالمی و ہندستانی فنکاروں کو متعارف کرانے کا کام کیا۔ رسالے کے پہلے شمارے ہی سے اس ضمن میں کوشش کی ملتی ہے۔

"ذہن جدید" نے رنگوں میں احتجاج کے نام سے مصوری پر پہلا مضمون شائع کیا۔ یہ مضمون منو پارکھ کی مصوری کا تعارف ہے اور بھاگل پور سانحے سے متعلق تصویروں کو موضوع گفتگو بناتا ہے۔ بھاگل پور جیل کا ایک بربر واقعہ ان کی تصویروں کا اہم محرک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۸۰ میں ۳۱ مجرم قیدیوں کی آنکھیں تیر سے نکال کر آنکھوں کے خالی حلقوں میں تیزاب بھر دیا گیا جس سے ان مجرمین کی ایک وحشت ناک صورت ہو گئی، منو پارکھ نے اپنی ان تصویروں کے ذریعہ اسی بربریت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے کی روایت مصوری میں دور سے دیر تلک پائی جاتی ہے۔ بنگال کے قحط کی قہر سامانی کے مظاہر زین العابدین کے ریشۂ قلم سے زندگی پانے میں کامیاب ہوئے۔ ۱۹۸۴ کے بھاگل فسادات کو اپرنا گور نے اپنے رنگوں میں زندہ کیا اور برندابن کی بیواؤں کے کرب دروں کو بھی انھوں نے اپنا موضوع بنایا۔ حسین اور وون سندرم نے صفدر ہاشمی کے قتل کو متکلم نوحہ کی شکل میں زندہ کیا۔ منو پارکھ اسی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں:

> "منو پارکھ اسی روایت کے فنکار ہیں۔ بھاگل پور ان کے نزدیک تشدد اور بربریت کی علامت ہے۔ ان فن کاروں کی ہمدردیوں کا دائرہ چونکہ سیاسیات سے آزاد، تنوع، وسیع اور انسان دوستی

کے جذبے سے معمور ہے۔ اس لیے ان کی تصویریں محض رسمی رائج نہیں ہیں۔ ۱۹۸۰ کی ان کی نئی اور پرانی تصویروں میں مشہور مصور گویاؔ کی سی شدت اور قوت ہے۔ یہ تصویریں ایک غیر آراستہ اسلوب میں عناصر سے ہم کلام ہیں۔ ان کا گریہ کناں، محو کشش لہجہ، اندھے، خاموش لب تشنہ، مجبور چہروں کو ایک زبان عطا کرتا ہے۔ ۱۹۹۰ تک پہنچتے پہنچتے جیل کی سلاخیں کچھ دور ہٹ گئی ہیں۔ اور ان کے پیچھے سے نظر آنے والے چہرے وسیع تر، معنویت سے ہم کنار ہو گئے ہیں۔"[۱۱]

اس سلسلے میں ایک اہم مضمون جمشید جہاں کا ہے جو زبیر رضوی کی اہلیہ تھیں انھوں نے "کینوس پر کلچر" (شمارہ نمبر ا) کے نام سے یہ مضمون لکھا جو ہندستان کی مقامی بلکہ لوک مصوری کو زیر بحث لاتا ہے۔ اس مضمون میں میتھلا اور مدھوبنی کے علاقے کی مصوری کو موضوع بحث بناتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ یہاں رنگوں کی مدد سے تخلیقیت کے عمدہ اشکال پیش کیے گئے ہیں۔ یہ مصوری اپنے موضوع کے لحاظ سے متنوع ہے۔ لوک کتھائیں اور مذہبی کردار سرخ، سفید، سیاہ اور پیلے رنگوں کی مدد سے دیواروں پر اپنا رنگ و نور جگاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ پاروتی، درگا اور کالی کی تصویریں بطور خاص بہت اہتمام سے بنائی ہوئی ملتی ہیں۔ یہاں شکتی پوجا کے عناصر بہت ہی شدت اور عقیدت سے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ مصوری کی یہ صورت خواتین کی توجہ اور دلچسپی کی رہین منت ہے۔ بھیتی چتر کا یہ فن یہاں کی ایسی وراثت ہے جسے لڑکیاں اپنی ماؤں سے سیکھتی ہیں اور اس طرح سلسلہ آگے کو بڑھتا جاتا ہے۔ اس فن میں جو نام فی زمانہ ایک اسطور کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں وہ مہا سندری دیوی، گنگا دیوی اور جگدمبا دیوی کے ہیں۔ یہ خطہ معاشی و اقتصادی بحران کا شکار ہے اس کے باوجود یہاں کے باسیوں کا اس فن سے لگاؤ اور تہذیب کی تصویروں کو دیوار پر اجالنے کی روش قابل رشک و ستائش معلوم ہوتی ہے۔

"ذہن جدید" نے مصوری کے باب میں سب سے زیادہ جس فنکار کو توجہ دی وہ ایم ایف حسین ہیں۔ ایم ایف حسین کی دلچسپیاں متنوع ہیں۔ مصوری تو ان کے یہاں کلیدی کردار کی حامل ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فوٹو گرافی، نظم نگاری، فلم سازی وغیرہ کی طرف بھی ملتفت رہے اور ان اصناف میں بھی خاطر خواہ طبع آزمائی کی۔

بطور ایک شخص کے ایم ایف حسین ایک سادہ مزاج اور سماجی انسان تھے۔ عام انسانی سرگرمیوں میں مصروف رہنے سے انھیں عار نہ تھا۔ کھلونے کے ڈیزائن بنانے کا شوق بھی رکھتے تھے۔ مصوری تو بڑی چابکدستی اور نشاط کے ساتھ کرتے۔ انھوں نے اپنے فن سے اپنے خانوادے کو بھی متاثر کیا۔ ایم ایف حسین کی اہلیہ، بیٹی اور بیٹے

بھی مصوری سے شغف رکھتے اور باقاعدہ تصویریں بناتے تھے۔ یہ باتیں ایم ایف حسین کے صاحبزادے اور معروف مصور شمشاد حسین نے اپنے ایک مضمون میں ذکر کی ہیں۔

ایم حسین صرف ایک مصور ہی نہ تھے، وہ مصور کی عالمی اور ہندستانی تاریخ کے نکتہ شناس بھی تھے۔ ہماری تہذیبی روایت کی راہ کھوٹی کرنے اور ہمارے احساس جمال کے بارے میں مرعوبانہ ذہنیت کو راہ دینے میں نوآباداتی نظام کا بہت بڑا کردار رہا ہے۔ ہم اپنی روایت اور اپنی تخلیقیت کو استناد کے درجے پر فائز جاننے کے لیے ہمیشہ مغرب کی طرف مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں۔ ایم ایف حسین نے اپنے ایک مضمون میں اس پہلو کی طرف واضح اشارے کیے ہیں۔ حسین مغرب کے مقابلے میں ہندستانی مصوری کی روایت کو زیادہ تابندہ، زندگی اور اس کے مختلف رنگوں سے بھرپور خیال کرتے ہیں۔ وہ اجنتا الورا کو بدھ مت کی آفاقیت کا مظہر خیال کرنے کے بجائے زوال آمادگی کا مظہر خیال کرتے ہیں۔ وہ اسے ایک ایسے عہد کی یادگار مانتے ہیں جب مذہبیت کی آفاقیت اور انکار کی قوت اقتدار کی زد میں آچکی تھی۔ اجنتا الورا کی تصویریں ضعیف اعتقاد کے حامل لرزہ براندام ہاتھوں کی کارگزاری معلوم ہوتی ہیں۔ ایم ایف حسین فن اور فنکار کی آزادی کے بہت قائل تھے وہ فن کو سیاسی دیش بھکتی کی خدمت گزاری پر مامور کرنے سخت خلاف تھے۔ لکھتے ہیں:

> ”سیاست کارانہ دیش بھکتی اور سچی فن شناسی کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں۔ کیوں کہ فن کی اپنی زمیں میں جڑیں پیوست ہونے کے باوجود اس کی رنگت اور خوشبو آفاقی ماہیت کی ہوتی ہے۔ اس کو تنگ نظری کی بیڑیاں پہنانا انسان کی وراثت میں سرقہ بھی ہے اور امکانات کے لحاظ سے ناقابل حصول بھی۔[۱۲]

مقبول فدا حسین مغربی مصوری کی روایت میں پکاسو کا ذکر بطور خاص کرتے ہیں۔ وہ پکاسو کو مغرب کی نشأۃ ثانیہ کے بعد کا اہم واقعہ خیال کرتے ہیں جس نے زور، شکتی اور رجان کی دوبارہ تنظیم کی، اس تہذیب کے پنگھٹ پر پکاسو کے یہاں مکالمے کا عمل انجام پایا۔ اس سے کلاسیکیت کی بے جان روش سے فن کی گردن چھڑائی اور اس میں تخلیقی وفور کے نئے سرچشمے دریافت کیے۔ اس نے اپنے عہد کی دو جنگوں کے ڈنسے ہوئے انسان کو تصویری ترجمانی بخشی جو ایک مضبوط اور پراعتماد دنیا کی تعمیر کا حوصلہ رکھتا ہے۔

ایم ایف حسین نے اپنے تخلیقی تحرک اور فنی ارتقا کے بارے میں بتایا ہے کہ سنیما کے ہورڈنگز بنانے کا تجربہ ان کے لیے اس لحاظ سے مفید رہا کہ ان کے خطوط پختہ ہوتے گئے اور وہ کینوس پر تصویر بنانے کی پابندی سے

بھی چھوٹ گئے۔ حسین نے لوک روایت اور ورثے کو ترجیح دی۔ پن چکیاں، گھڑے، چھتریاں ان کے تخلیقی عمل کا موضوع بنیں۔ یہ موضوعات حسین کی تشنہ اور دوآتشہ کرتے اور وہ اپنے اندر کی آواز سے ہم آہنگ ہونے میں کامیاب نہ ہوئے۔ ان کے اندر کا اضطراب انھیں تصویریں بنانے اور انھیں ضائع کرنے پر اکساتا رہا۔ بالآخر یہ کشمکش اپنی انتہا کو پہونچی اور ایک دن وہ اپنی آواز پانے میں کامیاب ہوئے۔

''ذہن جدید'' نے مصوری پر جو مضامین شائع کیے وہ مصوری کے ہم عصر منظر نامے پر روشنی ڈالتے ہیں اور لوک روایت، علاقائی مصوری، ہندستان کے بڑے مصورین اور عالمی روایت کے بنیاد گزار فنکار کا تعارف کراتے ہیں۔ ذہن جدید میں مصوری پر مشتمل جو مضامین شائع ہوئے ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

رنگوں میں احتجاج	منو پارکھ	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص179
آرٹ کی قومی نمائش	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص182
کینوس پر کلچر	جمشید جہاں	جلد1، شمارہ1، ستمبر تا نومبر 1990، ص184
ون گوگ ایک تعارف	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص176
میرے والد مقبول فدا حسین	شمشاد حسین	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص183
آرٹ خلوت کا مشغلہ ہے	مقبول فدا حسین	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص188
کرشن کھنہ کا فن	زبیر رضوی	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص193
ستیش گجرال	انجان مترا	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص199
ایف این سوزا	بودھ دیو ملاکار	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص202
عصری مصوری	گائتری سنہا	جلد1، شمارہ2، دسمبر تا فروری 1991، ص204
منجیت باوا کا فن ایک جائزہ	ذ۔ ج	جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص147

ہم سب آرٹ گیلریوں کے پروردہ ہیں (راما چندرن۔ جتن داس) جیا رمانا تھن جلد2، شمارہ3، مارچ تا مئی 1991، ص149

آج دنیا بھر کی مصوری یکسانیت کا شکار ہو گئی ہے او کتاؤپاز جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص126

بھاؤ سمر تھ۔ عوامی مصور	جاوید اقبال	جلد2، شمارہ4، جون تا اگست 1991، ص129

اکبر پدم سی کی مصوری	ذ۔ج	جلد 2، شمارہ 5، ستمبر تا نومبر 1991، ص 174
جدید مصوری اور سرمایہ کاری	رینو کا چٹرجی	جلد 2، شمارہ 5، ستمبر تا نومبر 1991، ص 178
لوک شیلی میں مہابھارت	ذ۔ج	جلد 2، شمارہ 5، ستمبر تا نومبر 1991، ص 181
انسانی پیکروں کا مصور جتن داس	زبیر رضوی	جلد 2، شمارہ 6، دسمبر تا فروری 1992، ص 191
خبریں اور حسین	ذ۔ج	جلد 2، شمارہ 7، مارچ تا مئی 1992، ص 145
غلام رسول کی سنتوش مصوری (انٹرویو)	ادارہ	جلد 2، شمارہ 8، جون تا اگست 1992، ص 160
راماچندرن کا انٹرویو	ادارہ	جلد 2، شمارہ 9، ستمبر تا نومبر 1992، ص 156
سوتھ بی اور ہندوستانی نوادرات	اکبر پدم سی	جلد 3، شمارہ 10، دسمبر تا فروری 1993، ص 159
حسین کی سرائے (تعارف)	ادارہ	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 151
امرتا شیر گل	ادارہ	جلد 3، شمارہ 11، مارچ تا مئی 1993، ص 157
میں کسی اسلوب کا قیدی نہیں	ستیش گجرال	جلد 3، شمارہ 12، جون تا اگست 1993، ص 157
سوپر مارکیٹ آرٹ	دیوندر اسر	جلد 4، شمارہ 13، ستمبر تا نومبر 1993، ص 164
سوامی ناتھن	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 161
کمپیوٹر آرٹ	انجلی سرکار	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 163
پوٹریٹ پینٹنگ	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 165
پینٹنگ، نقالی اور کاپی رائٹ	ذ۔ج	جلد 4، شمارہ 15، مارچ تا مئی 1994، ص 169
طیب مہتہ کی تصویر	ونود بھاردواج	جلد 4، شمارہ 16، جون تا اگست 1994، ص 165
میری پینٹنگس	فرانس نیوٹن سوزا	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 148
آرٹ کا معتبر ناقد کماراسوامی	ذ۔ج	جلد 5، شمارہ 18، مارچ تا نومبر 1995، ص 155
یورپ میں ہندوستانی آرٹ کی نیلامی	ذ۔ج	جلد 5، شمارہ 18، مارچ تا نومبر 1995، ص 158
روس میں جرمنی کا فنی اثاثہ	نیوز ویک	جلد 5، شمارہ 18، مارچ تا نومبر 1995، ص 160

ون گاگ عذاب میں گھری روح اے ایس بیات/ت: سہیل احمد فاروقی جلد6،شمارہ21،جون تا نومبر1996،ص166

مونالیزا کے خالق کی بازیافت ذ۔ج جلد6،شمارہ22،دسمبر تا مئی1997،ص129

نقوش پا کی مصورہ درگا انجلی سرکار جلد6،شمارہ22،دسمبر تا مئی1997،ص131

فریدا کاہلو کا آرٹ انجلی سرکار جلد6،شمارہ22،دسمبر تا مئی1997،ص133

کینوس (آزادی کے بعد پچاس برسوں میں: جائزہ) کرشن کھنہ جلد6،شمارہ23،جون تا اگست1997،ص156

ہندوستانی مصوری: مختلف موڑ (جائزہ) انجلی سرکار جلد7،شمارہ24،ستمبر تا فروری1998،ص178

امرتا شیر گل کی مصوری راجندر چوپڑا جلد8،شمارہ28،مارچ تا اگست1999،ص156

فوٹو گرافی اور خطاطی کا امتزاج (انٹرویو شیریں نشاط) پریما سری واسن،جلد9،شمارہ29،ستمبر تا فروری2000،ص151

منجیت باوا پینٹر (شخصیت اور فن) ذ۔ج جلد11،شمارہ31،ستمبر تا فروری2001،ص183

ستیش گجرال پینٹر (شخصیت اور فن) ذ۔ج جلد11،شمارہ31،ستمبر تا فروری2001،ص187

مصوری۔ ترسیل کا اعلیٰ وسیلہ (پینٹر رضا)(انٹرویو) پلوی گپتا جلد12،شمارہ33،ستمبر تا فروری2002،ص170

پکاسو مصوری کا ''شیواٹا ڈوم'' ذ۔ج جلد12،شمارہ33،ستمبر تا فروری2002،ص174

راجہ روی ورما: دیومالائی تفسیر کا مصور ذ۔ج جلد12،شمارہ34،مارچ تا اگست2002،ص170

پکاسو–جنگ کے خلاف پینٹ کرنے والا مصور ذ۔ج جلد13،شمارہ35،ستمبر تا فروری2003،ص178

بغداد کا چور (ایم ایف حسین کی نئی سیریز) جلد12،شمارہ36،مارچ تا اگست2003،ص211

رام کمار الگ پہچان کا مصور ذ۔ج جلد14،شمارہ37،ستمبر تا نومبر2003،ص225

مقبول فدا حسین تھکے نہیں مدھو جین جلد14،شمارہ38،دسمبر تا مئی2004،ص202

عراقی آرٹسٹ اور امریکی جارحیت ذ۔ج جلد14،شمارہ38،دسمبر تا مئی2004،ص206

مشعل سے چوب کاری ذ۔ج جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004،ص228

اصلی نقلی میں نقصان پینٹر کا ذ۔ج جلد15،شمارہ39،جون تا نومبر2004،ص229

جدید ہندوستانی مصوری کی مقبولیت ذ۔ج جلد15،شمارہ41،مارچ تا اگست2005،ص179

مصوری کا زرخیز ذہن...	پنٹر رضا	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص190
فرح اوصاف کی انڈوں پر نقش گری	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص193
پکاسو کے بعد صرف خدا	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی2006، ص205
ہندوستانی آرٹ کے نمونے	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی2006، ص209
مزہبی تعصب سے لڑنے کی ضرورت	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی2006، ص210
پاکستانی مصوری	ذ۔ج	جلد15، شمارہ43،مارچ تا مئی2006، ص212
ہندوستانی مصوری کے نمونے امریکہ میں	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص143
سو پینٹنگس سو کروڑ روپے	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص145
پینٹنگس میں ممبئ	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص148
عورت اور مجسمہ سازی	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص149
امر تا شیر گل کے اثرات	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص147
غلام محمد شیخ کی مصوری	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص153
مجسمہ ساز رام کنکر بیج کی یاد میں	ذ۔ج	جلد16، شمارہ45، ستمبر تا نومبر2006، ص155
ہندوستانی برش کے کرشمے	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007، ص202
آرٹ دسترس سے باہر نہ ہونا چاہئے	ایم ایف حسین	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی2007، ص203
ایم ایف حسین۔ چند رنگین یادیں	علی باقر	جلد18، شمارہ51،مارچ تا اگست2008، ص167
گوئیرنیکا خطرے سے باہر	ذ۔ج	جلد18، شمارہ51،مارچ تا اگست2008، ص177
صوفیانہ روحانیت کا پینٹر۔ منجیت باوا	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری2009، ص174
مصری پینٹرس کی نمائش	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص173
جتن داس کی تازہ تصویریں	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص174
گوشہ ایم ایف حسین	ذ۔ج	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست2009، ص190

طیب مہتہ نے ہندوستانی آرٹ کو توقیر دلائی	ذ۔ج	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست2009، ص196
معاصر ہندوستانی پینٹنگس اور کرسٹی	ذ۔ج	جلد20شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009، ص167
پاکستان میں آرٹ مارکیٹ	قدوس مرزا	جلد20شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009، ص171
'آؤ ہمیں خطاب کرو'	ذ۔ج	جلد20شمارہ55، ستمبر تا نومبر2009، ص175
کرشن کھنہ کا مصورانہ عمل	ذ۔ج	جلد20شمارہ56، دسمبر تا مئی2010، ص225
بھارتی کھیر سب سے مہنگی مجسمہ ساز	ذ۔ج	جلد20شمارہ57، جون تا اگست2010، ص200
بیس ملکوں کی چوراسی آرٹ گیلریاں	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری2011، ص215
حسین اور منجیت باوا کی پینٹنگس	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری2011، ص217
حسین پر کے بکرم سنگھ کی کتاب	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری2011، ص218
غلام محمد شیخ کے مصورانہ بیانیے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص199
جہانگیر سباوالا	کرشن کھنہ	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص200
صادقین یاد کیے گئے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص202
رضا نوے برس کے ہو گئے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص168
رام کنکر بیج کے آرٹ کی بازدید	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص169
طیب مہتہ کا مصورانہ عمل	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص177
فنی مظاہرے، حسین کی یاد میں	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص178
'بندو' اور مصور رضا	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص179
مدھوبنی اور کالی گھاٹ چتر کاری	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست2012، ص180
K.G سبرامنین کا مصورانہ عمل	زبیر رضوی	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص136
ترقی پسند آرٹ گروپ (زیر طبع کتاب کا حرف آغاز	زبیر رضوی	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص140
پاکستانی مصوری کا پس منظر	قدوس مرزا	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص146

کرشن کھنہ کی ایک پینٹنگ کی کہانی	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 209
جیمنی رائے پر دستاویزی فلم	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 211
ستیش گجرال میوزیم	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 66، جون تا نومبر 2013، ص 212
انڈیا آرٹ فیئر	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 200
گھر اور باہر۔ فن کے حوالے سے (مجسمہ ساز کارل انٹاؤ)	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 202
گنی ٹونڈے سب سے مہنگے پینٹر بنے	ذ۔ج	جلد 24، شمارہ 67، دسمبر تا فروری 2014، ص 204
کرشن کھنہ (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 25، شمارہ 70، مارچ تا اگست 2015، ص 105
منجیت باوا (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 25، شمارہ 70، مارچ تا اگست 2015، ص 117
مصور حسین اور مصور رضا پر نئی کتابیں	ذ۔ج	جلد 25، شمارہ 70، مارچ تا اگست 2015، ص 202

موسیقی: دیگر فنون لطیفہ کی اصناف کی طرح "ذہن جدید" نے موسیقی اور سنگیت کے باب میں بھی نمائندہ فنکاروں کا تعارف پیش کیا۔ موسیقی کا میدان کافی وسیع ہے۔ آلات موسیقی کی کثرت نے اس میدان میں اختصاص کی کئی صورتیں پیدا کر دی ہیں۔ بانسری، ستار، ڈھولک، شہنائی، طبلہ، مجیرا وغیرہ کے الگ الگ ماہرین ہندستانی موسیقی کی دنیا میں ہمیشہ آتے رہے ہیں۔ اس رسالے نے آلات موسیقی کے مختلف ماہرین کے مصاحبے یا ان پر مضامین شائع کیے، ان مضامین کو پڑھ کر موسیقی اور موسیقاروں کے فن کے تعلق سے مختلف جہتیں سامنے آتی ہیں۔

استاد بڑے غلام علی خاں اپنے وقت کے سب سے بڑے کلاسیکی گائک تھے۔ انھوں نے گائیکی کی دنیا میں پٹیالہ گھرانے کا نام روشن کیا۔ ان کے گلے میں رس کی دولت تھی۔ دلکش انداز میں گانے اور منزل میں سماں باندھنے پر انھیں بلا کا ملکہ تھا۔ وہ بے بدل آواز اور فن کے مالک تھے۔ ان کی گائیکی میں فضا آفرینی تھی، سامع کو مسحور کرنے، اس کے موجودہ جہان سے ایک تخئیلی جہاں میں اسے لے جانے کی قوت ان کی آواز میں تھی۔ سننے والا انھیں سن کر اپنے اطراف سے غافل ہو جاتا تھا۔[13]

روی شنکر ستار نواز تھے، رسالے نے ان کے فن کی جدت اور اختراع کو موضوع بنایا اور مغربی موسیقی سے ہم آہنگ کرنے کے تجربے پر روایت پرستوں کے رد عمل سے بحث کی ہے۔ شوبھا مڈگل جو ایک کلاسیکی گائیکہ تھیں اور انھوں نے مختلف سنگیت گھرانوں سے تربیت حاصل کی تھی۔ "ذہن جدید" نے شوبھا مڈگل کا بھی اجمالی تعارف پیش کیا۔

استاد علی اکبر کلاسیکی سنگیت کے اہم فنکار تھے۔ ان میں جدت اور اختراع کی بلا کی صلاحیت تھی۔ یہ استعداد انھوں نے کلاسیکی سنگیت کی اعلیٰ تربیت حاصل کر کے بہم کی تھی۔ "ذہن جدید" نے ان کی نجی زندگی اور فن کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ استاد علی اکبر نے گوری منجیری، پالس کافی، چندر اندن، مدھومالتی اور کالدا جیسے راگ ایجاد کیے۔ انھیں یہ منزل کلاسیکی سنگیت کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے طفیل ہاتھ آئی۔ ۱۴

گنگو بھائی ہنگل ان خواتین میں شمار ہوتی ہیں جنھوں نے کلاسیکی گائیکی میں منفرد مقام پیدا کیا۔ وہ ایسے ماحول میں پلی بڑھیں جہاں کرناٹک سنگیت کا دور دورہ تھا لیکن انھوں نے کرناٹکی سنگیت کو ترجیح دینے کے بجائے کلاسیکی کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ ۱۵

بیگم اختر غزل گائیکی کا نمایاں نام ہیں۔ بیگم اختر نے زندگی میں بڑے نشیب و فراز دیکھے۔ انھوں نے کلاسیکی سنگیت میں مشق بہم پہنچائی اور اعلیٰ پائے کی غزل گائیکی کو حاصل کیا۔ "ذہن جدید" نے جشن بیگم اختر کی روداد پیش کرنے کے ساتھ اختر بیگم کی زندگی کا اجمالی خاکہ بھی پیش کیا۔ ۱۶

لتا منگیشکر بالیووڈ کی مقبول ترین گلوکارہ تھیں۔ انھیں ہندستانی نغمے کے ایک سیمبل کی حیثیت حاصل تھی۔ "ذہن جدید" نے ان کے ساتھ ہوئے مصاحبے کو شائع کیا جو ان کی زندگی اور فن کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ لتا جی نے سنگیت کی ابتدائی تربیت اپنے والد سے حاصل کی اور یہی تربیت ان کے لیے بنیاد بنی، بعد میں انھوں نے استاد امان علی خاں اور امانت سے بھی سیکھا۔ ۱۷

استاد بسم اللہ خاں نے شہنائی نے نام پیدا کیا۔ وہ نوآبادیاتی ہندستان میں پیدا ہوئے اور شعور کو پہنچے، ان کے فن کو شہرت آزاد ہندستان میں حاصل ہوئی۔ وہ پرانی قدروں کے دلدادہ تھے اور نئی دنیا کے طور اور سر و سنگیت سے اس کی بے پروائی کے بارے میں فکر مند رہا کرتے تھے۔ انھوں نے شہنائی میں اس قدر درک پیدا کیا اور اسے

دنیانے اس قدر پسند کیا کہ وہ عالم گیر شہرت کے مالک ہوئے۔ ”ذہن جدید“ نے استاد کے ایک مختصر انٹرویو کو شائع کیا ہے جس میں یہ معلومات ملتی ہیں۔ ۱۸

استاد ولایت علی خاں ستار نواز تھے۔ انھوں نے اس صنف کمال میں عروج حاصل کیا۔ انھوں نے اس فن میں کمال اپنے خاندان میں رہ کر پیدا کیا کہ اس کی روایت ان کے خاندان میں پہلے سے چلی آتی تھی۔ ان کے والد اور دادا دونوں ہی ماہر ستار نواز تھے۔ یہ فن ان سے ان کے بیٹوں میں منتقل ہوا۔ ولایت علی خاں کی انفرادیت یہ تھی کہ انھوں نے گائیکی اور ستار کو ہم آمیز کر دیا۔ ۱۹

فلمی موسیقی میں نوشاد کا نام جلی حرفوں میں لکھا جاتا ہے۔ نوشاد محض روایت کے پابند موسیقار نہ تھے، انھوں نے مغربی موسیقی کے حسن کو مشرقی موسیقی میں ممزوج کرنے کی سعی کی جو کہ کامیاب اور مقبول ہوئی۔ ان خاصہ یہ ہے انھوں کلاسیکی طرزوں میں جدت پیدا کی اور پہلے کی بہ نسبت اسے زیادہ آسانی اور سہولت سے پیش کیا۔ انھوں نے لتا منگیشکر اور رفیع کی آواز کو نکھارنے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ۲۰

ذاکر حسین کی شناخت طبلہ واد ک کی ہے۔ انھوں نے کرنے کو اداکاری بھی کی ہے لیکن طبلے کو وہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ اسے اپنی زندگی میں مرکزی حیثیت دیتے ہیں۔ ہاں اظہار کی ایک شکل پر قناعت کو وہ ضروری خیال نہیں کرتے۔ دوسرے سازوں کے مقابلے طبلہ ان کے نزدیک زیادہ امکانات کا حامل ساز ہے؛ لے کی جتنی شکلیں طبلے سے اختراع کی جاسکتی ہیں دوسرے ساز سے ممکن نہیں ہیں۔ ذاکر حسین کے ساتھ ہوا مصاحبہ جو ذہن جدید میں شائع ہوا، جامع مصاحبہ ہے اور اس میں ذاکر حسین کی خود اعتمادی پختگی دونوں ہی جلوہ گر ہیں۔ ۲۱

مندرجہ بالا شخصیتوں کے علاوہ اس میدان کی دیگر ماہرین شخصیات بھی ذہن جدید کی زینت بنیں۔ موسیقی کے ضمن میں شائع ہوئے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔

انگلیوں کی جنبش سے (طبلہ نواز ذاکر حسین) انجلی جوشی		جلد 2، شمارہ 3، مارچ تا مئی 1991، ص 154
سُر اور لفظ (انٹرویو: غلام علی، مہدی حسن) جیلانی بانو، کشور ناہید، جلد 2، شمارہ 5، ستمبر تا نومبر 1991، ص 163		
	محمد طفیل، انور معظم	
میرا سنگیت	روی شنکر	جلد 2، شمارہ 5، ستمبر تا نومبر 1991، ص 169
عظیم کمپوزر موزا	ذ۔ ج	جلد 2، شمارہ 6، دسمبر تا فروری 1992، ص 181

روی شنکر کا فن　　سوہاسی کورالکر/ آر سی بھٹ　　جلد 2، شمارہ 7، مارچ تا مئی 1992، ص 171

استاد بسم اللہ خاں　　کے کے وڈیرا/ سہیل احمد فاروقی　　جلد 6، شمارہ 20، مارچ تا مئی 1996، ص 181

ایم سبالکشمی　　ذ۔ ج　　جلد 6، شمارہ 22، دسمبر تا مئی 1997، ص 137

طبلہ امکانات کا ساز ہے (انٹرویو: استاذ ذاکر حسین) زبیر رضوی جلد 6، شمارہ 22، دسمبر تا مئی 1997، ص 138

مجھے اپنے قوال ہونے پر فخر ہے (انٹرویو استاذ نصرت فتح علی خاں) خالد محمد جلد 6، شمارہ 22، دسمبر تا مئی 1997، ص 142

سنگیت (آزادی کے بعد پچاس برسوں میں: جائزہ) ایم کالی داس جلد 6، شمارہ 23، جون تا اگست 1997، ص 166

بسم اللہ خاں (انٹرویو)　　ذ۔ ج　　جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 173

نور جہاں، روشن آواز کا سفر　　ذ۔ ج　　جلد 11، شمارہ 31، ستمبر تا فروری 2001، ص 173

شہنائی، سُر اور نماز کا تکون　　ذ۔ ج　　جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 213

بڑے غلام علی خاں　　ذ۔ ج　　جلد 12، شمارہ 36، مارچ تا اگست 2003، ص 215

استاد ولایت حسین خاں　　ذ۔ ج　　جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 209

سارنگی نے جادو جگایا　　ذ۔ ج　　جلد 15، شمارہ 41، مارچ تا اگست 2005، ص 182

سات تار سات دہے　　ذ۔ ج　　جلد 15، شمارہ 41، مارچ تا اگست 2005، ص 184

طبلہ اور کچی پڑی (انٹرویو: کشن مہاراج) راجہ ریڈی/ ذ۔ ج　　جلد 15، شمارہ 41، مارچ تا اگست 2005، ص 185

زندگی اور سنگیت میں روشنی　　استاد علی اکبر　　جلد 15، شمارہ 42، ستمبر تا فروری 2006، ص 195

ٹی وی اور کلاسیکی سنگیت (انٹرویو: پنڈت جسراج)　　ایچ بالا کرشنن جلد 15، شمارہ 42، ستمبر تا فروری 2006، ص 197

سچے سُر کی تلاش کے ۹۱ برس　　ذ۔ ج　　جلد 15، شمارہ 44، جون تا اگست 2006، ص 166

بانسری کے رسیا۔ چورسیا　　ذ۔ ج　　جلد 15، شمارہ 44، جون تا اگست 2006، ص 171

موسیقی نہ ہوتی تو میرا کیا ہوتا　　استاد ولایت خاں　　جلد 15، شمارہ 44، جون تا اگست 2006، ص 173

نئی نسل کو مقبول گلوکار بننے کا بخار　　ذ۔ ج　　جلد 15، شمارہ 44، جون تا اگست 2006، ص 175

رومی کی مقبولیت　　ذ۔ ج　　جلد 16، شمارہ 45، ستمبر تا نومبر 2006، ص 174

استاد ولایت خاں اور وارانا سی	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی 2007، ص209
وینا فیسٹول	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی 2007، ص210
طبلہ امکان کا ساز	ذا کر حسین	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی 2007، ص211
کلاسیکی ناچوں پر کتابیں	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47،مارچ تا مئی 2007، ص212
سیاہ فام گلو کارہ مریم ماکیبے	ذ۔ج	جلد19، شمارہ52، ستمبر تا فروری 2009، ص171
استاد علی اکبر سراپا سنگیت تھے	ذ۔ج	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست 2009، ص198
گنگو بائی ہنگل	ذ۔ج	جلد19، شمارہ54، جون تا اگست 2009، ص202
پنڈت ذا کر شنکر	ذ۔ج	جلد20 شمارہ57، جون تا اگست 2010، ص197
شو بھا مڈگل	ذ۔ج	جلد20 شمارہ57، جون تا اگست 2010، ص199
پنڈت بھیم سین جوشی	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص220
کشوری امونکر اسّی برس کی ہو گئی	ذ۔ج	جلد21، شمارہ59، دسمبر تا فروری 2011، ص222
جگجیت سنگھ، قوال جوڑی، ٹھمری فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر 2011، ص192
استاد امیر خان کی جنم صدی	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری 2012، ص178
سارنگی سلطان بھی وداع ہوئے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری 2012، ص179
اُردو وراثت میلہ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری 2012، ص181
دلی کے سو برس	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری 2012، ص183
عالمی سنگیت کا دن	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست 2012، ص182
مہدی حسن اور ریڈیو	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست 2012، ص183
بندش میلہ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست 2012، ص185
خیال گائیکی اور ذا کر علی کا سنگیت سفر	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست 2012، ص186
اونکار ناتھ ٹھا کر	ذ۔ج	جلد22، شمارہ63، مارچ تا اگست 2012، ص187

ستار نواز روی شنکر	زبیر رضوی	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص194
استاد عبد الکریم خاں صاحب	ذ۔ ج	جلد23، شمارہ65،مارچ تا مئی2013، ص150
دُھرپد گائیک چھوٹے استاد نہیں رہے	ذ۔ ج	جلد23، شمارہ65،مارچ تا مئی2013، ص151
گرجا دیوی کا گائن	ذ۔ ج	جلد23، شمارہ65،مارچ تا مئی2013، ص153
ستار اور عورتیں	ذ۔ ج	جلد23، شمارہ65،مارچ تا مئی2013، ص154
بچوں کے لیے تھیٹر	ذ۔ ج	جلد23، شمارہ65،مارچ تا مئی2013، ص158
ستار، باپ اور بیٹا	ذ۔ ج	جلد24، شمارہ67،دسمبر تا فروری2014، ص195
مٹکے بھی گاتے ہیں	ذ۔ ج	جلد24، شمارہ67،دسمبر تا فروری2014، ص197
وینا ایک محوری ساز	ذ۔ ج	جلد24، شمارہ67،دسمبر تا فروری2014، ص198
اللہ دیا خاں	شمبھوناتھ مشرا	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص181
بندے علی خاں	شمبھوناتھ مشرا	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص183
علاء الدین خاں	شمبھوناتھ مشرا	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص186
امیر خاں	ذ۔ ج	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص189
کشوری امونکر پر ڈاکیومنٹری	ذ۔ ج	جلد24، شمارہ68،مارچ تا اگست2014، ص190
تان سین، مولی بخش	شمبھوناتھ مشرا	جلد25، شمارہ69، ستمبر تا فروری2015، ص202
استاد بسم اللہ خاں (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص122
استاد ذاکر حسین (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70،مارچ تا اگست2015، ص124
جشن بیگم اختر	ذ۔ ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص221

رقص: ذہن جدید نے اپنے شماروں میں رقص پر مشتمل نگارشات کو بھی جگہ دی ہے۔ رقص ہندوستانی جمالیات کا ایک بڑا سرچشمہ ہے۔ اس کا ہر آہنگ کائناتی اور آفاقی ہے۔ اس ضمن میں ذہن جدید نے کئی رقاص/رقاصاؤں کے انٹرویو شائع کیے نیز رقص کے فن اور اس کے اسرار و رموز پر متعدد مضامین میں گفتگو کی گئی۔ ہندوستان کے مشہور اور معروف کلاسیکل ناچ میں ایک ناچ کتھک ہے۔ کتھک کا ذکر برجومہاراج کے بغیر ادھورا ہے۔ اس نے ہندوستان کے قدیم فن رقص کو لافانی بنایا ہے۔ اس نے اپنی ذات کو رقص کے سحر میں ڈبویا ہے۔ اور اس طرح وہ اپنی زندگی میں داستانی اہمیت کا حامل ہو گیا ہے۔ رقص بالخصوص کتھک ایک ایسا فن ہے جس میں حرکات وسکنات ہی جذبات کے اظہار کا وسیلہ قرار پاتے ہیں۔ رقص دراصل ہندو دیومالا اور اساطیری قصوں کو لحن میں سنانے کا قدیم آرٹ ہے۔ ایک عام سا دکھنے والا برجومہاراج جب اسٹیج پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے گویا شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ: ”رقص میرے خون میں شامل ہے۔ مجھے بہت کم عمری ہی میں کتھک کے مشکل اور پیچیدہ بولوں کی شدبد ہو گئی تھی۔“[۲۲] برجومہاراج کی ابتدائی تربیت گھر پر رہ کر ہی ہوئی۔ اس نے اپنی ماں سے ٹھمری کا علم حاصل کیا اور دادی سے دادرا اور بھجن گائیکی کے قواعد سیکھے تھے۔ برجو مہاراج نے متعدد رقص، ڈرامے اور کتھک بیلے تخلیق کیے اور ترتیب دیے۔ اس کی شخصیت ان میدانوں میں یکتا ہے۔

فنون لطیفہ کے میدان میں اردو میں مواد کی حصول یابی قدرے مشکل ہے۔ اس ضمن میں کم ہی لکھا گیا ہے۔ سنیما اور تھیٹر کو چھوڑ دیں تو بقیہ اصناف میں مواد تقریباً ناپید ہے۔ ذہن جدید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے اس میدان میں مواد کی حصولیابی کو یقینی بنایا ہے اور ان اصناف کے فن اور ان سے جڑی شخصیات پر کم ہی سہی البتہ اہم جانکاری فراہم کرنے کا قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔

یامنی کرشنا مورتی ہندوستانی رقاصاؤں میں ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے کم عمری میں ہی ہندوستان کے تین (بھرت ناٹیم، کچھی پوڑی اور اڈیسی) مقبول ناچوں میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ بھرت ناٹیم کی پہلی ایسی رقاصہ ہیں جس نے رقص کرتے ہوئے قدموں سے اسٹیج کے پورے ڈائمنشن کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے کچھی پوڑی رقص میں اپنے طور پر کافی اضافے کیے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ: ہر رقاص کو کچھ نہ کچھ ضرور اپنا رول ادا کرنا چاہئے اور اپنی روایت میں اضافہ کرنا چاہئے کہ فن کی روایتوں کو زندہ رکھنے کے لیے یہ عمل ضروری ہے۔“[۲۳] دور

حاضر میں رقص کے منظر نامہ پر یامنی کافی افسردہ نظر آتی ہیں۔ کیونکہ آج فن سے زیادہ بایوڈیٹا، پبلسٹی اور نوکر شاہی سے ربط و ضبط پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ پہلے لوگ فن کا مظاہرہ کرنے آتے تھے لیکن آج یہاں اعزازی پاسوں کی بھرمار ہے۔ یہی وہ وجوہات ہیں جو فن کو مزید ترقی حاصل کرنے میں حائل ہوتی ہیں۔ یامنی اس سوال کے جواب میں کہ اب وہ کیوں پہلے کی طرح نہیں ناچتی ہیں؟ کہتی ہیں کہ: ''اگر پیروں میں توازن برقرار نہ رہے اور آپ سازندوں کی لے پر ہم آہنگ ہو کر نہ ناچ سکیں تو بہتر ہو گا کہ پاؤں میں بندھے گھنگھرو اتار دیے جائیں یا پھر اور کسی پاؤں میں باندھ دئے جائیں کہ فن ہمیشہ تسلسل میں زندہ رہا ہے۔''۲۴؎

ان شخصیات کے تعارف کی ایک اور کڑی سونال مان سنگھ ہیں۔ جنہیں بھرت ناٹیم اور اوڈیسی میں یکساں دسترس حاصل ہے۔ انھوں نے دروپدی کو ڈانس ڈرامے کی صورت میں بھی پیش کیا۔ اس سلسلے میں اس کی موسیقی کے بارے میں ان کے اور شوبھا مڈگل کے درمیان تکرار عدالت تک چلی گئی۔ انھوں نے اپنے دروپدی بننے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''دروپدی، ڈانس، ڈرامہ، عورت کی طرف سے دیا ہوا ایک انتہائی بامعنی بیان تھا جو اس کی اہانت تحقیر اور تکذیب کی بھرپور مزمت کرتے ہوئے اس کے وقار اور نسائیت سے بھرپور اس فقر و ناز کو واپس لانے سے عبارت تھا''۲۵؎

سونال مان سنگھ رقص سے اپنے گہرے اور اٹوٹ عشق کی بات کرتے ہوئے کہتی ہیں ''میں نے رقص کے سوا کسی اور شوق کی خاطر جینا گوارہ نہیں کیا۔ میں جس نظام شمسی میں سانس لے رہی ہوں اس میں رقص کو 'سوریہ' کی حیثیت حاصل ہے۔ میں دھرتی ہوں اور باقی جو کچھ بھی ہے وہ زندگی کا نشیب و فراز ہے.....''۲۶؎

رامائن کے مختلف قصوں کو بھرت ناٹیم رقص کے ذریعہ بیان کرنے کی جس رقاصہ نے پہل بھی کی اور ایک جرأت مندانہ تجربہ بھی کیا، وہ رکمنی دیوی تھی۔ بھرت ناٹیم میں ڈانس، ڈرامہ کی ایک نئی شیلی یا صنف کو رواج دینے میں رکمنی دیوی کا نام سر فہرست ہے۔ رکمنی نے بھرت ناٹیم میں ڈانس ڈرامہ کی اس تکنیک کے لیے سنگیت کاروں اور ناچنے والوں کے گروپ ترتیب دیے اور اپنے وقت کی دینیات پر عبور رکھنے والے صاحب قلم عالموں کی خدمات بھی حاصل کیں۔ جو ڈانس ڈرامہ کے اسکرپٹس لکھ سکیں۔ بعد کے زمانے میں وجینتی مالا اور سونال مان سنگھ جیسی رقاصاؤں نے رکمنی دیوی کے اس کامیاب تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی اپنی ڈانس شیلیوں میں

ڈانس ڈرامے کی تکنیک کو بڑے فخر سے استعمال کیا ہے اور اب رقص ک شیلی میں ڈانس ڈرامے نے ایک مضبوط جگہ بنا لی ہے۔

ذہن جدید میں رقص کے سلسلے میں جو مضامین شائع ہوئے ان کی فہرست درج ذیل ہے:

ابھنئے، کویتا اور چتر کلا کے نئے روپ	زبیر رضوی	جلد4، شمارہ14، دسمبر تا فروری1994، ص183
رقص کی فوٹو گرافی	اویناش پسریچہ	جلد4، شمارہ15، مارچ تا مئی 1994، ص172
برجو مہاراج	رشمی سہگل	جلد4، شمارہ16، جون تا اگست1994، ص169
لوک ورثے میں تنسیخ کا مسئلہ	یامنی کرشنا مورتی	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری1995، ص161
رقص سوریہ ہے اور میں دھرتی	سونال مان سنگھ	جلد5، شمارہ17، ستمبر تا فروری1995، ص163
تھیٹر میں امتزاج (انٹرویو)	انیتا رتنم	جلد5، شمارہ18، مارچ تا نومبر1995، ص167
مرنالنی کو نٹ رانی کہنا غلط نہ ہو گا	ذ۔ج	جلد6، شمارہ20، مارچ تا مئی1996، ص179
تھیٹر والی ڈرامائیت رقص میں نہیں آنی چاہیے (گیتا چندرن)	آروا سودیون	جلد6، شمارہ22، دسمبر تا مئی 1997، ص147
رقص (آزادی کے بعد پچاس برسوں میں: جائزہ)	شانتا سرب جیت سنگھ	جلد6، شمارہ23، جون تا اگست 1997، ص162
ڈانس، ڈرامہ اور دروپدی	چمن آہوجہ	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص148
بھرت ناٹیم میں ڈانس ڈرامے کا تجربہ	لکشمی وشواناتھن	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری2003، ص180
رکمنی دیوی کی یاد میں	ذ۔ج	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی2004، ص212
اوڈیسی کی غیر ملکی رقاصائیں	ایچ بالا کرشن	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص221
گیت گووند رقص فیسٹول	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص199
ایک اسطوری کہانی...	ذ۔ج	جلد15، شمارہ42، ستمبر تا فروری2006، ص201
رقص اور شاعری	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص176
رقاصہ راکھی ساونت	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص177
چندر لیکھا کا رقص	شیشانی دوشی	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری2007، ص167

کلاسیکی ناچوں کا موسم	ذ۔ج	جلد19، شمارہ53،مارچ تا مئی2009، ص175
بھرت ناٹیم اور کٹھپتلی فیوژن	ذ۔ج	جلد21، شمارہ60،مارچ تا اگست2011، ص233
ہندوستانی کلاسیکی ناچوں کا عالمی فیسٹول	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص203
سارے جہاں سے اچھا	ذ۔ج	جلد22، شمارہ61، ستمبر تا نومبر2011، ص204
گیتا چندرن	ذ۔ج	جلد23، شمارہ64، ستمبر تا جنوری2013، ص199
وِلاسنی ناٹیم	ذ۔ج	جلد24، شمارہ66، جون تا نومبر2013، ص214
اپنی صلاحیتوں کے حوالے سے	ذ۔ج	جلد24، شمارہ66، جون تا نومبر2013، ص215
چار بیانیے چار ناچوں کی زبانی۔ رقاصہ رنجنا گوہر	ذ۔ج	جلد24، شمارہ67، دسمبر تا فروری2014، ص187
کلاسیکی ہندوستانی رقص	ذ۔ج	جلد24، شمارہ67، دسمبر تا فروری2014، ص189
نہرو منی پور ڈانس اکادمی	ذ۔ج	جلد24، شمارہ67، دسمبر تا فروری2014، ص191
کتھک اور شوونا نارائن	ذ۔ج	جلد24، شمارہ67، دسمبر تا فروری2014، ص193
کتھاکلی رقص میں پہلی بار کرشنا اور رادھا	ذ۔ج	جلد24، شمارہ68، مارچ تا اگست2014، ص202
اوما شرما (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست2015، ص128
بے مثال رقاصہ: ستارہ دیوی	ذ۔ج	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست2015، ص207
انٹرنیشنل آرٹ فیسٹول	ذ۔ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص224
غالب اور بنارس	ذ۔ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص226
عالمی جپسی فیسٹول	ذ۔ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص227

کارٹون: صحافت کے میدان میں کارٹون کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کارٹون اپنے عہد کی صورت حال کا طنزیہ و مزاحیہ اظہار ہوتے ہیں، ان سے سماجی صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے۔ روز مرہ کے مسائل، سیاست اور

معیشت کی دشواریاں، اقتدار کی کشاکش، بددیانتی، اہل اقتدار کی عیش پسندی، ان کی پالیسیوں کی وجہ سے عوام کی آزمائش وغیرہ کو کارٹونوں کے ذریعہ مؤثر انداز سے ظاہر کیا جاتا رہا ہے۔ ہمارے عہد کے انگریزی اخبارات میں بالخصوص اس کا بہت اہتمام ملتا ہے۔

آر۔ کے لکشمن کو کارٹون کی دنیا کا سلطان کہا جاسکتا ہے۔ انگریزی اخبارات کے قارئین کے درمیان جس طرح لکشمن کی پذیرائی اور ان کے کارٹونوں کو پسند کیا گیا وہ کم کارٹونسٹوں کے حصے میں آتی ہے۔ لکشمن نے اپنے کارٹونوں میں عام آدمی کو مرکز میں رکھنے کا اہتمام کیا ہے۔ ان کی نظر سیاست کے گلیاروں اور اقتدار کے مرکز پر مرکوز رہتی ہے۔ وہ ہر اہم واقعہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کارٹون سے مطلوب وصف ان کے یہاں موجود ہوتا ہے۔ وہ اپنے قاری کو ہنسانے اور اپنی منشا کو اس تک پہنچانے کا خداداد ملکہ رکھتے ہیں۔ کارٹون کی جو جگہ کسی اخبار میں متعین ہوتی ہے وہ محدود ہوتی ہے۔ واقعہ اور شخص کی ایسی شبیہ تیار کی جاتی ہے جو قاری تک سرعت سے منتقل ہو اور اپنے بلیغ پیغام سے اسے محظوظ کرے۔ لکشمن اس خوبی کو پیدا کرنے میں ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں۔ جب کسی موضوع پر غور و فکر کرنے کا وافر وقت موجود نہ ہو تو اس پر کوئی تخلیق تیار کرنا آسان نہیں ہے لیکن جب وقت کی پابندی قبول کرتے ہوئے کسی فوری واقعے پر کوئی چیز تیار کرنی ہو تو یہ عمل دو طرح چیلنج سامنے لے آتا ہے۔ پہلا تو یہ کہ فوری طور پر واقعے، شخص یا محل وقوع کو گرفت لینا اور پھر دوسرا یہ کہ اسے اپنے ہدف قارئین تک پوری طرح پہنچانے کا جتن کرنا۔ لکشمن اس تقاضے کو پورا تو کرتے ہی ہیں اس کے ساتھ وہ اپنی معنویت کی کئی سطح بھی پیدا کرتے ہیں۔ ''ذہن جدید'' نے ایک جامع نوٹ کے ساتھ آر۔ کے۔ لکشمن کا مصاحبہ شائع کیا۔ ۲۷

سدھیر در کا نام کارٹونسٹوں میں ایک معروف نام ہے۔ آپ نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز ریڈیو سے کیا اور پھر ایئر لائنز سے وابستہ ہوئے۔ کارٹون بنانے کا آغاز ریڈیو ملازمت کے دوران ہی کر دیا تھا، پھر مستقل کارٹونسٹ ہو گئے۔ آپ کے کارٹون بھی قارئین میں بہت مقبول ہوئے۔ سدھیر در آر۔ کے لکشمن کے پیروکار تھے اور انھیں کی پیروی بھی ایک حد تک کرتے تھے۔ لکشمن کے پر انھیں رشک آتا تھا۔ ''ذہن جدید'' نے سدھیر در کا انٹرویو شائع کیا ہے جس میں انھوں نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی اور ہندستانی سماج میں طنز و مزاح کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔ ۲۸

سدھیر تیلنگ نے بھی کارٹون بنائے اور ہندستان ٹائمز میں سدھیر در کی جگہ لی۔ اس سے پہلے وہ السٹریٹڈ ویکلی میں کارٹونسٹ تھے۔ انھوں نے آر کے لکشمن کے علاوہ ابو ابراہیم کا اثر بھی قبول کیا۔ سدھیر تیلنگ کا جو انٹرویو "ذہن جدید" نے شائع کیا اس میں انھوں نے کارٹون کے فن پر بات کی ہے۔ وہ کارٹون اور کیری کیچر کے فرق کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> "کیری کچر دراصل کسی بھی شخص کا تفصیلی اور سنجیدگی سے مطالعہ کرنا ہے، مثلاً میں وی پی سنگھ کا کیری کچر بناؤں تو وہ ڈرائنگ وی پی سنگھ کے چہرے مہرے جیسی نہ ہو بلکہ اس میں وی پی سنگھ کی پوری زندگی کا عکس ابھر آجائے۔ کیری کچر میں ظاہری خدوخال سے زیادہ شخص کے اندرون کو باہر لانے کی سنجیدہ کوشش کی جاتی ہے اسی لیے اچھا کیری کچر وہی ہے جو شخصیت سے سب سے پہلوؤں کا اظہار کرتا ہے اور مشابہتوں میں بے مثال ہو۔ آپ جیسا دکھائی دیتے ہیں یا دکھائی دینے کا پوز بناتے ہیں کیری کچر اس سے مختلف زاویہ اختیار کرتا ہے۔ یوں کہہ لیجیے جو آپ کی اصلیت کو اجاگر کرے۔"۲۹

ذہن جدید کے صفحات پر بہت سے کارٹون شائع ہوتے رہے، ان میں سدھیر در کے کارٹونز بکثرت دیکھے جا سکتے ہیں۔ کارٹونوں کو شائع کرنے کے سوا ذہن جدید نے اس موضوع سے متعلق مواد کو بھی شائع کیا ہے جس میں مضامین کے علاوہ انٹرویوز بھی شامل ہیں، ان نگارشات کی فہرست درج ذیل ہے:

سدھیر دھر کے کارٹون (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 2، شمارہ 3، مارچ تا مئی 1991، ص 93
میرے کارٹون (سدھیر تیلنگ) (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد 3، شمارہ 12، جون تا اگست 1993، ص 56
میرے کارٹون	ماریو مرانڈا	جلد 5، شمارہ 17، ستمبر تا فروری 1995، ص 146
لکشمن کا بھولا کردار	ذ۔ج	جلد 6، شمارہ 22، دسمبر تا مئی 1997، ص 157
عرفان حسین کے کارٹون	ذ۔ج	جلد 8، شمارہ 28، مارچ تا اگست 1999، ص 168
ابو ابراہم	سدھیر تیلنگ	جلد 13، شمارہ 35، ستمبر تا فروری 2003، ص 188
تازہ دم لکشمن	ذ۔ج	جلد 14، شمارہ 38، دسمبر تا مئی 2004، ص 214
سریندر کے کارٹون	ذ۔ج	جلد 16، شمارہ 45، ستمبر تا نومبر 2006، ص 170
لکشمن کے فین	ذ۔ج	جلد 16، شمارہ 45، ستمبر تا نومبر 2006، ص 173

کیشو کے کارٹون	ذ۔ج	جلد16، شمارہ46، دسمبر تا فروری 2007، ص185
سدھیر در کے کارٹون	ذ۔ج	جلد16، شمارہ47، مارچ تا مئی 2007، ص200
کارٹونوں کی چھ دہائی (انتخاب)	ذ۔ج	جلد21، شمارہ58، ستمبر تا نومبر 2010، ص192
ماریو مرانڈا کا کارٹونی جادو	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری 2012، ص191
ایک کارٹونسٹ اور چار موضوع	سریندر	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی 2013، ص170
کارٹونسٹ کیشو اور سریندر کے زاویے سے	ذ۔ج	جلد24، شمارہ66، جون تا نومبر 2013، ص231
کارٹون (لکشمن)	ذ۔ج	جلد25، شمارہ69، ستمبر تا فروری 2015، ص218
آر کے لکشمن (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست 2015، ص131
سدھیر در (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست 2015، ص133
سدھیر تیلنگ (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست 2015، ص141
مودی اور کارٹونسٹ	ذ۔ج	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست 2015، ص206

فوٹو گرافی: دور حاضر میں فوٹو گرافی ایک ایسا آرٹ ہے جس تک تقریباً ہر خاص وعام کی پہونچ ہے، لیکن فوٹو گرافی بس یہ نہیں کہ کسی بھی چیز کی تصویر بغیر تکنیک کو دھیان میں رکھتے ہوئے اتار لی جائے۔ چونکہ آج شاید ہی کوئی ہاتھ بچا ہو کہ جس میں کیمرہ نظر نہ آتا ہو لیکن ہر ہاتھ میں کیمرہ ہونے کے باوجود ہر کوئی فوٹو گرافر نہیں ہو سکتا۔ دیگر فنون لطیفہ کی طرح فوٹو گرافی بھی کڑی محنت اور مشقت چاہتی ہے۔ جہد مسلسل، سبجیکٹ، آبجیکٹ و فریم کی اصل پہچان فوٹو گرافی میں بنیادی اہمیت کی حامل ہوا کرتی ہے۔ فوٹو گرافی دراصل ایک ایسا فن ہے جس میں ڈیجیٹل سینسر کی مدد سے روشنی اور ڈیجیٹل کیمرے کا استعمال کر کے تصویریں اتاری جاتی ہیں۔ اس کا استعمال آج ذاتی زندگی سے لے کر پیشہ ور زندگی ہر جگہ ہے۔ آرٹ کے میدان میں فوٹو گرافی کا سب سے زیادہ استعمال ماڈلنگ میں ہوتا ہے۔ فوٹو گرافی کے میدان میں بھی ذہن جدید نے کئی مضامین اور شخصی تعارف اپنے شماروں کے ذریعہ کرائے۔ فوٹو گرافی کی قدر و قیمت اور اس کی زبان کے سلسلے میں رگھو رائے کہتے ہیں کہ فوٹو گرافی کی زبان بڑی

مختلف ہے مثال کے طور پر آپ اسے پینٹنگ کی زبان کے حوالے سے سمجھنا چاہیں تو یہ غلط ہوگا۔ فوٹو گرافی بالکل ایک آزاد اور خود میں ایک مکمل میڈیم ہے۔" رگھورائے فوٹو گرافی کی دنیا میں ایک معتبر نام ہے۔ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے فوٹو گرافیکے میڈیم کو آرٹس کے ایک جاندار اور مکمل میڈیم کے طور پر اس کی تجارتی پذیرائی اور مقبولیت کی فضا بنائی، اس میڈیم کو توقیر بخشی اور اس کی پیشہ وارانہ نکاسی کے لیے ماحول بھی بنایا۔ ذہن جدید نے فنون لطیفہ کے میدان سے جڑی ایسی شخصیتوں کو اردو کے قارئین سے روشناس کرانے کا کام ذہن جدید کے ذریعہ انجام دیا ہے۔

ذہن جدید کے صفحات میں متعدد فوٹو گرافروں اور ان کے فن کا تذکرہ ملتا ہے۔ فوٹو گرافی کی دنیا میں ایک اہم نام جتیندر آریہ کا بھی ہے۔ جتیندر آریہ کا شمار ان فوٹو گرافروں میں ہوتا ہے جنہوں نے ہندوستان اور برطانیہ کی اہم ترین شخصیتوں کی تصویریں بنائی ہیں۔ جتیندر آریہ نے گیارہ سال لندن میں گذارے تھے اور وہاں ہنگری کے مشہور فوٹو گرافر مائیکل پیٹو سے تربیت حاصل کی اور فلم ساز سر الیگنڈر کورڈا کے ایلیے انھوں نے پیٹو PETO کے ساتھ مل کر جواہر لعل نہرو پر ایک دستاویزی فلم بھی شوٹ کی تھی۔ [۳۱]

فوٹو گرافی کی دنیا میں ایک اہم نام ایس پال کا بھی ہے۔ وہ ہندوستانی فوٹو گرافروں میں ایسے فوٹو گرافر ہیں جنہوں نے فوٹو گرافی کے مختلف اسالیب میں اپنے وژن کو سر بلند رکھا۔ اپنے اس تخلیقی عمل میں وہ کہیں رکے نہیں نئی دریافت اور جستجو ان کی فوٹو گرافی کے کیریئر کو نئے زاویوں سے ثروت مند بناتی رہی ہے۔ انھوں نے عوامی زندگی، فیشن، جرنلزم، لینڈ اسکیپ اور پورٹریٹ ان سب طرح کی فوٹو گرافی کو نہ صرف اپنایا بلکہ ان اسالیب میں اپنی گہری چھاپ بھی چھوڑی۔ [۳۲]

ذہن جدید نے شخصی تعارف کے علاوہ اس میدان کے فن پر بھی مضامین شائع کیے ہیں۔ کیمرے کے کرشمے اس سلسلے میں ایک جامع مضمون ہے جس میں کیمرے کی باریکیوں سے لے کر اس کے لوازمات اور آبجیکٹ کی اہمیت پر گفتگو کی گئی ہے۔ ذہن جدید میں شائع ہوئے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے:

فوٹو گرافی کی تخلیقی قدر و قیمت جتیندر آریہ جلد 4، شمارہ 14، دسمبر تا فروری 1994، ص 193

فوٹو گرافی کیمرے کے آنکھ جھپکنے کا عمل نہیں رگھورائے جلد 6، شمارہ 22، دسمبر تا مئی 1997، ص 153

کیمرہ اور سنگیت یاترا	اوناش پسریچہ	جلد9، شمارہ29، ستمبر تا فروری2000، ص158
فوٹو کھینچا نہیں جاتا بنایا جاتا ہے	ٹی ایس ستین	جلد13، شمارہ35، ستمبر تا فروری2003، ص189
انسانی المیے کی گواہی دینے والے لافانی چہرے	ذ۔ج	جلد14، شمارہ37، ستمبر تا نومبر2003، ص232
مارلن مونرو کے فوٹو گرافس	ذ۔ج	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی2004، ص216
خاتون فوٹو گرافس	ذ۔ج	جلد14، شمارہ38، دسمبر تا مئی2004، ص218
پہلی خاتون صحافی فوٹو گرافر	ذ۔ج	جلد15، شمارہ39، جون تا نومبر2004، ص225
برف کی وادی اور فوٹو گرافی	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص178
ریپ اور نوبوکو اویابو کا کیمرہ	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص180
یہ داغ داغ اجالا	ذ۔ج	جلد15، شمارہ44، جون تا اگست2006، ص183
تصویری بیانیہ (دو تصویروں کے حوالے سے)	ادارہ	جلد21، شمارہ60، مارچ تا اگست2011، ص231
پہلی خاتون فوٹو جرنلسٹ	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص185
کیمرے کے کرشمے	ذ۔ج	جلد22، شمارہ62، دسمبر تا فروری2012، ص188
انعام یافتہ فوٹو گرافس	ذ۔ج	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص172
رگھورائے اور سیالکشمی	ذ۔ج	جلد23، شمارہ65، مارچ تا مئی2013، ص174
رگھورائے (انٹرویو)	زبیر رضوی	جلد25، شمارہ70، مارچ تا اگست2015، ص145
ایس پال کی فوٹو گرافی	ذ۔ج	جلد26، شمارہ71، ستمبر تا نومبر2015، ص236

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱۔ اپٹا کے ساٹھ برس،ذ ج، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۱۲،شمارہ ۳۴،مارچ تا اگست ۲۰۰۲،ص ۱۷۶)

۲۔ پرتھوی راج کپور-ایک سچا کلاکار،یوگ راج،ذہن جدید،جلد ۱۲،شمارہ نمبر ۳۳،ص ۱۸۰،۱۸۱

۳۔ اس سہ ماہی کے ڈرامے، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۳،شمارہ ۱۱،مارچ تا مئی ۱۹۹۳،ص ۱۶۸،۱۶۷

۴۔ تھیٹر آزادی کے پچاس برسوں میں جائزہ، کیرتی جین،ذہن جدید،جلد ۶،شمارہ ۲۳،ص ۱۵۳

۵۔ حبیب تنویر کا پورا وجود تھیٹر تھا،زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۱۹،شمارہ ۵۳،مارچ تا مئی ۲۰۰۹،ص ۱۶۷

۶۔ کمرشیل سینما اور سماجی ترسیل،دیوندر اسرّ، مشمولہ ذہن جدید،جلد ا،شمارہ ۲،ص ۲۰۶

۷۔ فلم اور مکالمہ نگاری،راہی معصوم رضا، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۲،شمارہ ۳،مارچ تا مئی ۱۹۹۱،ص ۱۶۶

۸۔ انٹرویو دلیپ کمار،زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۲۵،شمارہ ۰۷،مارچ تا اگست ۲۰۱۵،ص ۶۸

۹۔ انٹرویو دلیپ کمار،زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۲۵،شمارہ ۰۷،مارچ تا اگست ۲۰۱۵،ص ۶۸

۱۰۔ فلموں کی زبان،رضوان الحق، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۱۵،شمارہ ۴۴،جون تا اگست ۲۰۰۶ ،ص ۱۶۴

۱۱۔ رنگوں میں احتجاج،منو پارکھ، مشمولہ ذہن جدید،جلد ا،شمارہ ا،ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰،ص ۱۸۱

۱۲۔ (آرٹ خلوت کا مشغلہ ہے،مقبول فدا حسین، مشمولہ ذہن جدید،جلد ا،شمارہ ۲،دسمبر تا فروری ۱۹۹۱،ص ۱۸۹

۱۳۔ (بڑے غلام علی خاں،ذ۔ج، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۱۲،شمارہ نمبر ۳۶،ص ۲۱۵

۱۴۔ (استاد علی اکبر سراپا سنگیت تھے،ذ۔ج، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۱۹،شمارہ ۵۴، جون تا اگست ۲۰۰۹،ص ۱۹۸

۱۵۔ گنگو بائی ہنگل،ذ۔ج، مشمولہ ذہن جدید،جلد ۱۹،شمارہ ۵۴،جون تا اگست ۲۰۰۹،ص ۲۰۲

۱۶۔ جشن بیگم اختر، ذ۔ ج، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۶، شمارہ ۱۷، ص ۲۲۱

۱۷۔ لتا منگیشکر، زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۵، شمارہ ۷۰، ص ۷۷

۱۸۔ استاد بسم اللہ خاں، زبیر رضوی، جلد ۲۵، شمارہ ۷۰، ص ۱۲۲

۱۹۔ استاد ولایت علی خاں، ذ۔ ج، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱۴، شمارہ ۳۸، دسمبر تا مئی ۲۰۰۴، ص ۲۰۹

۲۰۔ نوشاد کا لافانی سنگیت، ذ۔ ج، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱۵، شمارہ ۴۳، مارچ تا مئی ۲۰۰۶، ص ۲۲۸

۲۱۔ استاد ذاکر حسین، زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۵، شمارہ ۷۰، مارچ تا اگست ۲۰۱۵، ص ۱۲۴

۲۲۔ برجو مہاراج، رشمی سہگل، جلد ۴، شمارہ ۱۶، جون تا اگست ۱۹۹۴، ص ۱۷۱

۲۳۔ لوک ورثہ میں تنسیخ کا مسئلہ، یامنی کرشا مورتی، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۵، شمارہ ۱۷، ستمبر تا فروری ۱۹۹۵، ص ۱۶۱

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۶۲

۲۵۔ رقص سوریہ ہے اور میں دھرتی، سونال مان سنگھ، جلد ۵، شمارہ ۱۷، ستمبر تا فروری ۱۹۹۵، ص ۱۶۳

۲۶۔ ایضاً، ۱۶۴

۲۷۔ آر کے لکشمن، زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۵، شمارہ ۷۰، مارچ تا اگست ۲۰۱۵، ص ۱۳۱

۲۸۔ سدھیر در (انٹرویو)، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۵، شمارہ ۷۰، مارچ تا اگست ۲۰۱۵، ص ۱۳۳

۲۹۔ انٹرویو سدھیر تیلنگ، زبیر رضوی، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۵، شمارہ ۷۰، مارچ تا اگست ۲۰۱۵، ص ۱۴۴

۳۰۔ فوٹو گرافی کیمرے کے آنکھ جھپکنے کا عمل نہیں، رگھو رائے، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۶، شمارہ ۲۲، دسمبر تا مئی ۱۹۹۷، ص ۱۵۱

۳۱۔ فوٹو گرافی کی تخلیقی قدر و قیمت، جتیندر آریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۴، شمارہ ۱۴، دسمبر تا فروری ۱۹۹۴، ص ۱۹۳

۳۲۔ ایس پال کی فوٹو گرافی، ذ۔ ج، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۶، شمارہ ۱۷، ستمبر تا نومبر ۲۰۱۵، ص ۲۳۶

باب ششم:

اداریے اور 'ذہن جدید فورم'

i. 'ذہن جدید' کے اداریے

ii. 'ذہن جدید فورم'

'ذہن جدید' کے اداریے

زبیر رضوی کا ذہنی تنوع اور ادبی، فکری و فنی افق ان کے معاصر رفقائے علم و ادب میں عنقا ہے۔ ان کے سوچنے سمجھنے اور افکار و خیالات کا اظہارِ بیان اور انداز قدرے مختلف ہے۔ وہ بھیڑ چال کے قائل نہیں ہیں۔ وہ بھیڑ میں چلنے کے بجائے اپنی راہ خود چلتے ہیں۔ اپنے لیے ماحول از خود ہموار کرتے ہیں۔ وہ ان چند نفوس میں سے ہیں جو دوسروں کے بجائے اپنے بازوؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ اکیلے پوری ایک جماعت کا کام سر انجام دیتے ہیں اور بہت خوبی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ ذہن جدید کے اداریے بھی اس صفت سے خالی نہیں،وہاں بھی موضوعات سے لیکر مواد تک میں تنوع پایا جاتا ہے۔ زبیر رضوی جو کہ ماضی میں ترقی پسند تحریک اور بعد میں جدیدیت دونوں سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ اور دونوں طرح کے ادبی ذائقے انھوں نے چکھے ہیں۔ لہٰذا ان کا موجودہ نظریہ ادب جدیدیت کی طرف جھکا ہوا ضرور ہے لیکن اس میں ترقی پسندی کے عناصر بھی ہم آمیز ہیں۔ اپنے اداریوں میں وہ ہندوستان اور بالخصوص اردو کے حوالے سے ادب، آرٹ اور کلچر کے شعبوں میں ہونے والی سرگرمیوں، تبدیلیوں اور اضافوں کے بارے میں ناقدانہ رائے کا اظہار کرتے ہیں۔

ذہن جدید کے کل ۷۱ شمارے شائع ہوئے، تمام شماروں میں جو اداریے شائع ہوئے ہیں وہ 'الف' کے عنوان سے ہیں۔ شمارہ ۳۴ میں ۳، شمارہ ۴۰ میں ۲، شمارہ ۴۹ میں ۲، ۵۲ میں ۲، شمارہ ۶۳ میں ۴، ۶۴ میں ۲، شمارہ ۶۸ میں ۲، ۶۹ میں ۳ اور شمارہ ۷۰ میں ۲ اداریے لکھے گئے ہیں۔ اس طرح کل ۷۱ شماروں میں ۸۴ اداریے شائع ہوئے ہیں۔ شمارہ ۱ تا ۱۳ کے اداریے مدیر رسالہ 'جمشید جہاں' نے لکھے ہیں، شمارہ ۱۴ تا ۴۸ اور ۵۰ تا ۶۳ کے اداریے مرتب زبیر رضوی نے تحریر کیے ہیں۔ شمارہ نمبر ۴۹ کے دونوں اداریوں میں اداریہ نویس کا نام 'ذج' ملتا ہے، نیز شمارہ ۶۵ میں وارث علوی کا نام درج ہے۔ اس کے علاوہ شمارہ ۶۶ تا ۷۱ میں اداریہ نویس کا نام نہیں ملتا۔

رسالہ 'ذہن جدید' کے اداریوں میں زبیر رضوی کے پیش کردہ خیالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہوئے اس رسالے کو علمی و ادبی رسالہ بنانے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ ذہن جدید کے پہلے شمارے کے ہی اداریے میں مدیر نے ایسے اشخاص کی طرف نہایت کڑے لہجے میں جو تاثرات پیش کیے ہیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مدیر ادب کے تیئں مخلص ہے اور وہ بلا تکلف ان افراد کے حق میں بالکل نہیں جو شہرت کے بھوکے ہوتے ہیں اور اس کے لیے نئے نئے حربوں کا استعمال کرتے ہیں خواہ وہ جلسہ جلوس کی صورت میں ہوں یا انعام و اکرام کی صورت میں۔ مدیر اپنے Genuine ہونے کا دعوی بھی نہیں کرتا۔ اور کرنا بھی نہیں چاہیے کیونکہ ہر ذی عقل انسان اتنا شعور رکھتا ہے کہ وہ حقیقت کو سمجھ سکے، اگر اس سے یہ سمجھنے میں کوتاہی ہوتی ہے تو گویا وہ خدا کی نعمت کا منکر ہے اور اپنی عقل کا صحیح استعمال نہیں کر رہا ہے۔ اس صورت حال کے درمیان وہ لکھتے ہیں:

> "ایسی صورتحال میں 'ذہن جدید' کا اجرا بھی قیاس آرائیوں کے بے شمار در باز کرے گا۔ ہم یہ کیوں کر کہیں کہ ہم Genuine لوگوں میں ہیں اور ذہن جدید کے اجرا کا مقصد اردو کے قاری کو ادب، آرٹ اور کلچر کے عصری رویوں، رجحانات اور ادبی سرگرمیوں سے باخبر رکھنا ہے۔
> ہماری اس بات پر اردو قاری نے یقین کر لیا تو ہمیں محسوس ہو گا کہ خون جگر رائیگاں نہیں گیا!!!"[1]

ذہنِ جدید اپنے معاصر رسالوں کی صف میں اپنے ہمہ تن ادبی، فکری، فنی، موضوعی اور اسلوبیاتی پہلوؤں کے اعتبار سے منفرد رہا ہے۔ اس رسالے کی یہ خوبی رہی ہے جو خوش قسمتی ثابت ہوئی کہ رسالہ اپنی انفرادیت کے ساتھ ہی ادبی حلقوں میں اعتبار حاصل کرنے میں بھی کامیاب رہا ہے۔ منفرد ہونا ایک بات ہے لیکن منفرد ہونے کے ساتھ ہی معتبر ہو جانا دوسری بڑی بات ہے۔ یہ ساری خوبیاں ذہن جدید کو حاصل رہی ہیں۔ رسالے کو جدید سے جدید تر بنانے کی کوششوں کے ساتھ تخلیقی تنوع کے اعتبار سے مفید تر بنانے کے حوالے سے زبیر رضوی از خود ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> "ہم نے پرچے کی ترتیب میں اس خیال کو کلیدی حیثیت دی ہے کہ جب بھی ذہن جدید کا نیا شمارہ قاری کے ہاتھ میں پہنچے تو اسے لگے کہ اس کے ہاتھ بھر گئے ہیں۔ اس کمی کو پورا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دوسری زبانوں کے اچھے اور تازہ ترین تخلیقی مواد کی اشاعت کو ترجیح دیا جائے۔"[2]

وہ اردو ادب کے موجودہ منظر نامے پر اپنی بے باک رائے رکھتے ہیں اور بلا خوف خطر انعام واکرام کی جو کالا بازاری ادب میں در آئی ہے اسے اپنے قلم کا نشانہ بناتے ہیں اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جو حقدار ہیں ان کی حق تلفی ہو رہی ہے خواہ وہ انعام واکرام کی صورت میں ہو یا ادبی کاوشات کے عوض اعتراف اور پذیرائی کی صورت میں، ان کے ہاتھ بہر طور مایوسی ہے۔ زبیر رضوی لکھتے ہیں:

"تھوڑی سی بھاگ دوڑ کیجئے اور اپنے بارے میں جلسے جلوس نکلوایے، انعامات واعزازات کی یورش کرا لیجئے اور کئی سو صفحوں کے نمبر نکلوا لیجے، کمیٹیوں میں نامزد ہو جائیے اور مشہور و معروف بننے کے حربے استعمال کرتے رہیے، ایک طرف اردو زبان کو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرنے والوں کو بے حساب مالی وسائل کا سامنا ہے تو دوسری طرف اس زبان میں اچھا لکھنے والوں کو وسائل کی قحط سالی کا سامنا ہے کہ اس دوسرے طبقے کے ادیبوں کو اپنی انا کے حصار اور کج کلہی میں اپنی عافیت نظر آتی ہے۔ ۳۳"

ایک دوسری جگہ ادب میں سیاست کے دخول اور ادبی انعام دینے میں سیاسی داؤ پیچ کی صدائے بازگشت پر زبیر رضوی اظہار خیال کرتے ہیں:

"ہم اس مایوس کن نتیجے سے متفق نہیں، کیونکہ ہم ادب کو کھیل کا میدان نہیں سمجھتے جہاں انعام کا حصول ہی کھلاڑی کے کیریئر کا بنیادی مقصد ہوتا ہے، ادبی نوعیت کے اعزاز و انعام کس طرح بانٹے اور حاصل کیے جاتے ہیں اس کا سلسلہ حال کی بات نہیں ہے۔ سعدی کے عہد میں بھی تازی گھوڑی پر گدھے کو فوقیت ملی تھی۔ غالب اپنے عہد میں سخن ہائے گفتنی سنانے کے لیے ترس گئے تھے اور حالی بھی ایک محرم پانے کے لیے اکیلے پن کا دکھ جھیلتے رہے، اور نگ ویلس نے The Prize لکھ کر یہ بھی بتا دیا کہ دنیا کے سب سے بڑے انعام کو دینے یا پانے کے لیے کیا جوڑ توڑ ہوتے ہیں۔ ادھر ہمارے ملک کے دیو قامت تجارتی گھرانوں نے ادب کی ٹھیکہ داری کا کاروبارِ شوق سنبھال لیا ہے اور بھاری رقم کے ادبی انعامات کو ملک کے سب سے بڑے اور باوقار انعام کے دعوؤں کے ساتھ مشتہر کر کے ساہتیہ اکادمی اور دوسرے سرکاری اداروں کے انعامات کو ایک حکمت عملی کے تحت غیر اہم اور غیر ضروری بنا دیا ہے، ہندوستانی زبانوں کے صف اول کے ادیب ان اخباری گھرانوں کے لاکھوں روپیے کے انعامات سر جھکا کر قبول کر کے صحافت اور تجارتی گھرانوں کی ادب پر بالادستی کو اعتبار بخش رہے ہیں۔ لیکن حال ہی میں ساہو جین گروپ اور برلا گروپ کے اخباروں میں اپنے اپنے انعام

کو سب سے بڑا ادبی انعام کہلوانے کی لڑائی نے ثابت کر دیا کہ ان کے اعلان کردہ انعام دراصل ان کی اس حکمت عملی کا حصہ ہے جو ان کی تجارتی امیج کو ادب اور فنون لطیفہ کی سرپرستی کا تاج پہنانا چاہتی ہے۔ پچھلے دنوں جب ہندی شاعر ہرونش رائے بچن کو برلا گروپ کا پہلا تین لاکھ روپئے کا انعام ملا تو ٹائمز آف انڈیا نے اسے پانچویں صفحے پر ایک عام خبر کے طور پر چھاپا۔ حال ہی میں بنگالی شاعر سبھاش مکھو پادھیائے کو گیان پیٹھ دینے کا اعلان ہوا تو برلا گروپ (ہندوستان ٹائمز) اخباروں کے لیے یہ خبر غیر اہم بن گئی اور اس طرح پہلی بار ایسا ہوا کہ گیان پیٹھ انعام پانے والوں پر چاروں طرف سے میڈیا والوں کے جھپٹ پڑنے کی وہ بھیڑ چال دیکھنے کو نہیں ملی، شاید یہ بات اب لوگوں کو سمجھ میں آنے لگی ہے کہ تجارتی گھرانے کسی مستند ادیب کو انعام کا مستحق قرار دے کر یہ کہنا چاہتے ہیں:

''ہلدی لگے نہ پھٹکری رنگ چوکھا آئے''[۴]

زبیر رضوی کے اس منظر نامے سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح تجارتی گھرانے اور سیاسی ارباب اپنے مفاد کی خاطر ادب و ادیب کو بطور حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے جو مستحق ہوتے ہیں انھیں وہ چیز نہیں مل پاتی۔ لیکن زمانہ خود ایک بڑا پارکھ ہے، چنانچہ بہت جلد یہ راز عیاں ہو جاتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

حالیہ برسوں میں ادبی خدمات کے اعتراف میں دیے جانے والے سیاسی حلقوں یا حکومتی حلقوں کی جانب سے اعزازات اور اس پر اٹھنے والے سوالات پر زبیر رضوی سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے ہیں۔ وہ اس رویے کو ادبی سطح پر کار خراب سمجھتے ہیں نیز اس کے بہتر اور کسی طرح مثبت متبادل کی ایک نئی روایت کا آغاز کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کھلے لفظوں اپنا نقطہ نظر بھی واضح طور پر پیش کرتے ہیں۔ دیکھیے انھوں نے کس طرح اپنی رائے کا اظہار کیا ہے:

''اگر یہ صحیح ہے کہ ادیب کی تخلیقی کاوش لازوال اور انمول ہوتی ہے تو پھر یہ انعام کی بدعت یقینی طور پر گمراہ کن اور بے معنی ہے۔ ہمارے خیال میں ایک جینوئن ادیب کو انعام کی نہیں اعتراف کی تمنا ہوتی ہے۔ اس لیے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ذہنِ جدید کی ہر سال گرہ کے موقع پر اس کے پچھلے شماروں میں شائع ہونے والے مضامین نظم و نثر کے بارے میں قارئین سے پوچھا جائے گا کہ ان کی نظر میں سب سے اچھی نظم، غزل، افسانہ، طنز و مزاح اور مضمون کون سا

تھا۔ جن تخلیقات کے بارے میں پڑھنے والوں کی سب سے زیادہ رائے موصول ہوگی ان تخلیق کاروں کو ذہنِ جدید کی طرف سے اعترافی اعزاز پیش کیا جائے گا جو تحفے کی شکل میں ہوگا''۔۵

اٹھارہواں شمارے کا اداریہ عالمی سطح پر دیے جانے والے ادبی انعامات پر مشتمل ہے۔ اداریہ میں لکھتے ہیں کہ بوکر انعام کمیٹی میں شامل ممبران کی برطانیہ میں سستے اور غیر معیاری ادب کے فروغ پر تشویش کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ اس بات سے فکر مند ہیں کہ برطانیہ کے ماحول میں تجارتی اور اوسط درجے کا معمولی ادب کے لیے فضا خاصی ہموار ہورہی ہے۔ یہاں کا ادب اب کوڑے کے ڈھیر میں شامل ہورہا ہے۔

اسی طرح متعدد شماروں کے اداریوں میں ادبی انعامات کی غیر منصفانہ تقسیم اور سیاسی حکومتی سازباز کی زبیر رضوی نے کھل کر مخالفت کی ہے، وہیں مستحق اور جینوئن ادیبوں کو انعامات دیے جانے کے عمل کی ستائش بھی کی ہے۔ اور اس عمل کو خوش آئند بھی قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک ایسی لابی بھی ادب میں ہر جگہ موجود ہے جو انعام واکرام تو دور کی بات، کسی جینوئن ادیب کو آگے بڑھنے کا موقع فراہم نہیں کرتی۔ اور جب ان کی نگارشات منظر عام پر آتی ہیں تو ان نگارشات کو ذاتی طور پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اس طرح کے عصری حالات کو زبیر رضوی یوں پیش کرتے ہیں:

> ''یہ بات ہم نے پہلے بھی لکھی تھی کہ اردو میں لکھی گئی بیشتر تنقید ایسی ہے جو ایک ہی زاویے کی پابند ہو کر پورے تخلیقی منظر نامے کو ایک ہی مقام سے دیکھ رہی ہے۔ ترقی پسند پر خواہ جدیدیت کے اثرات ہوں یا ترقی پسند کے جدیدیت پر، ابھی تک دونوں کے تنقیدی لب و لہجہ میں سرمو فرق نہیں آیا۔ تخلیق کے تئیں پرانے اور نئے ادبی میلانات کی دہائی دینے والوں نے کبھی کسی کی پگڑی اچھال دی اور کبھی کسی گنجے سر پر فضیلت کی دستار رکھ دی۔ اکثر یہ بھی ہوا کہ بعض نقادوں نے اپنی ساری توانائی ایسے شاعروں اور افسانہ نگاروں کا سر بلند کرنے پر لگا دی جن کی تخلیق سانسیں اکہری اور جلد اکھڑ جانے والی تھیں۔ یہ صورت حال ہمارے جیسوں کے لیے اور بھی تکلیف دہ تھی کہ ہم ادب کو ٹھہر ٹھہر کے اور دہائیوں کے وقفے کے ساتھ پڑھنے کے عادی ہیں۔''۶

زبیر رضوی نے اپنے اس اداریے کے ذریعہ دور حاضر کی تخلیقی اور تنقیدی صورت حال پر گہرا طنز کیا ہے۔ انھوں نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ آج نقاد غیر جانب داری سے کام نہیں لیتے، وہ ادب کو ادب کی طرح نہیں پرکھتے بلکہ یہاں ایک قسم کی فرقہ واریت نے جنم لے لیا ہے کہ اگر تخلیق کار ان کی قبیل سے یا کسی اثر رسوخ کا مالک

ہے تو ان کی تخلیقات کو ساتویں آسمان پر جگہ دی جائے گی اور اگر تخلیق کار کا تعلق قدرے کسی دوسرے قبیل سے ہے تب اس کی تخلیقات صرف کوڑے دان کی گوش گزار ہوں گی خواہ ان تخلیقات میں کسی قدر اعلی ادب ہی کیوں نہ پایا جاتا ہو۔ موجودہ منظر نامہ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو یہی ادبی دنیا کے حالات ہیں آج نا اہل افراد ادب کے منبر پر بیٹھ کر ادب کے بڑے فیصلے کر رہے ہیں۔ حالانکہ انھیں اس مقام تک پہونچانے والے بھی ان کے جیسے ہی نقاد ہیں۔ اس تناظر میں سب سے بڑا نقصان ان اہل قلم کا ہے جو ایک اعلی پائے کا ادب تو تخلیق کرتے ہیں لیکن انھیں خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہیں ہوتی۔ نویں شمارے کے اداریہ میں بھی اسی بات کو خلوص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ ادب کا مطالعہ کسی خاص نقطہ نظر یا کسی مخصوص زاویے سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ کھلی آنکھوں، وسیع تناظر اور آزاد فضا میں کرنا چاہیے۔ لکھتے ہیں: ”ادب کا مطالعہ مقابلے کی آنکھ سے نہیں بلکہ اس آنکھ سے کیا جانا چاہیے جو بصارت اور بصیرت کی حامل ہو۔“ ۷

تخلیقی عمل ایک ذاتی عمل ہے لیکن جب تخلیق وجود پا جاتی ہے تو وہ ادب کے زمرے میں داخل ہوتی ہے اور ادب ایک سماجی عمل ہے، یہ کسی کی جاگیر نہیں کہ وہ اس کے بارے میں فیصلے صادر کرنا شروع کر دے، اور فیصلے بھی وہ جو ادب کی ادبیت کو مجروح کرتے ہوں۔ ادب اس گلشن کی مانند ہے جہاں مختلف اقسام کے پھول بیک وقت ایک ہی مٹی سے کھلتے ہیں۔ ادب کے لیے ضروری ہے کہ وہ نئے رجحانات، خیالات، مضامین و موضوعات کو اپنے اند سمونے کی قدرت رکھتا ہو، یہی چیزیں ادب کے لیے ذخیرہ ثابت ہوتی ہیں۔ ادب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسرے ادب سے استفادہ کرے اور اپنے دامن کو قدرے وسیع کرے تا کہ دوسری زبانوں کے ادبی رجحانات بھی اس میں شامل ہو سکیں۔ ادب ایک لافانی شے ہے اور اسے لافانی رکھنے کے لیے مختلف النوع اثرات کا شامل ہونا از حد ضروری ہے۔ جیسا کہ زبیر رضوی ایک اداریے میں لکھتے ہیں:

> ”ہمارا زاویہ یہ ہے کہ ادیب اور دانشور دوسری زبانوں کے اثرات ضرور قبول کرے۔ ان میں ہونے والی تخلیقی سرگرمیوں اور نظریاتی مباحث سے خود کو باخبر بھی رکھے لیکن ان سب کو ’تیار مال‘ کی صورت لاد کر رسالوں اور کتابوں میں ڈھیر نہ کر دے کیونکہ جب تک نظریہ سازی کو اپنے معاشرے کے ردو قبول کی سائیکی اور شعور سے وابستہ کر کے ہم اپنے نقد و نظر کی بساط نہیں بچھائیں گے ہمیں مات ہونی ضروری ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ علاقائی زبانوں کی نمائندہ تخلیقات کو اردو میں ترجمہ کرنے کا رویہ بڑھ رہا ہے، خاص طور سے ہندی سے کافی کچھ ترجمہ ہونے لگا ہے۔ ابھی بہت سی علاقائی زبانوں کے نمائندہ ادب اور ان میں ہو رہے ادبی مباحث سے اردو قاری کو متعارف کرانا اور اسے باخبر رکھنا ضروری ہے۔"۸

ذہنِ جدید ایک ادبی رسالہ ہے تاہم زبیر رضوی اس رویے کو ادبی پیرائے میں بیان کر کے اپنی سماجی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش بخوبی سر انجام دیتے رہے ہیں۔ ملکی اور عالمی سطح پر منعقد ہونے والی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں پر بھی رسالے کی نگاہ ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ حکومتی سطح پر منعقد ہونے والی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ بھی شامل ہوتا تھا۔ ان سرگرمیوں میں اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے والے ادبا و شعرا کی شمولیت اور عدم شمولیت پر بھی گہری نگاہ رکھی گئی۔ یہی نہیں بلکہ ان سرگرمیوں میں شامل ہونے کے لیے ہونے والی سیاست پر بھی تیکھی نگاہ ہوتی تھی۔ ان ساری باتوں کو اس زبیر رضوی نے اپنے اداریوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ عالمی ادب کی بات کی جاتی ہے تو عالمی ادب کے منظر نامے پر ہمارے ادیبوں یا ایشیائی ادیبوں کی عدم موجودگی اور، کم مائگی و کم آگہی کو بھی موضوع بنایا ہے۔ ادب میں یورپ کی اندھی پیروی، نئے نئے خیالات، رجحانات اور رویوں کے لیے یورپ کی طرف دیکھنا اور ان کے نقطوں سے اپنا ادب چمکانا یا ان کے یہاں سے روشنی لینے کے رویے پر سخت نکیر کی گئی ہے۔

مدیر اس بات کو باور کرانا چاہتا ہے کہ ہمارے یہاں بھی لکھنے کے واسطے بہت کچھ مواد موجود ہے۔ بے شک دنیا بھر کے تمام معیاری ادب کو پڑھنا چاہیے نیز ان کی قابل قدر باتیں اخذ کی جانی چاہیے تاہم مانگے کے اجالے سے کام نہیں چلانا چاہیے بلکہ از خود روشنی کا انتظام بھی کرنا چاہیے۔ دنیا بھر کے ادبا و شعرا کو ایک پلیٹ فارم پر بیٹھنا چاہیے۔ مسائل زندگانی کو سمجھنا چاہیے۔ ترجمہ ایک اہم بنیاد ثابت ہو سکتا ہے ایک دوسرے کے ادب اور تہذیب و ثقافت کو سمجھنے کے ضمن میں۔ رسالہ ترجمہ نگاری پر زور دیتا ہے۔ حتی الامکان ایک دوسرے کے رویوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ معیاری ادب تک رسائی حاصل کرنے کا یہ ایک راستہ ہے۔ یہ تمام باتیں تقریباً ۱۰ویں شمارے سے ۱۵ویں شمارے میں عام طور سے پائی جاتی ہیں۔ ان باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ رسالہ دنیا بھر کے ادب کو اپنی ذاتی شناخت قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ باہم اشتراک کے ساتھ کام کرتے رہنا چاہیے۔ ادب میں کسی طرح کی تمیز و تفریق نہیں کی جانی چاہیے۔ ادب کو آزاد فضا میسر کی جانی چاہیے۔ حکومتوں کو

ادب و ثقافت کے براہ اگرچہ ہموار کرنا چاہیے لیکن ادب کو پروپیگنڈے کے طور پر استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ غالباً رسالہ اس بات کو بہتر طور سمجھتا ہے کہ کسی بھی قوم یا ملکوں سمجھنا ہو تو اس کے ادب و ثقافت کو سمجھنا چاہیے۔

زبیر رضوی نے اردو فروغ کے تئیں سرکار کی جانب سے فراہم کیے جانے والے فنڈ اور نام نہاد اردو اکادمیوں اور اداروں کے اس فنڈ کے صحیح استعمال نہیں ہونے کی داستان ایک مرکزی وزیر کے حوالے قارئین کے گوش گزار کی ہے جو دراصل حقیقت ہے۔ معاملہ یوں ہے کہ حکومت ہر بار الیکشن کے وقت ایک خاص طبقہ کے سامنے اردو کے فروغ کا وعدہ کرتی ہے تا کہ اسے ووٹ حاصل ہو سکیں لیکن الیکشن کے بعد وہ اپنے وعدوں کو بھول جاتی ہے۔ جب اس ضمن میں ایک مرکزی وزیر سے بات کی گئی تو انھوں نے کہا کہ مرکزی اور ریاستی سرکاریں کئی سطحوں پر اردو اداروں کی تشکیل کر کے اور ان کو بھرپور مالی فنڈ فراہم کر کے اردو زبان اور اس کے ادب کو ترقی اور فروغ دینے کے منصوبے بنانے اور انھیں عملی شکل دینے کا کام آزادانہ طور پر اردو والوں پر ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ وزیر کا کہنا تھا کہ 'اپنی ذمہ داری نہ نبھا کر اور محض میٹنگوں میں اپنی خاموش حاضری درج کرا کے میٹنگوں میں شرکت کا بھتہ اور کرایہ جیب میں ڈال کر جو ممبران اپنی ٹرم پوری کر کے منظر نامے سے غائب ہو جاتے ہیں اردو والے ان سے باز پرس کیوں نہیں کرتے'۔ مذکورہ خیال کے تحت یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نام نہاد اکادمیوں کے ذمہ داران اردو کے فروغ کے لیے محض سمیناروں میں رونا روتے ہیں۔ اس کے لیے حقیقت میں کوشاں نظر نہیں آتے اور سرکار سے فراہم کردہ فنڈ اپنی جیبوں میں بھر لیتے ہیں۔9

زبیر رضوی اردو کی ادبی صحافت میں ڈھیر ہونے والے رسائل کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ان کے نشانے پر ایسے رسائل ہوتے ہیں جن کے Target Reader متعین نہیں ہوتے، وہ بغیر کسی سروے اور اپنے قارئین ہدف بنا کر محض چند ادنیٰ غزلوں، نظموں اور کہانیوں کو ادبی صحافت سمجھتے ہیں۔ جبکہ ادبی صحافت ایک نہایت دقاق فن ہے جس میں مدیر کو تمام علوم پر یکساں گرفت ہونی چاہئے نیز نئے رجحانات کو ہوا دینی چاہیے اور ہم عصر ادب کے ساتھ ساتھ مختلف ہم عصر علوم پر مضامین بھی شائع کرنے چاہئے۔ اس کے علاوہ وہ میڈیا اور فنون لطیفہ کو بھی ادبی صحافت کا ایک اہم جز قرار دیتے ہیں۔ کیونہ یہ دور ثقافتی صحافت کا دور ہے۔ اکیسویں صدی کے قاری کے اہداف و آفاق نئے ہیں۔ وہ محض افسانوں غزلوں اور کہانیوں پر کمندیں ڈالنے پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ جدید علوم کو حاصل کرنے کا خواہاں ہے۔ ادب کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ سے آگاہی مقابلہ جاتی زندگی اس کے نصاب کا ایک

لازمی جزو بن گئی ہے۔ کیونکہ یہ دور میڈیا کا دور ہے اور بڑے شہروں کی ثقافتی چہل پہل اور رونقوں کا سرچشمہ اب عصری فنون لطیفہ ہیں۔ زبیر رضوی آج کے قاری کو اکیسویں صدی کا نو دریافت قاری تصور کرتے ہیں۔10

زبیر رضوی نے اپنے اداریوں میں عامر خان کے پروگرام ستیہ میو جیتے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ عامر خان کے اس پروگرام نے پہلی بار وژول کے اس طاقتور میڈیم کی ترسیلی گہرائی اور دیکھنے والوں پر اس کے زیادہ سے زیادہ اثر انداز ہونے کے امکانات کا احساس دلایا اور اور یہ بھی باور کرایا کہ کسی بھی جلتے سلگتے ہوئے سماجی مسئلے کو کس طرح کیمرے کی تیز اور چبھتی ہوئی آنکھ سے دیکھا اور اسے ایک بڑے تناظر میں رکھ کر سامنے لایا جا سکتا ہے۔ یہ ایسا پروگرام تھا جس نے اس وقت کے کئی مد مقابل پراگراموں کو حاشیے پر دھکیل دیا۔ ظاہر ہے اس پروگرام میں تفریح تفنن سے پرے ایسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا تھا جو دور حاضر کے اصل مسئلے تھے۔11

یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ کسی بھی رسالے کا اداریہ اپنے آپ میں بہت خاص ہوتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو کسی طرح بیجا نہیں ہوگا کہ اداریہ کسی بھی رسالے کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اداریہ جہاں اس ایک عدد ماہانہ یا سہ ماہی نسخے کا اختصار ہوتا ہے وہیں منجملہ رسالے کے نقطۂ نظر کا بیانیہ بھی ہوتا ہے۔ سہ ماہی رسالہ ذہن جدید کا اداریہ بھی اسی نقطے پر عمل پیرا رہا ہے۔ رسالے کا اداریہ جہاں اندرخانہ پیش کش کا اختصاریہ ہے وہیں موجودہ ماحول کے کسی اہم نقطے کی گہرائی و گیرائی کے ساتھ عکاسی بھی کرتا ہے۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ رسالہ کوئی بھی ہو، ادبی یا غیر ادبی لیکن اس کا اداریہ نسخے کی اہم باتوں کے بیان کے ساتھ ہی موجودہ ماحول کی عکاسی بھی ضرور کرتا ہے۔ ادبی رسالے ان معنوں میں بالخصوص موجودہ ماحول کا سرسری طور پر سہی مگر بیان لازماً کرتے ہیں کہ ادب بہر حال سماج کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ سماج سے ہی اخذ کرتا ہے۔ اخذ و اشتقاق سے ہی دونوں زندہ رہتے ہیں۔ ذہنِ جدید کے اداریے بھی 'ادب کلچر ثقافت' کی بات کرتے ہیں ساتھ ہی موجودہ ماحول میں ہو رہی اونچ نیچ، ردوبدل کو بھی بیان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر نوجوان نسل بدلے کے جذبات سے مغلوب ہو کر فریق ثانی جو ایک طرح سے کمزور بھی ہوتا ہے، اس پر تیزاب سے حملہ کر دیتا ہے۔ اس کے حد درجہ برے اثرات یا ردعمل سے بے فکر وہ ایسا کر گزرتا ہے۔ رسالہ ذہنِ جدید سماج کے کمزور ترین طبقے کے خلاف ہونے والے اس طرح کے تشدد کو نیز سماج میں اس قسم کے جرائم کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اس مسئلے کو اپنے اداریے میں پیش کرتا ہے:

"ذہنِ جدید کا شمارہ ایسی صورتحال میں قارئین تک پہنچ رہا ہے جب نفرت، تعصب اور تشدد کے ہاتھوں پھینکے گئے تیزاب نے رواداری اور فرقہ وارانہ یگانگت کے سانولے سلونے چہرے کو

جھلسادیا ہے۔ نہیں معلوم کس یگ اور کن برسوں میں یہ جھلسا ہوا چہرا کسی عیسیٰ نفس کی پیوند کاری سے اپنا کھویا ہوا حسن پاسکے گا"۔ ۱۲؎

نفرت اور تشدد کی گھٹن بھرے ماحول میں رسالہ ذہنِ جدید علم و ادب اور حکمت کی روشنی بدستور پھیلا رہا ہے۔ سماج میں موجود اس طرح کے عناصر کو آئینہ دکھا رہا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر افراد کو اس طرح کے جرائم سے باخبر بھی کر رہا ہے۔

ہندوستان کے سیاسی ماحول اور منفی سوچ پر بھی زبیر رضوی نے اپنے اداریوں میں کھل کر قلم اٹھایا ہے، بیسویں صدی کے آخری دہے کی سیاست اور سیاست دانوں کے حوالے سے تحقیقی فکر اور سیاسی فکر کے درمیان پیدا ہونے والے خلا کے حوالے سے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بیسویں صدی کے آخری دہے میں ملکی سیاست اور سیاست دان نے خود کو جس قدر مٹ میلا کیا ہے اور حصول اقتدار کے لیے ہر حربے کو جائز سمجھ کر استعمال جتنا اور جیسا ملامت آفریں رویہ اپنایا ہے اس نے تحقیقی فکر اور سیاسی فکر کے درمیان کھائی کو اور چوڑا کر دیا ہے۔" ۱۳؎

آزادی کے بعد سے فسادات کا ایک طویل سلسلہ ہمارے ملک میں روا رہا ہے۔ ملکی سطح پر امن و امان برقرار رکھنے پر خطیر رقم خرچ کرنے کے باوجود کب کہاں سے فسادات پھوٹ پڑیں اس کی ضمانت حکومت بھی نہیں دے سکتی ہے۔ یہ فسادات آج بھی وقفے وقفے سے ملک کے طول و ارض میں ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے فسادات ہندوستان کی سائیکی میں شامل ہو گئے ہیں۔ چودہویں شمارے کے اداریہ میں زبیر رضوی اسی بات کو تاسف کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ نیز ہندوستان میں ذات پات کے نظام پر بھی نقد کرتے نظر آتے ہیں۔ فسادات کو ادب میں کافی جگہ دی گئی۔ ناول سے لیکر افسانوں اور شاعری میں بھی اس کو موضوع بنایا گیا۔ موجودہ دور میں حالات اور بھی بدتر ہو رہے ہیں، زبیر رضوی کا یہ اداریہ دیکھیں:

"فسادات پر لکھے ادب کی پرکھ کرتے ہوئے ممتاز شیریں اور محمد حسن عسکری کے زاویوں میں اب خاصا فرق معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے خیال میں اب اتنے برسوں بعد اہم فسادات کو 47 والی آنکھ سے نہیں دیکھتے کہ فسادات بھی اسی طرح ہندوستانی سائیکی کا حصہ بن گئے ہیں جس طرح دہشت گردی، ذات پات کی تفریق، جرائم بھوک، استحصال اور بدعنوانی ہماری شریانوں میں داخل ہو کر ہمارے خون کی سرخی کو گدلا اور مٹ میلا کر رہی ہے۔ ہمارے معاشرے میں فرد

کی اپنی کوئی شناخت نہیں ہے اور حسب و نسب کے بغیر وہ کسی قطار شمار میں نہیں ہے۔ اس لیے شہروں شہروں انسانی لاشوں کے ڈھیر بن جانے والے ملبے سے ہی ناک پر رومال رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ اکیسویں صدی اگر ہندوستانی معاشرے میں فرد کے وقار اور انسانی جان کی قدر و قیمت کا احساس دلانے میں بیسویں صدی سے زیادہ ناکام رہی تو فسادات کے ادب کو پڑھتے ہوئے نہ کوئی آنکھ نم ناک ہوگی اور نہ ہی میر کا یہ شعر انسان کے اندرون میں دردمندی پیدا کر سکے گا:

کن نیندوں اب تو سوتی ہے اے چشم گریہ ناک
مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا[۱۴]

ذہن جدید کے اداریوں میں جہاں ادب و ہندوستانی فنون لطیفہ کی بات کی جاتی رہی ہے وہیں جدید نظم، اردو اکادمیوں کا اردو رسالوں کے تئیں سرد رویہ، اردو رسالوں کی ناکامی اور اردو ادب اور صحافت کے لیے سرکاری گرانٹ نہ ملنے جیسے موضوعات کو بھی اداریے میں اٹھایا ہے۔ اس کے علاوہ ملکی و غیر ملکی خبروں کے حوالے سے بھی کافی کچھ لکھا جاتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ گجرات کے فسادات، گجرات کے زلزلے، بابری مسجد کا انہدام، مقبول فدا حسین کی مصوری جیسے موضوعات پر بھی زبیر رضوی نے قلم اٹھایا ہے۔ کبھی کبھی اداریے میں معروف ادبا کے خطوط بھی شائع ہوتے ہیں۔ مثلاً ستمبر ۲۰۰۱ تا فروری ۲۰۰۲ کے شمارے میں اداریے میں فضیل جعفری کا زبیر رضوی کو لکھا خط شائع ہوا ہے، جو انھوں نے آل احمد سرور کی وفات کے حوالے سے لکھا ہے۔

دسمبر تا فروری ۲۰۰۸ کا شمارہ ذہن جدید کا ۵۰واں شمارہ تھا جو ایک خصوصی نمبر کے طور پر شائع ہوا۔ اس کے اداریے میں زبیر رضوی نے ماس میڈیا اور موجودہ اردو زبان کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آج ماس میڈیا میں اردو زبان نے ایک اہم مقام بنا لیا ہے اور اردو زبان میڈیا کے ذریعہ بہت تیزی سے پھل پھول رہی ہے:

”بلا شبہ یہ عہد ماس میڈیا کا ہے اور اس وقت ہندوستانی ماس میڈیا میں فنون پر پروگرام ،مباحث اور دستاویزیں بنانے کا ایک مقبول سلسلہ شروع ہو چکا ہے آج ماس میڈیا نے جس زبان کو اپنے پیغام کی ترسیل کے لیے کار آمد پایا ہے اور نہایت اثر آفریں جانا ہے وہ اردو آمیز زبان ہے جس کا مزاج داں وہ نوجوان ہے جس نے غیر اردو والوں سے کہیں زیادہ اردو کے موحول میں آنکھ کھولی اور اس مشترکہ تہذیب کے باقی ماندہ مظاہرہ کا شاہد بھی بنا اور جس کا تجربہ

دوسرے نوجوانوں کے لیے محض دور کا جلوہ بنا رہا ہے۔ یہی وہ پس منظر اور میڈیا کی ترسیلی زبان کے تقاضے ہیں کہ اس وقت 100 سے زائد عام ٹی وی چینلوں اور ایف ایم ریڈیو کے مقبول میٹروں پر اردو لہجے میں ڈوبی سنوری آوازیں اپنا جادو جگا رہی ہیں۔"۱۵

رسالہ ذہنِ جدید کوئی عام یا روایتی رسالہ نہیں تھا۔ اس رسالے کی جہاں یہ خوبیاں تھیں کہ اردو زبان و ادب کے علاوہ دیگر علاقائی و غیر علاقائی زبانوں اور ان میں رائج رویوں، رجحانوں اور تغیر و تبدل کو اپنے یہاں مناسب جگہ دیتا ہے وہیں یہ رسالہ عالمی آفاقی سطح پر جغرافیائی تغیر و تبدل کو بھی باقاعدہ جگہ دیتا ہے۔ رسالہ میں ان موضوعات کا احاطہ کرتے ہوئے خصوصی نمبرات بھی شائع ہوئے ہیں۔ اس ضمن افریقی ادب کی بات کی جا سکتی ہے۔ رسالہ ذہنِ جدید میں "افریقی ادب" کے نام سے ایک خصوصی نمبر کی اشاعت عمل میں آئی۔ ادبی دیانت داری کے تحت اس خیال کی وضاحت اداریے میں بھی کی گئی کہ افریقی ادب نمبر شائع کرنے کا خیال کہاں سے آیا۔ اداریے کی چند سطریں ملاحظہ ہوں:

"اس شمارے میں ہماری خصوصی پیش کش 'افریقی ادب' والا حصہ ہے۔ ہمیں یہ اعتراف بھی کرنا ہے کہ اردو ادب کے علاوہ سب ہی زبانوں کے رسالے اور اخبارات اپنے پڑھنے والوں کو ادب کے علاوہ ہر طرح کی ثقافتی، تہذیبی اور سماجی تبدیلیوں، رویوں اور رجحانات سے باخبر رکھتے ہیں اور ان کے قاری اس طرح کے مواد کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہندی رسالے 'پہل' نے پچھلے دنوں افریقی ادب پر ایک ضخیم نمبر نکالا تھا۔ ہم نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ ہم اس حصے کے لیے پہل اور اس کے معاونین کے شکر گزار ہیں"۔۱۶

ذہن جدید کی یہ خاصیت رہی ہے کہ اس نے ہم عصر ادبی منظر نامے کے تعلق سے کبھی آنکھیں نہیں موندیں، بلکہ جو بھی مسائل درپیش آئے انھیں کھل کر اپنے اداریوں میں بیان کیا۔ دور حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ یا یوں کہیں کہ المیہ یہ ہے کہ تخلیقی ادب کے معاصر منظر نامے میں اعلیٰ اور اہم تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار کم ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے عوض ایسی صلاحیتوں کو منظر نامے پر لانے کی کوشش کی جا رہی ہے جو تخلیقی اعتبار سے اوسط اذہان کے مالک ہیں، تنقید کے میدان میں بھی کم و بیش یہی سلسلہ رائج ہوتا جا رہا ہے، یہ مسائل صرف ادب تک محدود نہیں ہیں بلکہ دیگر فنون کے ضمن میں بھی یہی روش دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس پس منظر میں زبیر رضوی لکھتے ہیں:

"ہمارا یہ تاثر دیرپا ہوتا جارہا ہے کہ تخلیقی ادب کے معاصر منظر نامے میں اعلیٰ اور اہم تخلیقی ذہانتوں اور صلاحیتوں کا اظہار کم ہوتا جارہا ہے نیز ان پر روشنی ڈالنے اور انھیں نمایاں کرنے کا کام بھی تدریج کم مقدار ہوتا جارہا ہے۔ اوسط اور اس سے بھی کم واجبی صلاحیتوں کو وہ Space دیا جانے یا ملنے لگا ہے جس پر اب تک ہم صرف اعلی اور اہم تخلیقی ذہانتوں کا حق مانتے اور تسلیم کرتے رہے تھے ایسی صورت حال اس وقت ادبی نوعیت کی سرگرمیوں میں زیادہ نمایاں طور سے سر اٹھانے لگتی ہے جب Mediocrity (اوسط پن) کو انسانی معاشرہ اپنی پذیرائی اور قبولیت کا امرت پلانا عام کردے فلم کے گانے لکھنے والا سلولائیڈ کے میڈیم میں اپنی کمرشیل ساکھ کے بل پر خلیقی ادب میں دوسروں کے Space کو لھیرلینے اور ان کی حق تلفیاں کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تخلیق کاروں کے لیے مخصوص تخلیقی توقیر اور اعزاز کو Graps کرنے والے نقاد خود کو تخلیق کار کے ہم پلہ رکھنے کی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں مختلف زبانوں اور فنون کو فروغ دینے والے اداروں کے کلیدی عہدوں پر قبضہ کرکے اوسطیوں کو قطار در قطار اپنے پیچھے کھڑے کرنے والوں کی اردو میں بھی کمی نہیں رہی اس صورت حال کو زہر کی صورت پھیلنے سے روکنے کا بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم اس تخلیقی منظر نامے پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈالیں اور اسے مرکز نگاہ بنانے کی سعی جمیل کریں جہاں زندگی کے ایک بڑے سفید پردے پر اعلی شاعری اور اہم قصے، کہانیاں اور افسانے رقم کیے گئے ہیں یہاں انسانی معاشرہ اس میں سانس لیتی ہوئی زندگی اپنا نصیبہ بننے والے دکھ، درد کو اپنے اپنے انداز میں جھیلتی اور ان سے جوجھتی رہتی ہے۔"[۱۷]

ذہن جدید کے اداریے ادبی مباحث سے بھی خالی نہیں رہے، یوں کہیں کہ زبیر رضوی کے قلم نے کبھی اپنی حدود متعین نہیں کیں بلکہ ان کے قلم کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ وہ اکیلے ہی ایک ادارے کا کام تن تنہا انجام دے جاتے ہیں۔ ان کے یہاں جو فکر کام کرتی نظر آتی ہے وہ خطۂ ارض پر انسانی حیات سے متعلق کم و بیش ہر طرح کے موضوعات ان شماروں کے اداریوں میں جابجا دیکھے جاسکتے ہیں۔ علوم و فنون سے متعلق کون سا ایسا گوشہ ہے جو اس میں موضوع بحث نہیں ہے۔ اول سے آخر تک نظر ڈالتے چلے جائیے اور موضوعات کے بیکراں سمندر کی لہروں پر بہتے چلے جائیے۔ نطق و شعور کے متعلقات سے لے کر بنیادی ضروریات تک سب کچھ ان اداریوں میں موجود ہے۔ ان موضوعات کا سرسری طور پر انفرادی حیثیت سے جائزہ لیا جائے تو کچھ اس طرح ہیں:

ادب، آرٹ، کلچر، سماج، سیاست، مذہب، مختلف طرح کے انسانی حقوق کی عمل داری کا معاملہ، اختیارات، آزادی، آزادیٔ اظہار رائے، طرز زندگی کی آزادی، اپنی مرضی سے شریک زندگی چننے کا اختیار، جنس، صنف، زبان و ادب کی حیثیت، ادبی خدمات، ادبی خدمات کا اعتراف، عالمی آفاقی ادبیات، معیاری ادبیات سے استفادہ، ترجمہ نگاری، اس کی اہمیت و افادیت، علاقائی زبانوں کی یکساں اہمیت و افادیت، مادری زبان کی قدر و قیمت، نیز اس کی افادیت، سیاست کے بے جا عمل دخل، علمی و ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں پر حکومتی یا سیاست دانوں کی دست درازیاں، ادیبوں کو انعامات کی شکل میں ان کو ناکارہ بنا دینے کی کوششیں، الغرض کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جو ہم عصر ادبی منظر نامے پر وقوع پذیر ہو رہا ہو اور اس کا تذکرہ زبیر رضوی نے اپنے اداریوں میں نہ کیا ہو۔

☆☆☆☆☆

’ذہن جدید فورم‘

”ذہن جدید فورم“ کے قیام سے قبل زبیر رضوی نے ایک سوسائٹی ”ترنگنی“ کے نام سے قائم کی تھی۔ اس سوسائٹی کے قیام کا مقصد فنون لطیفہ جیسے وسیع و عریض شعبہ کے ضمن آنے والی مختلف اصناف کا تعارف اور متعلقہ شخصیات کا اسٹیج پرفارمنس تھا۔ اس سوسائٹی کے تحت فائن آرٹس سے متعلق سالانہ پروگرام منعقد کرائے جاتے تھے۔ ”ترنگنی“ کا قیام ۱۹۷۳ میں دہلی میں عمل میں آیا۔ سید کامران رضوی، راقم سے ہوئی گفتگو میں بتاتے ہیں کہ:”

> ”ترنگنی کا قیام ۱۹۷۳ میں عمل میں آیا لیکن جب اُن (زبیر رضوی) کا تبادلہ ۱۹۷۷ یا ۷۸ میں کشمیر ہوا تب ترنگنی کے پروگرام تعطل کا شکار ہونے لگے۔ ترنگنی میں ابتدائی دور میں نیلیما عظیم، طلعت عزیز، انور عظیم، چندر جیت یادو جیسے لوگوں نے زبیر رضوی کے ساتھ کام کیا۔ ترنگنی تقریباً چھ سات سال ایکٹو رہی۔“[۱۸]

ترنگنی کا مقصد فنون لطیفہ سے متعلق نئے اذہان کو پلیٹ فارم مہیا کرانا تھا تاکہ ان کی گوناگوں صلاحیتیں ابھر کر سامنے آسکیں اور ان میں نکھار آسکے۔ ترنگنی میں غزل، موسیقی، رقص، ڈرامے، قوالی جیسے پروگرام شامل ہوتے تھے۔

”ذہن جدید فورم“ کا قیام زبیر رضوی کے کشمیر سے واپس دہلی آنے پر ۱۹۸۸ میں ہوا۔ لیکن اس فورم کا رجسٹریشن ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۳ میں دہلی میں سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے تحت (رجسٹریشن نمبر: ایس/۲۴۹۳۳-۱۹۹۳) عمل میں آیا۔ فورم کا تعلق فنون لطیفہ سے اس طور پر نہیں رہا جیسا کہ ترنگنی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ رجسٹریشن کے بعد پہلی مجلس عاملہ میں زبیر رضوی (سکریٹری)، راج نارائن راز (صدر)، اظہار عثمانی (جوائنٹ سکریٹری)، شمس الزماں (خازن)، اسلم پرویز، مخمور سعیدی، دُلیپ سنگھ، محسن زیدی اور دیوندر اسرّ شامل ہیں۔

"ذہن جدید فورم" کے مقاصد۔

- ادیبوں اور فن کاروں کے مابین زمینی سطح پر رشتے استوار کرنا اور باہم تعارف کرانا۔
- طویل اور صغیر مدتی ورکشاپ، کانفرنس، سمینار وغیرہ کا انعقاد کر کے ہندوستانی ادب اور فنون لطیفہ کے میدان میں متعلقہ شخصیات کے علم میں مزید وسعت اور نکھار پیدا کرنا۔
- ضرورت مند ادیبوں اور فن کاروں کو مالی تعاون فراہم کرنا۔
- ہندوستانی ادب اور فنون لطیفہ کے میدان میں ہندوستانی اداروں یا مخصوص افراد کے ساتھ ریسرچ کے کاموں میں مدد فراہم کرنا۔
- ہم عصر ہندوستانی ادب اور فنون لطیفہ پر مشتمل کتابوں اور رسائل کی اشاعت۔
- ادب کی سرگرمیوں کو فروغ دینا اور ادیب کی تخلیقی آزادی کے لیے ملک گیر پیمانے پر ساز گار اور موافق فضا پیدا کرنا تھا۔
- نیز ہندوستانی تخلیقی ادب بالخصوص اردو کے شعری اور نثری ادب کی تفہیم، پذیرائی اور اشاعت کے لیے فضا سازی کرنا اور ادب کی تخلیق کے لیے ادیبوں کو ممکن سہولتیں پہنچانے کا انتظام کرنا۔

۱۹۹۳ میں سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹر کی گئی اردو ادیبوں اور فن کاروں کی تنظیم "ذہن جدید فورم" کی آئندہ دو سال کے لیے نئی تشکیل ۱۸ اپریل، ۲۰۱۰، بمقام غالب انسٹی ٹیوٹ میں عمل میں آئی۔ فورم کے ۴۰ ممبران نے اپنی تحریری تائید کے ذریعہ ڈاکٹر اسلم پرویز کو صدر، زبیر رضوی کو سکریٹری، ڈاکٹر احمد محفوظ کو جوائنٹ سکریٹری اور شہپر رسول کو فورم کا خزانچی مقرر کیا۔ ذہن جدید فورم کی اس تازہ تشکیل کے مطابق مذکورہ عہدے داروں کے علاوہ مجلس عاملہ میں دیوندر اسرؔ، بلراج مین را، شاہد انور، شاہد ماہلی، پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، معین اعجاز، پروفیسر انیس الرحمن، نگار عظیم، ابوبکر عباد، ڈاکٹر خلیق انجم کے نام شامل ہوئے۔ فورم کی جنرل باڈی میں ۲۵ سے زائد ممبران کے نام شامل ہوئے متذکرہ بالا کے علاوہ دیگر نام یہ ہیں، خورشید اکرم، نجمہ رحمانی، یوگ راج، شمس الحق عثمانی، جمشید جہاں، پروفیسر شمیم حنفی، کے ایل نارنگ ساقی، فاروق ارگلی، عمیر منظر، کنیز وارثی۔ اس وقت سوسائٹی کا پتہ، سی-۲، اے بی کمپلیکس، ۸/۱۷۹، ذاکر نگر، نئی دہلی-۲۵ تھا۔

رسالہ ذہن جدید نے ذہن جدید فورم کے تحت ایک نئے پروگرام "ذہن جدید اعتراف" کی طرح ڈالی، رسالے میں شائع ہونے والی ادبی کاوشات میں سے ایک ایک نظم،غزل،افسانے،طنز و مزاح اور مضمون کو قارئین کی نشان دہی کے مطابق منتخب کیا جاتا اور پھر تخلیق کاروں اور مضمون نگاروں کو ان کاوشات کے ضمن میں اعتراف سے نوازا جاتا۔ ذہن جدید نے اسے انعام و اکرام جیسی اصطلاحات سے آزاد رکھ کر اعتراف کا نام دیا۔ چونکہ زبیر رضوی خود انعام اکرام کے سخت خلاف تھے لیکن نئے و پرانے تخلیق کاروں اور ناقدین کے ادبی حلقوں میں ان کی نگارشات کے ضمن میں اعتراف کے قائل تھے۔ تاکہ انھیں ان کی اعلیٰ نگارشات کے سبب ادبی حلقوں میں نہ صرف ایک پہچان دلائی جائے بلکہ ان کی نگارشات کے اعلیٰ و ارفع ہونے کا اعتراف بھی کرایا جاسکے۔ زبیر رضوی نے ان اعترافات کے لیے نہ ہی کوئی کمیٹی تشکیل دی اور نہ ہی کوئی جیوری بنائی بلکہ ان اعترافات کے انتخاب کی ذمہ داری قارئین کے سپرد کی تاکہ کسی بھی قسم کی غیر جانبداری سے اجتناب کیا جاسکے۔ وہ اپنے اداریہ میں لکھتے ہیں:

"اگر یہ صحیح ہے کہ ادیب کی تخلیقی کاوش لازوال اور انمول ہوتی ہے تو پھر یہ انعام، کی بدعت یقینی طور سے گمراہ کن اور بے معنی ہے، ہمارے خیال میں ایک جینوئن ادیب کو 'انعام' کی نہیں 'اعتراف' کی تمنا ہوتی ہے۔ اس لیے ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ذہن جدید کی سالگرہ کے موقع پر (جو ہر سال ستمبر میں پڑے گی) اس کے پچھلے چار شماروں میں شائع ہونے والے مضامینِ نظم و نثر کے بارے میں قارئین سے یہ پوچھا جائے کہ ان کی نظر میں سب سے اچھی غزل،افسانہ ،طنز و مزاح اور مضمون کون سا تھا جن تخلیقات کے حق میں پڑھنے والوں کی سب سے زیادہ رائے موصول ہوں گی۔ ان کے تخلیق کاروں کو "ذہن جدید اعتراف" پیش کیا جائے گا یہ اعتراف تحفے (سوونیئر) کی صورت میں ہو گا!

ہمارے اس خیال کے پس پردہ یہ احساس کار فرما ہے کہ ادب کے نام پر دیے جانے والے ادبی انعام اور اعزاز میں سمندر جتنا جھوٹ ہوتا ہے۔ اس لیے ایک کرن جیسی روشن سچائی بھی تو اندھیرے کو کسی نہ کسی حد تک پسپا کر ہی سکتی ہے۔ جینوئن، سچے اور کھرے ادب کی پہچان اور پرکھ میں ایک باشعور قاری کی حیثیت سے آپ ہی کی رائے معنی بھی رکھتی ہے اور وزن بھی۔

ذہن جدید ادب اور ادیب کی باوقار پہچان اور اعتراف کو فروغ دینے کی اس تحریک میں آپ کے بیش قیمت عملی تعاون کا طالب ہے۔

آپ سے گذاش ہے کہ ذہن جدید کے اب تک کے شائع ہونے والے چار شماروں میں سے ایک ایک نظم، غزل، افسانے، طنز و مزاح اور مضمون کی نشان دہی فرمادیں۔ خط میں اپنا نام اور مکمل پتہ ضرور تحریر فرمائیں اس کے بغیر آپ کی رائے کا شمار نہ ہوگا۔ مساوی آرا کے موصول ہونے کی صورت میں مدیر اور مرتب کی رائے فیصلہ کن ہوگی۔ مدیر اور مرتب کی تحریریں اعتراف کے دائرے سے باہر ہوں گی۔"۱۹

ذہن جدید فورم کے تحت ہونے والے پہلے اور آخری اعتراف پروگرام کا انعقاد اردو اکادمی دہلی کے تعاون سے تروینی کلا سنگم دہلی میں بتاریخ ۲۲ فروری ۱۹۹۳ کو ہوا۔ اس تقریب میں قرۃ العین حیدر اور راجندر یادو بھی شریک ہوئے۔ ستیش گجرال نے مجلس ادارت کی طرف سے بولتے ہوئے ذہن جدید کو غیر معمولی رسالہ قرار دیا اور خوشی ظاہر کی کہ اس رسالے نے فنون لطیفہ کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جتنی کہ ادب کو دی جاتی ہے۔ مجیب صدیقی نے گبریل او کارا کی زبیر افاروقی نے لیلی عطوش کی نظم پڑھ کر سنائی۔ جن شریک اشاعت تحریروں کو قارئین کے ذریعہ پسند کیا گیا، بطور اعتراف انھیں اعزاز سے نوازا گیا۔ اعتراف یافتگان کی فہرست درج ذیل ہے۔

ذہن جدید اعتراف۔ ۱۹۹۱ (شمارہ ۱ تا ۴)

مضمون

شاعری اور افسانہ	وارث علوی	شمارہ ۳

افسانہ

خیال صورت (اردو)	سریندر پرکاش	شمارہ ۱
رسی جل گئی (ہندی)	شانی	شمارہ ۴
کلہاڑیوں کا موسم (پنجابی)	مہندر سنگھ سرنہ	شمارہ ۳
علوان کی گرفتاری (فلسطینی)	وہیب سرائی الدین	شمارہ ۱

نظم

نئے سال کی نظم	ندا فاضلی	شمارہ ۳

ایک کھڑکی	اشوک باجپئی	شمارہ ۴
آخری بس	کرشن راہی	شمارہ ۴
چاند کا مجھ سے نہ ہو گا سودا کبھی (فلسطینی)	میخائیل عید	شمارہ ۱

مزاح

جوس کا گلاس	دلیپ سنگھ	شمارہ ۱
میرے کارٹون (انٹرویو)	سدھیر در	شمارہ ۳

کینوس

میرا فن (انٹرویو)	پینٹر کرشن کھنہ	شمارہ ۱۲

تھیٹر

انٹرویو	ہدایت کار رنجیت کپور	شمارہ ۴

ڈرامہ

جس نے لاہور نئیں دیکھا وہ جنما نئیں (ہندی)	اصغر وجاہت	شمارہ ۲

ذہن جدید اعتراف ۱۹۹۲ (شمارہ ۵ تا ۸)

مضمون

افسانے کی تنقید	عابد سہیل	شمارہ ۵
ادب میڈیا اور صدائے ختم شد	دیوندر اسرّ	شمارہ ۵

شاعری

مقتل سے مقتل تک (نظم)	وحید اختر	شمارہ ۶
کبھی خود اپنے ہی اندر جو میں نے دیکھا ہے (غزل) کمار پاشی		شمارہ ۵
ایک فلسطینی بوڑھے کا المیہ (فلسطینی نظم)	لیلی عطوش	شمارہ ۵
بہت پہلے کی بات ہے (افریقی نظم)	گبریل اوکارا (نائجیریا)	شمارہ ۵

افسانہ

شناخت	بانو قدسیہ (پاکستان)	شمارہ ۶
میرا انتظار کر (پنجابی)	اجیت کور	شمارہ ۵
غیر حاضر (ڈوگری)	وید راہی	شمارہ ۵
باؤلی (ہندی)	نرمل ورما	شمارہ ۸

تھیٹر

ہندوستانی تھیٹر (انٹرویو)	ابراہیم القاضی	شمارہ ۷

کینوس

میرا فن (انٹرویو)	غلام رسول سنتوش	شمارہ ۸

مزاح

خدمت قوم کی	یوسف ناظم	شمارہ ۵

کارٹون

آر کے لکشمن ذہن جدید نے ان کے کارٹون سب سے زیادہ انتخاب کیے۔ [۲۰]

ذہن جدید اعتراف پر ذہن جدید فورم کی طرف سے یہ پہلا اور آخری سمینار تھا جس میں ۲ سال کے عرصہ پر

محیط ۸ شماروں میں شامل نگارشات کو قارئین کی پسند سے ذہن جدید اعتراف دیا گیا۔ زبیر رضوی نے جو یہ سلسلہ شروع کیا تھا اسے دو سالوں بعد بند کر دیا۔ سید کامران رضوی اس ضمن میں بتاتے ہیں کہ:

"اصل میں پاپا(زبیر رضوی) انعام و اکرام کے سخت خلاف تھے کیونکہ انعام و اکرام کے نام پر آج کل جو تماشے ہو رہے ہیں ان سے آپ بھی بخوبی واقف ہوں گے، اسی لیے انھوں نے اعلیٰ معیاری نگارشات جو ذہن جدید میں شمولیت رکھتی تھیں، بصورت اعتراف انعام سے نوازے جانے کا ارادہ کیا۔ جس میں کسی بھی قسم کی غیر جانبداری شامل نہیں ہوتی تھی۔ لیکن بعد میں یہ دیکھنے میں آیا کہ اس اعتراف پر بھی لوگوں نے جانبداری کا الزام لگایا لہٰذا انھوں(زبیر رضوی) نے اسے بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے دنوں میں ذہن جدید اعتراف منعقد نہیں کرائے گئے۔"[۲۱]

ذہن جدید اردو کا پہلا ایسا رسالہ ہے جس نے یک روزہ سمینار منعقد کرانے کی طرح ڈالی، یہ سمینار ذہن جدید فورم کے بینر تلے منعقد کرائے گئے۔ بعد ازاں ان سمیناروں میں پڑھے گئے مقالات کو رسالہ ذہن جدید میں شائع کیا گیا۔ ان سمیناروں میں ایسے عصری مسائل کو موضوع بنایا گیا جو عموماً اردو ادبی رسائل کے صفحات پر جگہ نہ ملنے کے باعث زیر بحث آنے سے رہ جاتے ہیں۔ ذہن جدید فورم نے اردو، ہندی کے تخلیقی رشتے، ادب، تصادم اور ہمسائیگی، سو برسوں پر محیط اردو کی ادبی صحافت اور گزشتہ نصف صدی کی نظم اور افسانے جیسے موضوعات پر سمینار منعقد کرائے

۔

"اردو ہندی کے تخلیقی رشتے" کے عنوان سے ایک روزہ سمینار کا انعقاد "ذہن جدید فورم" کے زیر اہتمام غالب انسٹی ٹیوٹ اور اردو اکادمی کے تعاون سے ایوان غالب میں یکم جولائی ۲۰۰۶ کو منعقد ہوا۔ اس سمینار کا انعقاد ایسے وقت میں عمل میں آیا جب گیان چند جین کی کتاب "ایک بھاشا: دو لکھاوٹ، دو ادب" نے اردو اور ہندی کی ادبی دنیا میں تنازع کھڑا کر دیا تھا۔ اس کتاب کے ذریعہ گیان چند جین نے اردو کے غیر متعصب کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی اور اردو ہندی کے درمیان پرانے لسانی تنازعے کے پرانے قضیے بھی دہرائے۔ زبیر رضوی اس سمینار کی اہمیت اور نزاکت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"'ذہن جدید فورم' نے ادبی مباحث پر اجتماعی اظہار خیال کی دعوت دیتے ہوئے یکم جولائی ۲۰۰۶ کو اردو اکادمی اور غالب انسٹی ٹیوٹ دلی کے سرگرم اشتراک سے ایک روزہ سمینار ایوان

غالب میں منعقد کیا۔ موضوع تھا ”اردو ہندی کے تخلیقی رشتے“ یہ سمینار ایک ایسے وقت میں کیا گیا جب گیان چند جین کی متنازعہ کتاب کی اشاعت سے اردو دنیا میں تشویش کا ساماحول تھا ،اس کتاب میں جہاں اردو کے غیر متعصب کردار کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی وہیں اردو ہندی کے درمیان لسانی مغائرت کے پرانے قضیے بھی دہرائے گئے۔ 'ذہن جدید فورم' نے گیان چند جیسے متعصب ذہن رکھنے والوں کو مدلل جواب دینے کی غرض سے اردو ہندی کے کئی روشن خیال اور اہم ادیبوں کو سمینار میں اظہار خیال کی دعوت دی۔“۲۲

اس سمینار میں ادبیات اردو ہندی کے اہم ادیبوں دیوندر اسرّ،ڈاکٹر صادق،جانکی پرساد شرما،گوبند پرشاد، پنکج بشٹ، منگیش ڈبرال،صدیق الرحمن قدوائی،راجندر یادو اور وشنو کھرے نے اپنے مقالات پڑھے۔ مجلس صدارت میں پروفیسر صدیق الرحمن قدوائی، ہندی شاعر وشنو کھرے، افسانہ نگار راجندر یادو اور مارکسی نقاد مرلی منوہر پرشاد سنگھ شامل رہے۔ اس سمینار کی رپورٹ 'ذہن جدید' کے شمارہ نمبر ۴۵ میں شائع ہوئی جسے فارینہ اقرار نے ترتیب دیا ہے۔

زبیر رضوی نے سمینار کے افتتاح میں اپنی تمہید میں کہا کہ:

”ایسے وقت جب کہ اردو کی ادبی فضا میں حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب کے متنازع پہلوؤں پر ردعمل کی ہلچل مچی ہوئی ہے اور اردو ہندی کے درمیان پرانے لسانی تنازعے اور اردو والوں کے ذریعہ اردو اور غیر اردو والوں کے درمیان امتیاز برتنے کی الزام تراشیوں پر سوال و جواب کا سلسلہ جاری ہے اور اردو دنیا زبان کے سلسلے میں الزامات کی صفائی پیش کرنے میں لگی ہے، یہ سمینار ان سارے متعصب ذہنوں کو ایک مدلل جواب ہوگا۔ جو تعصبات اور سطحی نوعیت کی بے بنیاد الزام تراشیوں کو ہوا دینے کی مہم میں لگے رہے ہیں۔“۲۳

دیوندر اسرّ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سمینار کے موضوع اور اس موضوع کے مختلف پہلوؤں کو خالص لسانی اور عمرانی تاریخ کی بحث میں الجھے بغیر محض تخلیقیت کی سطح پر دونوں زبانوں میں لکھے ادب کو پڑھنا بھی ہوگا اور ان کا ممثلاتی تجزیہ بھی کرنا ہوگا۔ انھوں نے دونوں زبانوں میں لکھنے کے اپنے تجربے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ دونوں زبانوں میں لکھتے ہوئے انھیں یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ الگ الگ منطقوں میں سفر کر رہے ہیں۔ ہاں انھیں یہ احساس ضرور رہا کہ وہ جو کچھ بھی لکھیں ایسا لکھیں جس کی اپنی الگ پہچان ہو۔

ڈاکٹر صادق نے اردو اور ہندی کے مابین لسانی تنازع کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا کہ آزادی کے بعد بدلے ہوئے ماحول کے باوجود اردو ادیب اور اردو زبان کے ساتھ امتیازی برتاؤ برقرار ہے۔ انھوں نے دونوں زبانوں کے درمیان تخلیقی ادب پر مکالمے اور مباحثے کی ضرورت پر زور دیا۔ ہندی نقاد جانکی پرساد شرما نے لسانی تنازعات کو بھول کر دونوں زبانوں کے درمیان تخلیق اور افکار کی سطح پر باہمی تبادلہ پر زور دیا۔ انھوں نے اس بات کو قبول کیا کہ اردو کی غزل کے سرمائے سے ہندی کا تخلیقی ذہن بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ راجندر یادو نے اردو رسم الخط کے سلسلے میں اپنا پرانا موقف دہرایا کہ اردو کو دیوناگری خط اپنا لینا چاہئے۔ کہتے ہیں:

> ”پہلے اردو ایک سیکولر زبان تھی تقسیم کے بعد اس میں مذہبیت کے پیوند لگے اور اب اس زبان کو سیاست نے ہائی جیک کر لیا یا اردو بہت زیادہ راج نیتی کا شکار ہو گئی ہے۔ آج بھی جب سیاسی رہنماؤں کو مسلمانوں کے لیے کچھ کرنے کا خیال آتا ہے تو وہ اردو کو ایک حل طلب مسئلہ بنا کر کر یہ نعرے لگاتے ہیں کہ وہ اردو کے لیے یہ کریں گے، وہ کریں گے۔ دھیرے دھیرے اردو کے اختلاف کا Issue بنایا جارہا ہے اور دھیرے دھیرے اردو مسلمانوں کی زبان ہو گئی ہے..... اس خلا کو بھرنے کی ضرورت ہے ہم لوگ ایک دوسرے کے بارے میں ذرا یہ زاویہ بدل کر دیکھیں تقریباً سارا کا سارا اردو کا ادب ہندی اسکرپٹ میں آچکا ہے۔“[۲۴]

وشنو کھرے نے راجندر یادو کے رسم الخط بدلنے کے مشورے پر شدید برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ نہ ملک میں، نہ دنیا میں کہیں ایسا ہوا ہے کہ رسم الخط بدلنے کی بنا پر لوگوں نے اس زبان کو جوش و خروش سے پڑھنا یا سیکھنا شروع کیا ہو، یہ نہایت سطحی اور عامیانہ مطالبہ ہے جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں ہے۔ انھوں نے دعوی کیا کہ غالب اور میر جیسی بڑی اور آفاقی تناظر کی حامل شاعری ہندی کے پاس تو ہے ہی نہیں اور نہ اس کی کوئی مثال سنسکرت میں ملتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو کی زبان کی حیثیت سے ایک خوبی یہ ہے کہ اس کے اشعار اور جملے زبان زد ہو جاتے ہیں۔

ہندی شاعر منگلیش ڈبرال نے اردو اور اس کے تخلیقی ادب کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ اردو کے بغیر نئی ہندی بھاشا کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندی کے ادب کے لیے اردو اردو ایک تخلیقی ضرورت ہے۔ انھوں نے اس بات کا خدشہ بھی ظاہر کیا کہ انھوں نے اپنے شاعرانہ اظہار کے لیے جو اردو آمیز زبان استعمال کی ہے اس کا مستقبل کیا ہو گا؟ انھوں نے کہا کہ میری تخلیقی زبان جو اردو کے خمیر سے تیار ہوئی ہے

اسے آج کئی اطراف سے خطرات کا سامنا ہے اس میں ایک خطرہ وہ ہے جو آج کی بازاری زبان سے لاحق ہے جسے صارف معاشرہ جنم دے رہا ہے۔

صدیق الرحمن قدوائی نے سمینار کو کامیاب قرار دیتے ہوئے یہ اعتراف کیا کہ اردو کو اسی نوعیت کے مکالموں اور مباحثوں کی ضرورت ہے تاکہ دونوں زبانوں کے ادیبوں کے درمیان جو مختلف قومی اور بین الاقوامی مسائل پر ایک جیسی سوچ اور ادبی موقف اختیار کیے گئے ہیں ان کی باز خوانی اور تشہیر ہو سکے۔ انھوں نے اردو اور ہندی کے درمیان لین دین پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اردو کے زیر اثر ہندی میں غزل اور رباعی اور ہندی کے زیر اثر اردو میں گیت اور دوہے لکھے جا رہے ہیں۔

فورم کے تحت ہونے والے سمیناروں کے سلسلے کی ایک اور کڑی "تقسیم، تصادم اور ہمسائیگی" کے موضوع پر یک روزہ سمینار ہے، جس کا انعقاد ایوان غالب، دہلی میں ۹ مارچ ۲۰۰۸ کو ہوا۔ ادب اور زبان کبھی تقسیم نہیں کیے جا سکتے چاہے کتنی بھی سرحدیں کیوں نہ کھڑی کر دی جائیں۔ فقط زمینی حدوں پر ہی انسانوں کا بس چلتا ہے جنھیں اس نے اپنی ضرورت، اغراض و مقاصد اور کہیں نہ کہیں انا کی بنا پر کھڑا کر رکھا ہے جو پوری دنیا میں مختلف ملکوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ ان ممالک میں ایسے بھی ملک ہیں جو کبھی متحد تھے لیکن وقت اور حالات نے انھیں تقسیم کر دیا۔ انھیں خیالات کے مد نظر ایوان غالب میں اس سمینار کا انعقاد ہوا۔ جس میں اردو اور ہندی زبانوں کی معروف ادبی شخصیات نے شرکت کی۔ اس سمینار کی صدارت صدیق الرحمن قدوائی نے فرمائی اور کلیدی خطبہ ممتاز نقاد فضیل جعفری نے دیا۔ فضیل جعفری نے دونوں ملکوں کی الگ الگ پہچان سے قبل کے غیر منقسم ہندوستان کے ان تاریخی اور سیاسی عوامل کے اہم مرحلوں کا ذکر کیا جو بالآخر ۱۹۴۷ میں ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا سبب بنے۔ ادب میں اس ساری صورتحال کا خاص طور سے مسلم تصادم کے واقعات کو حوالہ دیتے ہوئے فضیل جعفری نے کہا کہ:

> آپس میں لڑی جانے والی مسلح جنگیں دونوں متصادم فریقوں کے لیے فیصلہ کن نہیں بن سکیں۔ اس تصادم کی اور اس کے نتیجے میں اس میں دھماکوں کی گونج دونوں ملکوں کی شاعری اور افسانوں میں برابر سنائی دیتی رہی ہے۔ مگر اس تخلیقی رد عمل میں ایسا ادب کم ہی سامنے آیا ہے جو دوامیت کا تاثر چھوڑتا ہے۔"۲۵

نیشنل اسکول آف ڈرامہ کی جانی پہچانی شخصیت اور ہدایت کار کیرتی جین کے ناٹک ''اور کتنے ٹکڑے'' کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کس طرح دونوں ملکوں کے درمیان فسادات اورر تصادم میں عورتیں بے آبرو ہوئیں۔ ایسی ہی چار عورتوں کی کہانیوں کو انھوں نے ان کے پورے دکھ درد کے ساتھ ناٹک میں سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔ فلموں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ فلمیں بڑی حد تک یا تو اینٹی پاکستان ہوتی ہیں یا پھر مسلمانوں کو شک کے دائرے میں گھیرنے والی یا پھر ان کی وطن دوستی کو مشکوک بنانے والی ہوتی ہیں۔ پروفیسر شمیم حنفی نے ہمسائیگی اور تخلیقی ادب کو موضوع بناتے ہوئے اپنے مضمون میں کہا کہ ''یہ عجیب بات ہے کہ تقسیم اور دونوں ملکوں کے درمیان تصادم کے واقعات پر War and Peace جیسا بڑا ناول نہیں لکھا گیا۔ اور ہمسائیگی پر جو کچھ سرحد کے دونوں اطراف لکھا گیا وہ یہی احساس دلاتا ہے کہ عوام دونوں ملکوں کے درمیان امن کو مستحکم دیکھنا چاہتے ہیں۔''۲۶

زبیر رضوی نے اپنے خطاب میں اس سمینار کی وضاحت کرتے ہوئے دونوں ملکوں کے مابین سیاست دانوں کی سیاست اور ادب اپنے رویوں کے متعلق کہا کہ:

> ''سیاست جہاں انسان کے دکھ درد کا مداوا کرنے کے بجائے اسے زخموں سے کراہتا ہوا چھوڑ دیتی ہے وہاں اسے ادب و فنون کا دست مہرباں اپنی چارہ گری کا عمل شروع کر دیتا ہے۔ ان ۶۰ برسوں میں دونوں ملکوں کے سیاست داں اور حکمراں دوستی اور رشتوں کے پل گراتے اور بناتے رہے لیکن دونوں طرف کے ادیب اپنی نگارشات میں دوستی اور عوام کے درمیان ہمسائیگی کے رشتوں کے پل بناتے اور انھیں مضبوط کرنے کے عمل میں امن اور جنگ دونوں حالتوں میں سرگرم عمل رہے ہیں''۔۲۷

'ذہن جدید فورم' کے زیر اہتمام ادبی صحافت کے سو برسوں پر ایک سمینار کا انعقاد غالب انسٹی ٹیوٹ میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے اشتراک سے ۷ اگست ۲۰۱۰ کو ہوا۔ اردو کی اخباری صحافت پر تو کئی زاویوں سے بحث کے لیے سمینار ہوتے ہی رہتے ہی مگر اردو زبان کی ادبی اور ثقافتی صحافت پر سیر حاصل انداز میں سمینار منعقد نہیں ہوتے۔ اردو کے ادبی رسائل نے زبان کی توسیع اور اس کے فروغ کے سلسلے میں کلیدی رول ادا کیا ہے ادبی رویوں اور رجحانات کو قارئین سے متعارف کرایا ہے۔ ادب کے عصری نظر ناموں سے آگاہی دیتے ہوئے عہد بہ عہد ادب کو اپنا خون جگر دینے والے نئے ادب کے معماروں کی خدمات کو رسالوں ہی

نے اپنے صفحات پر جگہ دے کر ان کے کارناموں کو یادگار بنایا ہے۔ معاصر تخلیقی ادب کو اپنی ہر اشاعت کا حصہ بنا کر ادب کے معیار اور معاشرے میں اس کی پزیرائی کی فضا بھی ادبی رسالوں نے بنائی ہے۔ رسالوں میں جو ادب شائع ہوتا رہا وہی آگے چل کر یعنی مستقبل میں کتابوں میں منتقل ہو کر نئے قارئین کے لیے مشعل راہ بنا۔ رسائل نے ہمیشہ ہی تخلیقی سرگرمیوں کو نمایاں کر کے نئی تخلیقی صلاحیتوں اور ذہانتوں کی ذہنی اور فکری تربیت کی اور یہ سکھایا کہ ادب میں مقام اور مرتبہ اور اعتبار حاصل کرنے کے لیے کسی ادیب کو کیا کچھ کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی کہ ادب میں اچھی اور زندہ رہ جانے والی تخلیق ردو قبول کی آزمائشوں سے کس طرح سرخرو ہو کے مستقبل کے قاری کا ادبی ورثہ بنتی ہے۔

۱۹۰۰ سے ۲۰۰۰ کے سو برسوں میں اردو کی ادبی صحافت کی بڑی شاندار تاریخ رہی ہے یہ ہندوستانی ادب کا ایسا سرگرم عرصہ ہے جس میں انگریزی ادب کے رجحان اور رویے اور منتخب ادب کے نمونے ہماری زبانوں میں ترجمہ ہو کر ہمارے ادب کو نئی سمتوں میں لے جانے کا جتن کر رہے تھے نصف صدی بعد کا عرصہ آزادی کے جشن کا تھا تخلیقی سطح پر یہی وہ عرصہ تھا جس میں ہندوستان کے قد آور ادیب ٹیگور، اقبال اور پریم چند پیدا ہوئے۔ ہمارے رسالوں نے اس پورے عہد کو اپنے صفحات پر جگہ دیتے ہوئے ایک تاریخی رول ادا کیا ہے۔ اس ایک روزہ سمینار نے اردو رسالوں کے اسی رول کا احاطہ کیا ہے۔

اس سمینار کے موضوعات کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ جس میں اردو کی ادبی صحافت (۱۹۰۰ سے ۱۹۳۵ تک) کے موضوع پر ڈاکٹر قمر الہدی نے گفتگو کی۔ اردو کی ادبی صحافت (۱۹۳۵ سے ۱۹۵۰ تک) کے موضوع پر قاضی جمال حسین نے اپنا مقالہ پیش کیا۔ اردو کی ادبی صحافت (۱۹۵۰ سے ۱۹۷۰ تک) کے موضوع کا احاطہ صفدر امام قادری نے کیا۔ اردو کی ادبی صحافت (۱۹۷۰ تا ۲۰۰۰ تک) کے موضوع پر خورشید اکرم نے اپنے خیالات پیش کیے۔ زبیر رضوی سمینار کے انعقاد کے جواز اور اس کی اہمیت پر لکھتے ہیں:

> "ذہن جدید فورم (رجسٹرڈ) جو اردو ادیبوں اور فنکاروں کا فورم ہے اس کی مجلس عام نے اس بار نہ صرف اپنی تشکیل کی اردو کی ادبی صحافت کے سو برس (۱۹۰۰ تا ۲۰۰۰) کے موضوع پر یک روزہ سمینار بھی منعقد کیا اردو صحافت پر سمینار کرنے کا سلسلہ تو نہ جانے کب سے جاری ہے لیکن کسی کو بھی اردو کی ادبی صحافت کی سو برس پرانی تاریخ کے ورق الٹنے اور تخلیقی ادب یعنی اردو فکشن، شاعری اور دوسری ہیئتوں میں جو رجحان ساز ادبی رویے اور فکر اور سوچ کے نئے زاویے

سامنے آئے اور وقفے وقفے سے ان رجحان اور رویوں نے رسائل کے توسط سے زبان اور اس کے ادب پر جو اثرات مرتب کیے ان کا سیر حاصل جائزہ لینے کا خیال کسی کو نہیں آیا۔ ذہن جدید فورم کے تحت منعقد ہونے والا یہ یک روزہ سمینار اس نوعیت کی پہلی کوشش تھی جب سو برسوں کے ادبی رسائل کے مختلف ادوار پر کلیدی مقالے کے علاوہ چار اور مقالے بھی پڑھے گئے یہ مقالہ اگر سیر حاصل نہیں تو تشنہ بھی نہیں تھے۔ بہر حال ذہن جدید فورم نے ادبی صحافت کی کارکردگی کو زیر بحث لانے کے سلسلے کی ابتدا کر دی ہے تاکہ ہمارے قارئین کے علم میں یہ بات آسکے کہ ماضی میں نکلنے والے ادبی رسائل نے ہماری ادبی تاریخ سازی میں کیسا بامعنی، اہم اور کارآمد کردار ادا کیا اور اس وادی پرخار میں قدم رکھتے ان پر کیا کچھ گزری کس کس طرح ان پیش رؤں نے خود کو خاک کیا اور ہماری راہ سفر اپنے قدموں سے چمکا دی۔ یہ انھیں کی کاوشوں اور ادبی فہم و فراست کا ثمرہ ہے کہ آج ہم اپنے حال میں وہ اعلیٰ ادب پڑھ پا رہے ہیں جو ان رسالوں کے صفحات سے سفر کرتا ہوا تخلیقی ادب کی لائبریریوں میں کتابی صورت میں ہمارے مطالعے کا اٹوٹ حصہ بن گیا ہے۔"۲۸

سمینار کے اجلاس کی صدارت پروفیسر شمس الرحمن فاروقی، سید شاہد مہدی، اسلم پرویز اور شاہد علی خاں نے انجام دی، پروفیسر شمیم حنفی طبیعت کی ناسازی کی غرض سے سمینار میں حاضر نہ ہوسکے لیکن ان کے کلیدی خطبہ کو احمد محفوظ نے پڑھ کر سنایا۔ شمیم حنفی نے اپنے کلیدی خطبہ کے مقالے میں اردو کی ادبی صحافت کا احاطہ کرتے ہوئے یہ تاثر دیا کہ سو برسوں پر پھیلی ہوئی ادبی صحافت نے اگر ایک اچھے، یادگار اور ناقابل فراموش رسالے اردو کے قاری کو دیے تو اسی صحافت نے وہ رسالے بھی شائع کیے جو اپنی کسی بھی مخصوص پہچان سے عاری تھے۔ اس سیشن میں ڈاکٹر قمر الہدی فریدی نے اپنے مقالے میں ادبی رسائل (۱۹۰۰تا۱۹۳۵) پر پہلا مقالہ پیش کرتے ہوئے ادبی رسائل اور صحافت کے اس دور کو ایک تشکیلی دور قرار دیتے ہوئے دلگداز، مخزن اور ہمایوں جیسے رسالوں کے اس رول کا تفصیلی ذکر کیا جو ان رسائل نے اردو میں رجحان ساز ادبی صحافت کی بنیاد رکھنے کے لیے انجام دیا۔ انھوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ مضامین، تبصروں اور سیاسی واقعات و معاملات پر ایڈیٹر کی رائے زنی سے قطع نظر دلگداز نے اپنے طویل صحافتی سفر کے دوران اسلوب، طرز فکر، طرز بیان اور موضوعات کی سطح پر ایک انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۳۵سے ۱۹۵۰کے دور کی ادبی صحافت کا جائزہ لیتے ہوئے پروفیسر قاضی جمال حسین نے ادبی صحافت کے اس دوسرے دور کو بہت سے معیاری رسالوں کی اشاعت کا سنہری دور قرار دیتے ہوئے بڑے فکر

انگیز انداز میں ان رسائل کے درخشاں رول کا تذکرہ کیا جس نے ادب کے تئیں قاری کے ذہن کی آبیاری کا فریضہ انجام دیا۔ یہ دور اس لیے بھی اہم ہے کیوں کہ اس دور میں ترقی پسندیت نے اپنا عروج دیکھا اور اس کے متوازی دوسری تحریک حلقہ ارباب ذوق کی تھی کہ جو ادب اور سیاسی موقف میں فرق کرنے پر اصرار کر رہی تھی اور ادیب کی تخلیقی آزادی کی خود کو پابند بنائے ہوئے تھی۔ قاضی جمال حسین نے ہمایوں، نیرنگ خیال اور ادب لطیف کے حوالے ان تحریروں اور مباحث کا حوالہ دیا جنھوں نے قاری کو رسالوں کے مندرجات پر اپنا ردعمل ظاہر کرنے کا حوصلہ بخشا۔ ۱۹۵۰ سے ۱۹۷۰ کے درمیان نکلنے والے رسائل کا احاطہ صفدر امام قادری نے اپنے مقالے کے ذریعہ کیا۔ انھوں نے اپنے فکر انگیز مقالے میں وضاحت سے بتایا کہ کس طرح ان رسائل نے منصوبہ بند انداز میں نئی صلاحیتوں کی تربیت کی اور انھیں لکھنے کی تحریک دی۔ صفدر امام نے نیا ادب، نیا دور اور سویرا جیسے رسالوں کے ان شماروں کا خاص حوالہ دیا جن میں معاصرین کے ادب پر بے لاگ رائے دی گئی تھی۔ اس سیشن کا آخری مقالہ ۱۹۷۰ تا ۲۰۰۰ کے ادبی رسائل پر مشتمل تھا، جسے خورشید اکرم نے پیش کیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ دور اردو رسائل کے لیے اس اعتبار سے مبارک تھا کہ اس دور تک آتے آتے ادبی فضا تحریکوں اور حاوی رجحانات سے بڑی حد تک آزاد ہو چکی تھی۔ خورشید اکرم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے دور کے رجحان ساز رسالوں کا ذکر کرتے ہوئے اس عہد میں نکلنے والے رسالوں کو قارئین پر اپنا بھرپور نقش چھوڑنے کے لیے خراج پیش کیا۔ شمس الرحمن فاروقی نے مجلس صدارت کی طرف سے بولتے ہوئے کہا کہ یقینی طور پر اردو کے ادبی رسائل کی ایک شاندار تاریخ ہے اور اس تاریخ کو بار بار روشنی میں لانے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے سماجی زندگی میں ادبی رسائل پر کم توجہ دینے اور اچھے رسائل کی قارئین کے حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی نہ ملنے کی شکایت کی، انھوں نے کہا کہ ادبی رسائل ہی ادب میں نئے رویے ،رجحان اور تحریکوں کو متعارف کرانے اور ان پر مباحثوں کے لیے فضاسازی کرتے رہے ہیں۔

زبیر رضوی نے اس سمینار کے لیےن تنظیموں اور افراد کا شکریہ ادا کیا جنھوں نے سمینار کے انعقاد میں اپنا عملی تعاون دیا تھا۔ ذہن جدید فورم کے ارکان احمد محفوظ اور شہپر رسول نے ان اجلاس کی نظامت کی۔ اس سمینار کی رپورٹ متعدد اخبارات میں شائع ہوئی، ذہن جدید نے بھی سمینار کی رپورٹ ۵۷ویں شمارے کے صفحہ ۲۱۷ پر پیش کی ہے، نیز مقالات اور کلیدی خطبہ کو شمارہ ۵۸ میں ذہن جدید فورم سمینار کے تحت شائع کیا ہے۔

ذہن جدید فورم کے تحت منعقد کرائے گئے سمیناروں کی ایک اہم کڑی "اردو افسانے اور نظم کی نصف صدی ۱۹۵۰ تا ۲۰۰۰" کے موضوع پر سمینار کا انعقاد ہے۔ یہ پروگرام دو حصوں پر مشتمل تھا جس میں پہلے حصہ افسانے کے ضمن میں مخصوص تھا اور دوسرا نظم کے تئیں۔ صدارت کے فرائض ڈاکٹر اسلم پرویز نے انجام دیے۔

پہلے جلسے میں مہدی جعفر نے اردو افسانے کی نصف صدی، رویے اور رجحانات کے موضوع پر کلیدی خطبہ میں بتایا کہ اردو افسانے پر اگرچہ ابتدا سے ہی مغربی فکشن کا اثر رہا ہے لیکن اردو افسانہ نگاروں نے احساس جمال اور زبان کی لطافت سے اسے ایک نئی دنیا سے ہم کنار کیا، انھوں نے کہا کہ پریم چند آج بھی افسانوی دنیا کے سرتاج ہیں البتہ پریم چند نے افسانہ سازی کے دوران ڈرامائی تدبیر کاری سے کام لیا۔ انھوں نے دیگر افسانہ نگاروں کا تجزیہ کرتے ہوئے منٹو اور قرۃ العین حیدر کے فن کی نہ صرف پذیرائی کی بلکہ یہ بھی کہا کہ ان کا رویہ کسی بھی تحریک سے بالاتر رہا ہے۔ مہدی جعفر نے مزید کہا کہ تجسس اور دلچسپی کے متوازی خطوط پر جاسوسی افسانوں نے بعد کے دنوں میں مقبولیت حاصل کی۔ عابد سہیل نے کرشن چندر کے بالکونی، راجندر سنگھ بیدی کے متھن اور سہیل عظیم آبادی کے الاؤ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ بالکونی ماضی کی اپنی مقبولیت کے حساب سے اچھا افسانہ نہیں کیونکہ اس میں رجائیت کا عنصر حاوی ہے۔ متھن کو بیدی کی شاہ کار کہانی قرار دیتے ہوئے عابد سہیل نے کہا کہ اس کہانی میں بیدی کا فن اپنے عروج کی منزلوں پر ہے۔ خورشید اکرم نے غیاث احمد گدی کی پرندہ پکڑنے والی گاڑی، سریندر پرکاش کی بازگوئی اور بلراج مین را کے ریپ جیسے افسانوں کا تجزیہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ بازگوئی جدید ہندوستان کی سیاسی صورتحال پر مبنی ہے مگر اس میں واقعات کے پرتو اور کردار کا دھندلا پن ہی ایک نوع سے اس کی خوبی ہے۔ معین الدین جینابڑے نے ممتاز شیریں کے مشہور افسانے انگڑائی، عصمت چغتائی کے افسانہ امربیل اور قرۃ العین حیدر کے کارمن کا تجزیہ کیا۔ انگڑائی کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ اس میں نسائی حسیت کو نہ صرف فن کے قالب میں ڈھالا گیا ہے بلکہ ان کا موضوع ہم جنسی کی عکاسی ہے لیکن اصلاً اس افسانے کا موضوع جنسی شعور کا انکشاف ہے۔

دوسرے اجلاس میں اردو نظم کی نصف صدی رویے اور رجحانات کے تحت فضیل جعفری نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے گزشتہ پچاس برسوں میں تخلیقی ہنرمندی کے اعتبار سے اخترالایمان کو نظم کا بڑا شاعر قرار دیا اور کہا کہ اخترالایمان نے نئے انسانی شعور کو فروغ دیا۔ پروفیسر عتیق اللہ نے زمستاں سرد مہری کا، چاند تاروں کا بن، تمہارا شہر کا تجزیہ کیا۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر آسف زہری اور ڈاکٹر ارجمند آرا نے بھی تین تین نظموں کے

تجزیے کیے۔ اس سمینار کی رپورٹ ذہن جدید کے شمارہ ۶۲ میں شائع ہوئی ہے جسے عمیر منظر نے ترتیب دیا ہے، نیز سمینار میں پیش کیے گئے مقالات شمارہ نمبر ۶۳ میں شائع کیے گئے ہیں۔

گو حتمی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ذہن جدید اردو کا پہلا ایسا رسالہ ہے جس نے یک روزہ سمینار منعقد کرانے کی طرح ڈالی، یہ سمینار ذہن جدید فورم کے بینر تلے منعقد کرائے گئے۔ بعد ازاں ان سمیناروں میں پڑھے گئے مقالات کو رسالہ ذہن جدید میں شائع کیا گیا۔ ان سمیناروں میں ایسے عصری مسائل کو موضوع بنایا گیا جو عموماً اردو ادبی رسائل کے صفحات پر جگہ نہ ملنے کے باعث زیر بحث آنے سے رہ جاتے ہیں۔ ذہن جدید فورم نے اردو، ہندی کے تخلیقی رشتے، ادب، تصادم اور ہمسائیگی، سو برسوں پر محیط اردو کی ادبی صحافت اور گزشتہ نصف صدی کی نظم اور افسانے جیسے موضوعات پر سمینار منعقد کرائے جو ادبی صحافت میں ایک ورثہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حواشی:

۱۔ اداریہ، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۱، شمارہ ۱، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰، ص ۱

۲۔ ایضاً، جلد ۲، شمارہ ۴، جون تا اگست ۱۹۹۱، ص ۵

۳۔ ایضاً، جلد ۱، شمارہ ۱، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰، ص ۵

۴۔ ایضاً، جلد، شمارہ ۸، جون تا اگست ۱۹۹۲، ص ۵

۵۔ ایضاً، جلد ۲، شمارہ ۵، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۱، ص ۵

۶۔ ایضاً، جلد ۴، شمارہ ۱۶، جون تا اگست، ۱۹۹۴، ص ۵

۷۔ ایضاً، جلد ۲، شمارہ ۹، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۲، ص ۵)

۸۔ ایضاً، جلد ۴، شمارہ ۱۵، مارچ تا مئی ۱۹۹۴، ص ۵)

۹۔ ایضاً، جلد ۱۷، شمارہ ۴۹، ستمبر تا نومبر ۲۰۰۴، ص ۵

۱۰۔ ایضاً، جلد ۲۲، شمارہ ۶۲، دسمبر تا فروری ۲۰۱۲، ص ۵

۱۱۔ ایضاً، جلد ۲۲، شمارہ ۶۳، مارچ تا اگست ۲۰۱۲، ص ۵

۱۲۔ ایضاً، جلد ا، شمارہ ۲، دسمبر تا فروری ۱۹۹۱، ص ۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۵

۱۴۔ ایضاً، شمارہ ۱۴، جلد ۴، دسمبر ۱۹۹۳تا فروری ۱۹۹۴، ص ۴

۱۵۔ ایضاً، شمارہ ۵۰، دسمبر ۲۰۰۷تا فروری ۲۰۰۸، ص ۵

۱۶۔ ایضاً، جلد ۲، شمارہ ۵، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۱، ص ۵

۱۷۔ ایضاً، جلد ۲۰، شمارہ ۵۶، دسمبر تا مئی ۲۰۱۰، ص ۵

۱۸۔ راقم کے ساتھ ذاتی انٹرویو

۱۹۔ ایضاً، جلد ۲، شمارہ ۵، ستمبر تا نومبر ۱۹۹۱، ص ۶

۲۰۔ ایضاً، جلد ۳، شمارہ ۱۱، مارچ تا مئی ۱۹۹۳، ص ۱۸۶

۲۱۔ راقم کے ساتھ ذاتی انٹرویو

۲۲۔ ذہن جدید فورم' کا سمینار ''اردو ہندی کے تخلیقی رشتے'' مشمولہ ذہن جدید، دہلی، جلد ۱۶، شمارہ ۴۵، ستمبر تا نومبر ۲۰۰۶، ص ۲۰۰

۲۳۔ خبر نامہ، مشمولہ ایوان اردو، دہلی، اگست ۲۰۰۶، ص ۵۴

۲۴۔ 'ذہن جدید فورم' کا سمینار ''اردو ہندی کے تخلیقی رشتے'' مشمولہ ذہن جدید، دہلی، جلد ۱۶، شمارہ ۴۵، ستمبر تا نومبر ۲۰۰۶، ص ۲۱۸

۲۵۔ روزنامہ انقلاب، ممبئی، ۱۷مارچ ۲۰۰۸

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ ایضاً

۲۸۔ ذہن جدید فورم سمینار - اردو ادبی صحافت کے سو سال، مشمولہ ذہن جدید، جلد ۲۱، شمارہ ۵۸، ستمبر تا نومبر ۲۰۱۰، ص ۹

ماحصل

ادبی صحافت کے حوالے سے ایک عرصے سے رسالے اور مجلے نکلتے رہے ہیں، جنہوں نے ادب میں اپنی حیثیتیں قائم کی ہیں، ادب کے خد و خال متعین کیے ہیں، ادب میں نئے رجحان، نئی روش، نئے خیالات اور نئی تخلیقات پیش کرنے میں یہ رسالے اور مجلے ہمیشہ سے نمایاں رہے ہیں۔ رسالہ تہذیب الاخلاق، مخزن لاہور، رسالہ زمانہ، اردوئے معلیٰ، عصمت، معارف، نگار، ہمایوں، رسالہ جامعہ، نیرنگ خیال، ساقی، ادب لطیف، اور شب خون جیسے ادبی رجحان ساز رسالے ہیں جنہوں نے اردو زبان و ادب کی روش بدل دی۔

آج بھی اس حوالے سے رسائل مسلسل نکل رہے ہیں۔ سب کی اپنی اپنی خوبیاں ہیں، اپنی اپنی علیحدہ شناخت ہے۔ جملہ رسالوں کی فہرست میں "ذہنِ جدید" بھی شامل ہے۔ تاہم ذہن جدید کوئی عام رسالہ نہیں ہے بلکہ اس رسالے کے ذریعہ زبیر رضوی نے روایات کے برعکس جس طور کو اختیار کیا یا جس طرز کی بنیاد ڈالی وہ اپنے آپ میں جدید ترین اور رجحان ساز روایت تھی۔ ان کا کمال فن ہے کہ انھوں نے ادب و ثقافت کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ کو بھی ملحوظ نظر رکھا۔

ادبی صحافت کی بنیادی شرط خود ادبی صحافی (مدیر) کی علمی و ادبی حیثیت کا استحکام و اعتبار ہے۔ اگر مدیر کا ادبی ذوق، علمی معیار ادبی معاشرے کا پروردہ ہے، اس میں قوت و صلابت، پختگی اور لسانی و اسلوبیاتی رچاؤ، تخلیقی و تنقیدی بصیرت وادراک موجود ہے تو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ بر آ ہونے میں کامیاب ہوگا۔ معاصر مضمون نگار، ادیب، شاعر اور فن کار اسے اپنی تخلیقات بھیجنے میں عار محسوس نہ کریں گے، بصورت دگر وہ اپنے تکدر و تشویش میں حق بجانب ہوں گے۔

مندرجہ بالا تصریحات کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہم زبیر رضوی کی ادبی صحافت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کے یہاں ایسی صفات دکھائی دیتی ہیں جو معیاری ادبی صحافت کی ضامن ہوتی ہیں۔ زبیر رضوی کی ادبی صحافت کی صفات ہمارے تجسس کو دو آتشہ کرتی ہیں اور ان کے ادبی صحافت کے سفر کو جانچنے اور کھنگالنے پر آمادہ کرتی ہیں کہ ایا واقعی ہمارا یہ مشاہدہ یا ادراک ان کے کل سفر میں موجود ہے یا پھر کہیں کہیں ہی ان کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

"ذہن جدید" کا پہلا شمارہ ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ آخری شمارہ ستمبر تا نومبر ۲۰۱۵ء کو زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ مجلاتی وادبی صحافت میں یہ رسالہ پچیس برسوں تک تخلیقی و تنقیدی تحرک کی تحریری شہادتیں قارئین کی خدمت میں پیش کرتا رہا۔ تنقید، تحقیق، تخلیق،ڈرامہ، آرٹ،فنون لطیفہ، تبصرہ نگاری، مجسمہ سازی،موسیقی، رقص اور بین الاقوامی ادب کے مختلف گوشوں کو محیط یہ رسالہ اپنے تنوع اور وسعت کے سبب منفرد شناخت کا حامل رہا۔ جس طویل عرصہ میں اس رسالے کی اشاعت ہوتی رہی اسی عرصے میں ادب میں نظر و عمل کی سطح پر تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ جدیدیت کے بعد مابعد جدیدیت کا غلغلہ بلند ہوا،نو تاریخیت اور تانیثیت کے مباحث ادب میں داخل ہوئے۔ موضوع اور تکنیک کی سطح پر فن اور مواد کی توسیع و تنقیح کا عمل جاری رہا۔"ذہن جدید"تبدیلی کے اس عمل کا گواہ رہا ہے نیز اسے مہمیز کرنے میں عملاً پیش پیش رہا ہے۔

ادبی صحافت،عام صحافت/روز مرہ صحافت سے کئی معنوں میں مختلف ہوتی ہے۔وہ تخلیقی تحرک کا تحریری شناس نامہ ہوتی ہے۔ادب کی تعبیر و تنقید کا فریضہ انجام دیتی ہے،ادب کے نئے تجربوں اور ان کے امکانات کو دریافت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔وہ کلاسیک کی معنویت واہمیت کو اجاگر کرنے کی سعی کرتی ہے ذہن جدید نے یہ کام تو کیا ہی،ساتھ ہی ساتھ اس نے دیگر فنون لطیفہ آرٹ، کلچر،موسیقی،فلم اور مصوری وغیرہ کو پہلو بہ پہلو رکھ کر اپنی اہمیت وانفرادیت میں اضافہ کیا اور اس وصف نے ذہن جدید کو اپنے ہم عصر پرچوں میں زیادہ منفرد اور مقبول بنادیا۔

"ذہن جدید" کی اشاعت جس عہد میں شروع ہوئی۔اس عہد میں مہابیانیہ/کبیری بیانیہ کو توڑنے اور صغیر بیانیوں کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا جو کام ہوا اور ساخت کے بجائے ساخت شکنی کا جو عمل انجام پایا۔ بین المتونیت، نو تاریخیت اور پس نو آبادیاتی فکر و تانیثیت کے جو افکار ادب میں وارد ہوئے،ان سب کے تعلق سے

"ذہن جدید" نے ایک متوازن رویہ اختیار کیا۔ اس رسالے میں ترقی پسندی، جدیدیت ومابعد جدیدیت کے مباحث داخل ہوئے اور نیا زاویہ نظر پیدا کرنے میں کامیابی بھی ملی۔

۸۰ کی دہائی کے بعد اردو ادب میں تجرباتی ادب کا دور راہ پانے میں کامیاب ہوا۔ تجربہ کی نوعیتیں متعین ہونا شروع ہوئیں، نظم کی ہئیت متعین ہونے لگی۔ آزاد نظم سے نثری نظم تک کا سفر جو کسی حد تک روایتی طبقہ کو ناگوار معلوم ہوتا تھا وہ آگے بڑھا۔ جدیدیت نے فکشن بالخصوص افسانے میں جدت طرازی اور تجربے کی آزادی کا جو باب کھولا تھا اس کے بے محابا اور غیر ضروری استعمال نے افسانہ میں ترسیل کے مسئلہ کو جنم دیا تھا۔ تجریدیت کی رو نے افسانوی کردار کی دنیا میں اتھل پتھل مچا رکھی تھی لیکن اسی کے بعد وہ ہمہمہ جاتا رہا اور کہانی کا مستحکم اور قابل ترسیل روپ سامنے آیا اگرچہ یہ روپ کہانی کی طرف مراجعت کا وہ روپ نہیں تھا جسے ہم حقیقت پسند بیانیہ سے موسوم کرتے ہیں۔ اس میں اس تجربے کی روشنائی شامل ہوئی جو جدیدیت کی پیدا کردہ تھی۔

ذہن جدید نے اپنے آغاز سے ہی تنقیدی مباحث کو اہمیت دی۔ ترقی پسندی اور جدیدیت کے ادبی سروکاروں کے ساتھ مابعد جدیدیت، ساختیات پس ساختیات وغیرہ کی بحثیں اس رسالہ کا حصہ بنیں۔ رد تشکیل (Deconstruction) کے نظریے پر بھی اس رسالے میں گفتگو کی گئی۔ اردو دنیا میں انیسویں صدی کے اواخر میں فکشن بنام شاعری کے مباحث بھی زور شور سے اٹھائے گئے اور ایک صنف کی دوسری صنف پر برتری کا مسئلہ بطور تنقیدی سوال کے قائم کیا گیا۔ ذہن جدید نے فکشن کے مباحث اور تجزیہ کو ترجیحی بنیادوں پر اپنے پرچے میں جگہ دی۔ فکشن کے نظری مباحث کے ساتھ ساتھ مختلف افسانوں کے متون اور ان کے تجزیے اس رسالے میں شائع ہوئے۔ ادبی صحافت اور تنقید دونوں میں یہ تنقیدی رویہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ذہن جدید نے جس کثرت سے فکشن پر مضامین شائع کیے، دوسرے پرچوں نے نہیں شائع کیے۔ ایک زمانے تک تو فکشن کی تنقید نے ادبی صحافت میں خاطر خواہ جگہ ہی نہیں پائی تھی، صرف شاعری پر زیادہ تنقیدیں شائع ہوتیں اور فکشن پر اگر مضامین شائع بھی ہوتے تو وہ کہانی کی تلخیص اور کردار و پلاٹ کی سرسری گفتگو تک محدود ہوتے۔ ذہن جدید نے فکشن کو ترجیحی صنف کے طور پر شائع کیا اور اس پر ایک فکر انگیز مکالمہ قائم کیا۔ اگرچہ اس سمت میں بعد میں آصف فرخی وغیرہ نے بھی توجہ کی اور شمس الرحمان فاروقی کی افسانے کی حمایت کا سلسلہ شب خون میں جاری ہی تھا۔ ذہن جدید نے یہ کیا کہ افسانے کی صنف کے یک طرفہ تقابل کے سامنے ایک صحت مند بحث کو شائع کیا۔

تخلیقی مشمولات میں ذہن جدید نے بیش از بیش نئے تخلیق کاروں کی تخلیقات کو شائع کیا، ساتھ ہی نظم اور افسانے کے اساطین کو بھی بڑی توجہ سے چھاپا۔ نوواردوں کو ایک پلیٹ فارم دیا اور اس میں نظم گو، غزل گو، افسانہ نگار اور مضمون نگار سبھی شامل ہوئے۔ اس رسالے میں ایسی نظمیں شائع ہوئیں جو نئی تخلیقیت کی آئینہ دار ہیں اور اجتماعی سائیکی کے انسانی ذات اور کائنات کو اپنے دائرۂ خیال میں شامل کرتی ہیں۔

''ذہن جدید'' نے تخلیقی ادب کے ضمن میں نظم کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا۔ شروع کے شماروں میں ذہن جدید نے ہم عصر شاعروں کی نظمیں شائع کیں۔ بعد کے شمارے ایسے بھی آئے کہ جس میں جدید نظم کے ابتدائی شاعروں کا کلام شائع ہوا۔ 'ذہن جدید' میں نظموں کا خانہ حد درجہ وسیع ہے۔ ذہن جدید نے اپنے مشمولات میں نووارد اور پختہ کار لکھنے والوں کو ساتھ ساتھ جگہ دی، ساتھ ہی ساتھ نسائی شاعری کے بڑے حصے کو بھی شائع کیا۔ جدیدیت کے اٹھ جانے کے بعد مابعد جدید عہد میں نظم کا نیا طور اور زیادہ مستحکم ہو گیا۔ اس کے موضوعات میں تنوع اور نیرنگی پیدا ہوئی۔ جدید عہد میں نثری نظم اگرچہ رائج ہو چلی تھی لیکن نقادوں وادیبوں کے تاملات باقی تھے، ان تاملات کے ساتھ نثری نظم کے شاعر اپنی تخلیقی سرگرمی جاری رکھے ہوئے تھے۔ مابعد جدید عہد میں یہ صورت حال بدلی اور آہنگ سے آزاد بلا تامل شائع ہونے لگی۔ افضال سید، ذیشان ساحل، عذرا عباس، احمد ہمیش، افتخار جالب، انیس ناگی زاہد ڈار، تنویر انجم، عین رشید، عتیق اللہ، فضل تابش، فاروق نازکی، خلیل مامون، فیاض رفعت اور سلیم شہزاد وغیرہ نے اس صنف کو دوام بخشا۔ 'ذہن جدید' نے جدید نظم کی اس طویل روایت کو عام کرنے اور پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ذہن جدید نے غزل کے نمائندہ شاعروں کے کلام کو اپنے مشمولات میں شامل کرنے کا خاص اہتمام کیا۔ اس نے نئی غزل کے اساتذہ کو شامل اشاعت کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے نئے شاعروں کو بھی جگہ دی جن کے کلام میں تازگی اور نئے پن کی خوب بو پائی جاتی ہے۔

جدید اردو نظم میں حلقۂ اربابِ ذوق کے شعرا کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اس حلقے کے شاعروں نے جدید نظم کو قائم کرنے اور پروان چڑھانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ حلقے سے پہلے اردو نظم کی ایک روایت وجود میں آچکی تھی اور غزل، ومثنوی کے علاوہ پابند نظم اور نظم معریٰ کا ایک طور رواج پا چکا تھا لیکن نظم کی آزاد شکل کو بعد میں رواج ملا۔ حلقے نے شاعری کی تفہیمِ غزل کی شعریات کے متوازی نظم کی شعریات کو متعارف کرایا اور نظم کی قرأت کے اصول بنائے۔ جدید نظم کے شاعروں اور حلقۂ ارباب ذوق کے نمائندہ شاعروں نے جو تخلیقات اردو ادب کو دیں، ذہن جدید نے اس کے جامع انتخاب کو شائع کرکے نظم کی روایت میں خراج تحسین پیش کیا۔ اس انتخاب میں ن م

راشد، میراجی، یوسف ظفر، قیوم نظر، ضیا جالندھری، عزیز حامدنی، مختار صدیقی، جیلانی کامران وغیرہ کی نظمیں شائع کی گئیں۔

افسانے اپنے تخلیقی مزاج میں ترقی پسند اور جدید افسانے سے اس لحاظ سے مختلف ہیں کہ یہ نہ تو نری تبلیغ کرتے ہیں اور نہ ہی تجربہ پسندی کا ناقابل فہم نمونہ ہیں۔ ذہن جدید میں شائع ہونے والی غزلیں اپنے کم و کیف میں ایک دوسرے کے متفاوت ہیں۔ ان غزلیات میں شعر برائے شعر کے وصف والی غزلیں بھی ہیں اور ایسی غزلیں بھی کثیر مقدار موجود ہیں جو فنی رچاؤ کی تازگی کے وصف سے ثروت مند ہیں۔

ذہن جدید" نے ہم عصر تھیٹر پر بھی توجہ صرف کی۔ اس نے صرف اردو تھیٹر تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ ہندستان کے علاقائی تھیٹر تک اپنے دائرے کو وسعت دی۔ بیسویں صدی میں پارسی تھیٹر کے بعد جن دو تھیٹر گروپ نے سب سے زیادہ تحرک اور اختراع کا ثبوت دیا وہ اپٹا اور پرتھوی تھیٹر ہیں۔ اپٹا ترقی پسند تحریک کی ایک ثقافتی شاخ کی شکل میں ظہور میں آیا جس نے عوام سے رابطے کی سبیل پیدا کرنے اور اسٹیج کے ذریعے ترقی پسند نظریے کی نمائندگی کرنے کا کام کیا۔ اپٹا کا وجود اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس نے ہندستان میں موجود اسٹیج کی مقامی شکلوں کو اپنا کر انھیں وسیع قومی سیاق میں استعمال کرنے کی کوشش کی۔ جس زمانے میں ذہن جدید شائع ہوتا رہا اس وقت تھیٹر کی جو صورت حال تھی اور اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے تھیٹر کی جو سرگرمیاں تھیں؛ زبیر رضوی نے ان سرگرمیوں سے اپنے قاری کو روشناس کراتے رہے، اس طرح ہم عصر تھیٹر کی صورت حال بھی ذہن جدید میں محفوظ ہو گئی۔

ہندستانی فلم کے آغاز سے پہلے تفریح کے میڈیم پر تھیٹر کی حکمرانی تھی۔ وہاں مقبول عام قصے اور رزمیے بطور استعمال میں لائے جاتے تھے۔ عوام کے مذاق کا خاص رکھا جاتا تھا۔ پارسی تھیٹر نے بمبئی، شمالی ہند کے شائقین کے اسی خطے کے ڈراما نگاروں سے ڈرامے لکھوائے جو اس وقت تو عام بول چال کی اردو میں تھے لیکن فی زمانہ اچھی خاصی مشکل زبان کے سمجھے جائیں گے۔ پارسی تھیٹر نے شائقین کی ایک بڑی تعداد تیار کر دی تھی۔ پیسہ دے کر تفریحی کھیل دیکھنے کی بنا ڈال دی تھی۔ ہندستان میں جب سنیما آیا تو تجارتی بنیاد لے کر آیا۔ اداکاری اور زبان وغیرہ کا مقبول عام پیٹرن تھیٹر تھا جو اس نے اخذ کر لیا۔ اسٹیج کے فنکار، لکھنے والے، گانے والے سب فلموں کا رخ کرنے لگے، اس طرح پارسی تھیٹر کے رواج کردہ مذاق پر فلمیں بننے لگیں۔ ہندستانی سنیما کا مطالعہ کرتے وقت اس پس

منظر کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس رسالے میں لکھنے والوں نے جب ہندستانی سنیما کا مطالعہ ہالی ووڈ بنام بالی ووڈ کے زاویے سے کیا تو اس پس منظر کو ذہن میں نہیں رکھا۔ ”ہالی ووڈ بمقابل بالی ووڈ“ نامی سلسلہ مضامین میں یہ صورت ہمیں دیکھنے کو ملتی ہے۔

زبان کے علاوہ اظہار کے طریقوں میں مصوری کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مصوری اظہار کا قدیم ترین ذریعہ اظہار ہے۔ کینوس پر کلچر اور زندگی کو اتارنے کی یہ روایت ہندستان میں بہت قدیم ہے۔ اس سرزمین پر قدیم زمانے سے ہی مصوری کے ماہرین پیدا ہوتے رہے ہیں۔ تصویر اور مجسمہ سازی کے قدیم آثار بتاتے ہیں کہ ہندستان عہد قدیم میں اپنی ہم عصر اقلیموں میں احساس اور رنگ و تصویر کے میدان میں ترقی یافتہ ملک تھا۔ ”ذہن جدید“ نے مصوری کے فن اور اس کے عالمی و ہندوستانی فنکاروں کو متعارف کرانے کا کام کیا۔ رسالے کے پہلے شمارے ہی سے اس ضمن میں کوشش ملتی ہے۔

صحافت کے میدان میں کارٹون کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کارٹون اپنے عہد کی صورت حال کا طنزیہ و مزاحیہ اظہار ہوتے ہیں، ان سے سماجی صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے۔ روز مرہ کے مسائل، سیاست اور معیشت کی دشواریاں، اقتدار کی کشاکش، بد دیانتی، اہل اقتدار کی عیش پسندی، ان کی پالیسیوں کی وجہ سے عوام کی آزمائش وغیرہ کو کارٹونوں کے ذریعہ مؤثر انداز سے ظاہر کیا جاتا رہا ہے۔ ہمارے عہد کے انگریزی اخبارات میں بالخصوص اس کا بہت اہتمام ملتا ہے۔

ذہن جدید کے اداریوں میں بھی دیگر مشمولات کی طرح تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔ ذہنِ جدید ایک ادبی رسالہ ہے تاہم اس نے اس رویے کو ادبی پیرائے میں بیان کر کے اپنی سماجی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش بخوبی سر انجام دی ہیں۔ ادبی دنیا میں ہونے والی معرکہ آرائیوں، انعام و اکرام حاصل کرنے کے لیے ہونے والی سرگرمیوں پر زبیر رضوی نے بہت کھل کر اپنے اداریوں میں لکھا ہے۔ ملکی اور عالمی سطح پر منعقد ہونے والی ادبی اور ثقافتی سرگرمیاں بھی رسالے کے اداریوں کا موضوع رہی ہیں۔ اس کے علاوہ حکومتی سطح پر منعقد ہونے والی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ بھی ذہن جدید نے اپنے اداریوں میں کیا ہے۔ ان سرگرمیوں میں اردو زبان و ادب سے تعلق رکھنے والے ادبا و شعرا کی شمولیت اور عدم شمولیت پر بھی رسالے نے گہری نگاہ رکھی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان سرگرمیوں میں شامل ہونے کے لیے ہونے والی سیاست پر بھی تیکھی نگاہ ہوتی ہے۔ ان ساری باتوں کو زبیر رضوی

نے اپنے اداریوں میں بڑی بے باکی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ جب عالمی ادب کی بات کی جاتی ہے تو عالمی ادب کے منظر نامے پر ہمارے ادیبوں یا ایشیائی ادیبوں کی عدم موجودگی اور کم مائگی وکم آگہی کو بھی زبیر رضوی نے اداریوں کا موضوع بنایا ہے۔ ادب میں یورپ کی اندھی پیروی، نئے نئے خیالات، رجحانات اور رویوں کے لیے یورپ کی طرف دیکھنا اور ان کے نقطوں سے اپنا ادب چمکانا یا ان کے یہاں سے روشنی لینے کے رویے پر سخت نکیر بھی اداریوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ الغرض یہ کہ یہاں بحث ومباحثے محض ادب تک محدود نہیں رہے بلکہ زبیر رضوی نے عصری مسائل کے ساتھ ساتھ ملکی وبیرون ملک کی سیاسی وسماجی صورتحال نیز ادبی دنیا میں وقوع پذیر سیاست اور ان کے منفی اثرات کی طرف بھی اپنے اداریوں میں واضح اشارہ دیا۔ اس کے علاوہ نئے قارئین اور لکھنے والے نئے اذہان بھی ان کے اداریوں کا حصہ بنے۔ نئے اذہان کی پرورش وپرداخت کیوں اور کیسے ممکن ہو ان تمام سوالات پر زبیر رضوی نے جابجا اپنے اداریوں میں قلم اٹھایا۔

رسالہ ذہن جدید، ذہن جدید فورم کا ترجمان تھا جسے زبیر رضوی نے کشمیر سے دہلی واپسی پر ۱۹۸۸ میں قائم کیا، اس فورم کا مقصد ادب کے فروغ کے ساتھ ساتھ اردو کے قارئین کو فنون لطیفہ کی جملہ اصناف سے مانوس کرانا تھا۔ نیز ادیبوں اور فن کاروں کے مابین ربط اور تعلقات کو بھی اس فورم نے اپنے بنیادی مقاصد میں شامل کیا۔ ذہن جدید اردو کا پہلا ایسا رسالہ ہے جس نے یک روزہ سمینار منعقد کرانے کی طرح ڈالی، یہ سمینار ذہن جدید فورم کے بینر تلے منعقد کرائے گئے۔ بعد ازاں ان سمیناروں میں پڑھے گئے مقالات کو رسالہ ذہن جدید میں شائع کیا گیا۔ ان سمیناروں میں ایسے عصری مسائل کو موضوع بنایا گیا جو عموماً اردو ادبی رسائل کے صفحات پر جگہ نہ ملنے کے باعث زیر بحث آنے سے رہ جاتے ہیں۔ ذہن جدید فورم نے اردو، ہندی کے تخلیقی رشتے، ادب، تصادم اور ہمسائیگی ، سو برسوں پر محیط اردو کی ادبی صحافت اور گزشتہ نصف صدی کی نظم اور افسانے جیسے موضوعات پر سمینار منعقد کرائے۔

اس فورم کے ذریعہ کئی ایسے پروگرام منعقد کرائے گئے جو اب تک سمیناروں کا موضوع نہیں بنے تھے۔ ذہن جدید فورم نے ہندی اردو کے تخلیقی رشتے پر اس وقت ایک سمینار منعقد کرایا جب گیان چند کی کتاب 'ایک بھاشا دو لکھاوٹ' کے عنوان سے منظر عام پر آئی، اور اس کتاب کے ذریعہ گیان چند جین نے اپنی اردو دشمنی کا واضح ثبوت پیش کیا۔ اس سمینار کے ذریعہ اس موضوع پر ادبیات اردو اور ہندی کے مشاہیر کو دعوت دی گئی، یہ سمینار کامیابی کے ساتھ اختتام کو پہونچا، جس کے ذریعہ اس پیغام کو پہونچانے کی کوشش کی گئی کہ اردو کی اسکرپٹ ہی

دراصل اردو کا وجود ہے اور اس طرح کی کتابوں سے نہ ہی اردو اسکرپٹ پر کوئی آنچ آئے گی اور نہ ہی اردو زبان کا وقار مجروح ہو گا۔

مجموعی طور پر "ذہن جدید" کے مشمولات بتاتے ہیں کہ اس نے ادب کی غالب اصناف بالخصوص جدید اصناف کو ترجیحی بنیادوں پر شائع کیا۔ نظم اور افسانے بڑی تعداد میں ذہن جدید میں شائع ہوئے، اسی طرح غزلیں بھی اس رسالے کی نگارشات کا حصہ بنیں۔ اس کے دو فائدے سامنے آے؛ایک تو معیاری تخلیقات سامنے آئیں اور دوسرے یہ کہ جینوئن لکھنے والوں کو ایک میدان مل گیا۔ وہ ادبی دنیا سے متعارف ہو گئے۔ ان ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات میں آگہی کا نیا منظر نامہ مرتب ہوا۔ جدید اور مابعد جدید عہد کی دنیا اور اس کا آشوب کھل کر سامنے آیا۔ ادب کو پڑھنے اور مختلف زاویوں سے اسے پرکھنے کا پیمانہ وضع ہوا۔ ذہن جدید کا منفرد پہلو اس میں فنون لطیفہ کی شمولیت ہے۔ اس پرچے کی یہ اہم خصوصیت ہے کہ اس نے اظہار کے لفظی میڈیم کے ساتھ دوسرے میڈیم کو بھی اہمیت دی۔ رقص، موسیقی، مصوری اور گلوکاری کے اظہاری اسالیب کو ذہن جدید نے تخلیقی سیاق میں دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی۔ اس طرح تخلیق کی دنیا میں ان اسالیب کو ادب کے ساتھ شامل کر کے ایک بڑے طبقے کو ان تخلیقی اسالیب سے روشناس کرانے کا کام کیا۔ ان تنوعات اور وسعتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذہن جدید نے ادبی صحافت کی عام روش سے انحراف کر کے اس روایت میں جدت اور ندرت پیدا کی۔ اس طرح یہ رسالہ اپنے ماسبق اور ہم عصر رسالوں کے درمیان ممتاز اور منفرد مقام بنانے میں کامیاب رہا۔ اردو کی ادبی صحافت کی تاریخ میں جب ہم ذہن جدید کے مقام و مرتبے کو جانچنے اور پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بیسیویں صدی کے آخری عشرے سے لے کر اکیسوں صدی کے ڈیڑھ عشروں تک ذہن جدید نے اپنی انفرادی شان کو باقی رکھا اور اس مدت کے ادبی تحرک کو سامنے لانے کی کامیاب کوشش کی۔

وقاص محمود

ہندوستانی زبانوں کا مرکز

جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

کتابیات

احمد نسیم سندیلوی۔ خبر نگاری۔ ۱۹۹۲۔ اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان

اسلم پرویز (ترتیب و تزئین)۔ متاع سخن (زبیر رضوی کے ادبی سفر کا جائزہ)۔ ۲۰۰۹۔ دہلی۔ مرکزی پرنٹرس

اطہر مسعود خاں۔ اشاریہ نیا دور۔ ۲۰۱۰۔ رامپور۔ رامپور رضا لائبریری

امام اعظم۔ اکیسویں صدی میں اردو صحافت۔ ۲۰۱۶۔ دہلی۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

امداد صابری۔ تاریخ صحافت اردو۔ جلد اول۔ دہلی۔ چوڑی والان۔ جدید پرنٹنگ پریس

امداد صابری۔ تاریخ صحافت اردو۔ جلد دوم۔ دہلی۔ چوڑی والان۔ جدید پرنٹنگ پریس

امداد صابری۔ تاریخ صحافت اردو۔ جلد پنجم۔ دہلی۔ چوڑی والان۔ جدید پرنٹنگ پریس

انوار احمد۔ اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ۔ پاکستان۔ مقتدرہ قومی زبان

انور دہلوی۔ مرتبہ اردو صحافت۔ دہلی۔ اردو اکادمی

انیس احمد صدیقی۔ کرناٹک میں اردو صحافت۔ ۲۰۰۰۔ کرناٹک۔ گلبرگہ۔ بلال آباد۔ افلاک پبلی کیشنز

ای فرینک کینڈلن۔ ٹیچ یور سیلف بکس۔ اڈیشن ۳۔ ۱۹۶۶۔ انگلش یونیورسٹیز پریس

جمیل اختر۔ اشاریہ ماہنامہ آجکل۔ نئی دہلی

جی کے پُری۔ جرنلزم۔ ۲۰۱۴۔ دہلی۔ آئی آئی ایم ایس پبلیکیشنز

حمید نسیم۔ پانچ جدید شاعر۔ ۲۰۱۲۔ نئی دہلی۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

خالد محمود۔ سرورالہدی۔ اردو صحافت: ماضی اور حال۔ ۲۰۱۲۔ نئی دہلی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ

رام بابو سکسینہ۔ تاریخ ادب اردو۔ ۱۹۵۲۔ لکھنؤ۔ راجہ رام کمار پریس

روشن آرا راؤ۔ مجلاتی صحافت کے ادارتی مسائل۔ ۱۹۸۹۔ پاکستان۔ اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان

زبیر رضوی، اردو فنون اور ادب۔ ۲۰۰۴۔ دہلی۔ جامع مسجد۔ جے کے آفسیٹ

زبیر رضوی۔ گردش پا۔ ۲۰۰۰۔ نئی دہلی۔ پیش کش ذہن جدید

زبیر رضوی۔ مسافت شب۔ ۱۹۷۷۔ دہلی۔ انجمن ترقی اردو ہند

سریندر پرکاش۔ بازگوئی۔ ۱۹۸۸۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

سید احمد قادری۔ بہار میں اردو صحافت۔ بہار، گیا۔ نیو کریم گنج۔ مکتبہ غوثیہ

سید اقبال قادری۔ رہبر اخبار نویسی۔ ۱۹۸۹۔ نئی دہلی۔ ترقی اردو بیورو

شریف الدین۔ اردو صحافت اور حسرت موہانی۔ ۲۰۰۵۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

شعیب رضا وارثی۔ آزادی کے بعد دہلی میں اردو کے ادبی رسائل کا تنقیدی جائزہ۔ ۱۹۹۷۔ نئی دہلی۔ افراح کمپیوٹر سینٹر

شمس الرحمن فاروقی،۔ افسانے کی حمایت میں۔ ۲۰۰۶۔ دہلی۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ

شمس الرحمان فاروقی۔ تنقیدی افکار۔ نئی دہلی۔ ۲۰۰۴۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

شمیم حنفی۔ آجکل اور ادب کے پچاس سال۔ دہلی۔ پبلی کیشنز ڈویژن

ضمیر علی بدایونی۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت (ایک ادبی اور فلسفیانہ مخاطبہ)۔ ۱۹۹۹۔ کراچی۔ اختر مطبوعات

عبد الحی۔ زبیر رضوی شخصیت اور خدمات۔ ۲۰۲۱۔ دہلی۔ کریٹو اسٹار پبلی کیشنز

فراق گورکھپوری۔ حاشیے۔ الہ آباد۔ سنگم پبلشنگ ہاؤس

کیول جے کمار۔ ماس کمیونیکیشن ان انڈیا۔ ۲۰۰۹۔ ممبئی۔ جئے کو پبلشنگ ہاؤس

کے پی نارائن۔ سمیاون کلا۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۷۲

گوپی چند نارنگ۔ اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ۔ ۱۹۸۸۔ دہلی۔ اردو اکادمی

مبادیات صحافت۔ ڈاکٹر جاوید حیات۔ ۱۹۹۵۔ بہار، گلزار باغ۔ مکتبہ آزاد

محمد افتخار کھوکھر۔ تاریخ صحافت۔ اسلام آباد۔ مقتدرہ قومی زبان

محمد شاہد حسین۔ ابلاغیات۔ ۲۰۰۳۔ دہلی۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

محمد عتیق صدیقی۔ ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں۔ ۱۹۵۷۔ علی گڑھ۔ انجمن ترقی اردو ہند

مہتاب امروہی۔ زبیر رضوی۔ شخصیات سیریز 4۔ لکھنؤ۔ اتر پردیش اردو اکادمی

نادر خان۔ اردو صحافت کی تاریخ۔ ۱۹۸۷۔ علی گڑھ۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس

ہمایوں اشرف۔ اردو صحافت مسائل اور امکانات۔ ۲۰۰۶۔ دہلی۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

رسائل:

ایوان اردو، دہلی، اگست ۲۰۰۶، ص ۵۴

آجکل۔ ۱۹۷۱۔ جون۔ نئی دہلی۔ پٹیالہ ہاؤس۔ پبلیکیشنز ڈویزن

حرف آغاز۔ شعر و حکمت۔ ۱۹۸۷۔ کتاب 1

دل گداز۔ دسمبر۔ ۱۹۰۸

سہ ماہی ’لمحے لمحے‘ بدایوں، اکتوبر ۱۹۸۴ تا جون ۱۹۸۵

شب خون، پہلا شمارہ، اداریہ سید اعجاز حسین، جون ۱۹۶۶

کتاب نما۔ جنوری۔ ۱۹۶۴۔ نئی دہلی۔ جامعہ نگر۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

کتاب نما، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی جون ۱۹۹۱

نوائے ادب انجمن اسلام، بمبئی جنوری ۱۹۵۰

اخبارات:

روزنامہ انقلاب، ممبئی، ۱۷مارچ ۲۰۰۸

فضیل جعفری،۔ ہفتہ وار ”اردو بلٹنز“۔ ۱۱۳ اکتوبر ۱۹۹۰۔ ممبئی

انٹرویو:

جمشید جہاں (مدیر رسالہ 'ذہن جدید' و اہلیہ زبیر رضوی) کے ساتھ راقم کا ذاتی انٹرویو

سید کامران رضوی ایڈوکیٹ (پسر زبیر رضوی) کے ساتھ راقم کا ذاتی انٹرویو

ویب سائٹس:

انٹرویو۔ شمس الرحمن فاروقی۔ بحوالہ ویب سائٹ۔ شمس الرحمن فاروقی ڈاٹ کام

ADABI SAHAFAT AUR “ZEHN E JADID” : EK TANQUIDI MUTALA

(LITERARY JOURNALISM AND “ZEHN E JADID” : A CRITICAL STUDY)

Thesis Submitted to the Jawaharlal Nehru University in partial fulfilment of the requirements for the award of the degree of

DOCTOR OF PHILOSOPHY

Submitted by

Waqqas Mahmood

Under the Supervision of

Prof. Moinuddin A. Jinabade

Centre for Indian Languages
School of Language, Literature and Culture Studies
Jawaharlal Nehru University
New Delhi-110067
2022